وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (الانبیا)

"اور جس قوم کو ہم نے ایک دفعہ ہلاک کر دیا اُس کا پھر اُبھرنا محال ہے"

تذکرہ

الغرض یہ تو ایک عبرت ہے سو جو چاہے اس سے عبرت پکڑے

حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ (الانبیاء)

"اور جس قوم کو ہم نے ایک دفعہ ہلاک کر دیا اُس کا پھر اُبھرنا محال ہے"

تذکرہ

گوہر

ہرگز نہیں یہ تو ایک عبرت ہے سو جو چاہے اس سے عبرت پکڑ لے

جس میں مسلمانانِ عالم کو اُن کی اجتماعی موت و حیات کے متعلق پیغامِ اخیر دیا گیا ہے

جلد دوم

مقدمہ کتاب ماہیت ایمان و حکمت عبادات وغیرہ

لِلْمُفْتَقِرِ اِلَی اللّٰہِ الرَّحْمٰن

حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی رحمۃ اللہ علیہ

DATA ENTERED

ناشر

التذکرہ پبلیکیشنز

المشرقی ہاؤس ۴۳ ذیلدار روڈ، اچھرہ لاہور

فون نمبرز: ۷۱۱۲۲۸ ☆ ۷۱۵۱۱۶ ۔ ۰۴۲ ○ فیکس: ۷۵۸۷۳۹۴

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

تمام حقوق تصنیف و طبع و ترجمہ حسب ضابطہ پبلشر محفوظ ہیں

کتاب	----------	تذکرہ ---(جلد دوم)
حصہ (جلد دوم)	----------	مقدمہ کتاب ماہیت ایمان و حکمت عبادات وغیرہ
مصنف	----------	حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی
مطبوعہ (پہلی بار)	----------	مارچ 1924ء شعبان 1342ھ
		(یکے بعد دیگر 11 ایڈیشن شائع ہوئے)
مطبوعہ (بارہویں بار)	----------	مارچ 1980ء ربیع الثانی 1400ھ
طباعت (موجودہ)	----------	31 مئی 1997ء
پبلشر	----------	خاکسار حمید الدین احمد ابن علامہ مشرقی
		(مینیجنگ ڈائریکٹر التذکرہ پبلیکیشنز)
مطبع	----------	رفاعی پرنٹرز --- لاہور
ڈسٹری بیوٹرز	----------	التذکرہ پبلیکیشنز' 34- ذیلدار روڈ ○ اچھرہ- لاہور
کتبہ	----------	محمد یوسف دہلوی ابن مولوی محمد دین مرحوم
ٹائٹل	----------	خورشید عالم گوہر قلم
کمپوزنگ	----------	حاجی ثناء اللہ قصوری طیبہ کمپوزنگ سنٹر اچھرہ' لاہور
ترتیب و تزئین (سابقہ)	----------	وحید الدین اکبر المشرقی' ظہیر الدین اظہر المشرقی
سائز	----------	20x26/8
ضخامت	----------	312 صفحات
ہدیہ	----------	300 روپے فی جلد

ناشر

التذکرہ پبلیکیشنز المشرقی ہاؤس، ۳۴ ذیلدار روڈ، اچھرہ لاہور

Marfat.com

ترتیب

تذکرہ (جلد دوم)۔۔۔۔۔۔ مصنف: حضرت علامہ مشرقی

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1	ازٹائٹل	1
2	پرنٹ لائن	2
3	ترتیب... تذکرہ (جلد دوم)	3
4	عشق کا انتخاب دیکھ کوشش رائیگاں نہ دیکھ	4
5	حیات حضرت علامہ مشرقی... ایک نظر میں مع تصویر	5-8
6	تمہید... حمید الدین المشرقی	9-10
7	تبصرہ تصانیف حضرت علامہ مشرقی	11-16
8	فہرست مضامین تذکرہ (جلد دوم)	17-22
9	فہرست آیات تذکرہ (جلد دوم)	23-30
10	ٹائٹل... تذکرہ (مقدمہ کتاب ماہیت ایمان وغیرہ	31
11	تہدیہ بحضور خدائے عزوجل	32
11	پیش لفظ	33
12	پیغام بیگم سعیدہ علامہ مشرقی	34
13	مقدمہ... تذکرہ جلد دوم (272 صفحات)	35-306
14	فہرست و تعارف تصانیف مشرقی	307-312

Marfat.com

عشق کا انتخاب دیکھ کوشش رائیگاں نہ دیکھ

☆ حضرت علامہ مشرقیؒ اس پختہ عزم اور عقیدے کے ساتھ عمر بھر جدوجہد کرتے رہے کہ اگر ہم مسلمان ہیں تو پھر غلامی ہمارا مقدر نہیں ہو سکتی۔

☆ مسلمانوں کی آزادی اور سربلندی حضرت علامہ مشرقیؒ مرحوم کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا۔

☆ حضرت علامہ مشرقیؒ خلوص کے پیکر جرات رندانہ کے مالک بلند ہمت اور عزم و استقلال کی ایک مضبوط چٹان تھے۔ آپ نے اپنے نصب العین کی تکمیل کے لئے برطانوی سامراج سے ٹکر لی اور اپنے وقت کی اس جابر ترین سلطنت کو بتایا کہ جب مسلمان اپنی بات پر اڑ جاتا ہے تو وہ پہاڑوں کے دل دہلا اور سمندروں کے سینے چیر دیتا ہے۔

☆ ہماری نگاہ ان مقاصد پر ہونی چاہئے جو شہرہ آفاق انسان لے کر اٹھا تھا اور اس کی اس تحریک پر ہونی چاہئے جس نے قوم سے ایک پیسہ وصول کئے بغیر خدا اور اس کے دین پر کٹ مرنے والے ہزاروں دیوانے اور سرفروش پیدا کئے۔

☆ ہماری قومی زندگی حضرت علامہ مشرقیؒ کی وفات کے بعد ایک بہت بڑے خلا سے دو چار ہے اور کوئی موجود نہیں جو اسے پر کر سکے۔

☆ مورخ نے جب پچھلی نصف صدی کے واقعات پر قلم اٹھایا تو وہ حضرت علامہ مشرقیؒ کی تنظیمی صلاحیتوں کو اور خاکسار نوجوانوں کی سرفروشانہ جراتوں کو خراج تحسین ادا کئے بغیر آگے نہیں بڑھے گا۔

☆ حضرت علامہ مشرقیؒ نے بتایا کہ حقائق کو کس طرح بے باکانہ اور تلوار کی دھار پر پیش کرنا پڑتا ہے۔

☆ ضروری نہیں کہ ہر تحریک کو کامیابی نصیب ہو۔ کامیابی بسا اوقات ناکارہ انسانوں کو بھی ملت کا سرتاج بنا دیتی ہے اور وہ کرگس ہو کر بھی ضیغم کہلانے لگتے ہیں۔

☆ حضرت علامہ مشرقیؒ بے نظیر تنظیمی قابلیت کے انسان تھے قدرت نے اپنی گوناگوں صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو آج مسلمانوں کی سیاست ملی کا نقشہ ہی اور ہوتا۔

تیری نظر کے سامنے ہے چاند بھی چکور بھی
عشق کا انتخاب دیکھ کوشش رائیگاں نہ دیکھ

حیات حضرت علامہ المشرقیؒ۔ ایک نظر میں

۲۵ اگست ۱۸۸۸ء حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ بمقام امرتسر پیدا ہوئے ○ ۱۹۰۷ء اٹھارہ برس کی عمر میں پنجاب یونیورسٹی سے 'ایم اے (ریاضی) کا امتحان پاس کیا اور ایک نیا ریکارڈ قائم کیا ○ ۱۲-۱۹۰۶ء کیمبرج یونیورسٹی میں قیام اور میدان علم میں امتیازی مقام' تین ٹرائی پوز کے چھ سالہ کورس دو سال میں پاس کئے' اور تمام سابقہ ریکارڈ توڑ دیئے۔ ۳۵۰ پونڈ کا وظیفہ حاصل کیا۔ ۱۹۱۷ء میں پرنسپل اسلامیہ کالج پشاور اور پھر جلد ہی سیکرٹری گورنمنٹ آف انڈیا کا منصب ○ ۱۹۲۴ء تذکرہ کی تصنیف' ۱۹۲۶ء میں نوبل

پرائز کی پیشکش کی گئی ○ ۱۹۲۶ء موتمر خلافت قاہرہ (مصر) میں شرکت۔ انگریز کی کسی محکوم مسلمان بادشاہ کو کٹھ پتلی خلیفہ بنانے کی سازش حضرت علامہ مشرقیؒ نے ناکام بنا دی۔ اور اسلامیان عالم کو روحانیت انگیز پیغام اور ولولہ انگیز پروگرام پیش کیا۔ جو کہ خطاب مصر کے نام سے مشہور ہے۔

○ دورۂ یورپ' مشہور سائنسدان آئن سٹائن سے ملاقات میں مسئلہ تسخیر کائنات قرآنی نکتہ نگاہ سے پیش کیا ☆ ہٹلر سے قوموں کے عروج و زوال پر تبادلہ خیالات ○ ۱۹۳۱ء برصغیر پاکستان و بھارت میں خاکسار تحریک کی بنیاد موضع پانڈو کی میں رکھی۔ اور پہلے جیش کی کمان انہوں نے خود کی ○ ۱۹۳۴ء تین سال کے عرصہ میں برصغیر میں خاکسار تحریک کی بے پناہ مقبولیت اور لاکھوں انسانوں کی خیبر سے لے کر راس کماری تک آزادی وطن کے لیے تحریک میں شمولیت ○ ۲۴ نومبر ۱۹۳۴ء خاکسار تحریک کے آرگن ہفت روزہ "الاصلاح" کا اجراء۔ ۱۹۳۶ء حکومت پنجاب و سرحد کو تین مطالبات پیش کئے (۱) اسلامی بیت المال کا قیام (۲) ریڈیو سٹیشن کا قیام (۳) اوقاف ○ ۱۹۳۸ء میں حضرت علامہ کی زیر صدارت مذاہب عالم کانفرنس اندور منعقد ہوئی ○ ۱۹۳۹ء لکھنؤ میں شیعہ سنی فساد کو ختم کرانے کے لیے خاکسار اعظم کا شاندار اقدام اور سات کانگریسی وزارتوں کا خاتمہ۔ خاکسار تحریک کی بے مثال فتح ○ ۱۹۴۰ء ۱۹ مارچ کربلائے لاہور' ۳۱۳ نہتے خاکساروں کا پولیس سے مقابلہ۔ دہلی سے حضرت علامہ مشرقیؒ کی گرفتاری۔ خاکسار تحریک پر ہندوستان گیر پابندیاں۔ حضرت علامہ مشرقیؒ کے مکان پر پولیس کا چھاپہ' آنسو گیس کا بکثرت استعمال۔ ابن علامہ مشرقیؒ محترم احسان اللہ خان اسلم۔ انگریزی پولیس کے استبداد کا شکار ہو گئے۔ انا للہ و انا علیہ راجعون۔

○ ۱۹۴۲ء میں حضرت علامہ مشرقیؒ کے ایماء پر مشہور کانگریسی لیڈر راج گوپال اچاریہ نے ویلور جیل سے رہائی کے بعد کانگریس کے سٹیج سے مطالبہ پاکستان کے حق میں قرارداد پیش کی ○ ۱۹۴۳ء ویلور جیل سے تین سال کی قید تنہائی کے بعد خاکسار اعظم کی رہائی ○ ۱۹۴۳ء قحط بنگال میں خاکساروں کی بے مثال اور تاریخی خدمت خلق۔ اس وقت بنگال کے وزیر اعلیٰ خواجہ ناظم الدین کا تحریری عہدنامے سے انحراف اور خاکساروں کو چوبیس گھنٹے کے اندر

Marfat.com

اندر بنگال سے نکل جانے کا گورا شاہی حکم۔ خاکساروں کا دو ہزار میل کلکتہ سے لاہور تک احتجاجا" پیدل مارچ ○ ۱۹۴۷ء خاکسار اعظم حضرت علامہ مشرقیؒ نے قائداعظم مسٹر جناح کو حصول پاکستان کے لیے غیر مشروط تعاون کی پیش کش کی۔ امپیریل ہوٹل دہلی میں وسیع تر پاکستان (یعنی پورا پنجاب' پورا بنگال' اور پاکستان کے دونوں بازوؤں کے درمیان کاری ڈور کا مطالبہ) کے لیے آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کو یادداشت پیش کی۔ اور حصول پاکستان کے لیے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ ۱۹۴۷ء کے جون میں دہلی میں تین لاکھ خاکساروں کا عظیم الشان کیمپ۔ خاکسار تحریک کو منتشر کر دیا گیا۔ ○ ۱۹۴۷ء قیام پاکستان کے بعد مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان دس لاکھ انسانوں کو تبادلہ آبادی کی تجویز۔ تاکہ ہر دو حصوں کے رہنے والوں میں رشتوں' ناطوں کے ذریعے باہمی اخوت اور محبت پیدا ہو کر کہ استحکام پاکستان کا باعث ہوگا۔ ○ اگست ۱۹۴۸ء میں انڈو پاکستان اسلام لیگ قائم کی جس کا مقصد ساڑھے پانچ کروڑ بھارتی مسلمانوں کا تحفظ اور ان علاقوں کو پاکستان میں شامل کرانے کی جدوجہد جو کہ اسلامی ثقافت کی آماجگاہ تھے۔ ○ ۱۹۴۸ء ساڑھے پانچ کروڑ بھارتی مسلمانوں کے تحفظ کا مسئلہ یو این او میں پیش کیا۔ اس وقت کے سیکرٹری جنرل مسٹر ٹریگولی نے حضرت علامہ مشرقیؒ کو صورتحال کی وضاحت کے لیے نیویارک پہنچنے کی دعوت دی لیکن حکومت پاکستان نے پاسپورٹ دینے سے انکار کر دیا۔ ○ ۱۹۵۰ء ۲۸ مئی کو لاہور میں عظیم الشان خطاب جس میں استحکام پاکستان کے لیے لازمی عسکری تربیت کے نفاذ پر زور دیا۔ ۲۸' ۲۹' ۳۰ دسمبر ۱۹۵۰ء کو منٹو پارک لاہور میں پاکستان میں بہنے والے دریاؤں کے رخ موڑنے کے بھارتی منصوبے کا انکشاف کیا اور کشمیر کو حاصل کرنے کی اہمیت واضح کی۔ اس کی پاداش میں علامہ صاحب کو سیفٹی ایکٹ کے تحت ۱۸ ماہ تک بغیر مقدمہ چلائے میانوالی کی بدترین جیل میں نظر بند رکھا گیا۔ ○ ۱۹۵۱ء ۲۶ دسمبر کو بنیادی اصولوں کی رپورٹ کی اشاعت پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ صاحب نے وحدت مغربی پاکستان "ون یونٹ" کی تجویز پیش کی اور غریبوں کو امیروں اور جاگیرداروں کے استحصال سے بچانے کے لیے طبقاتی بنیاد پر الیکشن کرانے کا فارمولا پیش کیا۔ ○ ۱۹۵۲ء جولائی کو خاکسار اعظمؒ میانوالی جیل سے رہا ہوئے۔ ملک میں بدترین صورتحال کو سنبھالنے کے لیے مخلوط حکومت کی تجویز پیش

Marfat.com

کی۔ ○ ۱۹۵۵ء مسئلہ تسخیر کائنات اور انجام کائنات پر خاکسار اعظمؒ نے دنیا بھر کے تقریباً بیس ہزار سائنسدانوں کو ایک تاریخی خط لکھا جو کہ انسانی مسئلہ (HUMAN PROBLEM) کے نام سے مشہور ہے۔ ○ ۱۹۵۶ء استحکام و سالمیت کے پیش نظر پاکستان میں مضبوط مرکز کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے لسانی، علاقائی اور فرقہ وارانہ تعصبات کو مٹانے کے لیے اخوت، محبت، مساوات اور عدل و انصاف پر مبنی معاشرہ کے قیام پر زور دیا۔ ○ ۱۹۵۷ء کشمیر کو بزور شمشیر حاصل کرنے کے لیے سرحدوں پر "جہاد کیمپ" لگائے۔ "ڈاکٹر خاں صاحب قتل کیس" میں بے گناہ گرفتاری اور ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء کے نفاذ کے بعد عدالت سے باعزت رہائی۔ ○ ۱۹۶۲ء ایوب خاں آمریت میں حضرت علامہ صاحب کو ان کی رہائش گاہ پر نظر بند رکھا گیا۔ ○ خاکسار تحریک کے احیاء کے لیے راولپنڈی میں خاکساروں کے کنوینشن کا انعقاد۔ ○ ۱۹۶۳ء ۱۹۶۳ء ۲۷ اگست داعی اجل کو لبیک کہا۔ ۲۹ اگست کو لاہور میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔ اس روز کاروباری ادارے بند رہے۔ شہر میں مکمل ہڑتال رہی۔ پاکستان اور بیرون پاکستان سے لاکھوں فرزندان توحید اس مرد حق آگاہ کے سفر آخرت میں شریک ہوئے۔ ۲۷ اگست ۱۹۶۳ء کو نو بجکر پانچ منٹ پر میوہسپتال لاہور میں انتقال

حضرت علامہ مشرقیؒ کا مزار مبارک ذیلدار روڈ اچھرہ لاہور میں ہے ○ ۱۹۹۳ء میں خاکسار تحریک کے مرکزی جنرل کیمپ مینار پاکستان لاہور میں بانی خاکسار تحریک حضرت علامہ مشرقیؒ کے صاحبزادے حمیدالدین المشرقی کو خاکساروں نے "تاحیات قائد خاکسار تحریک" منتخب کیا۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمان الرحیم

تمہید

کیا آپ محض ذہنی، فکری اور دماغی عیاشی کے حصول کیلئے یا پھر اپنے دوست احباب پر رعب ڈالنے یا انہیں مرعوب کرنے یا اپنی لائبریری کی زینت بنانے یا پھر رسماً یا عقیدتاً "تذکرہ" جیسی یادگار عالم شاہکار تصنیف کو خریدنا یا پڑھنا چاہتے ہیں تو

برائے مہربانی!

اسے خریدنے یا پڑھنے کی زحمت نہ کیجئے تو یہ آپ کا خدا، رسول خدا ﷺ، قرآن، اسلام، ملت اسلامیہ، پبلشر اور شہرت سے بے نیاز مصنف پر احسان عظیم ہو گا۔

کیوں کہ

ہم ایک طویل عرصہ کے بعد "تذکرہ" جس میں مسلمانان عالم کو ان کی اجتماعی موت و حیات کے متعلق پیغام اخیر دیا گیا ہے کی اشاعت محض رسماً یا عقیدتاً نہیں کر رہے بلکہ

ہمارے پیش نظر

خالصتاً وہی عظیم مقصد، وہی مشن، وہی پروگرام، وہی نصب العین اور وہی جذبہ جو اس عالم گیر شہرت یافتہ کتاب کے مصنف جناب حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ کے مد نظر تھا موجود ہے۔

ویسے بھی

قرون اولیٰ سے لے کر اب تک 1418 برس میں خدا اور رسولؐ پر، اور قرآن اور اسلام پر لکھو کھہا کتب شائع ہو چکی ہیں مگر ادنیٰ سا نتیجہ پیدا نہیں ہوسکا جب تک اسلام دلوں دماغوں اور جسموں پر تھا ہم مسلمان روئے زمین کے تین براعظموں پر حاکم اور غالب تھے مگر جب سے یہ کاغذوں پر آیا ملت اسلامیہ فرقوں، گروہوں، پارٹیوں، ذاتوں اور خطوں میں منقسم ہو کر رہ گئی۔ امت مسلمہ کی جماعت بکھر گئی، مرکزیت ختم ہو چکی، زندہ امیر یا خلیفہ موجود نہیں اور دماغوں سے خدائی نصب العین محو ہو چکا ہے۔

اس کے برعکس

ملت کفر متحد ہے، عالمی سطح پر ایک جماعت بن چکی ہے اور ایک ہی نظام اور پروگرام بلکہ نصب العین کے تحت چل رہے ہیں آپس میں مل جل کر ملت اسلامیہ کے خلاف منظم طور پر برسرپیکار ہیں وہ اقوام متحدہ کی آڑ میں مسلمانوں سمیت کمزور اور نحیف قوموں کا استحصال کر رہے ہیں وہ دنیاوی ترقی کے بام عروج پر ہیں جبکہ ملت اسلامیہ ملت کفر کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہے۔

ان حالات میں

قرآن کو جزدانوں اور الماریوں، اسلام کو حجروں اور رسموں، مسلمانوں کو فرقوں اور عقیدوں سے بالاتر ہو کر قرون اولیٰ کے مسلمانوں جیسا جذبہ پھر سے دلوں، دماغوں، ذہنوں اور جسموں پر پیدا کر کے عالمی سطح پر ایک مرتبہ ایمان والوں کی جماعت کے قیام کے لئے از سر نو جدوجہد کرنے کی بے حد ضرورت ہے جو ہر سطح پر دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر کے خدائی حکم اور رسولیؐ مشن کو تکمیل تک پہنچا دے چاہے کافروں کو برا ہی کیوں نہ لگے۔

Marfat.com

اسلام کے ایسے ہی غلبے، قوت، طاقت، بادشاہت اور حکومت کا خواب "صاحب تذکرہ" نے دیکھا اور اسے حقیقت کا روپ دینے کے لئے تا زندگی مصروف جدوجہد رہے۔

کیا ہم نے تذکرہ پڑھنے کے بعد بھی محض لفظی، وارثی، زبانی، قولی اور رسمی مسلمان ہی رہنا ہے؟ یا پھر صرف واہ واہ کہتے رہنا ہے؟ کیا اسے پڑھنے کے بعد بھی عمل سے راہ فرار اختیار کرنی ہے؟ تو پھر ایسے علم یا پھر ایسے اسلام کا کیا فائدہ جو نتیجہ نہ پیدا کر سکے؟

جس راہ سے منزل نہ ملے دھوکہ ہے
طاعت جو حکومت نہ دے دھوکہ ہے
آسانی نتیجہ ہے سدا سختی کا
اسلام جو مغلوب رہے دھوکہ ہے

(حضرت علامہ مشرقیؒ)

ہم بخدا "تذکرہ" کی اشاعت محض تجارتی نقطہ نظر سے نہیں کر رہے بلکہ ہم دلی طور پر اس عظیم الشان مشن کی تکمیل اور کامیابی چاہتے ہیں جس کی بنیاد ہادی برحق حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے رکھی تھی اور جسے پون صدی قبل عظیم ریاضی دان، رینگلر سکالر، بیچلر سکالر، فاؤنڈیشن سکالر، سائنسی و مذہبی مفکر اعظم اور نقیب فطرت حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ نے پھر سے قرآن کی ایک ایک آیت کھول کھول کر بیان کی تاکہ مسلمان پھر سے جاگ اٹھیں اور اپنے اصل کی طرف لوٹ کر پھر سے گھروں سے نکل پڑیں ٹولیاں بن کر یا سب مل کر اور فقط ایمان والے بن کر، اللہ والے بن کر اور نبیؐ کے سچے اور کھرے پیروکار نہیں بلکہ حقیقی معنوں میں اطاعت گذار بن کر روئے زمین پر اسلام کا بول بالا کر دیں۔

بہر نوع چودھویں صدی کے اس زوال کے زمانے میں اگر مسلمان کو یہ عذر ہے کہ اس کو معلوم نہیں رہا کہ قرن اول کے چند صد عرب کن حکموں پر عمل کر کے اور کس کردار کے مالک ہو کر بیس بائیس برس میں ہی غلبے کی اکثر منزلیں طے کر گئے تھے تو میرا یقین ہے کہ یہ تصنیف اس عذر کا پورا جواب ہے۔ اس اہتمام حجت کے بعد مذہب کو دوکان نہ بنانے والے چند درد مند انسانوں کی ضرورت ہے جو غلبے کی نیت سے اس کردار کو پھر شروع کر دیں، ہر عمل میں اور ہر آن غلبے کی نیت کو کمزور نہ ہونے دیں اور غالب آنے والی جماعت کو روز بروز بڑھانے کی جدوجہد مسلسل رہے۔ گوشت پوست کی اس دنیا میں غالب آنا صرف خون سے کھیل ہے۔ جو قوم جس وقت تک یہ کھیل کھیلتی رہی غالب ہے۔ شکست اور زوال اس وقت آتے ہیں جب قومیں اس سبق کو بھول جاتی ہیں۔ آپ جہاں کہیں بھی رہتے ہیں ایسی غالب، حاکم اور خادم خلق جماعت کا قیام شروع کر دیں۔ اللہ بس وما بقیٰ ہوس

اب نیستاں سے یہی ایک نوا باقی ہے
نہ سنی یہ بھی تو پھر تیری سزا باقی ہے

مورخہ: 21 مئی 1997ء
بوقت: رات ساڑھے بارہ بجے

حمید الدین المشرقی
(قائد خاکسار تحریک)
مینجنگ ڈائریکٹر --- التذکرہ پبلی کیشنز

Marfat.com

دنیائے علم و خبر کے مفکر اعظم اور نقیب فطرت

حضرت علامہ مشرقیؒ کی تہلکہ مچا دینے والی تصانیف

خریطہ

حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ (1963ء - 1888ء) نے 1902ء تا 1909ء کے درمیان 14 برس کی عمر میں 126 رباعیوں اور 170 شعروں پر مشتمل ایک فارسی تصنیف 7 فروری 1924ء کو شائع کی جو خریطہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ جس کا دیباچہ اردو میں تحریر کیا۔ خریطہ کے اس ولولہ انگیز اور روح پرور دیباچے کو پڑھ کر تقریباً" پانچ ہزار شاعروں نے اقرار کیا کہ انہوں نے شاعری ترک کر دی ہے اس کے بعد حضرت علامہؒ نے نصف صدی تک شاعری کو خیر آباد کہہ دیا۔

تذکرہ ----

اول - دوم - سوم

○ کتاب تذکرہ 3 ستمبر 1920ء میں حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ نے پشاور میں لکھنا شروع کی اور 1922ء تک اسے ہزارہا صفحات پر لکھ ڈالا۔ دو برس بعد یعنی 1924ء میں اس کی پہلی جلد (جدید ترتیب کے مطابق جلد اول دوم) امرتسر کے مقام سے شائع کی گئی۔

○ مفکر اعظم اور نقیب فطرت کا قرآن حکیم کے حقائق عالیہ پر دس جلدوں میں ایک مبسوط علمی تبصرہ جس میں مسلمانان عالم کو انکی اجتماعی موت و حیات کی متعلق آخری پیغام دیا گیا۔

○ صدر اسلام سے لے کر آج تک قرآن حکیم کی حکمت بالغہ پر کوئی کتاب اس قدر مدلل، اس قدر یقین انگیز، اس قدر نتیجہ خیز حتماً" نہیں لکھی گئی۔

○ اس کا ایک ایک ورق الٰہی حکمت کا حیرت انگیز مرقع اور اس کی ایک ایک دلیل قرنوں کی غفلت زدہ امت کے لئے چونکا دینے والا تازیانہ ہے۔

○ یہ تصنیف جلیل انبیائے کرام علیہ الصلواۃ والسلام کے پیغام اور بالخصوص قرآن حکیم کی ایک مکمل اور ناقابل بدل ایک اٹل اور علمی تشریح ہے۔ جس کو فرض اور ظن سے سروکار نہیں۔

○ قرون اولیٰ کے صحیح اسلام کے ماسوا تمام مذاہب وادیان کی ناسخ تمام اگلی بے نتیجہ تفاسیر اور تشاریح کی اغلاط کی قاطع اور انسان کے مابین سب اعتقادی فرقہ بندی کی صریح مخالف ہے۔

خطاب مصر

تذکرہ کی مقبولیت کا یہ عالم ہوا کہ جب 1926ء میں قاہرہ (مصر) میں موتمر خلافت کا انعقاد ہوا تو شیخ الاسلام نے حضرت علامہ مشرقیؒ کو دنیائے اسلام کے اہم ترین مسائل کے متعلق رائے دینے کے لئے

Marfat.com

دعوت دی"

13 مئی 1926ء کو قاہرہ (مصر) میں اس موقع پر جو باطل شکن اور معرکتہ آلاراء تقریر آپ نے کی وہ مصر اور برصغیر پاک و ہند میں "خطاب مصر" کے نام سے مشہور ہوئی۔ جس میں مسلمانان عالم کو آنے والے خطرات سے بچانے' طاقتور بنانے کے لئے ایک عالمگیر پروگرام پیش کیا گیا۔

اشارات

خاکسار اعظم حضرت علامہ مشرقیؒ نے یکم اگست 1931ء میں "اشارات" کے نام سے قوم کی اصلاح کے لئے عملی پروگرام پیش کر دیا۔

جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ۔

○ قوم اور اس کے راہنماء ایک مشترکہ عمل سے جنم لیتے ہیں۔

○ انہوں نے اسلام کی ماہیت اور اس کو غالب کرنے کا طریقہ کار بتلا دیا۔

○ انہوں نے کہا کہ اگر مسلمان اس وقت سنبھل گئے اور میری کتاب "اشارات" کی تجویز کو محکم طور پر پکڑ لیا تو اب بھی زندگی کی قطعی امید ہو سکتی ہے۔

قول فیصل

15 نومبر 1935ء میں " قول فیصل" میں قوموں کا زوال اور اس کا علاج اور خاکسار تحریک کے پروگرام کی مکمل تشریح کر دی گئی۔

○ وہ عظیم الشان تصنیف جس نے " خاکسار تحریک" کو چند برسوں کے اندر اندر نہ صرف ملک گیر بلکہ عالمگیر بنا دیا۔

○ وہ انقلاب انگیز تصنیف جس نے مسلمانان ہند کو صدیوں بعد حجروں سے نکال کر بلا لحاظ مذہب و تفریق ایک ہی صف میں کھڑا کر کے عملاً" مساوات پیدا کر دی۔

○ مسلمانوں کے اندر پھر سے بے مزد خدمت خلق کا عظیم الشان اور ناقابل یقین جذبہ پیدا کر دیا۔

مقالات (اول دوم)

○ بانی خاکسار تحریک حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ کے مقالات" کی پہلی جلد 27 جنوری 1937ء میں طبع ہوئی۔

○ ہفت روزہ الاصلاح کے مقالات افتتاحیہ" کا نقش ثانی ہے۔ جو 23 نومبر 1934ء سے 5 جون 1936ء تک شائع ہوئے۔

○ مقالات کی دوسری مجلد 2 ستمبر 1943ء کو شائع ہو کر منظر عام پر آئی۔ اس میں جریدہ الاصلاح کے 5 جون 1936ء سے 16 جولائی 1937ء تک کے مقالات افتتاحیہ شامل ہیں۔

Marfat.com

ان مقالوں میں قوم کو اس کی قوتوں کے زوال سے متعلق باخبر کیا گیا ہے' ہوش بلکہ شعور پیدا کیا گیا ہے۔ کہ قوم کن مصائب اور مشکلات میں مبتلا ہے' قوم میں کیا اخلاق اور اعمال موجود ہیں' کیا ہیں جن کا زوال ہو چکا ہے اور جن کو پھر حاصل کرنے کی امنگ پیدا ہونی چاہیے۔
ان مقالات کو پڑھنے کے بعد چند دنوں میں بڑے مخلص آدمی گوشوں سے نکل پڑے' جان و مال کی عظیم الشان قربانیاں فورا" ہونے لگیں۔ لکھو کھا مسلمان یکدل اور ہمخیال ہوگئے۔ محبت کی نہریں پھوٹ بہیں اور خدمت خلق کا حیران کن منظر پیدا ہو گیا۔

مولوی کا غلط مذہب

○ مولوی کا غلط مذہب میں 25 ستمبر 1936ء تا 28 اگست 1938ء تک حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ کے علاوہ تحریک کے دیگر زعماء نے اپنے مقالوں کے ذریعہ سے علمائے سوء کی جاہلانہ تعلیمات کے بخیئے ادھیڑ کر مولوی کے تین سو سالہ مذہبی تخیل کو رد کر دیا ہے۔
ان بیانات کو شاید معاندانہ اور مخالفانہ سمجھا جائے یا مولوی سے کسی ذاتی مخالفت کی تمہید یقین کی جائے لیکن بقول مشرقیؒ
" میں مولویوں اور علمائے دین کا دشمن نہیں ہوں مجھے ان سے کوئی ذاتی کاوش نہیں میں صرف ان کے بگڑے ہوئے مذہبی تخیل اور کم نظری کا دشمن ہوں اور مسلمان کی ذہنیت کو جلد از جلد بدلنا چاہتا ہوں۔
"

خاکسار آئین (انگریزی)

برصغیر کی آزادی کے لئے خاکسار اعظم حضرت علامہ مشرقیؒ نے انگریزی اقتدار کا چیلنج قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا کہ اگر ہندوستانی ایک ایسا آئین پیش کر دیں جس پر ہندوستان کے تمام عناصر متفق ہوں تو ہم ہندوستان کو آزاد کر دیں گے۔ آپ نے نہایت قلیل مدت میں ایک متفقہ آئین جون 1945ء میں مرتب کرکے اکتوبر 1945ء میں شائع کر دیا۔ دراصل یہ آئین حقیقی معنوں میں حقوق انسانی کا علمبردار ہے۔

حریم غیب

○ حضرت علامہ مشرقیؒ نے پچاس سال کے بعد قید کے دوران ایک حیرت انگیز واقع کی وجہ سے پھر شاعری کو تھوڑی مدت کے لئے اختیار کیا۔ حریم غیب 27 اکتوبر 1952ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آگئی۔
○ حریم غیب کے 18 سو اشعار 10 فروری 1951ء سے 20 مئی 1951ء تک دوران کے صرف دو ماہ آٹھ دن میں چار گھنٹے روزانہ مصروفیت کی اوسط سے کہے گئے ○حریم غیب میں دین اسلام کی ماہیت کو علمی نقطہ نظر سے واضح کر کے مسلمان کو اس کے فرائض سے آگاہ کیا گیا اور ظن کے بالمقابل علم کے مقام کی قطعی تشریح کی گئی۔ الغرض شعر زدہ امت کے لئے راہ پر آنے کی ایک گنجائش حضرت علامہ مشرقیؒ نے

Marfat.com

پھر پیدا کی ہے۔ کیا عجب کہ اسے پڑھنے کے بعد امت مسلمہ برخرو ہو سکے۔

دہ الباب

○ حضرت علامہ مشرقیؒ نے دوران قید " دہ الباب " کے تقریباً" تیرہ سو اشعار یعنی (24 دسمبر 1951ء تک کے) دو ماہ گیارہ دن میں مکمل کئے۔ دہ الباب 10 نومبر 1952ء میں شائع ہوئی۔ 64 مختلف عنوانات کے تحت یہ نظمیں ہیں اہم اہم واقعات اور آیات کی تشریح کتاب کے آخر میں " فرہنگ دہ الباب " میں کر دی گئی تاکہ قاری کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

○ دہ الباب میں بڑا مسئلہ علم کا دنیا پر حکم اور اس کا نبوۃ کی طرف ارتقاء ہے۔ اس مسئلے کی اہمیت کا اندازہ لگانے کو ابھی بڑا وقت چاہیے۔ زمین کے کسی بڑے سے بڑے متقدم اور متنور حصے نے بھی تاحال علم کی اہمیت کو تسلیم نہیں کیا اور اس کو ابھی تک زیادہ سے زیادہ موجودہ سیاسی حاکموں کی دست بخت لونڈی قرار دیا ہے۔ لیکن اسلام کو چونکہ پچھلے چودہ سو برس سے دنیا کی سیاست کی تشکیل میں بڑا دخل رہا ہے اور بہت کچھ جو اس وقت تک انسان کی معاشرت میں انقلاب برپا ہوا دین انبیاء کے بے پناہ زور سے ہوا ہے اس لئے یہ امر اٹل ہے کہ انسان کی آئندہ زندگی کی تشکیل بھی اسلام پر ہو کر رہے گی

ارمغان حکیم

○ حضرت علامہ مشرقیؒ نے اپنی قید کے دوران ہی شاعری پر تیسری تصنیف مکمل کی جو 23 نومبر 1952ء کو شائع ہوئی۔ جس میں تقریباً" چودہ سو اشعار یعنی (9 جولائی 1952ء تک کے) صرف تین ماہ چار دن پونے چار گھنٹے کی روزانہ کی اوسط کے حساب سے کہے گئے۔

○ انہوں نے ارمغان حکیم میں غزل کے رنگ میں بلندی فکر کو جلا دی۔ جس نے شعر فہم طبقے میں ایک نئی ہلچل پیدا کر کے اس وقت کی شاعری کو بے قیمت کر دیا۔ ارمغان حکیم میں حضرت علامہ" کا ایک اہم مقالہ بعنوان " شاعری پر نقد و نظر اور خریطہ کا دیباچہ " جو قرآن کی تعلیمات کا ماخذ ہے شامل ہے۔

حدیث القرآن

○ حدیث القران سائنسی و مذہبی مفکر و فلاسفر اور عالم باعمل انسان حضرت علامہ مشرقیؒ کی وہ معرکتہ آلاراء تصنیف جس میں مصنف نے قرآن کی تعلیمات کو انتہائی سادہ اور آسان لفظوں میں واضح کر کے قرآن کی علمی حیثیت کو اجاگر کیا ہے۔

○ حدیث القران کی تصنیف اول تا آخر قید خانہ میں ہوئی۔

○ 30 مئی 1951ء کو اسے شروع کیا گیا اور دوران رمضان میں ہی 19 جون 1951ء تک یعنی (کل 20 دنوں میں) مکمل ہوئی اور 25 نومبر 1952ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آئی۔

Marfat.com

○ مصنف نے "وہ الباب" کی تمہید میں "حدیث القرآن کے متعلق وضاحت کی ہے کہ "حدیث القرآن" میں میں نے قرآن حکیم کے اختصار کو چند لفظوں میں دے دیا ہے جو صاحب نظر کو یک لخت چونکا دے تاکہ قرآن حکیم کی علمی تصویر ان میں نیا ولولہ پیدا کر دے۔ کسی امت کی نجاح اس میں ہے کہ اس کے پاس حقیقت ہو اور اگر مسلمان کے پاس دنیا کی تمام موجودہ حقیقتوں میں بڑی حقیقت موجود ہے۔ تو وقت ہے کہ وہ اس کو لے کر نکلے اور دنیا کو نئی راہ پر لگا دے۔ چودہ سو برس کے "طول آمد" کے بعد یہی نسخہ ہے جو کسی قوم کو نئی زندگی دے سکتا ہے۔

○ مصنف کی یادگار عالم نوبل انعام یافتہ تصنیف تذکرہ کی دس جلدوں کا اختصار

○ قرآنی نقطہ نظر سے مقام خدا' مقام انبیاء' مقام الکتاب' مقام انسان' مقام فطرت' تمکن فی الارض کی علمی تشریح۔ ○ قرآن کو سمجھنے کے لئے بلندی نگاہ کیا ہو؟ صلائے عام بہ ساکنان زمین' اور ہوشمندانان زمین کو ایک پر مغز خطاب۔

○ قرآن حکیم کے عظیم ترین نصب العین اور پروگرام کی تشریح پر جامع مستند کتاب حدیث القرآن کا مطالعہ ضروری ہے۔

○ حال ہی میں آسٹریلوی سائنس دانوں نے کلوننگ کا نظریہ پیش کر کے دنیا میں تہلکہ برپا کر دیا ہے حضرت علامہ مشرقیؒ نے اس نظریہ کی نشاندھی اپنی کتاب حدیث القرآن میں 46 برس قبل کر دی تھی۔

تکملہ (اول دوم)

(سیرت رسول ﷺ -------- اول دوم)

قرآن حکیم کی تعلیمات پر حرف آخر

○ دنیائے علم و خبر کے مفکر اعظم حضرت علامہ مشرقیؒ کی ترتیب نزول قرآن کے عین مطابق سیرت النبیؐ کے موضوع پر یہ حیرت انگیز تصنیف 1960ء میں دو حصوں میں شائع ہو کر جب لوگوں تک پہنچی تو اس نے تہلکہ مچا دیا۔

○ چودہ سو برس میں پہلی قرآن حکیم کی دل کو تسلی دینے والی تشریح۔

○ رسالت مآب کی تیئس برس کی مکی و مدنی زندگی کے جلال و جمال کی داستان۔

○ قرآن حکیم کی تعلیمات کا ایک مکمل' مفصل اور حیران کر دینے والا' دیانت دارانہ جائزہ۔

○ سیرت رسول اللہ ﷺ کی انتہائی علمی و تحقیقی تاریخ' قرآن کے نزول کی صحیح اور جامع ترتیب و تشریح۔

جسے مصنف نے دسمبر 1957ء کی یخ بستہ سردیوں میں (میانوالی جیل میں ایک تنگ نظر امریکی مصنف کی تصنیف پڑھ کر) لکھنا شروع کیا۔ اور تیس دن کی قلیل مدت میں اسے ایک ہزار صفحات پر لکھ کر رسول

Marfat.com

ﷺ خدا کے متعلق مغرب کے تنگ نظر مصنفین اور مستشرقین کے انتہائی غلط، مضحکہ خیز، بے سروپا اور بے ہودہ اعتراضوں کا مثبت دلائل کے ساتھ دندان شکن جواب دیا۔

"تکملہ" کے مطالعہ کے بعد انسان محو حیرت ہو جاتا ہے کہ

قرآن کا بنی نوع انسان کے نام کیا زندہ رہنے والا پیغام تھا جو صدیوں تک اوجھل رہا! جس کو صرف مدینہ کے مٹھی بھر رسول ﷺ خدا کے ساتھی تھوڑا بہت سمجھ کر اٹھے اور صرف دس برس میں تمام عرب پر ایسے چھا گئے کہ اس چھا جانے کا بے پناہ زور تین سو برس تک قائم رہا۔

انسانی مسئلہ

○ حضرت علامہ مشرقیؒ کا دنیا کے تقریباً" بیس ہزار مشہور سائنس دانوں کے نام قرآن حکیم کی تعلیم سے اخذ کیا ہوا مراسلہ جو جولائی 1951ء سے بھیجنا شروع کیا گیا اور نومبر 1955ء تک امریکہ، یورپ اور روس کے مقتدر سائنس دانوں کو بھیجا گیا جس میں ان کی توجہ اس طرف منعطف کی گئی کہ مقصد پیدائش کائنات صرف انسان کا صحیفہ فطرت کو مکمل طور پر مسخر کرنا ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں چنانچہ اس وقت عالمان فطرت کا تسخیر کائنات کی طرف متوجہ ہونا اسی مراسلے کی وجہ سے ہے۔

○ انسانی مسئلہ کی اشاعت کے فوراً" بعد پورے یورپ، امریکہ اور روس مقصد پیدائش کائنات اور تسخیر کائنات کی طرف رجوع ہوئے۔ اسی خط کی بدولت آج یورپ، روس اور امریکہ کے سائنس دان چاند اور دوسرے خطوں پر پہنچے۔

انسانی مسئلہ کے ٹائٹل پر درج ذیل شائع شدہ قرآنی آیات میں ہی اس مراسلے کا مکمل مقصد واضح ہے۔

○ اے لوگو! خدائے لایزال نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب تمہارے لئے مسخر کیا ہے۔ بیشک اس پیغام میں سوچنے والی قوم کے لئے ضروری ہدایات موجود ہیں۔○ اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اور جو کچھ زمین میں ہے خدا ہی کا ہے تاکہ برے عمل کرنے والوں کو برائی کی سزا دے اور عمدہ عمل کرنے والوں کو ان کے عمدہ عمل کی جزا (انہی چیزوں میں سے) دے۔ (القرآن)

میری تصانیف کا مقصد اس قدر ہے کہ

قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی ادنیٰ سی عملی اور علمی آگ پاکستان کے زوال یافتہ مسلمان میں پیدا ہو جائے اور وہ آگے بڑھنے کے قابل ہو۔ یہی امید ہے جو مجھے کھینچے لئے جا رہی ہے اور کیا عجب کہ ایک گروہ یہاں یا کسی اور اسلامی ملک میں پیدا ہو جائے تو مسلمان کی بگڑی بن سکتی ہے۔ (حضرت علامہ مشرقیؒ)

التذکرہ پبلی کیشنز ○ المشرق ہاؤس

34 - ذیلدار روڈ، اچھرہ لاہور - 54600

فون: 411228 ☆ 415116 - 042

Marfat.com

فہرست مضامین تذکرہ

جلد دوئم

جو مضامین کتاب کے متن میں وارد ہوئے ہیں اُن کو جلی قلم سے لکھا گیا ہے جو حواشی میں آئے ہیں اُن کا قلم مہین ہے۔

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
مقدمہ		لفظ استخلاف کی تشریح	۱۰-۹	علم طبقات الارض کی تشریح	۳۷-۲۷
از صفحہ ۱ تا ۱۰۰		ڈارون کا نظریۂ ارتقا	۲۷-۱۱	طبقات الارض کی تعمیر کے بواعث	۲۸
کتاب ماہیت		مسئلہ ارتقا کی تشریح	۲۷-۱۱	رکازات زمین کے وجود کی توجیہ	۲۹-۲۸
		مسئلہ ارتقا اور معرفت خدا	۱۱	صحیفۂ فطرت کی کتاب سے مشابہت	۲۹
ایمان و		شق اول و دوم (مسئلہ تکوین و ترتیب کائنات)	۱۱	طبقات الارض کی تعمیر کے پانچ زمانے	۳۰
حکمت عبادات		شق سوم (مسئلہ تنازع للبقا)	۱۲	القدیمۃ الاولیٰ کے رکازات	۳۰
از صفحہ ۱۰۰ تا ۲۷۲		شق چہارم (مسئلہ انتخاب طبیعی)	۱۳	القدیمۃ الاخریٰ کے رکازات	۳۱-۳۰
		شق پنجم (مسئلہ تدریج تکوین)	۱۴	کوئلے کی کانوں کا ذکر قرآن حکیم میں	۳۰
مسلمانانِ عالم کا عالمگیر انحطاط	۱	ستۃ ایام کے یوم کی تشریح	۱۹-۱۴	الحیاۃ الوسطیٰ کے رکازات	۳۴-۳۱
انحطاط کے وجوہ	۲	نفس واحدۃ کی تشریح	۱۶-۱۵	صلاحیت بقا کی تشریح	۳۴-۳۳
عدم نظامِ عمل	۳	ارتقائے انسان کے متعلق قرآنی شہادت	۱۶	الجدیدۃ القصویٰ کے رکازات	۳۴
اسلام مبنی مذہب فطرت ہے	۴	شق ششم (مسئلہ اجتماع و استمرار)	۱۷	الجدیدۃ الادنیٰ کے رکازات	۳۶-۳۵
مسلمان ناقابلِ فنا امت ہیں	۴	شق ہفتم (مسئلہ بقائے اصلح)	۱۸	مسئلہ وحدت اصل نسل کی قرآنی شہادت	۳۷-۳۶
فِطرَتَ اللہِ الَّتِی فَطَرَ النَّاسَ عَلَیهَا کا مفہوم	۴	شق ہشتم (مسئلہ وحدت کائنات و وحدت حیات)	۱۹	سِتَّةِ اَیَّامٍ کی تشریح	۳۷
اسلام ایک تعمیری فلسفہ ہے	۵	تشریح سراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۲۱-۲۰	تمدن انسانی اور صلاحیت بقا	۳۴-۲۸
اسلام کی مسخ شدہ صورت	۶	حرکت زمین کے متعلق قرآنی شہادت	۲۱	مغربی عمران اور صلاحیت بقا	۳۵
قرآن حکیم کی حکمت ساطعہ نقاد کی نظر میں	۶	حرکت اجرام فلکی کے متعلق قرآنی شہادت	۲۲	ایمان اور اعمال صالحہ کی ماہیت	۳۵
ایمان کی ماہیت	۶	حرکت شمس کا انکشاف اور قرآنی شہادت	۲۳	آیۂ استخلاف کا صحیح مفہوم	۳۷-۳۶
ایمان اور عمل صالح کا نتیجہ	۷	مسئلہ تعطل خدا کا ابطال از روئے قرآن	۲۵-۲۳	آیۂ استخلاف کا قرآنی پیش نہاد	۳۹-۳۸
آیۂ استخلاف کا میثاق ایزدی اور مسئلہ		مسئلہ ارتقا کی صحت پر اس کتاب کے مباحث کا انحصار ہے	۲۵	وراثت زمین کا قرآنی پیش نہاد	۳۹
ارتقا و بقائے اصلح	۱۰-۸	مسئلہ ارتقا کی علمی تصدیق	۲۶	اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے مفہوم کی پہلی شق (صبر)	۳۹
مسئلہ ارتقا کے مخترع اور مبلغ	۸	مسئلہ انتخاب طبیعی پر حملہ	۲۷	صلوٰۃ کی قرآنی تعریف کی ایک جھلک	۴۰

Marfat.com

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
آیۂ استخلاف کا سیاسی مفہوم	۴۱	قرآن شعر نہیں	۶۴	علم اور ظن کا قرآنی تقابل	۸۷
آیۂ استخلاف کا شانِ نزول	۴۲	قرآن کی واحد فضیلت علم ہے فصاحت نہیں	۶۴-۶۶	صاحبِ علم قوم کا دنیوی اور اخروی اجر	۸۷
آیۂ استخلاف ایک مشروط میثاق ہے	۴۳	قرآن کو عربی زبان میں نازل کرنے کی قرآنی وجوہات	۶۶	رحمۃً للعالمین کی تشریح	۸۷
قرآن حکیم کی تعلیم کا عرب امت پر اثر	۴۴	عرب نفاق آرائی کا قرآنی مطالب پر اثر	۶۶-۶۷	علم کا حاصل کرنا صالح عمل ہے	۸۷
ایمان اور اعمالِ صالحہ کا ابتدائی مفہوم	۴۵	قرآن اپنی صداقت کے باعث خود بخود بلیغ ہے	۶۷	حیوٰۃ دنیا کی تعریف از روئے قرآن	۸۷
مسلمانانِ عالم کے زوال کی وجوہات	۴۵-۴۶	عربی النسل اقوام کی ہلاکت کے بواعث	۶۸	کلام الٰہی کے متعلق مفسرین کی غلط بینیاں	۸۸-۹۲
قرآنی مطالب کی توضیح کے متعلق اہل عرب کی ذمہ داری	۴۶	قرن اول کا قرآن پر عمل	۶۹	قرآن شعر و فصاحت کا منکر ہے	۸۸
قرآن حکیم کی مروجہ سطحی تنظیم اور تعلیم	۴۷	قرون اولیٰ کی اسلامی فتوحات کا اندازہ ایک مورخ کے		تورات کا مُستبینٌ ہونا	۸۹
قرآن حکیم کے مطالعے میں فنونِ ادبیہ کا التزام	۴۷	قلم سے۔	۶۹	قرآن ہدایت اور صرف ہدایت کا مدعی ہے	۸۹
فنونِ ادبیہ کے اختراع کی تاریخ	۴۷	قرآن پر تدبر کرنے کی ابتدائی تاریخ	۷۰	تورات، انجیل اور قرآن کے بارے میں الٰہی ارشادات	۸۹-۹۰
یونانی فلسفے کا قرآن سے تصادم	۴۸-۶۱	آیاتِ قرآنی کی ترتیب کی تاریخ	۷۰	عربیٌ مبینٌ کی تشریح	۹۱
یونانی فلسفے کے مضر اثرات	۴۸-۵۲	کن معانی میں قرآن کا مثیل پیدا کرنا محال ہے	۷۱	قرآن لغت اور حدیث سے بے نیاز ہے	۹۱
اتقا کے معانی کی پہلی شق (وحدتِ امت)	۴۹	قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کی غرض و غایت	۷۲	قرآن کے لغت سے بے نیاز ہونے کا مفہوم	۹۱-۹۲
آیۂ لا یمسّہٗ الّا المطہّرون کی تشریح	۵۰-۵۲	جمع احادیث کے متعلق عرب کی خوش اعتقادی	۷۳	قرآن کن معنوں میں محفوظ ہے	۹۲
قرآن کی تنظیم کا صحیح معیار	۵۲	عرب فرقہ بندی کی وجوہات	۷۴	حسبنا کتاب اللہ کی تشریح	۹۲
قرآن کی حکمتِ کاملہ کے متعلق دعاوی	۵۳-۵۵	عرب توہمات اور فرقہ بندی	۷۴-۷۷	قرآن کے مفصل ہونے کے متعلق الٰہی ارشاد	۹۳
قرآن کے کامل ہونے کے متعلق دعاوی	۵۶	عرب کیوں وراثتِ زمین سے محروم کر دیئے گئے	۷۷-۷۹	علم کا تتبع کرنا سبیلِ خدا پر چلنے کے مترادف ہے	۹۳
قرآن کا دعوےٰ کتاب مبین ہونا ہے	۵۷	اتقا کا الٰہی مفہوم (اتحاد)	۷۹	قرآن کی کفایت کے متعلق الٰہی ارشاد	۹۴
قرآن کے آسان ہونے کا دعوےٰ	۵۷	عرب نفاق کا اسلامی جماعت پر اثر	۸۰-۸۱	قرآن کی فضیلت علم ہے۔	۹۴
مجسمۂ بصائر ہونے کا دعوےٰ	۵۷	ظلم اور فسق کی قرآنی مصطلحات	۸۱	قرآن کا معجزات کی فرمائش کو مسترد کرنا اور علم کا ہی ہے	۹۴-۹۵
پیکرِ علم ہونے کا دعوےٰ	۵۸	پیغمبران جان کی تبشیر و تنذیر کی نوعیت	۸۱	سبیلِ خدا کا مفہوم تحصیلِ علم ہے	۹۵
تدبر کے متحمل ہونے کا دعوےٰ	۵۸	دین اسلام پر عرب تخیل اور یونانی فلسفے کے		عوام کی نظروں میں قرآن کی تعلیم و تعظیم کا معیار	۹۶-۹۸
علم کی ابتدائی تعریف	۵۸	مضر اثرات۔	۸۲-۸۶	ایک انکار قرآنیہ کی حقیقت کا پول	۹۷-۹۸
قرآن میں اجتہاد کرنے کے اصل اصول	۵۹	دین اسلام میں ظنیات کا حلول	۸۲-۸۵	تکذیب آیات کا ابتدائی مفہوم	۹۸
علم اسرار الدین۔	۵۹	علم کی قرآنی تعریف	۸۳-۸۴	دین اسلام کی مسخ حقیقت کا تیسرا باعث	۹۹
مسلمانوں کی ناقدر شناسیِ قرآن اور انکا موجودہ فلسفہ	۶۰	بیکن کا مسئلہ استقرا اور تعریف علم	۸۳	کتاب کے آئندہ مضامین کی تقسیم	۹۹-۱۰۰
الکتاب المبین کی تشریح	۶۰-۶۲	علم آخرت کے متعلق قرآنی ارشاد	۸۴	فطرۃ النّاس علیہا کی تشریح	۱۰۰
عرب تخیل کا قرآن سے تصادم	۶۱-۱۰۰	سبع اساس کی تشریح	۸۵	**۴ تخیفِ ایمان و منتہائے اسلام**	
مطالب قرآن پر عرب توہمات کا اثر	۶۱-۶۴	اہل عرب کی ہلاکت کے بواعث	۸۶		
عرب شاعری کا اثر	۶۳-۶۴	دین اسلام کی غلط اشاعت میں اہل عرب کی ذمہ داری	۸۶	از صفحہ ۱۰۱ تا ۱۱۵	
معلقات، مجمہرات و منتقیات السبع کی تشریح	۶۳	وارثین زمین کی قرآنی تعریف	۸۷	قرون اولیٰ کے ایمان کا کیف	۱۰۱-۱۱۶

Marfat.com

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
خدا کی عینی شہادت کا حصول	۱۰۱	کی تشریح	۱۱۸	اتقا کے الٰہی مفہوم کی اہم شق استقلال و استحکام	۱۴۲
صحیفۂ فطرت کا مشاہدہ او معرفت خدا	۱۰۲	شرک کی ابتدائی شرح	۱۱۹	ایمان کا اٹل نتیجہ زمین میں تمکن ہے	۱۴۳
مشاہدۂ فطرت ایمان ہے	۱۰۳	لفظ جن کی ابتدائی تشریح	۱۱۹	اَلْقَوْلِ الثَّابِت کا صحیح مفہوم	۱۴۳–۱۴۴
لرزش قلب کا موجود ہونا ایمان ہے	۱۰۳	مَغْفِرَة کا صحیح مفہوم	۱۱۹	يُثَبِّتُ اللهُ کا قرآنی مفہوم	۱۴۴
ملازمت خدا کی عملی شہادت قرون اولیٰ میں	۱۰۴	شرک کن معنوں میں ناقابل عفو گناہ ہے	۱۱۹	**کیفیت اتقا**	۱۴۵–۱۶۳
تعلقات دنیوی کا انقطاع ایمان ہے	۱۰۴	اَلْجَنَّة کے حصول کے متعلق قرآنی ارشاد	۱۲۰	اتقا کا الٰہی مفہوم اتحاد امت اور اعتصام	
عبودیت خدا کی شہادت قرون اولیٰ میں	۱۰۵	تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ کا صحیح مفہوم	۱۲۰–۱۲۲	بِحَبْلِ اللهِ ہے۔	۱۴۵
شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ کی تشریح	۱۰۵	غزوۂ احد کا ذکر	۱۲۱	اعتصام بحبل اللہ کے معانی	۱۴۶
عبادۃ کا الٰہی مفہوم	۱۰۵–۱۱۳	مؤمن، شہداء، ظالم اور کافر کی تشریح	۱۲۱	أَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ کا صحیح مفہوم	۱۴۶
قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی استعداد قبول	۱۰۶–۱۱۶	قربانی جان و مال کے الٰہی ارشاد کی لم	۱۲۲–۱۲۵	اَلْمَعْرُوفِ اور اَلْمُنْكَرِ کی قرآنی مصطلحات	
سجود کا قرآنی مفہوم	۱۰۷	اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کا صحیح مفہوم	۱۲۳–۱۲۴	کی تشریح۔	۱۴۶–۱۵۱
رکوع کا قرآنی مفہوم	۱۰۷–۱۰۸	مُصِيبَة کا قرآنی مفہوم	۱۲۳–۱۲۶	قرآنی مصطلحات کی شرح میں لغت کا بسا اوقات	
عبادۃ کا قرآنی مفہوم اور قرآن کی لغت سے		مُصِيبَة، اعمال بد کی سزا ہے	۱۲۴–۱۲۶	گمراہ کن ہونا۔	۱۵۱
بے نیازی کی مثال	۱۰۸	تشریح سَيِّئَة اور حَسَنَة	۱۲۶–۱۳۲	اتقا کا نتیجہ از روئے قرآن دنیاوی امتیاز	
بنی اسرائیل کی فرعونی عبادۃ کی تشریح	۱۰۹	كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ اور مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ		اور تمکن ہے۔	۱۵۲–۱۵۳
مختلف مذاہب میں عبادت کے مسخ شدہ طریقے	۱۱۰–۱۱۱	اور عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ، کا مفہوم	۱۲۸	يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا کی تشریح	۱۵۲
اسلامی نماز کی اصلیت رفتہ رفتہ مسخ ہو چکی	۱۱۱	حسن عمل کا الٰہی مفہوم	۱۳۰	فضل کے قرآنی معانی	۱۵۲
اسلام میں تسبیح کا غلط استعمال	۱۱۲	اَلْحَسَنَة کا بلند معیار از روئے قرآن	۱۳۱	کفر اور اتقا کا مقابلہ از روئے قرآن	۱۵۳
إِيَّاكَ نَعْبُدُ کی تشریح	۱۱۲	نُكَفِّرْ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ کا صحیح مفہوم	۱۳۱	تقوے کا غلط مروج مفہوم	۱۵۴–۱۵۵
مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ کی تشریح	۱۱۳	صلوٰۃ کے مفہوم کی تشریح	۱۳۲	اتقا کے تشریح شدہ مطالب کی فہرست	۱۵۴
سچے مومنوں کی قرآنی تعریف	۱۱۴	نبی کریم پر درود بھیجنے کا صحیح مفہوم	۱۳۲	متقی قوم کی دنیا اور آخرت دونوں از روئے	
قولی ایمان از روئے قرآن محض کچھ شے نہیں	۱۱۴	منافقین عرب پر درود بھیجنے کا الٰہی مفہوم	۱۳۳	قرآن درست ہیں۔	۱۵۵–۱۵۶
ایمان کے لاینفک لوازمات کے متعلق		اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ کے مطالب	۱۳۴	وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ کی تشریح اور اس کا	
الٰہی ارشاد	۱۱۵	نماز کے التحیات کے مطالب	۱۳۴	غلط مروج مفہوم	۱۵۶–۱۵۷
جنت اور الجنۃ میں فرق، جنت کا الٰہی مفہوم	۱۱۵–۱۱۶	الخیرات کی قرآنی اصطلاح کا صحیح مفہوم	۱۳۴–۱۳۶	پیر پرستی کے خلاف قرآنی شہادت	۱۵۶–۱۵۷
قرون اولیٰ کے ایمان کا صحیح نصب العین	۱۱۶–۱۲۳	قَرْضًا حَسَنًا کا الٰہی مفہوم	۱۳۷–۱۳۸	متقی قوم کی دنیاوی حالت کیونکر درست ہے	۱۵۸
ایمان کا شدت حب سے ترادف	۱۱۷	شکر کے صحیح معانی	۱۳۸	اَوْلِيَاءَ اللهِ کی تشریح اور کون اشخاص اس	
ایمان اور ترک ماسوا	۱۱۷	کیا زکوٰۃ صرف ایک مذہبی رسم تھی؟	۱۳۹–۱۴۰	خطاب کے مصداق ہیں۔	۱۵۸
صادق اور صدقہ کی تشریح۔	۱۱۷	ایمان کی اہم قرآنی شرائط	۱۴۰	متقی قوم کے لیے روئے زمین کی بادشاہت	
عبادت اطاعت احکام الٰہی ہی ہے۔	۱۱۸	ایمان کی تخصیص کسی مذہب سے نہیں	۱۴۰	وقف ہے۔	۱۵۹
وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ		قربانی مال و جان کی الٰہی اغراض	۱۴۱–۱۴۲	تقویٰ اور توحید کا عملی مفہوم قرون اولیٰ میں	۱۶۰–۱۶۳

Marfat.com

مضامین	صفحہ
مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ کی تشریح	۱۶۱
دِیْن کے معانی	۱۶۱
لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ اور مٰلِكِ يَوْمِ	
الدِّيْنِ کا صحیح مفہوم۔	۱۶۱
اتقا کا نتیجہ پیش بندی اور حفظ نفس ہے	۱۶۲
مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ کا صحیح مفہوم۔	۱۶۲
اتقائے خدا کا نتیجہ دشمن کو مرعوب اور	
مغلوب کرنا ہے۔	۱۶۳
کافر قوم کی خصوصیات۔	۱۶۳
صاحب ایمان قوم کا دشمن پر غالب رہنا	
اٹل ہے۔	۱۶۳-۱۶۶
کفر اور ایمان کے انتہائی درجے	۱۶۴
دنیاوی تمکن کا ایمان والوں کے شامل حال ہونا اٹل ہے	۱۶۵
مظفر و منصور ہونا صرف پیغمبر سے مخصوص نہیں	۱۶۵
صاحب ایمان قوم پر ملائکہ کا نزول	۱۶۵
ایمان اور اتقا آپس میں توام ہیں	۱۶۶
ایمان کی طاقت قرون اولیٰ میں اور	
ایمان والوں کا دنیاوی تمکن اور عروج۔	۱۶۶-۱۶۸
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے مفہوم کی پہلی شق	۱۶۸
سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ کے صحیح	
مطالب۔	۱۶۸
اطاعت رسول	۱۶۹-۱۷۲
اطاعت رسول کی کیفیت قرون اولیٰ میں	
اور تحویل قبلہ کا حکم۔	۱۶۹
اطاعت رسول از روئے قرآن ایمان کی	
ایک اہم شق تھی۔	۱۷۰
اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کا صحیح مفہوم قرون	
اولیٰ میں اور اسکا اطلاق زمانہ حال میں۔	۱۷۰-۱۷۱
رسول خدا کی وفات کے بعد اطاعت رسول کا مفہوم	۱۷۱
امت اسلام کیلئے ایک امیر کی ضرورت۔	۱۷۱
اطاعت خدا اور اطاعت رسول کا ترادف قرون اولیٰ میں	۱۷۱

مضامین	صفحہ
ظَلَمُوْا کی قرآنی اصطلاح بمعنی عصیان امیر	۱۶۱
اتقائے خدا اور اطاعت امیر۔	۱۶۱
صحیح توحید کا نتیجہ استحکام جماعت ہے۔	
قربانی مال، جان اور اطاعت امیر کی	۱۶۱
غرض و غایت تقویت قوم تھی۔	۱۶۲
تقویت قوم کلام وحی کا منتہائے نظر تھا۔	۱۶۲
انسان کیلئے وحی کی ضرورت۔	
کتاب وحی کا مآل حفظ نفس کے اصول	۱۶۳
پیش کرنا تھا۔	۱۶۳
قرآن کے نازل ہونے کا مآل امت کو حفظ	
نفس کے اصول سکھلانا ہے۔	۱۶۳-۱۶۶
ظلمت جہل سے نور علم کیطرف نکالنا ہے	۱۶۴
اَلظُّلُمٰتِ اور اَلنُّوْرِ کی تشریح۔	۱۶۵
اتقا اور تسلیم خدا کا مآل امت کو دنیا میں	۱۶۵
بے خوف و خطر کر دینا ہے۔	۱۶۵
اِسْلَام اور اِحْسَان کی قرآنی مصطلحات	۱۶۶
کی توضیح۔	
اسلام کے سب اوامر و نواہی کا منتہا	۱۶۶-۱۶۸
سیاسی اور اجتماعی غلبہ تھا	۱۶۸
حفظ نفس از روئے قرآن نعمت خدا ہے۔	
اتحاد، اطاعت اور اتقا لازمہ ایمان ہیں	۱۶۸
اَعْلَوْنَ بنا رضائے خدا کی علامت ہے	۱۶۹-۱۷۲
تاسیس بیت المال کی حکمت۔	
ایثار مال کا مصدق ایمان، محرک عشق اور مطہر	۱۶۹
قلب ہونا۔	
ایثار مال کے انسان کی اجتماعی بہتری	۱۷۰
کے لیئے ہونے کی قرآنی شہادت۔	
رسول خدا کے مبعوث ہونے کی واحد	۱۷۰-۱۷۱
غرض و غایت۔	۱۷۱
جنّت کی قرآنی اصطلاح کا اخروی جنّت اور	۱۷۱
اور دنیاوی بادشاہت دونوں پر اطلاق۔	۱۷۱

مضامین	صفحہ
ایمان کے لازمات کی فہرست۔	۱۷۲
ایمان کی ساٹھ شاخیں۔	۱۷۲
اَلْهُدٰى اور دِيْنِ الْحَقِّ کی تشریح۔	۱۷۳
شاہ محمد تغلق کے سکوں پر کتبے۔	
اسلام کا منتہائے توحید از روئے قرآن	۱۷۳
دنیا میں غالب بنکر رہنا ہے۔	۱۷۴-۱۷۵
سیاسی تمکن کے منتہائے توحید ہونے کی قرآنی شہادتیں	۱۷۴
رؤیا کی حقیقت۔	
غلبہ اسلام و اتحاد عالم	۱۷۵-۱۷۶
اسلام کے سیاسی تمکن اور غلبے میں بنی	
نوع انسان کا اتحاد مضمر تھا۔	۱۷۶
دین اسلام کی دعوت اتحاد کی پہلی مشترک	۱۷۶
اساس توحید ہے۔	۱۷۶
تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ کی	
تشریح۔	۱۷۷
اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کی توضیح۔	
عِبَادَةٌ کا صحیح مفہوم، توحید کا عملی مفہوم اور شرک	۱۷۷
دوسری مشترک اساس سب انبیاء کو بلا	
تفریق منجانب اللہ ماننا ہے۔	۱۷۸-۱۸۲
ایمان صرف عمل کا نام ہے زبان کو اس سے کچھ تعلق نہیں	۱۷۸
تیسری مشترک اساس آپسمیں فرقہ بند	۱۷۹
نہ بننا ہے۔	۱۷۹
كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً کا صحیح مفہوم	۱۸۰
بنی نوع انسان کی وحدت نسل۔	
مقتضائے طبیعت اتحاد ہے۔	۱۸۰-۱۸۱
غیر انسانی انواع کے افراد کا آپسمیں اتحاد مقتضائے طبیعت	
انبیائے کرام از روئے قرآن ایک پیغام کے حامل تھے	۱۸۱
خدائے عزّوجل کا مقصود بنی نوع انسان کو متحد کرنا ہے	
مَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً کا صحیح مفہوم	۱۸۲
اَلْاِسْلَام کی قرآنی اصطلاح کی حقیقت	
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً کا صحیح مفہوم	۱۸۲

مضامین	صفحہ
ایمان کے لازمات کی فہرست۔	۱۸۲-۱۸۳
ایمان کی ساٹھ شاخیں۔	۱۸۳
اَلْهُدٰى اور دِيْنِ الْحَقِّ کی تشریح۔	۱۸۳
شاہ محمد تغلق کے سکوں پر کتبے۔	۱۸۳
اسلام کا منتہائے توحید از روئے قرآن	
دنیا میں غالب بنکر رہنا ہے۔	۱۸۴-۱۸۵
سیاسی تمکن کے منتہائے توحید ہونے کی قرآنی شہادتیں	۱۸۴
رؤیا کی حقیقت۔	۱۸۴
غلبہ اسلام و اتحاد عالم	۱۸۵-۱۹۵
اسلام کے سیاسی تمکن اور غلبے میں بنی	
نوع انسان کا اتحاد مضمر تھا۔	۱۸۵-۱۸۶
دین اسلام کی دعوت اتحاد کی پہلی مشترک	
اساس توحید ہے۔	۱۸۶-۱۸۷
تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ کی	
تشریح۔	۱۸۶
اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کی توضیح۔	۱۸۶
عِبَادَةٌ کا صحیح مفہوم، توحید کا عملی مفہوم اور شرک	۱۸۶
دوسری مشترک اساس سب انبیاء کو بلا	
تفریق منجانب اللہ ماننا ہے۔	۱۸۷-۱۸۸
ایمان صرف عمل کا نام ہے زبان کو اس سے کچھ تعلق نہیں	۱۸۷
تیسری مشترک اساس آپسمیں فرقہ بند	
نہ بننا ہے۔	۱۸۸-۱۹۳
كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً کا صحیح مفہوم	۱۸۸-۱۸۹
بنی نوع انسان کی وحدت نسل۔	۱۸۹
مقتضائے طبیعت اتحاد ہے۔	۱۸۹
غیر انسانی انواع کے افراد کا آپسمیں اتحاد مقتضائے طبیعت	۱۸۹
انبیائے کرام از روئے قرآن ایک پیغام کے حامل تھے	۱۹۰
خدائے عزّوجل کا مقصود بنی نوع انسان کو متحد کرنا ہے	۱۹۰
مَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً کا صحیح مفہوم	۱۹۱
اَلْاِسْلَام کی قرآنی اصطلاح کی حقیقت	۱۹۱
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً کا صحیح مفہوم	۱۹۲

Marfat.com

مضامین	صفحہ
مشیت خدا اور منشائے خدا میں فرق	۱۹۳
تفرقے کا باعث خود انسان ہے خدا نہیں	۱۹۳
وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَّاحِدَةً کی تشریح	۱۹۴
وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ کی تشریح۔	۱۹۵-۱۹۶
تمکن اسلام و نقش توحید	۱۹۶-۲۰۲
توحید کا عملی منظر اور دعوتِ اتحاد	۱۹۶-۱۹۷
توحید کی قوت اور نافعیت	۱۹۷-۱۹۸
الْإِسْلَام کی حقیقت	۱۹۷
توحید کی نافعیت کی تشریح	۱۹۸
توحید کا پیدا کیا ہوا اخلاق	۱۹۸-۲۰۲
القائے خدا کا پیدا کیا ہوا ایفائے عہد	۱۹۸
ایفائے عہد کی اسلام میں اہمیت	۱۹۸-۱۹۹
قرآن حکیم کے احکام کی گرانقدر حکمت اور آیہ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ کی تشریح	۱۹۹-۲۰۰
توحید کا پیدا کیا ہوا عجز و انکسار قرون اولیٰ میں۔	۲۰۰-۲۰۱
إِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا کی ایک مستحسن تشریح	۲۰۰-۲۰۱
علو اخلاق اور شہادت خدا قرون اولیٰ میں۔	۲۰۲
القائے خدا کے عملی منظر کی ایک نویں صدی ہجری کی مثال	۲۰۲
۵۔ حکمت عبادات	۲۰۳-۲۴۰
نقش توحید علو اخلاق اور القائے خدا کا تبلیغی اثر صدر اسلام میں۔	۲۰۳
دین اسلام کی دعائی اور دعوتی حیثیتیں	۲۰۳-۲۰۴
دین اسلام کے عالمگیر جماعت پیدا کرنیکا راز	۲۰۴
قوت اور تمکن پیدا کرنیکے وسائل	۲۰۴

مضامین	صفحہ
اسلام کا ہرامونی قوت پیدا کرنے اور بنی نوع انسان کو اپنے میں جذب کر لینے کا جادو ہے۔	۲۰۵
حکمت الصلوٰۃ	۲۰۵-۲۴۰
الصلوٰۃ کی ماہیت	۲۰۵
الصلوٰۃ سے مقصود خارجی نظم و نسق پیدا کرنا ہی ہے۔	۲۰۶
الصلوٰۃ اور اطاعت امیر	۲۰۶
الصلوٰۃ اور مساوات	۲۰۶
الصلوٰۃ اور انتہاء عن الفحشاء والمنکر	۲۰۶
الصلوٰۃ اور اطاعت امام کی غرض و غایت	۲۰۶
مساجد خدا کے اندر موجودہ بدنظمی	۲۰۶
الفحشاء کا آلٰہی مفہوم	۲۰۶-۲۰۹
نماز میں خدا کے حضور میں نمازی کی واحد گذارش	۲۰۷-۲۱۰
الفحشاء کے مفہوم کی پانچ شقیں	۲۰۹
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا صحیح مفہوم	۲۱۰-۲۲۴
الہدیٰ اور دینِ الحق کے الفاظ کی الصراط المستقیم سے مناسبت	۲۱۰
نعمت کا آلٰہی مفہوم از روئے قرآن اور اسکی صحیح تشریح۔	۲۱۰-۲۲۴
المغضوب علیہم اور الضالین کا غلط مروج مفہوم	۲۱۰
الصراط اور انعمت علیہم کا مروج مفہوم	۲۱۰-۲۱۱
بال سے باریک اور تلوار سے تیز راہ کا فلسفیانہ مفہوم	۲۱۱
صراط مستقیم پر چلنے کا مفہوم قطعاً عدل پر رہنا ہے	۲۱۱
نعمت کا مفہوم از روئے قرآن سراسر دنیاوی ہے	۲۱۲

مضامین	صفحہ
نعمت کا لفظ دنیاوی نعمتوں کے معنوں میں	۲۱۲-۲۱۳
نعمت کا لفظ انسانی ناقدر شناسی کے بیان کے ضمن میں	۲۱۳-۲۱۴
نعمت کا لفظ تذکیر آلَاءِ اللّٰہِ کے ضمن میں۔	۲۱۴-۲۱۵
نعمت کا لفظ بنی اسرائیل سے خطاب کے ضمن میں۔	۲۱۵-۲۱۶
نعمت کا لفظ قرون اولیٰ کے مسلمانوں سے خطاب کے ضمن میں	۲۱۶-۲۱۸
نعمت کا لفظ توفیق عمل کے معنوں میں	۲۱۹-۲۲۰
انبیائے کرام کے بارے میں أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کے الفاظ کا صحیح مفہوم	۲۲۱-۲۲۲
نعمت کے آلٰہی مفہوم کی فہرست	۲۲۲
المغضوب علیہم کی تشریح	۲۲۳
الضالین کی شرح اور ضلال کا صحیح مفہوم	۲۲۳
صراط مستقیم	۲۲۴-۲۴۶
صراط مستقیم کی دعا میں حصول نعمت کے لئے اضطراب	۲۲۴-۲۲۶
صراط مستقیم کے الفاظ میں اختصار راہ کا مفہوم	۲۲۴
صراط مستقیم اور خط مستقیم میں مماثلت	۲۲۴-۲۲۵
يَهْدِيَهُمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا کا صحیح مفہوم	۲۲۵
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کی دعا جماعتی دعا ہے انفرادی نہیں۔	۲۲۵
نماز کے اندر متکلم کی واحد اور جمع کی ضمیریں	۲۲۵
صراط مستقیم کا آلٰہی مفہوم از روئے قرآن۔	۲۲۶-۲۴۶
صراط مستقیم کے مفہوم کی پہلی شق اتحاد ہے	۲۲۶

Marfat.com

مضامین	صفحہ
صراط مستقیم کے مفہوم کی گذشتہ شقوں کی فہرست	۲۲۶
قرآنی رکوع سے ہر موقع پر پہلے مضمون کا انقطاع مراد نہیں ہوتا	۲۲۶
سعی و عمل میں استقلال اور نتائج کے بارے میں توکّل صراط مستقیم ہے۔	۲۲۷
ایمان کے لوازم پر عمل صراط مستقیم ہے۔	۲۲۷
اُمت کی تقویت کیلئے ایثار مال صراط مستقیم ہے	۲۲۷
'الکتٰب' کا الٰہی مفہوم۔	۲۲۷
کتاب خدا کی نور سے تشبیہ۔	۲۲۷
کتاب خدا کے مقاصد کے بارہ میں اختلاف نہ پیدا کرنا اور عبادت شیطان نہ کرنا صراط مستقیم ہے	۲۲۸
مناسک اور ظواہر مذہب کو پیش نظر رکھکر باہمی نزاع پیدا کرنا صراط مستقیم کے نقیض ہے	۲۲۸
آیۂ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا الخ کے صحیح مفہوم کی تشریح	۲۲۸-۲۳۴
تمام اُمت کا صورتاً اور عملاً ایک مرکز پر جمع ہونا صراط مستقیم ہے۔	۲۲۹
آیۂ سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ الخ کے صحیح معانی کی تبیین	۲۲۹
'مَنْسِك' کے معانی۔	۲۲۸-۲۲۹
'مَنَاسِك' اور 'عِبَادَة' میں فرق۔	۲۲۹
ابراہیم کی توحید پر عامل ہونا صراط مستقیم ہے	۲۳۰-۲۳۲
'ذکر' خدا کا صحیح مفہوم۔	۲۳۰-۲۳۲
الصلٰوة کا صحیح منتہائے نظر ذکر خدا ہے۔	۲۳۰
الصلٰوة کے بقید وقت ادا کرنے کی حکمت۔	۲۳۰
'مُسْلِم' بننے کا صحیح مفہوم۔	۲۳۰
'نُسُك' کے الٰہی مفہوم کی تشریح	۲۳۱
'فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ' کا الٰہی مفہوم	۲۳۲
فاطر زمین و آسمان کو مشرق و مغرب کی کچھ تخصیص نہیں	۲۳۳
اقوام عالم کے بالمقابل برگزیدہ اور برتر ہو کر رہنا صراط مستقیم ہے۔	۲۳۴
زمین خدا پر عدل و انصاف سے حکومت کرنا صراط مستقیم ہے	۲۳۴
سُبُلَ السَّلٰم پر چلتے رہنا صراط مستقیم ہے۔	۲۳۴
الظُّلُمٰت اور النُّور کے الٰہی مفہوم کی ابتدائی تشریح	۲۳۴
دار السّلٰم کیطرف پہنچنے کی سعی کرنا صراط مستقیم ہے	۲۳۵

مضامین	صفحہ
صراط مستقیم حفظ نفس اور ابقا اتحاد اور توحید اتقا اور اطاعت امیر کے مترادف ہے۔	۲۳۵
دار السّلٰم کے صحیح معانی	۲۳۵
تمسک قانون خدا صراط مستقیم ہے۔	۲۳۶
خوف عذاب الٰہی اور بیم روز جزا صراط مستقیم ہے	۲۳۶
صراط مستقیم پر چلنے کا واحد نتیجہ دنیوی تعزز اور نعمت خدا کا حصول ہے۔	۲۳۶-۲۳۷
سعی و عمل کیلئے شرح صدر کر دینا صراط مستقیم ہے	۲۳۸
صراط مستقیم کے الٰہی مفہوم سے مسلمانان عالم کی محض بے خبری۔	۲۳۸-۲۳۹
مکارم اخلاق پر قائم ہو جانا صراط مستقیم ہے۔	۲۴۰
صراط مستقیم پر چلنے کی سیاسی اغراض و غایات	۲۴۱
خدا کی راہ میں پیہم سعی و عمل کرتے رہنا ہی صراط مستقیم ہے	۲۴۲
دنیا میں غالب آکے رہنے کی حکمت پر کاربند ہو جانا صراط مستقیم ہے	۲۴۲
'مُحْسِنِين' کی صحیح تعریف۔	۲۴۲
جہاد بالسیف ہجرت وطن و اطاعت امیر صراط مستقیم ہے	۲۴۳
مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم کے معانی کی تبیین۔	۲۴۳-۲۴۵
النَّبِيِّين، اور الصِّدِّيقِين، اور الشُّهَدَاء، اور الصّٰلِحِين کی معیت کا صحیح مفہوم اور انکے مقام حاصل کرنیکے لیے کن اعمال کا ہونا ضروری ہے۔	۲۴۴
اولوا الامر کی اطاعت کی اہمیت۔	۲۴۴
رُسُل کے بھیجے جانے کی واحد غرض و غایت انکی اطاعت ہی تھی	۲۴۴
قرآن کے الصراط المستقیم کا صحیح اور واحد مفہوم	۲۴۴-۲۴۶
الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيم کے الفاظ کا قرآن میں ورود	۲۴۵
موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيم پر چلنے کی نوعیت	۲۴۵
مؤمنین اور محسنین کے بلند مقام حاصل کرنیکے شرائط	۲۴۶
خوف و رجا کا دلوں کے اندر موجود ہونا ہی نماز کا محرک تھا	۲۴۶-۲۴۸
'اِيَّاكَ نَعْبُدُ' کے صحیح معانی۔	۲۴۷
الصلٰوة کی اہمیت اور اسکے نصب العین کا مسلمانان عالم کے دلوں سے محو ہو جانا۔	۲۴۸-۲۵۰
مغرب کی شہنشی تعلیم و تبلیغ کا مسلمانوں کی حیات پر مہلک اثر	۲۴۹-۲۵۱
دین خدا کو لہو و لعب سمجھنے کے نتائج۔	۲۵۰-۲۵۱

مضامین	صفحہ
مساجد کی ویرانی اور نماز گذاروں کا کبر و غرور	۲۵۱
مساجد کی نفاق آرائی اور نماز گذاروں کا اخلاقی انحطاط	۲۵۱-۲۵۲
الصلٰوة کا صحیح منتہائے نظر وسعت قلب و سماحت پیدا کرنا ہے۔	۲۵۲
الصلٰوة تنگدلی، بخل اور نفاق کی قاطع ہے	۲۵۲
منافقین کی الٰہی تعریف۔	۲۵۳
الصلٰوة کا پیش نہاد اتحاد و اصلاح بین الناس ہی ہے	۲۵۳
الصلٰوة کا نسیان اور مساجد کو تفریق سے باز رکھنے کی الٰہی حکمت۔	۲۵۳-۲۵۴
مسجد ضرار کا ذکر اور 'الظّٰلِمِين' کا الٰہی مفہوم۔	۲۵۵-۲۵۶
'اِتّقا' بمعنی اتحاد، 'ظلم' بمعنی تفرقہ اور ظلم کے الٰہی معانی کی فہرست	۲۵۶
عہد حاضر کی اکثر مسجدیں صحیح معنوں میں مساجد ضرار ہیں۔	۲۵۶
'المُطَّهِّرِين' کا صحیح الٰہی مفہوم اور مبنی طہارت میں مسلمانوں کا غلو	۲۵۷
امامت کا جلیل القدر منصب اور اسپر تقرری کی شرائط	
اور مسلمانوں کا اسکے صحیح منشا سے متعلق نسیان میں	۲۵۸-۲۶۱
آیۂ اِذِ ابْتَلٰی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ الخ کا صحیح مفہوم اور شارحین قرآن کی حیرت انگیز غلط بیانی۔	۲۵۹-۲۶۱
منتہائے الصلٰوة	۲۶۱-۲۷۱
الصلٰوة سے جماعت کا باہمی اتحاد، اطاعت امیر مساوات، پابندی وقت و غیرہ وغیرہ مدنظر تھا۔	۲۶۱-۲۶۲
صراط مستقیم کے الٰہی مفہوم کی مکمل فہرست۔	۲۶۱-۲۶۲
سچے مومن بننے کی شرائط اور اقامت الصلٰوة کا صحیح مفہوم	۲۶۳-۲۶۴
ایمان اور اقامت الصلٰوة کا لازم و ملزوم ہونا۔	۲۶۳
الصلٰوة کا میثاق ایزدی بنی اسرائیل سے اور اقامت الصلٰوة کی قرآنی شرائط۔	۲۶۴-۲۶۵
'جَنّٰتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهٰر' کا دنیاوی مفہوم و مطلب مسیح کے میثاق سے اسکا تقابل۔	۲۶۵-۲۶۶
'کمال' کے قرآنی معانی کی مزید تشریح۔	۲۶۶
الصلٰوة کے صورتاً بگڑ جانیکے دلائل۔	۲۶۶-۲۶۷
'سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي' کی وحی کے بارے میں خدا کا احسان جتلانا اور اسکی اہمیت۔	۲۶۸
سورۂ فاتحہ کن معنوں میں تمام قرآن کا ملخص ہے۔	۲۶۸-۲۶۹
قرآن کا منتہائے نظر الظُّلُمٰت سے النُّور کی طرف نکالنا ہے اور ان الفاظ کے صحیح مطالب — تمت	۲۶۹-۲۷۰

۹۲۳۶۷

Marfat.com

فہرست آیاتِ تذکرہ

(جلد دوم)

اس فہرست میں صرف اُن آیاتِ الٰہی کا حوالہ دیا گیا ہے جن کے الفاظ مع مطالب متن کتاب یا حواشی میں آگئے ہیں۔ جہاں صرف آیت کا شمار لکھ کر حوالہ دیا گیا اُن کو نظر انداز کر دیا گیا۔

شمارہ	شمار آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
	۱-الفاتحہ (۷)	
۱	(۱:۱)	۲۴۷
۲	(۲:۱)	۲۴۷
۳	(۳:۱)	۱۹۱، ۲۴۷
۴	(۴:۱)	۱۱۲، ۲۴۷
۵	(۵:۱)	۱۶۹، ۲۲۰، ۲۲۴
۶	(۶:۱)	۲۲۰، ۲۲۴
۷	(۷:۱)	۲۲۰، ۲۳۷
۲۹۳	۲-البقرۃ (۲۸۶)	
۸	(۲۳:۲)	۶۵
۹	(۲۶:۲)	۷۸
۱۰	(۳۰:۲)	۱۶۹
۱۱	(۴۰:۲)	۲۱۶
۱۲	(۴۳:۲)	۱۰۸
۱۳	(۴۵:۲)	۱۱۱، ۲۴۹، ۲۹۱،
۱۴		۲۹۷، ۲۹۸
۱۵	(۴۷:۲)	۲۱۶
۱۶	(۵۴:۲)	۷۸
۱۷	(۵۵:۲)	۷۸
۱۸	(۵۷:۲)	۷۹
۱۹	(۶۱:۲)	۲۹۸، ۲۲۳
۲۰	(۱۱۲:۲)	۱۷۷
۲۱	(۱۲۲:۲)	۲۱۶
۲۲	(۱۲۴:۲)	۲۵۸
۲۳	(۱۲۹:۲)	۵۴
۲۴	(۱۳۶:۲)	۱۸۵، ۱۸۷
۲۵	(۱۳۷:۲)	۱۸۷
۲۶	(۱۳۸:۲)	۱۸۷
۲۷	(۱۴۲:۲)	۲۲۹
۲۸	(۱۴۳:۲)	۱۰۵، ۱۷۰
۲۹	(۱۴۴:۲)	۱۳۶
۳۰	(۱۴۵:۲)	۱۳۶
۳۱	(۱۴۸:۲)	۱۳۷
۳۲	(۱۵۰:۲)	۲۱۸
۳۳	(۱۵۱:۲)	۵۴
۳۴	(۱۵۲:۲)	۲۴۸
۳۵	(۱۵۳:۲)	۲۴۸
۳۶	(۱۵۴:۲)	۱۲۶
۳۷	(۱۵۵:۲)	۱۲۳
۳۸	(۱۵۶:۲)	۱۲۳
۳۹	(۱۵۷:۲)	۱۲۳
۴۰	(۱۶۵:۲)	۱۱۷، ۱۱۹
۴۱	(۱۶۸:۲)	۲۰۷
۴۲	(۱۶۹:۲)	۲۰۷
۴۳	(۱۸۶:۲)	۲۴۸
۴۴	۱۹۸:۲)	۲۳۰
۴۵	(۲۰۰:۲)	۲۳۰
۴۶	(۲۱۱:۲)	۲۱۵
۴۷	(۲۱۳:۲)	۱۸۸، ۲۲۸
۴۸	(۲۲۸:۲)	۱۴۸
۴۹	(۲۲۹:۲)	۱۴۸، ۱۷۵
۵۰	(۲۳۱:۲)	۱۴۸، ۲۱۷
۵۱	(۲۳۲:۲)	۱۴۸
۵۲	(۲۳۳:۲)	۱۴۸
۵۳	(۲۳۴:۲)	۱۴۸
۵۴	(۲۳۶:۲)	۱۴۸
۵۵	(۲۴۱:۲)	۱۴۹
۵۶	(۲۶۷:۲)	۲۰۷
۵۷	(۲۶۸:۲)	۲۰۷
۵۸	(۲۷۳:۲)	۱۶۸، ۲۰۱
۳۹۲	۳-آلِ عمران (۱۹۹)	
۵۹	(۳:۳)	۸۹
۶۰	(۱۳:۳)	۸۷
۶۱	(۱۸:۳)	۱۹۱، ۲۰۳
۶۲	(۱۹:۳)	۱۹۱
۶۳	(۴۱:۳)	۲۲۲
۶۴	(۴۲:۳)	۱۰۸
۶۵	(۵۳:۳)	۵۲
۶۶	(۶۳:۳)	۱۸۷
۶۷	(۷۵:۳)	۱۹۸
۶۸	(۸۳:۳)	۱۸۵، ۱۸۸، ۱۹۷
۶۹	(۸۴:۳)	۱۹۷
۷۰	(۹۶:۳)	۱۷۳
۷۱	(۱۰۰:۳)	۲۲۶
۷۲	(۱۰۱:۳)	۲۲۹، ۱۴۵
۷۳	(۱۰۲:۳)	۱۴۵، ۲۱۷، ۲۲۹، ۲۵۹
۷۴	(۱۰۳:۳)	۱۴۵، ۱۵۱، ۲۲۹،
۷۵	(۱۰۴:۳)	۱۴۵
۷۶	(۱۱۱:۳)	۲۲۳
۷۷	(۱۱۲:۳)	۱۰۷
۷۸	(۱۱۳:۳)	۱۳۷
۷۹	(۱۱۴:۳)	۱۳۷
۸۰	(۱۱۹:۳)	۱۲۷
۸۱	(۱۳۷:۳)	۸۹
۸۲	(۱۳۸:۳)	۱۰۷، ۱۰۹، ۱۲۱، ۱۵۳، ۱۴۹
۸۳	(۱۳۹:۳)	۱۲۰
۸۴	(۱۴۰:۳)	۱۴۲، ۱۳۰
۸۵	(۱۴۱:۳)	۱۲۰
۸۶	(۱۴۲:۳)	۱۲۰
۸۷	(۱۵۳:۳)	۱۴۲
۸۸	(۱۶۳:۳)	۵۴
۸۹	(۱۶۴:۳)	۱۲۴
۹۰	(۱۶۵:۳)	۱۲۴
۹۱	(۱۶۶:۳)	۱۲۴
۹۲	(۱۶۸:۳)	۱۲۶
۹۳	(۱۷۰:۳)	۲۱۶
۹۴	(۱۷۳:۳)	۲۱۶
۹۵	(۱۸۰:۳)	۱۳۹
۹۶	(۱۹۴:۳)	۱۲۲
۹۷	(۱۹۵:۳)	۱۵۳
۹۸	(۱۹۶:۳)	۱۵۳
۹۹	(۱۹۷:۳)	۱۵۳
۱۰۰	(۱۹۹:۳)	۱۴۲، ۱۴۵، ۱۵۰
۶۶۹	۴-النساء (۱۷۷)	

Marfat.com

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۱۰۱	(۵:۴)	۱۴۹
۱۰۲	(۶:۴)	۱۴۹
۱۰۳	(۱۱:۴)	۱۸۹
۱۰۴	(۱۵:۴)	
۱۰۵	(۱۶:۴)	۱۸۹
۱۰۶	(۱۷:۴)	۱۸۹
۱۰۷	(۱۹:۴)	۱۴۹
۱۰۸	(۲۳:۴)	۱۸۹
۱۰۹	(۲۵:۴)	۱۴۹
۱۱۰	(۲۹:۴)	۱۸۹
۱۱۱	(۳۰:۴)	۱۸۹
۱۱۲	(۳۲:۴)	۱۸۹
۱۱۳	(۳۳:۴)	۱۸۹
۱۱۴	(۳۴:۴)	۱۸۹
۱۱۵	(۳۵:۴)	۱۸۹
۱۱۶	(۳۶:۴)	۱۸۹
۱۱۷	(۴۸:۴)	۱۲۰
۱۱۸	(۵۸:۴)	۲۴۱
۱۱۹	(۵۹:۴)	۲۴۴،۱۷۹
۱۲۰	(۶۲:۴)	۱۲۵
۱۲۱	(۶۴:۴)	۲۴۵
۱۲۲	(۶۶:۴)	۲۴۳
۱۲۳	(۶۷:۴)	۲۴۳
۱۲۴	(۶۸:۴)	۲۴۳
۱۲۵	(۶۹:۴)	۲۲۰،۲۴۳
۱۲۶	(۷۰:۴)	۲۴۳
۱۲۷	(۷۲:۴)	۱۲۵
۱۲۸	(۷۹:۴)	۱۲۷،۱۲۳
۱۲۹	(۸۰:۴)	۱۷۱
۱۳۰	(۸۲:۴)	۵۸
۱۳۱	(۱۰۳:۴)	۲۳۰،۱۸۹
۱۳۲	(۱۰۴:۴)	۱۶۴
۱۳۳	(۱۱۳:۴)	۵۴
۱۳۴	(۱۱۴:۴)	۱۴۹
۱۳۵	(۱۱۶:۴)	۱۱۹
۱۳۶	(۱۳۵:۴)	۲۵۷،۲۰۲
۱۳۷	(۱۴۲:۴)	۲۵۳
۱۳۸	(۱۴۳:۴)	۲۵۳
۱۳۹	(۱۴۵:۴)	۲۵۳
۱۴۰	(۱۷۶:۴)	۲۲۴
۷۷۹	۵-المائدة (۱۲۰)	
۱۴۱	(۳:۵)	۲۱۷،۵۷
۱۴۲	(۶:۵)	۲۱۷
۱۴۳	(۷:۵)	۲۱۸
۱۴۴	(۸:۵)	۲۰۲
۱۴۵	(۱۱:۵)	۲۱۶،۱۷۸
۱۴۶	(۱۲:۵)	۲۶۴
۱۴۷	(۱۳:۵)	۲۶۶
۱۴۸	(۱۵:۵)	۲۷۰،۲۳۵،۱۷۷
۱۴۹	(۱۶:۵)	۱۷۲،۲۷۰،۲۳۵
۱۵۰	(۲۰:۵)	۲۱۵
۱۵۱	(۲۲:۵)	۲۱۹
۱۵۲	(۲۳:۵)	۲۱۹
۱۵۳	(۳۵:۵)	۱۵۶
۱۵۴	(۴۴:۵)	۹۶،۸۹
۱۵۵	(۴۵:۵)	۹۶
۱۵۶	(۴۶:۵)	۸۹
۱۵۷	(۴۷:۵)	۹۶
۱۵۸	(۴۸:۵)	۱۹۳،۱۳۵
۱۵۹	(۵۰:۵)	۹۲
۱۶۰	(۵۵:۵)	۱۰۷
۱۶۱	(۵۶:۵)	۱۷۹،۱۵۳،۱۵۰
۱۶۲	(۵۷:۵)	۲۵۰
۱۶۳	(۵۸:۵)	۲۵۰
۱۶۴	(۱۰۶:۵)	۱۲۶
۱۶۵	(۱۰۹:۵)	۲۲۱
۱۶۶	(۱۱۰:۵)	۲۲۱
۱۶۷	(۱۱۲:۵)	۱۷۹
۹۵۵	۶-الانعام (۱۶۶)	
۱۶۸	(۴۴:۶)	۲۵۴
۱۶۹	(۴۵:۶)	۲۵۴
۱۷۰	(۴۷:۶)	۲۵۶،۸۱
۱۷۱	(۴۸:۶)	۸۱
۱۷۲	(۸۷:۶)	۲۳۴
۱۷۳	(۸۸:۶)	۲۳۴
۱۷۴	(۹۲:۶)	۸۹
۱۷۵	(۹۹:۶)	۱۵
۱۷۶	(۱۰۰:۶)	۱۱۵،۱۰۳
۱۷۷	(۱۱۵:۶)	۹۳،۹۲،۸۹
۱۷۸	(۱۱۶:۶)	۱۵۱،۹۳،۹۲،۴۰
۱۷۹	(۱۱۷:۶)	۹۳
۱۸۰	(۱۱۸:۶)	۹۳
۱۸۱	(۱۲۶:۶)	۲۳۸
۱۸۲	(۱۲۷:۶)	۲۳۸
۱۸۳	(۱۲۸:۶)	۲۳۸
۱۸۴	(۱۳۳:۶)	۹
۱۸۵	(۱۴۲:۶)	۱۱۵
۱۸۶	(۱۵۲:۶)	۲۴۱،۲۴۰
۱۸۷	(۱۵۳:۶)	۲۴۱،۲۴۰
۱۸۸	(۱۵۴:۶)	۲۴۲،۲۴۰
۱۸۹	(۱۵۵:۶)	۸۹
۱۹۰	(۱۵۶:۶)	۸۹
۱۹۱	(۱۵۸:۶)	۹۰
۱۹۲	(۱۶۰:۶)	۱۳۱
۱۹۳	(۱۶۱:۶)	۱۳۰
۱۹۴	(۱۶۲:۶)	۲۳۱
۱۹۵	(۱۶۳:۶)	۲۳۱
۱۹۶	(۱۶۴:۶)	۲۳۱
۱۹۷	(۱۶۶:۶)	۱۳
۱۱۶۱	۷-الاعراف (۲۰۶)	
۱۹۸	(۱۶:۷)	۱۹۵
۱۹۹	(۱۷:۷)	۱۹۵
۲۰۰	(۱۸:۷)	۱۹۵
۲۰۱	(۲۷:۷)	۲۰۷
۲۰۲	(۲۸:۷)	۲۰۷
۲۰۳	(۲۹:۷)	،۲۰۸،۲۰۶،۲۰۱ ۲۵۶،۲۱۱
۲۰۴	(۳۴:۷)	۱۷۷،۱۳
۲۰۵	(۳۵:۷)	۱۷۷،۴۳،۱۳
۲۰۶	(۵۲:۷)	۱۷۵،۹۲،۹۰،۵۸
۲۰۷	(۵۴:۷)	۱۳۱
۲۰۸	(۵۶:۷)	۲۰۵
۲۰۹	(۹۵:۷)	۱۲۷
۲۱۰	(۱۲۸:۷)	۳۹
۲۱۱	(۱۲۹:۷)	۹
۲۱۲	(۱۳۰:۷)	۱۲۷
۲۱۳	(۱۳۷:۷)	۴۰،۱۹
۲۱۴	(۱۳۸:۷)	۴۰
۲۱۵	(۱۵۲:۷)	۲۲۳
۲۱۶	(۱۵۴:۷)	۸۹
۲۱۷	(۱۵۶:۷)	۱۵۶
۲۱۸	(۱۵۷:۷)	۱۷۲
۲۱۹	(۱۵۸:۷)	۲۰۴
۲۲۰	(۱۶۲:۷)	۲۶۰
۲۲۱	(۱۶۸:۷)	۱۲۷
۲۲۲	(۱۷۶:۷)	۸۵
۲۲۳	(۱۸۲:۷)	۹۸

شمارہ	شمارۂ آیت مع سورہ	صفحۂ کتاب
۲۲۴	(۱۸۳:۷)	۹۸
۲۲۵	(۱۸۴:۷)	۶۳
۲۲۶	(۱۸۷:۷)	۸۴
۲۲۷	(۱۸۹:۷)	۴۰
۲۲۸	(۱۹۰:۷)	۴۰
۲۲۹	(۲۰۳:۷)	۵۷
۲۳۰	(۲۰۶:۷)	۱۰۷
۱۲۳۶	۸۔الانفال (۷۵)	
۲۳۱	(۱:۸)	۱۷۹،۲۶۳
۲۳۲	(۲:۸)	۱۰۳،۲۶۳
۲۳۳	(۳:۸)	۱۸۰،۲۶۳
۲۳۴	(۴:۸)	۱۸۰،۲۶۳
۲۳۵	(۷:۸)	۱۸۳
۲۳۶	(۸:۸)	۱۸۴
۲۳۷	(۱۱:۸)	۱۴۲،۱۴۴
۲۳۸	(۱۲:۸)	۱۴۴
۲۳۹	(۲۰:۸)	۱۷۰
۲۴۰	(۲۱:۸)	۱۷۰
۲۴۱	(۲۲:۸)	۱۷۰
۲۴۲	(۲۴:۸)	۱۷۱
۲۴۳	(۲۵:۸)	۱۷۱،۲۴۵
۲۴۴	(۲۶:۸)	۱۲،۱۲۴
۲۴۵	(۲۹:۸)	۱۵۲
۲۴۶	(۳۱:۸)	۷۱
۲۴۷	(۳۵:۸)	۱۱۱
۲۴۸	(۴۵:۸)	۱۴۳،۱۴۴،۱۵۰
۲۴۹	(۵۳:۸)	۲۱۲
۲۵۰	(۶۳:۸)	۱۷۶،۱۹۸
۲۵۱	(۶۴:۸)	۶۷
۲۵۲	(۶۵:۸)	۱۶۴
۲۵۳	(۶۶:۸)	۱۶۴
۲۵۴	(۷۴:۸)	۱۱۴،۱۲۵
۱۳۶۵	۹۔التوبة (۱۲۹)	
۲۵۵	(۴:۹)	۱۹۹
۲۵۶	(۱۳:۹)	۱۵۷،۱۵۸
۲۵۷	(۲۰:۹)	۱۱۸
۲۵۸	(۲۱:۹)	۱۱۵
۲۵۹	(۲۲:۹)	۱۱۵
۲۶۰	(۳۱:۹)	۱۸۶
۲۶۱	(۳۲:۹)	۱۸۴،۲۷۱
۲۶۲	(۳۳:۹)	۱۸۴

شمارہ	شمارۂ آیت مع سورہ	صفحۂ کتاب
۲۶۳	(۳۴:۹)	۱۳۸
۲۶۴	(۳۵:۹)	۱۳۸
۲۶۵	(۳۹:۹)	۹
۲۶۶	(۴۴:۹)	۱۵۸
۲۶۷	(۴۵:۹)	۱۵۸
۲۶۸	(۵۰:۹)	۱۲۵
۲۶۹	(۶۷:۹)	۱۴۹
۲۷۰	(۷۰:۹)	۷۶
۲۷۱	(۷۱:۹)	۱۵۰
۲۷۲	(۸۴:۹)	۱۳۳
۲۷۳	(۸۸:۹)	۱۳۴
۲۷۴	(۸۹:۹)	۱۳۴
۲۷۵	(۹۷:۹)	۸۰
۲۷۶	۹۹:۹)	۱۳۲
۲۷۷	(۱۰۳:۹)	۱۳۲،۱۸۱
۲۷۸	(۱۰۴:۹)	۱۳۹
۲۷۹	(۱۰۷:۹)	۲۵۵
۲۸۰	(۱۰۸:۹)	۲۵۵،۲۵۷
۲۸۱	(۱۰۹:۹)	۲۵۵
۲۸۲	(۱۱۰:۹)	۲۵۵
۲۸۳	(۱۱۱:۹)	۱۴۰
۱۴۷۴	۱۰۔یونس (۱۰۹)	
۲۸۴	(۱:۱۰)	۵۳
۲۸۵	(۱۴:۱۰)	۱۰
۲۸۶	(۱۹:۱۰)	۱۹۱
۲۸۷	(۲۵:۱۰)	۲۳۵
۲۸۸	(۲۷:۱۰)	۱۲۸
۲۸۹	(۳۴:۱۰)	۲۴
۲۹۰	(۴۴:۱۰)	۱۲۱
۲۹۱	(۵۷:۱۰)	۹۰
۲۹۲	(۶۲:۱۰)	۱۵۸
۲۹۳	(۶۳:۱۰)	۱۵۸
۲۹۴	(۶۴:۱۰)،۸۲	۱۵۸،۱۸۵
۲۹۵	(۱۰۳:۱۰)	۱۲۶
۱۵۹۷	۱۱۔ھود (۱۲۳)	
۲۹۶	(۱:۱۱)	۵۵
۲۹۷	(۱۰:۱۱)	۱۲۸،۲۱۴
۲۹۸	(۱۳:۱۱)	۶۵،۶۶
۲۹۹	(۱۴:۱۱)	۶۶
۳۰۰	(۸۸:۱۱)	۲۰۳
۳۰۱	(۵۷:۱۱)،۸۸	۱۹،۲۰۳

شمارہ	شمارۂ آیت مع سورہ	صفحۂ کتاب
۳۰۲	(۱۱۸:۱۱)	۱۹۴
۳۰۳	(۱۱۹:۱۱)،۱۲۰	۱۹۴،۴۲،۹۰
۱۷۰۸	۱۲۔یوسف (۱۱۱)	
۳۰۴	(۱:۱۲)	۵۷،۶۱
۳۰۵	(۲:۱۲)	۶۱،۶۶
۳۰۶	(۶:۱۲)	۲۱۳
۳۰۷	(۱۲:۱۲)	۱۶۲
۳۰۸	(۲۴:۱۲)	۲۰۸
۳۰۹	(۲۸:۱۲)	۲۴۷
۳۱۰	(۱۱۱:۱۲)	۸۶،۹۰،۹۲
۱۷۵۱	۱۳۔الرعد (۴۳)	
۳۱۱	(۴:۱۳)	۱۱۵
۳۱۲	(۶:۱۳)	۱۲۷
۳۱۳	(۲۲:۱۳)	۱۲۹
۳۱۴	(۳۴:۱۳)	۱۱۹
۳۱۵	(۳۷:۱۳)	۹۰
۳۱۶	(۳۸:۱۳)	۲۴۷
۱۸۰۳	۱۴۔ابراهیم (۵۲)	
۳۱۷	(۱:۱۴)	۵۵،۲۶۹
۳۱۸	(۴:۱۴)	۴۶،۶۶
۳۱۹	(۵:۱۴)	۲۷۰
۳۲۰	(۶:۱۴)	۲۱۵
۳۲۱	(۷:۱۴)	۲۴۸
۳۲۲	(۸:۱۴)	۱۴۱
۳۲۳	(۱۲:۱۴)	۲۲۷
۳۲۴	(۱۳:۱۴)	۴۳،۹۶
۳۲۵	(۱۴:۱۴)،۱۵	۴۳،۹۶،۱۵۹،۱۶۷
۳۲۶	(۲۲:۱۴)	۲۷۱
۳۲۷	(۲۷:۱۴)	۱۴۳
۳۲۸	(۳۴:۱۴)	۲۱۲
۱۹۰۲	۱۵۔الحجر (۹۹)	
۳۲۹	(۱:۱۵)	۵۷
۳۳۰	(۹:۱۵)	۹۲
۳۳۱	(۲۱:۱۵)	۱۲۹
۳۳۲	(۸۷:۱۵)	۲۶۸
۳۳۳	(۹۰:۱۵)	۷۴
۳۳۴	(۹۱:۱۵)	۷۴،۱۴۳
۳۳۵	(۹۲:۱۵)	۷۴
۳۳۶	(۹۳:۱۵)	۷۴

Marfat.com

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۲۰۳۰	۱۶-النحل (۱۲۸)	
۳۳۷	۸:۱۶	۲۵
۳۳۸	۳۰:۱۶	۱۵۹
۳۳۹	۳۶:۱۶	۱۸۷
۳۴۰	۴۴:۱۶	۱۵۱،۸۶،۵۹
۳۴۱	۴۵:۱۶	۱۲۸
۳۴۲	۴۹:۱۶	۱۰۷
۳۴۳	۵۳:۱۶	۲۱۴
۳۴۴	۶۴:۱۶	۹۰
۳۴۵	۷۱:۱۶	۲۱۴
۳۴۶	۷۲:۱۶	۲۱۴
۳۴۷	۷۹:۱۶	۱۰۲
۳۴۸	۸۱:۱۶	۲۱۴
۳۴۹	۸۳:۱۶	۲۱۴،۱۵۴
۳۵۰	۸۹:۱۶	۱۷۶،۹۲،۹۰،۵۶
۳۵۱	۹۰:۱۶	۲۰۸
۳۵۲	۹۱:۱۶	۱۹۸
۳۵۳	۹۳:۱۶	۱۹۲
۳۵۴	۱۰۳:۱۶	۱۴۴،۹۰
۳۵۵	۱۰۳:۱۶	۹۱
۳۵۶	۱۱۴:۱۶	۲۱۶
۳۵۷	۱۲۰:۱۶	۲۳۲
۳۵۸	۱۲۱:۱۶	۲۳۲
۳۵۹	۱۲۲:۱۶	۲۳۲
۳۶۰	۱۲۵:۱۶	۹۵
۳۶۱	۱۲۷:۱۶	۱۵۲
۳۶۲	۱۲۸:۱۶	۱۵۲
۲۱۴۱	۱۷-بنی اسرآئیل (۱۱۱)	
۳۶۳	۲:۱۷	۸۹
۳۶۴	۵:۱۷	۱۳۰
۳۶۵	۶:۱۷	۱۳۰
۳۶۶	۷:۱۷	۱۳۰
۳۶۷	۹:۱۷	۲۷۰،۳۵
۳۶۸	۱۱:۱۷	۱۸۹
۳۶۹	۳۶:۱۷	۸۳
۳۷۰	۳۷:۱۷	۲۰۰
۳۷۱	۳۹:۱۷	۸۳
۳۷۲	۴۹:۱۷	۲۹
۳۷۳	۵۰:۱۷	۲۹
۳۷۴	۵۱:۱۷	۲۹
۳۷۵	۵۳:۱۷	۱۸۹
۳۷۶	۵۶:۱۷	۱۵۷
۳۷۷	۵۷:۱۷	۱۵۷
۳۷۸	۸۱،۷۸:۱۷	۳۰:۱۷
۳۷۹	۸۲:۱۷	۲۱۳
۳۸۰	۸۸:۱۷	۷۱
۳۸۱	۱۰۶:۱۷	۷۲
۳۸۲	۱۱۰:۱۷	۱۱۲
۲۲۵۱	۱۸-الکہف (۱۱۰)	
۳۸۳	۱:۱۸	۵۵،۱
۳۸۴	۲:۱۸	۱
۳۸۵	۵:۱۸	۱۹۶
۳۸۶	۲۳:۱۸	۱۹۰
۳۸۷	۵۴:۱۸	۱۸۹
۲۳۴۹	۱۹-مریم (۹۸)	
۳۸۸	۵۶:۱۹	۲۲۰
۳۸۹	۵۷:۱۹	۲۲۰
۳۹۰	۵۸:۱۹	۲۲۰
۳۹۱	۵۹:۱۹	۲۶۶
۳۹۲	۹۶:۱۹	۱۵۱،۷۹،۶۶
۳۹۳	۹۸:۱۹	۷۹
۲۴۸۴	۲۰-طٰہٰ (۱۳۵)	
۳۹۴	۱۴:۲۰	۱۰۹
۳۹۵	۴۹:۲۰	۱۱
۳۹۶	۵۰:۲۰	۱۱
۳۹۷	۸۰:۲۰	۲۲۳
۳۹۸	۸۱:۲۰	۲۲۳
۳۹۹	۸۲:۲۰	۲۲۳
۲۵۹۶	۲۱-الانبیآء (۱۱۲)	
۴۰۰	۵:۲۱	۸۸
۴۰۱	۳۰:۲۱	۲۲،۲۰
۴۰۲	۳۱:۲۱	۲۲
۴۰۳	۳۲:۲۱	۲۲
۴۰۴	۳۳:۲۱	۲۲
۴۰۵	۴۸:۲۱	۸۹
۴۰۶	۵۰:۲۱	۹۰
۴۰۷	۷۳:۲۱	۱۳۶،۱۰۸
۴۰۸	۹۰:۲۱	۲۴۷،۱۳۹،۱۱۰
۴۰۹	۱۰۵:۲۱	۸۷،۴۰
۴۱۰	۱۰۶:۲۱	۸۷،۴۰
۴۱۱	۱۰۷:۲۱	۸۷
۲۶۷۴	۲۲-الحج (۷۸)	
۴۱۲	(۳۴:۲۲)	۲۳۱،۱۷۳
۴۱۳	(۳۵:۲۲)	۲۳۱،۱۷۳
۴۱۴	(۳۷:۲۲)	۲۳۲
۴۱۵	(۴۶:۲۲)	۸۳
۴۱۶	(۴۷:۲۲)	۱۲
۴۱۷	(۵۴:۲۲)	۲۲۷
۴۱۸	(۶۷:۲۲)	۲۳۷،۲۳۲،۲۲۹
۴۱۹	(۶۸:۲۲)	۲۳۳
۴۲۰	(۶۹:۲۲)	۲۳۳
۴۲۱	(۷۲:۲۲)	۱۵۰
۴۲۲	(۷۴:۲۲)	۱۱
۴۲۳	(۷۷:۲۲)	۱۰۵
۴۲۴	(۷۸:۲۲)	۱۰۵
۲۷۹۲	۲۳-المؤمنون (۱۱۸)	
۴۲۵	(۱۹:۲۳)	۱۱۵
۴۲۶	(۴۵:۲۳)	۱۰۹
۴۲۷	(۴۶:۲۳)	۱۰۹
۴۲۸	(۴۷:۲۳)	۱۰۹
۴۲۹	(۵۰:۲۳)	۲۲۲
۴۳۰	(۵۲:۲۳)	۷۹،۴۹
۴۳۱	(۵۳:۲۳)	۷۴،۴۹
۴۳۲	(۵۴:۲۳)	۴۹
۴۳۳	(۵۵:۲۳)	۱۳۵
۴۳۴	(۵۶:۲۳)	۱۳۵
۴۳۵	(۶۰:۲۳)	۱۳۷
۴۳۶	(۶۱:۲۳)	۱۳۵
۴۳۷	(۶۶:۲۳)	۸۸
۴۳۸	(۶۷:۲۳)	۸۸
۴۳۹	(۶۸:۲۳)	۸۸
۴۴۰	(۶۹:۲۳)	۸۸
۴۴۱	(۷۰:۲۳)	۸۸
۴۴۲	(۷۲:۲۳)	۲۲۷
۴۴۳	(۷۳:۲۳)	۲۲۷
۲۸۵۶	۲۴-النور (۶۴)	
۴۴۴	(۲۱:۲۴)	۲۰۹
۴۴۵	(۳۵:۲۴)	۳۷
۴۴۶	(۳۶:۲۴)	۳۷
۴۴۷	(۵۵:۲۴)	۲۱۲،۲۶۵،۱۳۷
۲۹۳۳	۲۵-الفرقان (۷۷)	

Marfat.com

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۴۴۸	(۶:۲۵)	۹۵
۴۴۹	(۳۰:۲۵)	۴۶
۴۵۰	(۳۱:۲۵)	۴۶
۴۵۱	(۳۲:۲۵)	۴۶، ۷۲
۴۵۲	(۶۳:۲۵)	۲۰۰، ۲۰۱
۴۵۳	(۷۲:۲۵)	۲۰۱
۳۱۶۰	۲۶-الشعراء (۲۲۷)	
۴۵۴	(۳:۲۶)	۸۰
۴۵۵	(۴:۲۶)	۸۰
۴۵۶	(۲۲:۲۶)	۱۱۰، ۲۱۳
۴۵۷	(۵۷:۲۶)	۱۱۶
۴۵۸	(۵۸:۲۶)	۱۱۶
۴۵۹	(۵۹:۲۶)	۱۱۶
۴۶۰	(۱۳۲:۲۶)	۱۱۶
۴۶۱	(۱۳۳:۲۶)	۱۱۶
۴۶۲	(۱۳۴:۲۶)	۱۱۶
۴۶۳	(۱۴۷:۲۶)	۱۱۶
۴۶۴	(۱۴۸:۲۶)	۱۱۶
۴۶۵	(۲۲۴:۲۶)	۶۴
۴۶۶	(۲۲۵:۲۶)	۶۴
۴۶۷	(۲۲۶:۲۶)	۶۴
۳۲۵۳	۲۷-النمل (۹۳)	
۴۶۸	(۱:۲۷)	۵۷، ۱۷۵
۴۶۹	(۲:۲۷)	۹۰، ۱۷۵
۴۷۰	(۶:۲۷)	۵۴
۴۷۱	(۲۳:۲۷)	۱۰۷
۴۷۲	(۴۶:۲۷)	۱۲۷
۴۷۳	(۶۰:۲۷)	۱۰۲، ۱۹۱
۴۷۴	(۷۷:۲۷)	۹۰
۴۷۵	(۸۹:۲۷)	۱۳۱
۴۷۶	(۹۰:۲۷)	۱۳۱
۳۳۴۱	۲۸-القصص (۸۸)	
۴۷۷	(۲:۲۸)	۵۷
۴۷۸	(۵:۲۸)	۱۸
۴۷۹	(۶:۲۸)	۱۸
۴۸۰	(۳۴:۲۸)	۶۵
۴۸۱	(۴۳:۲۸)	۸۹
۴۸۲	(۴۷:۲۸)	۱۲۵
۴۸۳	(۴۹:۲۸)	۸۹، ۹۱
۴۸۴	(۵۴:۲۸)	۱۲۹

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۴۸۵	(۵۵:۲۸)	۲۰۰
۴۸۶	(۵۸:۲۸)	۱
۴۸۷	(۵۹:۲۸)	۱، ۸۱
۴۸۸	(۶۷:۲۸)	۳۳
۴۸۹	(۶۸:۲۸)	۳۳، ۱۹۱
۴۹۰	(۸۴:۲۸)	۱۲۸
۳۴۱۰	۲۹-العنکبوت (۶۹)	
۴۹۱	(۹:۲۹) ۳۰۲	۱۴۳، ۱۸۱، ۲۰۱
۴۹۲	(۱۹:۲۹)	۲۴
۴۹۳	(۲۰:۲۹)	۲۴
۴۹۴	(۳۹:۲۹)	۱۵۰
۴۹۵	(۴۵:۲۹)	۲۰۷، ۲۰۹، ۲۳۰
۴۹۶	(۴۹:۲۹)	۹۴
۴۹۷	(۵۰:۲۹)	۹۴
۴۹۸	(۵۱:۲۹)	۹۰، ۹۴
۴۹۹	(۵۲:۲۹)	۹۴
۵۰۰	(۶۷:۲۹)	۲۱۸
۵۰۱	(۶۹:۲۹)	۲۴۲
۳۴۷۰	۳۰-الروم (۶۰)	
۵۰۲	(۹:۳۰)	۳۹، ۷۶
۵۰۳	(۲۷:۳۰)	۲۴
۵۰۴	(۳۰:۳۰)	۴، ۱۰۰، ۶۱
۵۰۵	(۳۶:۳۰)	۱۲۷
۵۰۶	(۴۷:۳۰)	۱۶۶
۳۵۰۴	۳۱-لقمٰن (۳۴)	
۵۰۷	(۲:۳۱)	۵۳
۵۰۸	(۳:۳۱)	۹۰
۵۰۹	(۲۰:۳۱)	۲۱۴
۵۱۰	(۳۱:۳۱)	۲۱۳
۵۱۱	(۳۴:۳۱)	۱۶۲
۳۵۳۴	۳۲-السجدة (۳۰)	
۵۱۲	(۴:۳۲)	۱۴
۵۱۳	(۵:۳۲)	۱۴
۵۱۴	(۶:۳۲)	۱۴
۵۱۵	(۷:۳۲)	۱۴
۵۱۶	(۸:۳۲)	۱۴
۵۱۷	(۹:۳۲)	۱۴
۵۱۸	(۱۳:۳۲)	۱۹۶
۵۱۹	(۱۶:۳۲)	۲۴۶، ۲۶۳

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۵۲۰	(۲۳:۳۲)	۸۹
۵۲۱	(۶۲:۳۲)	۴
۳۶۰۷	۳۳-الاحزاب (۷۳)	
۵۲۲	(۹:۳۳)	۴۲، ۲۱۶
۵۲۳	(۴۰، ۳۸، ۳۷:۳۳)	۲۱۹، ۲۳۲
۵۲۴	(۷۲، ۵۶:۳۳)	۱۳۲، ۲۳۲
۳۶۶۱	۳۴-السبا (۵۴)	
۵۲۵	(۱۷:۳۴)	۹۶
۵۲۶	(۲۸:۳۴)	۲۰۴
۵۲۷	(۳۹:۳۴)	۱۰
۳۷۰۶	۳۵-الفاطر (۴۵)	
۵۲۸	(۱:۳۵)	۳۲
۵۲۹	(۳:۳۵)	۲۱۴
۵۳۰	(۱۵:۳۵)	۳۴
۵۳۱	(۱۶:۳۵)	۳۴
۵۳۲	(۱۷:۳۵)	۳۴
۵۳۳	(۲۷:۳۵)	۲۸
۵۳۴	(۳۶:۳۵)	۱۳۶
۵۳۵	(۳۹:۳۵)	۲۶۵
۵۳۶	(۴۳:۳۵)	۱۹۳
۵۳۷	(۴۴:۳۵)	۳۹
۳۷۸۹	۳۶-یٰسٓ (۸۳)	
۵۳۸	(۱:۳۶)	۵۳
۵۳۹	(۲:۳۶)	۵۳
۵۴۰	(۳:۳۶)	۵۳
۵۴۱	(۴:۳۶)	۵۳
۵۴۲	(۳۴:۳۶)	۱۱۵
۵۴۳	(۳۸:۳۶)	۲۳
۵۴۴	(۳۹:۳۶)	۲۳
۵۴۵	(۴۰:۳۶)	۲۳
۵۴۶	(۶۰:۳۶)	۲۲۸
۵۴۷	(۶۱:۳۶)	۲۲۸
۵۴۸	(۶۶:۳۶)	۱۷۳
۵۴۹	(۶۷:۳۶)	۱۷۳
۵۵۰	(۶۹:۳۶)	۶۴
۵۵۱	(۷۰:۳۶)	۶۴
۵۵۲	(۷۷:۳۶)	۱۷۴
۵۵۳	(۷۹:۳۶)	۳۱
۵۵۴	(۸۰:۳۶)	۳۱

Marfat.com

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۳۹۷۱	۳۷-الصّٰفّٰت (۱۸۲)	
۵۵۵	(۱۱:۳۷)	۱۵
۵۵۶	(۱۱۴:۳۷)	۲۴۶
۵۵۷	(۱۱۵:۳۷)	۲۴۶
۵۵۸	(۱۱۶:۳۷)	۲۴۶
۵۵۹	(۱۱۷:۳۷)	۲۴۶، ۸۹
۵۶۰	(۱۱۸:۳۷)	۲۴۶
۵۶۱	(۱۱۹:۳۷)	۲۴۶
۵۶۲	(۱۲۰:۳۷)	۲۴۶
۵۶۳	(۱۲۱:۳۷)	۲۴۶
۵۶۴	(۱۲۲:۳۷)	۲۴۶
۵۶۵	(۱۴۱:۳۷)	۱۶۵
۵۶۶	(۱۴۲:۳۷)	۱۶۵
۵۶۷	(۱۴۳:۳۷)	۱۶۵
۴۰۵۹	۳۸-صٓ (۸۸)	
۵۶۸	(۵:۳۹)	۲۱
۵۶۹	(۲۶:۳۸)	۲۳۳
۵۷۰	(۲۹:۳۸)	۵۹
۵۷۱	(۴۵:۳۸)	۲۵۸، ۲۶۰
۵۷۲	(۸۲:۳۸)	۱۹۶
۵۷۳	(۸۳:۳۸)	۱۹۶
۵۷۴	(۸۴:۳۸)	۱۹۶
۵۷۵	(۸۵:۳۸)	۱۹۶
۴۱۳۴	۳۹-الزّمر (۷۵)	
۵۷۶	(۱:۳۹)	۵۳
۵۷۷	(۲:۳۹)	۱۴۲
۵۷۸	(۳:۳۹)، ص	۱۴۲، ۲۱
۵۷۹	(۸:۳۹)	۲۱۴
۵۸۰	(۱۰:۳۹)	۱۵۹
۵۸۱	(۱۱:۳۹)	۱۶۱
۵۸۲	(۱۲:۳۹)	۱۶۱
۵۸۳	(۱۴:۳۹)	۱۶۱
۵۸۴	(۲۷:۳۹)	۵۵، ۱۷۶
۵۸۵	(۲۸:۳۹)	۵۵، ۱۷۶
۵۸۶	(۴۸:۳۹)	۱۲۸
۵۸۷	(۴۹:۳۹)	۱۷۴، ۲۱۳
۵۸۸	(۵۱:۳۹)	۱۳۸
۵۸۹	(۶۳:۳۹)	۱۲۹
۵۹۰	(۷۴:۳۹)	۴۱

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۴۲۱۹	۴۰-المؤمن (۸۵)	
۵۹۱	(۲:۴۰)	۵۳
۵۹۲	(۱۴:۴۰)	۱۹۷
۵۹۳	(۲۱:۴۰)	۳۹
۵۹۴	(۲۲:۴۰)	۹۶
۵۹۵	(۵۱:۴۰)	۱۶۶
۵۹۶	(۵۴:۴۰)	۸۹
۵۹۷	(۵۷:۴۰)	۱۵
۵۹۸	(۶۰:۴۰)	۲۴۸، ۲۵۴
۵۹۹	(۸۲:۴۰)	۳۹
۴۲۷۳	۴۱-حٰمٓ (۵۴)	
۶۰۰	(۳:۴۱)	۵۸
۶۰۱	(۱۸:۴۱)	۱۶۹
۶۰۲	(۳۰:۴۱)	۱۲۶، ۱۶۵
۶۰۳	(۳۱:۴۱)	۱۶۵
۶۰۴	(۳۲:۴۱)	۱۶۵
۶۰۵	(۳۷:۴۱)	۱۰۷
۶۰۶	(۴۲:۴۱)	۵۵
۶۰۷	(۴۴:۴۱)	۹۰
۶۰۸	(۵۱:۴۱)	۲۱۳
۴۳۲۶	۴۲-الشّوریٰ (۵۳)	
۶۰۹	(۳۰:۴۲)	۱۲۵
۶۱۰	(۴۸:۴۲)	۱۲۷
۶۱۱	(۵۱:۴۲)	۱۹۱
۶۱۲	(۵۲:۴۲)	۲۲۷
۴۴۱۵	۴۳-الزّخرف (۸۹)	
۶۱۳	(۲:۴۳)	۵۷، ۹۰
۶۱۴	(۳:۴۳)	۶۰، ۶۶، ۷۷
۶۱۵	(۴:۴۳)	۶۰، ۷۷
۶۱۶	(۵:۴۳)	۶۰، ۷۷
۶۱۷	(۴۳:۴۳)	۲۳۶
۶۱۸	(۵۹:۴۳)	۲۲۱، ۲۲۲
۶۱۹	(۶۰:۴۳)	۱۰، ۱۶
۶۲۰	(۶۱:۴۳)	۲۳۶
۶۲۱	(۶۳:۴۳)	۲۳۵
۶۲۲	(۶۴:۴۳)	۲۳۵
۶۲۳	(۶۵:۴۳)	۲۳۵
۴۴۷۴	۴۴-الدّخان (۵۹)	

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۶۲۴	(۲:۴۴)	۵۷
۶۲۵	(۲۵:۴۴)	۱۱۳، ۲۱۶
۶۲۶	(۲۶:۴۴)	۱۱۶، ۲۱۶
۶۲۷	(۲۷:۴۴)	۱۱۶، ۲۱۶
۶۲۸	(۲۸:۴۴)	۱۱۶
۶۲۹	(۵۸:۴۴)	۵۷، ۶۶
۴۵۱۱	۴۵-الجاثیۃ (۳۷)	
۶۳۰	(۲:۴۵)	۵۳
۶۳۱	(۲۰:۴۵)	۵۸، ۹۰
۴۵۴۶	۴۶-الاحقاف (۳۵)	
۶۳۲	(۲:۴۶)	۵۳
۶۳۳	(۱۲:۴۶)	۸۹، ۹۰
۶۳۴	(۱۵:۴۶)	۲۱۳
۶۳۵	(۳۵:۴۶)	۸، ۸۱
۴۵۸۴	۴۷-محمّد (۳۸)	
۶۳۶	(۳۱:۴۷)	۱۱۸
۶۳۷	(۳۸:۴۷)	۱۰، ۱۸۱
۴۶۱۳	۴۸-الفتح (۲۹)	
	(۱:۴۸)	۲۴۲
۶۳۸	(۲:۴۸)	۲۱۷، ۲۴۲
۶۳۹	(۲۰:۴۸)	۲۳۳
۶۴۰	(۲۷:۴۸)	۱۸۴
۶۴۱	(۲۸:۴۸)	۱۸۳
۶۴۲	(۲۹:۴۸)	۱۶۸
۴۶۳۱	۴۹-الحجرات (۱۸)	
۶۴۳	(۱۰:۴۹)	۱۶۰، ۱۷۷
۶۴۴	(۱۲:۴۹)	۷۵
۶۴۵	(۱۳:۴۹)	۱۶۰، ۲۳۷
۶۴۶	(۱۵:۴۹)	۱۱۵
۴۶۷۶	۵۰-قٓ (۴۵)	
۵۴۷	(۹:۵۰)	۱۱۵
۵۴۸	(۳۸:۵۰)	۲۵
۴۷۳۶	۵۱-الذّٰریٰت (۶۰)	
۶۴۹	(۵۶:۵۱)	۱۱۸
۶۵۰	(۵۷:۵۱)	۱۱۸

Marfat.com

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۴۷۸۵	۵۲-الطور (۴۹)	
۶۵۱	(۲۹:۵۲)	۸۵
۶۵۲	(۳۰:۵۲)	۷۱، ۸۵
۶۵۳	(۳۱:۵۲)	۸۵
۶۵۴	(۳۳:۵۲)	۷۱
۶۵۵	(۳۴:۵۲)	۷۱
۴۸۴۷	۵۳-النجم (۶۲)	
۶۵۶	(۱:۵۳)	۲۰
۶۵۷	(۲:۵۳)	۲۰
۶۵۸	(۳:۵۳)	۲۰
۶۵۹	(۴:۵۳)	۲۰
۶۶۰	(۵:۵۳)	۲۰
۶۶۱	(۶:۵۳)	۲۰
۶۶۲	(۷:۵۳)	۲۰
۶۶۳	(۸:۵۳)	۲۰
۶۶۴	(۹:۵۳)	۲۰
۶۶۵	(۱۰:۵۳)	۲۰
۶۶۶	(۱۱:۵۳)	۲۰
۶۶۷	(۱۲:۵۳)	۲۰
۶۶۸	(۲۳:۵۳)	۸۲، ۸۴
۶۶۹	(۲۸:۵۳)	۸۷
۶۷۰	(۲۹:۵۳)	۸۷
۶۷۱	(۳۰:۵۳)	۸۷
۶۷۲	(۳۱:۵۳)	۸۷
۶۷۳	(۳۹:۵۳)	۱۲
۶۷۴	(۶۲:۵۳)	۱۰۷
۴۹۰۲	۵۴-القمر (۵۵)	
۶۷۵	(۱۷:۵۴)	۵۷
۶۷۶	(۲۲:۵۴)	۵۷
۶۷۷	(۲۶:۵۴)	۱۶۲
۶۷۸	(۳۴:۵۴)	۲۱۲
۶۷۹	(۳۵:۵۴)	۲۱۲
۶۸۰	(۴۰:۵۴)	۵۷
۴۹۸۰	۵۵-الرحمن (۷۸)	
۶۸۱	(۶:۵۵)	۱۰۷
۶۸۲	(۱۴:۵۵)	۱۵
۶۸۳	(۲۹:۵۵)	۲۴
۶۸۴	(۵۶:۵۵)	۵۲
۶۸۵	(۷۰:۵۵)	۱۳۶
۶۸۶	(۷۴:۵۵)	۵۲
۵۰۷۶	۵۶-الواقعۃ (۹۶)	
۶۸۷	(۱:۵۶)	۸۴
۶۸۸	(۲:۵۶)	۸۴
۶۸۹	(۳:۵۶)	۸۴
۶۹۰	(۲۲:۵۶)	۵۱
۶۹۱	(۷۵:۵۶)	۵۱
۶۹۲	(۷۶:۵۶)	۵۱
۶۹۳	(۷۷:۵۶)	۵۱، ۱۹۹
۶۹۴	(۷۸:۵۶)	۵۱، ۱۹۹
۶۹۵	(۷۹:۵۶)	۵۰، ۵۱، ۵۲، ۱۹۹
۶۹۶	(۸۰:۵۶)	۵۱، ۱۹۹
۶۹۷	(۸۱:۵۶)	۵۱
۶۹۸	(۸۲:۵۶)	۵۱
۶۹۹	(۸۳:۵۶)	۵۱
۷۰۰	(۸۴:۵۶)	۵۱
۷۰۱	(۸۵:۵۶)	۵۱
۵۱۰۵	۵۷-الحدید (۲۹)	
۷۰۲	(۷:۵۷)	۹
۷۰۳	(۱۱:۵۷)	۱۳۷
۷۰۴	(۱۲:۵۷)	۲۷۱
۷۰۵	(۱۸:۵۷)	۱۸۰
۷۰۶	(۲۲:۵۷)	۱۲۵
۷۰۷	(۲۳:۵۷)	۱۲۵
۵۱۲۷	۵۸-المجادلۃ (۲۲)	
۷۰۸	(۷:۵۸)	۱۴۸
۷۰۹	(۲۲:۵۸)	۱۰۴، ۱۷۹
۵۱۵۱	۵۹-الحشر (۲۴)	
۷۱۰	(۲:۵۹)	۱۵۵
۷۱۱	(۱۳:۵۹)	۱۶۳
۷۱۲	(۱۴:۵۹)	۱۶۳
۷۱۳	(۱۸:۵۹)	۱۶۲
۷۱۴	(۲۳:۵۹)	۱۲۲
۷۱۵	(۲۴:۵۹)	۱۲۲
۵۱۶۴	۶۰-الممتحنۃ (۱۳)	
۵۱۸۸	۶۱-الصف (۱۴)	
۷۱۶	(۴:۶۱)	۱۲۸
۷۱۷	(۸:۶۱)	۱۸۴، ۲۷۱
۷۱۸	(۹:۶۱)	۱۸۲، ۲۱۰
۷۱۹	(۱۰:۶۱)	۱۸۲
۷۲۰	(۱۱:۶۱)	۱۸۲
۷۲۱	(۱۲:۶۱)	۱۸۲
۷۲۲	(۱۳:۶۱)	۱۸۲
۵۱۹۹	۶۲-الجمعۃ (۱۱)	
۷۲۳	(۲:۶۲)	۵۴
۵۲۱۰	۶۳-المنفقین (۱۱)	
۷۲۴	(۷:۶۳)	۱۴۱
۵۲۲۸	۶۴-التغابن (۱۸)	
۷۲۵	(۱۱:۶۴)	۱۲۶
۷۲۶	(۱۷:۶۴)	۱۳۷
۵۲۴۰	۶۵-الطلاق (۱۲)	
۵۲۵۲	۶۶-التحریم (۱۲)	
۷۲۷	(۸:۶۶)	۲۷۱
۷۲۸	(۱۲:۶۶)	۲۲۲
۵۲۸۲	۶۷-الملک (۳۰)	
۷۲۹	(۲:۶۷)	۲۶
۷۳۰	(۱۵:۶۷)	۲۹
۵۳۳۴	۶۸-القلم (۵۲)	
۷۳۱	(۲:۶۸)	۲۱۸
۷۳۲	(۴۹:۶۸)	۲۱۲
۵۳۸۶	۶۹-الحاقۃ (۵۲)	
۷۳۳	(۴۱:۶۹)	۷۲
۷۳۴	(۴۲:۶۹)	۷۲
۷۳۵	(۴۳:۶۹)	۷۲
۵۴۳۰	۷۰-المعارج (۴۴)	
۷۳۶	(۴:۷۰)	۱۶
۷۳۷	(۱۹:۷۰)	۲۵۲
۷۳۸	(۲۰:۷۰)	۲۵۲
۷۳۹	(۲۱:۷۰)	۲۵۲
۷۴۰	(۲۲:۷۰)	۲۵۲
۷۴۱	(۲۳:۷۰)	۲۵۲

Marfat.com

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۵۴۵۸	۷۱- نوحؑ (۲۸)	
۷۴۲	(۷۱:۱۳)	۱۴
۷۴۳	(۷۱:۱۴)	۱۴
۷۴۴	(۷۱:۱۷)	۱۴
۵۴۸۶	۷۲- الجن (۲۸)	
۵۵۰۶	۷۳- المزمل (۲۰)	
۷۴۵	(۷۳:۴)	۷۳
۷۴۶	(۷۳:۲۰)	۱۳۸
۵۵۶۲	۷۴- المدثر (۵۶)	
۷۴۷	(۷۴:۳)	۲۰۶
۷۴۸	(۷۴:۴)	۲۰۶
۷۴۹	(۷۴:۵)	۲۰۶
۵۶۰۲	۷۵- القیامۃ (۴۰)	
۵۶۳۳	۷۶- الدھر (۳۱)	
۵۶۸۳	۷۷- المرسلت (۵۰)	
۷۵۰	(۷۷:۴۸)	۱۰۸
۷۵۱	(۷۷:۴۹)	۱۰۸
۵۷۲۳	۷۸- النبا (۴۰)	
۵۷۶۹	۷۹- النزعت (۴۶)	
۵۸۱۱	۸۰- عبس (۴۲)	
۵۸۴۰	۸۱- التکویر (۲۹)	
۵۸۵۹	۸۲- الانفطار (۱۹)	
۵۸۹۵	۸۳- التطفیف (۳۶)	
۵۹۲۰	۸۴- الانشقاق (۲۵)	
۵۹۴۲	۸۵- البروج (۲۲)	

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۵۹۵۹	۸۶- الطارق (۱۷)	
۵۹۷۸	۸۷- الاعلیٰ (۱۹)	
۶۰۰۴	۸۸- الغاشیۃ (۲۶)	
۶۰۳۴	۸۹- الفجر (۳۰)	
۶۰۵۴	۹۰- البلد (۲۰)	
۶۰۶۹	۹۱- الشمس (۱۵)	
۶۰۹۰	۹۲- اللیل (۲۱)	
۷۵۲	(۹۲:۱۹)	۲۱۸
۷۵۳	(۹۲:۲۰)	۲۱۸
۶۱۰۱	۹۳- الضحیٰ (۱۱)	
۷۵۴	(۹۳:۱۱)	۲۱۸
۶۱۰۹	۹۴- الانشراح (۸)	
۶۱۱۷	۹۵- التین (۸)	
۷۵۵	(۹۵:۴)	۱۲
۷۵۶	(۹۵:۵)	۱۲
۶۱۳۶	۹۶- العلق (۱۹)	
۷۵۷	(۹۶:۴)	۱۷۵
۷۵۸	(۹۶:۵)	۱۷۵
۷۵۹	(۹۶:۶)	۱۷۵
۷۶۰	(۹۶:۷)	۱۷۵
۷۶۱	(۹۶:۸)	۱۷۵
۶۱۴۱	۹۷- القدر (۵)	
۶۱۴۹	۹۸- البینۃ (۸)	
۶۱۵۷	۹۹- الزلزال (۸)	
۶۱۶۸	۱۰۰- العدیت (۱۱)	

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۶۱۷۹	۱۰۱- القارعۃ (۱۱)	
۶۱۸۷	۱۰۲- التکاثر (۸)	
۶۱۹۰	۱۰۳- العصر (۳)	
۶۱۹۹	۱۰۴- الھمزۃ (۹)	
۶۲۰۴	۱۰۵- الفیل (۵)	
۶۲۰۸	۱۰۶- القریش (۴)	
۶۲۱۵	۱۰۷- الماعون (۷)	
۷۶۲	(۱۰۷:۴)	۲۵۲
۷۶۳	(۱۰۷:۵)	۲۵۲
۷۶۴	(۱۰۷:۶)	۲۵۲
۷۶۵	(۱۰۷:۷)	۲۵۲
۶۲۱۸	۱۰۸- الکوثر (۳)	
۶۲۲۴	۱۰۹- الکفرون (۶)	
۷۶۶	(۱۰۹:۶)	۱۶۱
۶۲۲۷	۱۱۰- النصر (۳)	
۷۶۷	(۱۱۰:۱)	۱۶۱
۷۶۸	(۱۱۰:۲)	۱۶۱
۷۶۹	(۱۱۰:۳)	۱۶۱
۶۲۳۲	۱۱۱- اللھب (۵)	
۶۲۳۶	۱۱۲- الاخلاص (۴)	
۶۲۴۱	۱۱۳- الفلق (۵)	
۶۲۴۷	۱۱۴- الناس (۶)	

تمت بالخیر

قرآن حکیم کی کل آیات کی تعداد ۶۲۴۷ ہے جن میں سے متذکرہ صدر حساب سے کم و بیش ۷۶۹ مکمل یا پارہ ہائے آیات کی تشریح ذکر ہمیشہ قرآن کا آٹھواں حصہ پہلی جلد میں آچکا ہے۔ عربی افتتاحیہ میں علی ہذا القیاس قریباً ۹۲۶ آیات آچکی ہیں گویا اس حسنہ کتاب میں ہی کتاب الٰہی کے ساتویں حصے کی تشریح ہو گئی ہے۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تذکرہ

مُقدمہ کتاب ماہیّت

ایمان و حکمتِ عبادات وغیرہ

التذکرہ پبلیکیشنز المشرق ہاؤس ۳۴ ذیلدار روڈ اچھرہ لاہور فون ۲۱۱۲۲۸

تھدیہ بحضور خدائے عزوجل

1342ھ میں تذکرہ کی پہلی جلد' چودھویں صدی کے وسط یعنی 1350ھ میں خاکسار تحریک اور اب 1370ھ میں حریم غیب' دہ الباب' حدیث القرآن' اور ارمغان حکیم کی دکھ میں لکھی ہوئے تصنیفیں شعرو نثر میں بہ حکم خاتم النبین رسول صلعم پیش کر رہا ہوں تاکہ

بنی نوع انسان کی تاریخ میں پہلی دفعہ

قرآن حکیم اور پیدائش کائنات کا آخری مقصد عیاں ہو جائے۔

تیری درگاہ سے قبولیت کی نئی امید ہے تاکہ بھٹکی ہوئی دنیا راہ راست پر آجائے۔ آمین

مقام شکر ہے کہ تیس برس کے بعد مغرب کے مشاہیر مستشرقین نے

میرے تذکرہ کی صرف پہلی جلد کو دیکھ کر اعلان کر دیا ہے کہ "اس اسلام میں جو میں نے پیش کیا ہے' تعمیر اقوام کا انتہائی طور پر کامیاب اور عالم آرا لائحہ عمل موجود ہے اور یہ اسلام بالفاظ دیگر الٰہی اصلاح مدن کا حکمی اور بے خطا مرقع ہے"۔ ان کی نگاہوں میں "تذکرہ چودہ سو برس کی اسلامی تحریروں کے بنجر میں واحد نخلستان ہے"۔ وغیرہ وغیرہ الحمدللہ علی ذلک

اب مغرب کے عالمان فطرت جوق در جوق میرے بتائے ہوئے

مقصد پیدائش کائنات پر جمع ہو رہے ہیں تاکہ انسانی ارتقاء کی راہ کھلے۔ بار الٰہا مدد کر۔

2 جمادی الاول 1374ھ مطابق 28 دسمبر 1954ء

عنایت اللہ خان المشرقیؒ

Marfat.com

پیش لفظ

چودھویں صدی ہجری کے اختتام اور پندرھویں صدی ہجری کے آغاز پر "تذکرہ" (حضرت علامہ محمدؒ عنایت اللہ خان المشرقیؒ) کی موجودہ اشاعت اس نقطۂ نظر اور مصمم ارادہ کے ساتھ شروع کی جا رہی ہے کہ مطبوعہ "تذکرہ" کی اشاعت کے بعد اس کے غیر مطبوعہ حصوں کو بھی منظر عام پر لایا جائے۔ اور دریا کو کوزے کے اندر بند کر کے سب کو مزید تشنہ لب نہ رکھا جائے۔ جلد اول "تذکرہ" کے یہ حصے آپ کے ہاتھوں میں اسی مقصد کے حصول کی جانب پہلا قدم کے طور پر ہیں۔ جلد اول کے ان چار حصوں کو دو جلدوں میں تقسیم (یعنی دیباچہ مع افتتاحیہ اور مقدمہ مع کتاب تذکرہ) کر دیا ہے اور ان جلدوں کو اول اور دوئم کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔ جبکہ مطبوعہ جلد دوئم کو بطور جلد سوئم شائع کیا جائے گا۔ اور اس کے بعد تذکرہ کے غیر مطبوعہ حصوں کی اشاعت شروع کی جائے گی۔ جن کے مسودات ادارہ کے پاس محفوظ ہیں۔ تذکرہ کے ان حصوں کی اشاعت تذکرہ کے قاری کو چونکا دے گی کیونکہ کتاب کے یہ حصے خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ اور قرآن حکیم کی تعلیمات کے مکمل لب و لباب کو بیان کرتے ہیں۔

"تذکرہ" کے ان حصوں کی اشاعت کے لیے کچھ مدت درکار ہے۔ جہاں عوام نے 74 برس تک انتظار کیا اب کچھ مدت اور انتظار کر کے دعا گو رہیں کہ ہم اس مشن میں کامیابی اور کامرانی سے ہم کنار ہو کر یونہی ملک و ملت اور خصوصاً مسلمانان عالم کی خدمت سر انجام دیتے رہیں اور اپنے قیام کے مقصد کے حصول (کہ مسلمانان عالم کو بہترین، جامع مستند اور نفع بخش ادب سے متعارف کرایا جائے) میں لگے رہیں۔

آج تذکرہ کی یہ اشاعت شروع کر کے ہم کسی حد تک ان فرائض سے عہدہ برآ ہو رہے ہیں جو ہم پر عائد ہوتے ہیں۔ ملت اسلامیہ کو اپنے عائد فرائض سے عہدہ برآ ہوتے رہنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ کیا عجب کہ مسلمانان عالم اس عظیم الشان زمنی صحیفہ میں دیئے گئے عروج اور بیداری کے غیر مختتم درس کو حاصل کر کے اسلام کی ڈانواں ڈول کشتی کو پار لگانے کا سوچیں۔ گو ایٹم بم اور جدید ٹیکنالوجی کے اس زمانے میں کند تلواروں اور پیٹ پر پتھر باندھنے کے ہتھیاروں سے غلبہ حاصل کرنے کی امید رکھنا باؤلا پن ہے لیکن لوہے کے ہتھیاروں کے ساتھ ساتھ ایمان اور یقین، عزم اور ارادہ اتحاد اور ولولے کے ہتھیار ہمیشہ بدرجہا زیادہ کار آمد رہے ہیں۔ جن کے ذریعے سے کمزور لازما" ابھرتا رہا ہے۔ اور کچھ عجب نہیں آج بھی مسلمانوں کا کوئی گروہ کسی جگہ پوری تیاری کے ساتھ ساتھ ان دل اور جگر کے ہتھیاروں کے ساتھ ہی ابھرے۔ اور دنیا کو پھر حیران کر دے"

فطرت

آ قوموں کی میں کہ دوں تقدیر کی منطق کیا
فطرت کی سمجھ جتنی قوم اتنی ہی زور آور
ہر شے بہ جز انسان کو بتلا دی ہے راہ اپنی
آدم کے لئے فطرت ہر علم کا ہے مصدر

حمید الدین المشرقی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آج ایک مدت کے بعد حضرت علامہ المشرقیؒ کے پیغام کی از سرنو صحیح، بہترین اور جامع خطوط پر وسیع اشاعت میرے لیے انتہائی خوشی کا باعث ہے۔

آج اس پیغام کی دوبارہ اشاعت پر میں خود میں ایک بے پناہ توانائی محسوس کر رہی ہوں۔ اس بے پناہ توانائی نے میری کمزوریوں اور کمزور ہونے کے مسلسل احساس کو یکلخت ختم کر کے مجھے طاقتور بنا دیا ہے۔

علامہ صاحب کی وفات کے بعد ان کے پیغام کا قوم تک صحیح طریقہ سے نہ پہنچنے سے جو خلا پیدا ہو گیا تھا۔ درمیان میں جو جنریشن گیپ GAP GENERATION (جسکا پر ہونا ناممکن ہوتا ہے) آنے والا تھا۔ التذکرہ پبلی کیشنز جیسے فعال ادارہ کے قیام سے یہ خطرہ کافی حد تک ٹل گیا ہے۔

ایسے کٹھن وقت میں اس ادارہ کا قیام درحقیقت ایک جہاد کا سا نصب العین رکھتا ہے۔ ادارہ نے جس ذمہ داری سے اس کام کو سنبھالا ہے وہ قابل تعریف ہے۔ اس ضمن میں میں ادارہ کی جانب سے تمام اقدامات پر مطمئن ہوں۔

میں ان کے لیے دعاگو ہوں کہ یہ اپنے عظیم مقصد کے حصول میں کامیابی سے ہمکنار ہوں۔ اور ایک بار پھر اس پیغام کی وسیع اشاعت کے ذریعے مسلمانان عالم میں عمل کی بے پناہ لہر موجزن کر دیں۔

بیگم سعیدہ علامہ المشرقی

مورخہ: 30 ستمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد دوم

مقدمہ کتاب ماہیت ایمان و حکمت عبادات وغیرہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا ۝ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْہُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝ (۱۸ : ۱-۲)

وَکَمْ اَہْلَکْنَا مِنْ قَرْیَۃٍ بَطِرَتْ مَعِیْشَتَہَا ۚ فَتِلْکَ مَسٰکِنُہُمْ لَمْ تُسْکَنْ مِّنْ بَعْدِہِمْ اِلَّا قَلِیْلًا ۭ وَکُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِیْنَ ۝ وَمَا کَانَ رَبُّکَ مُہْلِکَ الْقُرٰی حَتّٰی یَبْعَثَ فِیْٓ اُمِّہَا رَسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْہِمْ اٰیٰتِنَا ۚ وَمَا کُنَّا مُہْلِکِی الْقُرٰٓی اِلَّا وَاَہْلُہَا ظٰلِمُوْنَ ۝ (۲۸ : ۵۸-۵۹)

مسلمانانِ عالم گذشتہ دو صدیوں سے ایک مسلسل انحطاط کے گرداب میں مبتلا ہیں۔ اس تنزل کی سُرعت، اور ہبوط کی تیز رفتاری جس قدر خوفناک ہے اُسی قدر وہ عام جمود اور فقدانِ حس دردانگیز ہے جو مسلمانوں کو کامل طمانیت اور سکونِ دل کے ساتھ قطعی ہلاکت اور یقینی موت کی طرف لیجا رہا ہے۔ ملت کے ہر فرد میں وہ قوائے ظاہری و باطنی جو تمدن کی جان، اور عمران کی روحِ رواں ہیں مفقود ہو چکے ہیں۔ وہ جذباتِ آہنی جن کی زد بنیادِ اقوام کو کپکپا دیتی ہے نرم پڑ چکے ہیں۔ قوم کا ایک ایک متنفس انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے بیکار ہو گیا ہے حسیاتِ دینی کا اہم اور مفید تر حصہ زائل، اور امتیازاتِ دنیوی کی تحصیل میں مسلمانوں کا تعطل

Marfat.com

ضرب المثل ہو گیا ہے۔ قوتِ ارادی اور قدرتِ اقدام عمل تنظیم جماعت اور تقسیم کار، قوائے عاملہ کا اتحاد و تمرکز، استقلال اور استمدادِ باہمی کا دستور العمل، مطاوعت و انقیاد کا جذبۂ مشترک، اور سیادت و قیادت کا ملکۂ سلیم، جن کے التزام کے بغیر اقوام کیا افراد بھی چھوٹے سے چھوٹا کام پایۂ تکمیل کو نہیں پونہچا سکتے محض چند مہمل کلمات رہ گئے ہیں جو حقیقت سے بے بہرہ، اور معانی سے نا آشنا ہیں۔ اس حالت میں تعجب نہیں اگر حصولِ مراد کی ہر کوشش میں مسلمانوں کو بالآخر ناکامی کا سامنا ہوتا ہو، ہر تدبیر جو وہ اپنی بہتری کی امید میں عمل میں لائیں نامرادی سے بدل جاتی ہو، ذہنی انتشار، اور جماعتی تفریق و تشتّت کا ہولناک عفریت اُن کی قوّتِ عمل کو بے اثر کر دیتا ہو، اور حرماں نصیبی ان کے کمزور اخلاق پر غلبہ پا کر اُن کے جذبۂ ایمان کو کچل دیتی ہو۔

مَیں ایک مُدت سے اس دردناک نظارے کو باکراہِ تمام دیکھ رہا ہوں۔ گذشتہ سو سال کے تاریخی شواہد، اور سیاسی نامۂ اعمال کی روح فرسا سرگذشت نے ثابت کر دیا ہے کہ اُمّتِ حاضرہ اب اخلاقی تنزّل کے اُن انتہائی مدارج تک پونہچ چکی ہے جہاں اُن کا کوئی فعل، کوئی طریقِ عمل، روئے زمین کے کسی حصے پر صلاحیت سے تکمیل کو نہیں پونہچتا۔ اگر نظامِ عمل کے عام فقدان کے باوجود بالفرض کسی فرد یا جماعت کو ایک طریق کار کی طرف جانے کی توفیق عطا ہوئی ہے تو پیشتر اسکے کہ کوئی مفید نتیجہ نکلے، مخالف اثرات اور تشتّت کے ہلاکت آفرین جراثیم نے اُس جماعت کی انتظامی قوّت کو اندر ہی اندر سلب کر دیا ہے! قوم کی جس تحریک کی طرف دیکھو یہی حال ہے۔ گذشتہ قرن کے اندر ترکوں کی سب سے اہم مُلکی تحریک، جو ایک نقطۂ نظر سے منظّم، اور یک مقتدر وزیر اعظم (مدحت پاشا) کے سیاسی تخیّل کا نتیجہ تھی، دستوری حکومت کے حصول کی ستی سالہ تبلیغ' اور بالآخر اس کا انعقاد ہے۔ مگر یہ ایک کھُلی حقیقت ہے کہ انجمن اتحاد و ترقی' چند لمحوں کے لیئے بھی' یورپ کی اس عجیب و غریب صنعت کی حسناتِ جاریہ' اور برکاتِ لامتناہیہ سے بہرہ اندوز نہ ہو سکی، اور ترکوں کی سلطنت کے لیئے اِس کارسی نفاذ بالآخر اعلانِ شکست ثابت ہوا!

Marfat.com

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولا برق خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا

تاریخ کے صفحاتِ خونیں کو اور اُلٹ دیجئے، یہی رنگ نظر آئے گا۔ سوڈان میں مہدی کا ہولناک خروج، مصر میں محمد عبدہ کی نیم سیاسی تبلیغ، ہندوستان میں ہنگامۂ غدر، جنگ بلقان کا المناک حشر، ایران میں مجلس شوریٰ کا انعقاد وغیرہ وغیرہ، سب کے سب اہم اور ہمہ گیر انقلابات تھے، لیکن اگر بہ امعانِ نظر اُن کے سقوط کے اصلی اسباب کی چھان بین کی جائے تو ہر نامرادی اور فساد کی تہ میں عدم نظامِ عمل اور وسائل کی یاس انگیز کمی، استقلال کا فقدان اور ذہنی طوائف الملوکی، جدوجہد کا تشتت اور غلط اندازۂ کار، آرا کا ہولناک تفرقہ اور قوتوں کا المناک انتشار، ایک ہلاکت آفرین معجون کی صورت میں نظر آئے گا۔ کم و بیش یہی صورت قوم کے ادنےٰ مشاغل کی ہے۔ کوئی مُلکی تحریک یا مقامی تجویز، اجتماعی انجمن یا سیاسی مجلس، خیراتی مصرف یا تجارتی شرکت، علمی مشغلہ یا انتظامی سلسلہ، ایسا نہیں جو مسلمانوں کی مختصر پسندانہ کارفرمائی سے ایک اقل قلیل مدت میں کالعدم نہ ہو گیا ہو!

ہیچوں سپند پیش تو اے مختصر پسند!
در نالۂ تمام کنم ماجرائے دل

مگر فی الحقیقت جو حوادث دنیائے اسلام پر اس چودھویں صدی کے آغاز میں رونما ہو رہے ہیں اُن کی مثال اسلام کی گذشتہ ہزار سالہ تاریخ کا تاریک سے تاریک صفحہ بھی پیش نہیں کر سکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بالآخر صدیوں کی مُزمن بیماری نے مریض کے ہر عضو کو مضمحل، اور ہر جوڑ کو درد آمود کر دیا ہے؛ اعضا کی پیہم شکست، اور طاقت کے مسلسل زوال نے دفعتہً خوفناک علامات پیدا کر دی ہیں؛ دل، دماغ، اور جگر، سب کے سب مرض کی لپیٹ میں آ چکے ہیں؛ سلامتی اور بقا کی چند آخری گھڑیاں ہلاکت اور فنا کے مہیب دیو سے قطعی اور فیصلہ کن مجادلہ کرنے کو ہیں؛ حیاتِ مستعار کے چند عارضی لمحات عدم کی بیکران ازلیت اور ابدیت کے محیط میں پیوست ہونے کو ہیں! اگر معیشت

Marfat.com

اور ممات کی یہ اندوہناک کشمکش فی الحقیقت کذب اور یقین، فساد اور امن، باطل اور حق کی آخری آویزش ہے تو فیصلہ اٹل ہے: **فنا** کی لازوال حقیقت کے سامنے کسی باطل اور فاسد ہستی کی کچھ وقعت نہیں، وہ مٹ کر رہے گی، اور تمام کوششیں جو اسکو فروغ دینے کے لئے اس اخیر وقت میں کی جائیں گی بیکار ثابت ہوں گی۔ لیکن اگر اسلام سراپا **حقانیت** ہے، مجسمہ **صدق** اور سرچشمہ **حقیقت** ہے، شارع قدرت کی عالمگیر سُنتوں میں سے ایک **سُنت** ہے، تو فطرت کا عدل اور تسویہ اس امر کا مجاز ہو نہیں سکتا کہ ایک حقیقت کے نفوذ و جبر کے ضمن میں دوسری حقیقت قربان کر دی جائے، یا کائناتِ فطرت کی اپنی طاقتیں ہی ایک دوسری کی تخریب و تعدیم پر آمادہ ہو جائیں!

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا † لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (۳۰ : ۳۰)

دینِ اسلام خدا کی بنائی ہوئی وہ فطرت ہے جس پر اُسنے تمام انسانوں کو پیدا کیا، اس سے کسی فرد کو مفر نہیں، اور خدا ساز فطرت میں کسی ردّ و بدل کا امکان نہیں۔ دنیا کو نباہنے کا یہی صحیح اسلوب عمل اور صراطِ مستقیم ہے، لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ۝ (۳۳ : ۶۲)

اور تُو قانونِ خدا میں کوئی ردّ و بدل ہرگز نہیں پائے گا۔

اس قطعی استدلال کی بنا پر میرا ایمان ہے کہ قانونِ فطرت کی کوئی مُضر حقیقت اسلام کو فنا نہیں کر سکتی، مُسلمانانِ عالم کا روئے زمین پر بالآخر بطور ایک غالب عنصر کے رہنا لابدی ہے، اور جب تک زمین و آسمان اور کُل کائنات موجود ہے یہ صورت قائم ہو کر رہے گی۔ اگر موجِ حوادث کے تلاطم اور واقعات کی لشکر انگیزی نے بظاہر اس کلیے سے انحراف پیدا کر دیا ہے تو وہ استثنائی اور عارضی ہے، اسکی حقیقت سوا اِسکے نہیں کہ مخالف

† دینِ اسلام کے متعلق قرآن کا دعوٰے ہے: فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا، یعنی یہ کہ تمام ساکنانِ زمین کو اسی پر مجبول کر دیا ہے، اور یہی اُن کی فطرت ہے! یہ ایک بڑے اور حیرت انگیز دعوے کا اعلان ہے جسکو دو اور دو چار کی طرح عیاں کر دینا ہر مُسلمان کا فرض ہے۔ صرف کہہ دینے سے کوئی شخص اِسکو مان نہیں سکتا۔ یوں تو اس دعوے کے صحیح مفہوم کو سرسری نظر سے پالینا بھی ازبس مشکل ہے۔ اور اسی لیئے کہا گیا ہے کہ اکثر لوگ اس حقیقتِ کبریٰ کا علم نہیں رکھتے۔ بہر نوع یہی نکتہ اس کتاب کے طول و عرض میں پیش نظر ہے، اگرچہ نتائج اخیر پر جا کر مترتب ہوں گے۔

Marfat.com

اثرات کے دباؤ نے ایک غیر مانوس صورت نمایاں کر دی ہے جو ہٹ کر رہے گی! دینِ اسلام کے عالم آرا تعمیری† فلسفے کا یہی وہ بنیادی پتھر ہے جس نے اس کے قیام و استحکام کا ذمہ ابتدائے آفرینش سے لیا اور جو آج تیرہ سو سال کے مصائب و نوائب ہائلہ کے باوجود اسکی حیات کو قطعی، اور اسکے قانون کو ازلی اور ابدی قرار دیتا ہے۔ صانع قدرت نے اس اصلیت کا انکشاف فطرت کے ہر اصول اور ہر طرزِ عمل میں کیا ہے، جب تک صداقت صداقت ہے، اس کا غلبہ، جہاں کہیں وہ ہو، یا جس پیرایہ میں ظاہر ہو، ناگزیر اور اٹل ہے۔ اگر دنیا میں کذب و ریا، مکر و تلبیس، ظلم و خدع کے لاانتہا فساد انگیز اثرات کے باوجود فطرت کے اصول قائم، اور قانونِ خدا کی حکومت مسلط ہے تو اس کا اصلی راز یہی ہے، اگر ہوا و ہوس کی چند روزہ گرم بازاری، اور خواہشاتِ سفلی کی عارضی روا روی کے باوجود سطحِ زمین ابتک بحیثیت مجموعی جادۂ اعتدال سے منحرف نہیں ہوئی تو اس کا حقیقی باعث یہی ہے۔ باطل اور فاسد ہستی کے تصادم کا ایک مستقل حقیقت پر اثر بعینہٖ مثل اس پتھر کے نقش کے ہے جو ایک اتھاہ سمندر کی سطح پر پھینکنے سے خفیف تموج تو چند لمحوں کے لیئے پیدا کر دیتا ہے، مگر اپنی ہستی کو ابد الآباد کے لیئے کالعدم کر دیتا ہے!

فروغِ شعلۂ خس یک نفس ہے
ہوس کو پاسِ ناموسِ وفا کیا

اسلام کا زور اثر آج اگر اس قلیل مدت کے بعد، فی الحقیقت نابود ہو گیا ہے تو دو صورتیں ہیں: کائناتِ قدرت کا سلسلۂ قیام نیز ختم ہے، فطرت کی عظیم الشان تعمیر کا نظم و نسق بھی اپنی بنیاد سے ہٹ چکا ہے، کیفیات کے طلوع و غروب کی عمر بھی پوری ہونے کو ہے، اجسام کا جذب و اتصال، اجزا کا مزج و خلط، احوال کی مداولت، آثار کا حلول، تراکیب کا قدر و عمل، یہ سب کچھ بھی اپنی اپنی مہلت پا کر رخصت ہو رہے ہیں اور بالآخر معمول فطرت کے اس حیرت انگیز استیلائے اثر کے بعد، زوالِ عالم کی منزل قریب ہے! اور اگر یہ حالت نہیں تو آج خود نفسِ اسلام بلکہ مقاصدِ قرآن کے اندر، حقیقت کی روح قطعاً نہیں رہی، اسکی قوتِ تاثیر و نفوذ اپنا ظرف چھوڑ کر کسی دوسرے قالب میں

---

† فلسفۂ اسلام کو عالم آرا اور تعمیری دونوں ثابت کرنا اس کتاب کا منتہائے نظر ہے۔

Marfat.com

منتقل ہوگئی ہے؛ اُسکا دائرۂ علم وعمل مُندرِس، اور اُسکی رُوِیائے قلب محو ہوگئی ہے! **معنی** کی عروسِ منفعل، بدسلوک نااہل مسلمان کی رفاقت سے بیزار ہو جانیکے بعد **صورت** کے تنگ و تاریک اور **الفاظ** کے مہلک روح حجلوں کے اندر، اس تغافل، بے اعتنائی، اور بیدردی کا شکار ہوئی ہے کہ آج اُسکی ہستی کا اعتراف بھی کسی متنفس کو نہیں رہا! دنیائے حقیقت نواز کی جنگ آج اس قتیلِ غفلت کی انہی فاسد اور ناکارہ ہڈیوں سے ہے جن کے ڈھیر کی المناک سرگذشت، مہلت* کے پردۂ خفا نے قرنہا قرن تک مستور رکھی! زمانے کا باطل رُبا گرز بیرحم ہاتھ آج قصاب خانۂ روحِ عمل کی اسی مذبوحِ حیا نعش کو سپردِ زمین کر رہا ہے جس کے ایام سعید کا عہدِ حیات، مہرِ نیمروز کی کرنوں سے بھی درخشاں تر حقیقت تھی! آہ! لیکن قالب کا مکین اگرچہ رخصت ہو چکا ہے، اور حقیقت کی مضطرِ قرار روح بہتر اور صالح تر جسموں میں حلول کر گئی ہے، مگر زمانے کی عجائب نمائی، بلکہ ربِّ لم یزل کے تقاضائے غیرت نے کم از کم اِس مُردہ ڈھانچے کی اس قدر حُرمت تو ضرور برقرار رکھی ہے کہ آج صدہا برس کی موت کے بعد بھی اُس کے اصلی خط و خال کا نقشہ صاحبِ نظر سے نہاں ہو نہیں سکتا۔ **قرآنِ عظیم** اب بھی جہل و نسیان کی ظلمات کے اندر وہ سطیع نطیق **حکمت** ہے کہ عمیق نظروں میں سیاہی کا تقابل اُسکی سپیدی اور چمک کو اور بھی دوبالا کر رہا ہے! مطالب کی غلط فہمیوں، اور مقاصد کی دور افتادگیوں کے باعث جس قدر اسکی ہر بات عوام کے نزدیک ناقابلِ التفات اور بے معنی ہو رہی ہے، اُسی قدر صحیح القلب نقادوں کی نظروں میں اسکی عظمت کا رنگ کھُلتا جا رہا ہے! اسلام کی از سرِ نو حیات کے دن لامحالہ اُس وقت پھرنے لگیں گے جب کہ بداعمالی، کفر، اور تکذیب کے ہوش رُبا جمود، اور عالمگیر شکست و ریخت کے محیط الکُل عجز میں خود مُسلمانوں کا کوئی غمزدہ اور دل باختہ بندۂ خدا، قرآن حکیم کی طرف پھر متوجہ ہوگا، اور نافہمی، غلط عملی، سیہ بینی، باطل آرائی اور عدم یقین کے حجاب در حجاب کو اُس کے ماتمی اور پژمردہ چہرے سے اُلٹ کر **ایمان** کی اصلیت کو بے نقاب کر دے گا۔ اُسی دن حقیقت کی روٹھی ہوئی دُلہن پھر

---

* خلافت عباسیہ کے عہد انحطاط (چوتھی صدی ہجری) یا اسکے کچھ دیر بعد سے آجتک جو زمانہ جزوی امن یا عالم آراخوف کا دنیائے اسلام پر گذر رہا ہے میرے نزدیک 'مہلت' کی ایک صورت ہے جو لامحالہ آخری اور انتہائی عذاب کا پیش خیمہ ہے۔ اِسی زمانے میں اسلام رفتہ رفتہ صرف ایک 'صورت' و 'رسم' کا نام رہ گیا 'معنی' اور 'روح' دونوں نکلتے گئے!

Marfat.com

مٹ جائے گی اور اسلام کے ویران گھر کو یک دم آباد کر دے گی!

اسی بنا پر قرآن کریم کا وہ مُبشرانہ اور فیصلہ کُن وعدہ جو آیۂ کریمہ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ؁ (۳ : ۱۳۸) میں ہے، ایک ایسی حقیقت کے ساتھ مشروط ہے جس کا التزام اجتماعی غلبے کے استمرار و تسلسل کے لیئے بمنزلۂ روح ہے۔ ایمان کی جانفزا صداقت، مرگ و زیست کی ہر کشمکش کے قیام کے لیئے اکسیرِ اعظم ہے؛ وہ ہر کامرانی کی کلید، اور ہر کامیابی کی تمہید ہے؛ وہ ٹوٹتے ہوئے دلوں کے لیئے مومیائی اور مَرے ہوئے حوصلوں کے لیئے آبِ حیات ہے؛ اسکی ہر افزایش میں کُشادِ کار کا راز، اور ہر کاہش میں نامرادی کا بھید ہے؛ وہ فتح کی ہر منزل پر نئی روح، اور شکست کی ہر علامت پر نئی زندگی بخشتی ہے؛ وہ اجماعِ اُمت کا مرکز، نظم و نسق کا محور، اور انتہائی جدّ و جہد کی اساس ہے؛ اسکی کشش اتصال، فاسد اور متفرق طاقتوں کو جمع کر کے قوتِ دفاع کو دیوارِ آہن کی طرح مضبوط کر دیتی ہے؛ اسکا انجذابی اثر، اشتات و انتشار کے اجزا کو سمیٹ کر اقدامِ عمل کی توفیق دیتا ہے؛ جس متنفس کو حیات کی جانکاہ مسافرت میں ایسا سچّا رہنما نصیب ہو، اُسکے ہر گام پر فتح و نصرت شاملِ حال ہے؛ اور جس قوم کو تحفظ و بقا کے اندوہناک مجادلے میں ایسا جارحانہ اور مدافعانہ حربہ عطا ہُوا ہو، اُسکا مخالف اثرات پر تسلط یقینی، اور تغلب اور **تمکن فی الارض** ایک طے شدہ امر ہے:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ؁ (۲۴ : ۵۵)

تم میں سے جن لوگوں کا ایمان سچّے دل سے قائم رہا، اور جنہوں نے اسکے علاوہ تن دہی سے اعمالِ صالح بھی کیئے، اُن سے اللہ جل شانہٗ کا وعدہ ہے کہ وہ اُنہیں زمین میں قیام عطا فرمائے گا جیسے اُن لوگوں کو قیام عطا فرمایا تھا جو اُن سے پہلے ہو گذرے ہیں؛ وہ اس دین کو جو اُس نے اُنکے لیئے پسند کیا ہے جما کر رہے گا، اور بعد ازاں اُس خوف کو بھی جو اُنہیں دشمن سے لاحق ہے امن سے بدل دیگا۔ ان کا مسلکِ عمل یہ ہے کہ میرے غلام بنکر میرے حکموں پر چلتے رہیں (يَعْبُدُونَنِي)، اور طاعت گذاری میں کسی دوسری شے کو میرے ہم مقام

؁ اور نرم پڑکر ہمت نہ ہارو، اور آزردہ خاطر نہ ہو کیونکہ اگر تم ایمان والے ہو تو آخر کار سب میں تمہاری ہی جیت ہے۔

نہ کریں (لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا)۔ اور جنہوں نے اس تمکن اور قیام کے بعد اطاعت احکام سے انحراف کیا، اور اپنی بداعمالیوں کے باعث اس نعمتِ عظمیٰ کی بیقدری کی (کَفَرَ) تو وہی فاسق ہیں٭؛ (اور وہی اجتماعی ہلاکت کے اہل ہوں گے٭٭ (۴۶ : ۳۵))

شارعِ قدرت کا یہ حتمی میثاق، نہ صرف اسلام بلکہ تمام اقوامِ عالم کی حیات و ممات کا مکمل اور آخری فیصلہ ہے۔ قرآن کریم کی حجت بالغہ، اور شریعت خدا کی حکمت جامعہ و مانعہ، جہد للبقا اور مقاومۃ للنفس کے اُس طبعی نتیجے پر تیرہ سو برس پہلے پونہچ چکی ہے، جو فلسفہ دانِ فارابی، ہیگل، اور ڈارون٭٭٭ کے مسئلہ ارتقا و انتخاب طبعی کی اصطلاح میں بقائے اصلح کے نام سے معروف ہے۔ اِس آیہ کریمہ میں دو باتوں کا فیصلہ کر دیا ہے: اوّلاً یہ کہ "استخلاف فی الارض"

٭ آیاتِ ماقبل، (۲۴ : ۴۸-۵۴)، و مابعد، (۲۴ : ۵۶)، کے ربط کو پیش نظر رکھکر، "عبادت" "شرک" "کفر" اور "فسق" کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم کی لُغت میں یہ چاروں اصطلاحیں، اور ان کی مثل اور الفاظ جن کا ذکر آگے آئے گا، اس قدر جامع اور مانع ہیں کہ ان کی صحیح اور ناقابل انکار تشریح کرنا، در اصل قرآن کی تمام حکمت اور لائحہ عمل کو عیاں کر دینا ہے۔ یہاں پر یَعْبُدُوْنَنِیْ سے لیکر فٰسِقُوْنَ تک جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ اگرچہ از وقت ہے، مگر اس کا کافی ثبوت کتاب کے آیندہ اوراق میں مل رہیگا۔ قرآن حکیم کا ربط بھی اس قدر ظاہر اور باہر شئے نہیں کہ ہر کو کتاب کے محض ابتدائی اوراق میں واضح کیا جا سکے۔ اس کے لیئے بے انتہا غور و فکر اور صحیح علم کی ضرورت ہے۔

٭٭ سورۂ احقاف کے اخیر میں ہے: فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ٥ (۴۶ : ۳۵) "تو کیا ماسوا فاسق قوم کے کوئی اور قوم بھی ہلاک ہو سکتی ہے؟" گویا فاسق قوم کی ہلاکت قطعی ہے۔ اس بنا پر ترجمے میں اس ضروری ایضاح کا سبب ظاہر ہے۔

٭٭٭ مسئلۂ ارتقا جس کی مجمل تشریح آیندہ موقع پر کر دی جائے گی، منجملہ ان عالم آرا مسائل کے ہے جس کی اختراع و ابداع اور تصدیق کے متعلق چند سربرآوردہ ناموں کا انتخاب کر لینا ازبس مشکل ہے۔ مختلف قرون کے علما نے اس مسئلے پر بحثیں کیں، اور ہر بار متعدد اضافے ہوتے رہے۔ اہل یونان اور رومۃ الکبریٰ کے زمانۂ عروج میں اسکے اعتراف کے آثار پائے جاتے ہیں؛ مگر ماسوا ہرقلیطس (المتوفی ۴۷۵ قبل مسیح) اور لوقریطس (المتوفی ۵۵ قبل مسیح)، مشہور شاعر کے کوئی پُرانا فلسفی اسکے متعلق مفید معلومات بہم نہیں پونہچاتا۔ اہل ہند کی پُرانی کتابوں میں کہیں کہیں اسکا مشکوک سا ذکر پایا جاتا ہے۔ اسلام کے عہدِ عروج میں مختلف حکما نے اس مسئلے کو لیا، اور اسکے متعلق بہت کچھ چھان بین کی۔ اس سلسلے میں، الفارابی (المتوفی ۳۳۹ھ ۹۵۰ء) ابن سینا (المتوفی ۴۲۹ھ ۱۰۳۷ء)، ابن باجہ (المتوفی ۵۳۳ھ ۱۱۳۸ء)، اور ابن مسکویہ (المتوفی ۴۲۱ھ ۱۰۳۰ء) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یورپ کے عہد ارتقا میں جو نام سب سے زیادہ سربرآوردہ ہیں، ہیگل (المتولد ۱۲۰۵ھ ۱۸۳۱ء)، والیے (المتولد ۱۲۳۸ھ ۱۸۲۳ء)، ہکسلے (المتوفی ۱۳۱۲ھ ۱۸۹۵ء)، اور ڈارون (المتوفی ۱۲۹۹ھ ۱۸۸۲ء) کے نام ہیں۔ موخر الذکر کی کتاب "اصل الانواع" مطبوعہ ۱۲۷۵ھ ۱۸۵۹ء نے آج اس مسئلے کو پایۂ ثبوت تک اس قدر پونہچا دیا ہے کہ اب اسکی تحقیق و تدوین کا تمام سہرا ڈارون کے سر پر ہے۔ لیکن اس عظیم الشان نظریے کی ارتقائی شق کے دعوے کو اوّل اوّل جن علما نے مستقل صورت دی وہ حکمائے اسلام ہی ہیں۔ ابن خلدون نے تاریخ العبر کے مقدمے میں بھی ضمناً اسکی طرف اشارہ کیا ہے۔ اصل کتاب میں ہم نے ابو نصر محمد الفارابی کا نام بتخصیص پیش کیا ہے نہ صرف اسلیئے کہ مسئلہ ارتقا کی ابتدائی تدوین و تحقیق میں الفارابی کو بہت بڑا دخل تھا بلکہ اسلیئے کہ اس حکیم اجل کی عالم اسلام میں خاص قدر و منزلت ہے۔ وفیات الاعیان میں ابن خلکان نے بو علی سینا کے اس استاد معظم کو اسلام کا سب سے بڑا حکیم کہا ہے!

Marfat.com

یعنی† بقا و استبقا کے لیے **ایمان** شرط ہے، اور اللہ کا وعدہ اُنہی لوگوں سے کیا گیا ہے جو ایمان رکھتے ہوں۔ ثانیًا یہ کہ ایمان کامل کے ہوتے ہوئے **اعمالِ صالحہ** کا اکتساب لازمی امر ہے۔ جس جماعت کے افراد میں یہ دونوں باتیں موجود ہوں وہی **اصلح** ہے۔ اُسی کی صیانت اور سلامتی کا ذمہ قانونِ فطرت نے اپنے

---

† قرآن کریم میں استخلاف کا لفظ، آیۂ استخلاف سے قطع نظر، چار موقعوں پر آیا ہے جو یہاں پر اس وسیع التاویل لفظ کے مطلب کی صحیح توضیح کے خیال سے لکھ دیے جاتے ہیں۔ پہلا موقع سورۂ انعام میں ہے:

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِن بَعْدِكُم مَّا يَشَاءُ كَمَا أَنشَأَكُم مِّن ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ آخَرِينَ ﴿۶: ۱۳۳﴾

اور اے پیغمبر! جہاں تمہارا پروردگار بڑا رحم والا ہے وہاں بڑا بے نیاز بھی ہے، وہ اگر مناسب سمجھے تو تم سب کو دنیا سے اٹھا لے جائے، اور تمہارے بعد جس میں اہلیت دیکھے تمہارا جانشین کر دے، جیسا کہ آخر دوسرے لوگوں کو ہلاک کر کے اُن کی بقیہ نسل سے تم کو فروغ دے ہی چکا ہے۔

(یشا کے معنی ہم نے مناسب سمجھنا کیے ہیں، اس کا ثبوت 'فلسفۂ عمل' کے عنوان یعنی دوسری مجلّد میں آئیگا)۔ دوسرا موقع سورۂ اعراف میں ہے:

قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿۷: ۱۲۹﴾

اس پر موسیٰ نے جواب دیا کہ لوگو! اب وہ وقت قریب آلگا ہے کہ تمہارا خدا تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے، اور تم کو ملک میں اُسکا جانشین بنائے۔ پھر دیکھے کہ تم کیا سعی و عمل کرتے ہو۔

تیسری جگہ سورۂ ہود میں ہے:

فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿۱۱: ۵۷﴾

اس پر ہودؑ نے اُن سے کہا کہ اگر تم نے ان احکام سے گریز کیا تو کم از کم میں نے اپنا پیغام تم تک پہنچا دیا، اور اس نافرمانی کا نتیجہ لامحالہ یہ ہوگا کہ خدائے عظیم تم کو ہلاک کر کے کسی دوسری قوم کو تمہارا جانشین کر دے گا، اور وہ اس قدر صاحب قوت ہوں گے کہ تم اُن کا کچھ بگاڑ بھی نہ سکو گے۔ اور یاد رکھو کہ میرا پروردگار ہر قوم کے اعمال کو بنظر تمام دیکھ رہا ہے۔

ایک موقع، جس میں استخلاف کا لفظ ذرا مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے، سورۂ حدید میں ہے:

آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ ۖ فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَأَنفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿۵۷: ۷﴾

لوگو! خدا کو خدا مانو اور رسول کو اُسکا بھیجا ہوا پیغامبر سمجھ کر اُسکے احکام کی تعمیل کرو، اور اُس مال میں جسکا وارث اگلوں کو تباہ کر کے تم کو بنایا ہے (اعلائے خدا میں) صرف کرو۔ کیونکہ جو لوگ احکام کی پیروی کرتے رہے، اور جنہوں نے ایثار مال کیا، اُن کو خدا کے ہاں سے اجر عظیم ہے۔

(آمنوا کے اِن معانی کی تشریح آگے آئے گی، یہاں اِس سے بحث نہیں۔) اِن چاروں مثالوں سے یہ امر واضح ہے کہ 'استخلاف' کے معانی قرآنِ کریم میں ایک قوم کو ہلاک کر کے دوسری کو اُسکا جانشین بنانا ہے، اِس سے زیادہ کچھ نہیں۔ نہ اِس سے مراد بالخصوص وہ مسئلہ خلافت ہی جس کا مرکز آجکل قسطنطنیہ ہے۔ اگرچہ وہ بھی اِسمیں شامل ہے۔ نہ اِس سے مراد خاص کر عرب کا استخلاف ہے، نہ عجم کا۔ نہ مشرق اور مغرب کا۔ جو قوم ایک کے ہلاک ہوئے پیچھے اُسکے ملک اور دولت کی وارث ہوئی وہی 'مستخلف' ہی۔ خواہ وہ چین کی ہو یا روم کی۔ یہی بقا و استبقا ہے، اور اسی لحاظ سے ہم نے یہ معانی متن میں لکھے ہیں۔

استخلاف کے اِن معانی کی حتمی تائید قرآنِ عظیم کی دو اور آیتوں سے ہوتی ہے جن کے نفس موضوع کا مقابلہ سورۂ ہود کی متذکرہ صدر آیت (۱۱: ۵۷) سے کرنا چاہیئے۔ سورۂ توبہ میں ہے: إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۹: ۳۹﴾

اگر اے عافیت پسند عرب کے لوگو! تم اِس موقع پر لڑائی کے واسطے ہمہ تن مستعد نہ ہوئے تو خدا تم کو دردناک سزا دے گا اور تمہارے سوا کسی دوسری مستعد

Marfat.com

اوپر لیا ہے۔ قرونِ ماضیہ کی اقوام متمدنہ کی طرح اُسکا غلبہ اور استخلاف قائم رہیگا جب تک ایمان اور صلاحیتِ عمل اُن میں باقی رہے! اور فسق و کفر کی حد تک نہ پونچیں!

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت ست بر جریدۂ عالم دوامِ ما!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹) قوم کو تم سے بدل دے گا، اور وہ اِس قدر صاحبِ قوّت ہوں گے کہ تم اُن کا کچھ بگاڑ بھی نہ سکو گے، اور یاد رکھو کہ خدا وہ بے نیاز خدا ہے کہ وہ ہر بات کر سکتا ہے"۔ یہاں 'یستبدل' اور 'یستخلف' کا ترادف عیاں ہے۔ سورہ محمد میں بھی 'یستبدل' اِنہی معنوں میں ہے: وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ؏ (۴۷: ۳۸) یعنی "اگر تم نے اِن احکام سے سرتابی کی تو کچھ پروا نہیں وہ خدائے عظیم تمہارے سوا کسی اور قوم کو تم پر لا بٹھائے گا۔ پھر وہ تم جیسے بدعمل نافرمان، اور نفس پسند بھی نہ ہوں گے"۔ اِن آیاتِ آلٰہی سے صاف ظاہر ہے کہ استخلافِ اقوام دراصل اُن کا استبدال ہی ہے۔ جو قوم بادشاہت زمین کی اہل نہ رہی، جو قانونِ خدا سے سرتابی کرنے کے باعث اپنی قوتیں سلب کر چکی اُس کا روئے زمین پر سے یک بینی و دو گوش نکالے جانا قطعی ہے۔ جو وارث زمین ہے وہی 'مستخلف' ہے وہی بہتر اور صالح تر ہے، وہی ناقابلِ ضرر اور قوی تر ہے، اور اُسیکا اس دنیا پر باقی رہنا طے شدہ امر ہے۔

خلف کا استعمال استخلاف اور اِبقا کے معنوں میں کئی جگہ ہوا ہے۔ یہاں پر تین موقعے قابل ذکر ہیں: وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِی الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ؀ (۴۳: ۶۰)، "اور اگر ہم مناسب سمجھتے تو تمہی کو فرشتے بنا کر اس زمین میں تمہارا جانشین کر دیتے"۔ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ؀ (۱۰: ۱۴)، "پھر ہم نے اُن کے ہلاک ہوئے پیچھے تم کو زمین میں ان کا جانشین بنایا تاکہ دیکھیں کہ تم کیا سعی و عمل کرتے ہو"۔ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ؀ (۳۴: ۳۹)، "اور جو ایثارِ مال بھی تم کرتے ہو خدا اُسکو بقا نصیب کرتا ہے اور اسکا عوض دیتا ہے"۔ اِن مثالوں سے ظاہر ہے کہ 'خلف' اور 'استخلف' دراصل ایک ہی معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ اور اِنہی معنوں میں اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ط (۲: ۳۰) ہے، یعنی "میں زمین میں ایک قائم مقام بنانے والا ہوں"۔

ایک اور بات جو ضمناً اِن آیتوں اور بالخصوص (۷: ۱۲۹)، (۱۱: ۵۷)، (۱۰: ۱۴) سے مترشح ہے، یہ ہے کہ مستخلف فی الارض کا مقام حاصل کرنے، اور اُسکو قائم رکھنے کے لیئے 'عمل' کرنا شرط ہے۔ آیۂ استخلاف میں شرط 'عمل صالح' ہے۔ اب ہی یہ بات کہ 'عمل صالح' کیا شئے ہے۔ اِس کا جواب اس کتاب کے طول و عرض میں ملے گا۔ اور 'صلاح' کی تعریف از روئے قرآن کرنا آسان کام نہیں۔

تیسری بات جو اِن آیات میں غور طلب ہے یہ ہے کہ 'الارض' کا استعمال (۷: ۱۲۹)، (۴۳: ۶۰)، اور (۲: ۳۰) میں مطلق معنوں میں ہوا ہے، اِس سے کوئی خاص حصہ زمین مراد نہیں، جیسا کہ آیۂ استخلاف کے 'الارض' کے متعلق بعض مفسرین کا خیال ہے، اور وہاں 'الارض' کے معنی زمینِ مکہ لیئے ہیں۔ یہ بحث کتاب کے متن میں کی جائے گی، لیکن یہاں اِس بات کا اظہار ضروری ہے کہ 'الارض' کا لفظ مطلق ہے۔ (۷: ۱۲۹) سے کچھ شبہ پڑتا ہے کہ موسیٰ کی مراد خطۂ مصر ہو مگر تاریخ شاہد ہے کہ بنی اسرائیل کو استخلاف سرزمین مصر میں ایک مدّت مدید کے بعد حاصل ہوا، اِس سے پیشتر وہ مُلک شام میں بادشاہ بن چکے تھے۔ (۱۰: ۱۴) سے بھی خفیف سا شبہ پڑتا ہے۔ لیکن اِس سے پہلی آیت (۱۰: ۱۳) کو ملا کر پڑھنے سے یہ شبہ رفع ہو جاتا ہے۔ بہرنوع اِن آیات کے غائر مطالعے کے بعد یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ قرآن میں استخلاف فی الارض کے الفاظ سے اقوام عالم کا اِس روئے زمین پر اجتماعی بقا حاصل کرنا مراد ہے، اِس سے کم و بیش کچھ نہیں۔ وہ شرعی یا مذہبی ہالہ جو اِس اصطلاح کے گرداگرد مرورِ وقت یا رسمی تکرار کے باعث پیدا ہو گیا ہے خود لوگوں کا پیدا کردہ ہے، قرآن کریم کو اِس سے کچھ سروکار نہیں۔

ڈارون کا نظریۂ ارتقا، نشاءِ آفرینش سے لیکر ظہورِ انسان تک، ہر ذی حیات شئے کی انفرادی

مسئلہ ارتقا کی تخفیف و توہین جس انداز سے آج مسلمانانِ عالم اپنی کمیٔ علم اور غلبۂ جہل کے باعث کر رہے ہیں، اس سے کم از کم یہ مترشح ہوتا ہے کہ انحطاط پذیر اقوام میں اپنے آبائی کارناموں کی یاد کس سُرعت سے محو ہو جاتی ہے۔ صفحہ ۸ کے تحت المتن میں چند اُن اسلامی حکمائے عظام کا ذکر کیا گیا تھا جنہوں نے اس مسئلے کی تصدیق و تثبیت میں مستقل حصہ لیا، اسکو علم کلام کا اہم جزو قرار دیا، علم فطرت کی ایک بڑی حد تک توسیع کر کے مختلف ثبوت اسکی تائید میں بہم پہنچائے، اور صاف اور غیر مشکوک الفاظ میں ارتقا کی نوعیت بیان کی، لیکن آج چونکہ مغربی حکمانے اس نظریے کو پایہ ثبوت تک پہنچا دیا ہے، اور اس سے مستقل نتائج اخذ کر کے حفظ و امن کی راہیں ڈھونڈھ رہے ہیں، مسلمان اس سے یکسر بیزار ہو گئے ہیں، اور اسکی تضحیک کر کے اپنی نادانی کا ثبوت دے رہے ہیں! مسئلہ ارتقا و انتخابِ طبیعی، آج مغرب کے تمام پہنائے علم و تحقیق میں وہ عظیم الشان انکشاف ہے جس کی عظمت اور نافعیت کا صحیح اندازہ لگانا قانونِ فطرت کے صحیح علم کے بدون از بس مشکل ہے۔ اس مسئلے نے صحیح معنوں میں فطرت کے سرِ عظیم کو ایک بہت بڑی حد تک آشکارا کر دیا ہے! اس نے حیات کے حجابِ اکبر کو چاک کر کے انسان کو معرفتِ نفس کا پہلا اور گراں قدر سبق دیا ہے! اس نے انسان کو شناسائی خدا میں مستقل مدد دی ہے! اس نے وحدتِ خدا اور وحدتِ ماسوا، وحدتِ مکان اور وحدتِ مکین کو ثابت کرنے میں اہم حصہ لیا ہے! اس نے انسان کا دائرۂ علم و عمل بیحد وسیع کر کے اُسکو صحیح معنوں میں خدا کا قائم مقام بنا دیا ہے! نہیں بلکہ اسنے زوال و بقائے اُمم کے وہ پنہاں اصول بھی ایک حد تک عیاں کر دیئے ہیں جو الہامی کتابوں، اور بالخصوص قرآنِ حکیم کے سوا آجتک اور کہیں نہیں ملے۔ جو لوگ اس مسئلے سے اس لئے بیزار ہیں کہ اسمیں انکو خود اختیاری کے باعث تعطّلِ خدا کی شان پائی جاتی ہے، یا اُسکی خالقیت میں ایک ناقابلِ برداشت تعویق ثابت ہوتی ہے، اُن کے دلوں میں خدا کی عظمت اور قدرت، ازلیت اور ابدیت کا اندازہ بہت کم ہے۔ قرآن میں مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (۲۲ : ۷۴)، اس امر کی شہادت ہے۔ اکثر لوگ اُس خلّاقِ عظیم کا اندازہ انسانی قوتوں اور بشری واماندگیوں کو پیشِ نظر رکھکر کرتے ہیں، اور اسی لیئے اصلیت کی لا انتہا وسعت تک نہیں پہنچ سکتے۔ مختصر الفاظ میں اس مسئلے کا یہ دعوے ہے:-

۱- "اس عالمِ کون و مکان اور پہنائے زمین و آسمان کے اندر آفرینش کے ابتدائی ایام سے لیکر آجتک ایک ارتقائی اور تعمیری، ایک تدریجی اور ترکیبی انقلاب واقع ہو رہا ہے جو تخلیق کا فوری اور بلا واسطہ باعث ہے، حرکت اور حرارت اس تکوین کی علل اُولیٰ ہیں۔ علّتِ انتہائی وہ علّۃ العلل وجود ہے جس نے سب اشیا کو اپنی اپنی جبلّت عطا کر کے اپنے اپنے کام پر لگا دیا ہے۔"

قرآنِ حکیم کا محاکمہ اس امر کے متعلق موسیٰ علیہ السلام کے ان الفاظ سے ظاہر ہے:-

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝ (۲۰ : ۴۹-۵۰)

فرعون نے ازراہِ سوال پوچھا کہ اے موسیٰ! وہ تم دونوں بھائیوں کا پروردگار کون ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا کہ وہ وہ ربِ بے مثال ہے جس نے اس عالمِ کائنات کی ہر مخلوق شئے کو اسکی جبلّت اور خلقت عطا فرما کر اپنا اپنا راہِ راست دکھلا دیا ہے۔

۲- "عالمِ موجودات کی سب ذی حیات مخلوق، بشمولیت نباتات و خورد بینی حیوانات، ایک سلسلۂ تکوین کی مختلف کڑیاں ہیں جنکو بقدر اُنکے اعضائے رئیسہ و غیر رئیسہ کی سہولتِ اشکال ترکیب کے ایک تدریجی سلسلے میں پیوست کیا جا سکتا ہے۔ یہ سب تکوینِ آفرینش کے مختلف مراحل میں ایک معین ترتیب سے ہوئی اور بتدریج ہوئی۔ اس دور کا کمال اوج انسان ہے جسکے اعضا کی تقویم سب ادنیٰ حیوانات سے بہر نوع بہتر ہے۔"

---

۵ لوگوں نے خدا کی عظمت کا اندازہ ہرگز اس طرح پر نہیں کیا جیسا کرنے کا حق تھا۔

Marfat.com

جنس قوی کے تغلب، سرگذشت اجتہاد کی متواتر نسل کے ترقی اور حفظ نفس، داستان کی جدوجہد اجتماعی ورا

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱) لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۝ (۹۵: ۴-۵)

(اے ساکنانِ زمین! اس عالم کائنات کا ہر ذرہ اس بات کا شاہد ہے کہ) ہم نے انسان کو احسن الخلق بنایا، اُسکے اعضا میں بہترین صلاحیت اور استعداد پیدا کی۔ پھر اس صلاحیت کے انحطاط کے باعث اسکو (اسی) کمتر سے کمتر مخلوق کی طرف لوٹالائے (جو کسی زمانے میں تھا)۔

ہم نے التین و الزیتون کی شہادت پیش نہیں کی، ان کی تشریح میں ابھی بہت دیر ہے۔ مگر رَدَدْنٰهُ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ انسان اپنی نشاءِ اول کے ابتدائی مراحل میں اسفل سافلین تھا۔ اسفل سافلین کی علمی تشریح آگے چلکر ہوگی۔

۳۔ "دنیا ایک عظیم الشان امتحان گاہ جہد و عمل ہے، جسمیں ہر ذی حیات فرد بطور ایک مجاہد کے ہے۔ سب کے سب اپنے اپنے دائروں کے اندر، ایک لامتناہی کشمکش، اور غیر منقطع مزاحمت میں لگے ہیں۔ قیام و بقا کا مدار تمام تر حصر اسی جدوجہد پر ہے۔ ہر جنس، نوع، اور فرد، جغرافیائی اور اجتماعی حدود کے اندر، اپنی ہمسایہ مخلوق کے بالمقابل صف آرا ہے، فطری اور مقامی موانعات کا مقابلہ کر رہی ہے، بہتر اور قوی تر اجناس سے نبرد آزما ہے، دشمن سے عہدہ برآ ہونے کی تجویز میں لگی ہے، کمتر اور کمزور تر مخلوق پر متسلط ہونے کی سعی کر رہی ہے۔ الغرض اپنی بہبودی اور بچاؤ، اپنی تقویت اور دفاع کے لیئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔ اس مقام نظر سے عالم حیوانات و نباتات کی سب مجتمعات باقیہ، قوی تر اجناس و انواع کی جارحانہ دستبرد کے باعث، ایک مسلسل خوف کے ماحول میں گھری ہیں، جس سے بچ نکلنا، اور جسکو امن سے بدل دینا ہر زندہ مخلوق کا منتہائے وحید ہے۔"

قرآن حکیم کا تمام دستور العمل من و عن اس فردی اور اجتماعی جدوجہد کا مؤید ہے۔ چند مثالیں صفحہ ۱۰ کے تحت المتن میں لفظ استخلاف کی بحث کے ضمن میں گذر چکی ہیں، مگر لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۝ (۵۳: ۳۹) کا اصل اصول قرآن عظیم کے ہر ورق پر جلی حروف میں لکھا ہے۔ آیۂ استخلاف کا نفس موضوع بھی اسی خوفِ عدو کو حفظ و امن میں بدل دینے کی معنی خیز داستان ہے؛ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا کا محفوظ مقام کسی قوم کو صرف اُس وقت نصیب ہو سکتا ہے جب وہ ممکن فی الارض بن چکے، اور بے سعی و عمل اسکا حاصل کر لینا قطعاً محال ہے۔

جنس قوی کی جارحانہ دستبرد اور تشدد، اس ابتلاگاہ سعی و عمل میں، وہ بدیہی امر ہے کہ اسکے لیئے کسی بڑی چھان بین کی ضرورت نہیں۔ ادنیٰ مخلوق سے لیکر اشرف الخلق انسان تک ہر نوع اس قاعدے پر عمل پیرا ہے؛ قوی ہر جا اپنی طاقت کا استعمال ضعیف جنس پر کر رہا ہے؛ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل کر اپنا پیٹ پال رہی ہے؛ کمزور قومیں زور آور قوموں سے ہر دم خوف زدہ ہیں، اور ہر طرف دست زور بالا کی تعمیل بظاہر ہو رہی ہے سورۂ انفال میں خدائے عظیم نے قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں کو اسی خوف عدو کا ماحول یاد دلا کر عیاں کر دیا تھا کہ دشمن پر غالب آکر محفوظ مقام حاصل کر لینا ہی تائید الٰہی ہے:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ یَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَیَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (۸: ۲۶)

اور مسلمانو! وہ وقت یاد کرو جب تم اس زمین میں تھوڑی سی تعداد میں تھے، کمزور اور بے بس گنے جاتے تھے، اور ہر آن اس خوف کے باعث سہمے رہتے تھے کہ دشمن تمہیں اُچک نہ لیجائیں۔ پھر خدائے ذو الجلال نے (تمہارے اعمال کو پسند فرما کر) تم کو اپنی پناہ میں لے لیا، اپنی مدد سے تم کو قوی

---

۵۱ انسان کو کچھ میسر نہیں مگر وہ جو بقدر اُسکی سعی کے ہے۔ ۵۲ مطالب کے لیئے دیکھو صفحہ۔

Marfat.com

صنف ضعیف کے سقوط، اور جنس اصلح کے بقا اور تدریجی ارتقا کی مسلسل روئیداد، طبقات الارض کی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲) بنایا، اور دشمن پر فتح دے کر عمدہ قسم کی دنیاوی نعمتیں بخشیں، اور یہ سب اس لیئے کہ تم ان نعمائے الٰہی کی دل سے قدر کرو۔ (لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ)۔ شکر کے ان معانی کا ثبوت بعد میں ملیگا، یہاں اِسپر بحث نہیں)۔

۴؎ "مختلف انواع و اجناس کا ظہور اور قیام، خارجی اور مقامی حال و احوال اور باطنی استعداد صعود کے متفقہ زور اثر سے ہوا۔ جو نوعیں احوالِ طبیعت کی خارجی مزاحمت کے بالمقابل پوری نہ اتر سکیں ہٹتی گئیں، جنہوں نے اس کشمکش میں پورا حصّہ لیکر اپنے آپ کو مستعد ثابت کیا، صعود کرتی گئیں۔ عالمِ حیات کا سب کون و فساد اسی عالم آرا اصول کے ماتحت ہو رہا ہے۔ حفظِ نفس، اس مزاحمت کا محرک اول ہے۔ جس نباتی یا حیوانی نوع کا استخلاف زمین کے کسی حصّے پر قائم ہے۔ وہ صلح ہے جس کا تمکن فی الارض مٹتا جا رہا ہے وہ غیر صلح ہے۔ جو نوع سب سے متمکن، سب سے زیادہ مجاہد اور مستعد، سب سے زیادہ تکثر اور ارتقائی اہلیت رکھتی ہے وہی اپنے دائرے کے اندر اصلح ہے، اسی کا بقا قطعی ہے، فطرت خود بخود اُسکا انتخاب کر کے اُسکو بے خوف و خطر کر دیتی ہے"!

انسانی امتوں کے قیام و بقا کے متعلق قرآن حکیم نے بعینہٖ وُہی لازوال اصول پیش کیئے جو آج مغرب کی تمام علمی تحقیقات اور مادّی تقدم کے محور عمل بن چکے ہیں۔ سورۂ اعراف میں ہے:۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (۷ : ۳۴-۳۵)

اور ہر ایک گروہ کے صفحۂ ہستی سے مٹنے کی ایک میعاد مقرر ہے، پھر جب اُسکی تباہی کے اسباب مکمل ہو چکتے ہیں تو اس سے ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکتے ہیں نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں۔ پھر اگر اُس وقت کوئی عذر پیش کرے گا تو ہم کہیں گے کہ اے بنی آدم! ہم نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ جب کبھی ہماری طرف سے تم ہی میں سے ہمارے قاصد تمہارے پاس پہنچیں، اور ہمارے احکام تم پر واضح کر دیں، تو جس قوم نے ان احکام پر عمل کر کے حفظ نفس کی راہ اختیار کر لی (اتّقٰی)، جو ہلاکت سے دامن بچا کر چلی (اتّقٰی)، اور صلح بن گئی (اَصْلَحَ) اُسکو اس دنیا میں کسی قسم کا خوف و خطر نہیں!

آگے چلکر ہم اسی مجلد میں ثابت کرینگے کہ "اِتّقا" کی بعض اہم شرائط کیا ہیں، "اِتّقا" کی مکمل تشریح "عمل" کے عنوان (چوتھی مجلد) میں آئے گی۔ صلاح کی تعریف میں ابھی بہت دیر ہے۔ وہ عظیم الشان آیات جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عالمِ حیوانات کا قانون فنا و بقا بھی اسی انداز پر ہے جس پر انسانی اُمتیں چل رہی ہیں بہت بعد میں آئینگی۔ یہاں پر ہم نے صرف قرآن حکیم کی چند معاون آیات کو پیش کر دیا ہے۔ ان سے کچھ ثابت کرنا ابھی مقصود نہیں۔ لیکن اگر کتاب کے اس محض ابتدائی حصّے میں کوئی نتیجہ خیز اور قابل ذکر بات ان آیات سے مستنبط ہو سکتی ہے تو یہ ہے کہ کتابِ الٰہی نے کس التزام کے ساتھ استخلاف فی الارض کی شرط کو جا بجا سعی و عمل، امتحان و ابتلا، تگ و دو قرار دیا ہے جو سلسلہ ارتقا کی اصلی روح رواں ہے۔ چنانچہ اسی ضمن میں سورۂ انعام کی آخری آیت نہایت قابل لحاظ ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (۶ : ۱۶۶)

اے ساکنانِ زمین! خداوند عظیم الاختیار خدا ہے جس نے تمکو اس زمین میں اپنا نائب اور قائم مقام مقرر کیا ہے کہ تم اسکی حکومت اور انتظام کو اپنے ہاتھ میں لو، اور تم میں سے ایک قوم کو دوسری قوم پر کئی درجے فضیلت اس لیئے دی ہے کہ معیشت کی اس مسابقانہ کشمکش میں وہ تمہاری اُن قوتوں اور صلاحیتوں کا امتحان لے جو اُس نے تم کو دیں۔ جانے رہو کہ اگر تم اس ابتلا میں پورے نہ اُتر سکے، اور دوسروں سے پیچھے رہ گئے، تو لامحالہ خدا بڑا جلد جلد سزا دینے والا ہے، اور اگر اپنی سعی و عمل کے باعث سبقت لے گئے تو اس میں بھی شک نہیں کہ وہ عیوب پر بڑا پردہ ڈالنے والا

مٹی میں دبی ہوئی ہڈیوں کی زبانی ہے۔ اِس تمام پیچیدہ مسئلے کی تہ میں یہ بات ظاہر کردی گئی ہے کہ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳) (غفور) اور بڑا رحم کرنے والا ہے"!

۵۔ "انسان کی تکوین کمتر مخلوق کے ارتقا سے ہوئی، مگر اس انقلاب عظیم کی تکمیل میں قرنہا قرن گذر گئے، حتیٰ کہ ایک نوع کا انتقال اُس سے اگلی نوع میں بھی ہزارہا برس میں ہُوا! اس مُدت مدید میں زمین بھی لاانتہا جغرافی اور طبعی، کیمیاوی اور تعمیری انقلابات کا مکین رہی)، اور اب تک ہی۔ ارتقا کا سلسلہ بند نہیں ہوا، بلکہ جب تک زمین آسمان موجود ہے، جاری رہیگا۔ اِس نقطۂ نظر سے بہت ممکن ہے کہ ایک مُدت کے بعد انسان اپنی قوتوں، صلاحیتوں، اور علم و عمل میں ارتقا کرتے ہوئے اِس سے بھی بہتر مخلوق بن سکے جو اپنی صفات میں شارع کائنات کی ذات سے قریب تر ہو! اِس بنا پر زمین و آسمان کی تکوین کا سلسلہ انسانی نقطۂ نظر سے ایک بے پایاں سلسلہ ہے جو ہزار در ہزار بلکہ لکھو کھا برس سے چل رہا ہے اور ممکن ہے کہ لکھو کھا برس تک اِسی طرح چلتا رہے"!

مسئلہ ارتقا کی اِس شق کے متعلق قرآن کریم میں وہ حیرت انگیز اور ناقابل انکار شہادت موجود ہے کہ اُس کا تمام و کمال یہاں پر لکھ دینا بہت کچھ پیش از وقت ہی۔ یہاں پر صرف چند آیات اور اُن کا مربوط ترجمہ لکھ دیا جاتا ہے۔ صحت مطالب کی ناقابل رَدّ دلائل ایک ایک نقطہ کے متعلق اپنے اپنے موقع پر انشاءاللہ متن میں آئیں گی۔ سورہ سجدہ میں ہے:

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ (۳۲: ۴-۹)

لوگو! خدا وہ عظیم و جلیل خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کے اِس حیرت انگیز کارخانے کو چھ بڑے مدید الوقت اور طویل المیعاد دنوں میں پیدا کیا، اور اب تخت سلطنت (العرش) پر جا بیٹھا اس ادارت عظمیٰ کو چلا رہا ہے۔ لوگو! اُسکے سوا نہ تمہارا کوئی کارساز ہے، نہ سفارشی۔ اُسی کی حکومت ہر جا چل رہی ہے، اُسی کا قانون ہر جگہ جاری و ساری ہے، تو کیا تم لوگ اِس کارخانہ جہان اور اِس عالم آرا حکومت سے کچھ عبرت نہیں پکڑتے!

وہ وُہ عظیم کار اور بزرگ اعمال خدا ہے کہ ایک عالم آرا قانون (الامر)، ایک امر مُہتم (الامر)، ایک جلیل القدر فیصلے یا معاملے (الامر) کی تجویز آسمان سے لیکر زمین تک کر دیتا ہے، پھر وہ معاملہ، اپنی عظمت اور وسعت کے باعث، رفتہ رفتہ اور نامحسوس طور پر، ایک مُدت مدید میں (فی یوم) جس کی مقدار انسانی شمار کے لحاظ سے ایک ہزار برس یا اس سے بھی زیادہ ہو، اُسکی مشیت کی طرف (الیہ) صعود کرتا ہے (یعرج)، اور اپنے اٹل زور اثر سے کمال کو پہنچ جاتا ہے! (گویا اسکی عظیم الشان تجویزیں ہزاروں برس میں جا کر مکمل ہوتی ہیں، اُسکے قانون کا عالم انگیز نفوذ صدیوں میں چلکر محسوس ہوتا ہے، اسکی اٹل مشیت قرنوں کے امتداد کے باوجود پوری ہو رہتی ہے) یہ ہے وہ ہزاروں برس کے بعد کے حالات کا علم رکھنے والا (عٰلِمُ الْغَيْبِ)، اور آج کے حال و احوال کا صحیح پرکھنے والا (وَالشَّهَادَةِ)، غالب القوی (الْعَزِيْزِ)، صاحب عفو و درگذر (الرَّحِيْمُ)، خدا جسکے رحم و تحمل اور کمال علم و عمل پر یہ کارگاہ اکبر چل رہا ہے!

وہ وُہ صنّاع عظیم ہے جس نے ہر پیدا کردہ شئے کو بہتر سے بہتر کر دیا ہے، اور انسان سی اشرف الخلق مخلوق کی ابتدا (بَدَاَ) مٹی سی حقیر اور کمتر مخلوق سے کی! پھر رفتہ رفتہ اس بدا اول، اِس کمتر مخلوق، اور اِس خلق قدیم کی نسل کو ہزارہا برس کی تدبیر امر اور تشکیل نوع کے بعد اعلیٰ حیوانات کے

Marfat.com

عالم حیوانات کی کشمکش حیات میں جسمانی زور، یا جارحانہ قوت ہی کسی جنس کے قیام کے لیئے کافی نہیں ہو سکتی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴) مادہ تناسل سے، جو ایک حقیر سا پانی کا نچوڑ ہے، جاری رکھا! پھر تناسل کے اس عظیم الشان مرحلے کو طے کرنیکے بعد اس خلق جدید کے اعضا میں، ہزارہا برس کی مزید تجویز و تدبیر کے بعد، بہترین تناسب قائم کیا (ثُمَّ سَوّٰىهُ)! اور پھر اس احسن الخلق شئے میں اُس خدائے عزیز و رحیم نے اپنی ناپید امثال صفات اور اوصاف کا ایک ایک شمہ ڈالا، اسکو اپنی جناب سے تھوڑا سا علم، تھوڑی سی قدرت، تھوڑی سی سمجھ وغیرہ وغیرہ عطا فرما کر گویا اپنی روح اسمیں پھونک دی (وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ)! اور آج اے اشرف الخلق انسانو! اس نے تم کو ان تمام مرحلوں سے گذار کر وہ عظیم الشان نعمائے الٰہی، اور اوصافِ کبریا کے وہ عدیم المثال مظاہر عطا کیئے ہیں، جن کا نام کان ہے، آنکھ ہے، اور ذہن سلیم ہے، جن کے ذریعے سے تم صحیح معنوں میں (سب کمتر مخلوق کے نقلی کانوں، آنکھوں، اور قلوب سے قطع نظر) سُن سکتے ہو، دیکھ سکتے ہو، اور سمجھ سکتے ہو! افسوس کہ تم ان حیرت انگیز نعمتوں کی بہت ہی کم قدر کرتے ہو، اور ان کو بہت ہی کم صحیح استعمال میں لاتے ہو! قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۝

(الف) ان جلیل الشان آیات کے مطالب تک پونہچنا آسان کام نہیں، مگر قرآن کے طالب العلم کو محولہ بالا مطالب کی ابتدائی تصدیق کے لیئے سورۂ مؤمن کی اُس آیت کو پیش نظر رکھنا چاہیئے جس میں انسان کی پیدائش کو اسقدر عظیم اور مُہتم امر قرار دیا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا اُس سے مقابلہ کیا ہے: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ (۴۰: ۵۷) "لوگو! اگر بچشم واشاہدہ کرو تو لامحالہ اس نتیجے پر پونہچو کہ آسمانوں اور زمین کی تکوین کا سلسلہ بنی نوع انسان کے سلسلۂ تکوین سے بھی کہیں بڑھکر ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کا علم نہیں رکھتے"! گویا انسان کی تکوین کوئی خالہ کا گھر نہ تھی کہ ایک مٹی کا پُتلا سا بناکر رکھدیا، اور پھر اُسمیں معاذ اللہ کسی شعبدہ باز نے پھونک مار کر جان پیدا کردی، جیسا کہ جُہلا کا خیال آجکل ہے، بلکہ وہ ایک عظیم الشان تعمیری سلسلہ تھا جو ہزارہا سالوں کے بعد اختتام پذیر ہوا! یہی بات ذیل کی معنی خیز تکرار سے ظاہر ہے: (۳۲: ۸-۹) ۔نَسْلَهٗ ۔ اور سَوّٰىهُ اور فِيْهِ، میں هُوَ کی غائب ضمیر سے لَكُمُ کی مخاطب ضمیر کی طرف رجوع کرنا بھی اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ هُوَ کی ضمیر انسان کی پہلی خلقتوں کی طرف ہے نہ کہ خود انسان کی طرف۔ علاوہ ازیں انسانی نسل کو ایک دفعہ قطرۂ منی سے جاری کرکے بعد میں اُسکا تسویہ کرنا قطعاً بے معنی ہے (ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ ..... ثُمَّ سَوّٰىهُ) بَدَاَ کے لفظ سے بھی جو (۳۲: ۷) میں ہے یہ ظاہر ہے کہ خلقت کی ابتدا مٹی سے ہوئی نہ کہ تکمیل۔ آج علم جدید کی حیرت انگیز تحقیق بھی انسان بلکہ تمام حیوانات کو اسی "طین لازب" سے بنایا ہوا قرار دیتی ہے: اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ۝ (۳۷: ۱۱) "ہم نے انسان کو لیس دار کیچڑ سے پیدا کیا"۔ سورۃ الرحمٰن میں ہے: خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ۝ (۵۵: ۱۴) "اُس نے انسان کو ٹھیکری کی مانند بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا"۔ یہ بجتا ہوا لیس دار کیچڑ انسان کی تخلیق کا وہ سامانِ اوّل ہے جو ہر تالاب اور دلدل، جوہڑ اور سنڈاس کی تہ میں، یا جھیلوں کے کنارے پر، کثرت سے نظر آتا ہے، اور جس کے مرطوب قوام کے اندر یورپ کا دقیقہ رس عالم اپنی خوردبین کے ذریعے سے اُس خلاقِ عظیم کی کروڑ در کروڑ مجرد ہستیاں چھپی ہوئی دیکھتا ہے۔ یہ سب وجود اسقدر دقیق ہیں کہ اُن کی کُل کائنات صرف ایک خلیہ یا جُزو ہے جسکے اندر حیات کا عالم آرا مکین محفوظ بیٹھا ہے! یورپ کے طبعی فلسفی کا دعویٰ ہے کہ کل ذی حیات مخلوق ایسی نفس واحد کے اجتماع اور استعمار سے ہوئی، اور قرنہا قرن میں اپنی ارتقائی استعداد کے باعث ایک مکان سے دوسرے مکان، اور ایک جائے قرار سے دوسری جائے قرار میں منتقل ہوکر اس مقام پر پونہچی جسکا نتیجہ اشرف الخلق انسان ہے! قرآن حکیم نے اس مہتم بالشان حقیقت کو، یورپ کی روح فرسا علمی تحقیق سے کامل بارہ سو برس پہلے، اُن ناقابل تاویل اور ناقابل جمود الفاظ میں ادا کیا ہے جن کی اطلاع پاکر مغرب کے سب حکمائے عظام کا اس کتاب عظیم کے آگے سر جھکا دینا قطعی ہے! سورۂ انعام میں ہے:

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ۝ (۶: ۹۹)

لوگو: وہی خلاق عظیم تو ہے جس نے تم جیسے اشرف الخلق وجود کی ابتدا اور سب کی نشاء اول ایک خوردبینی نفس مطلق سے کی (اَنْشَاَكُمْ)، پھر اُس نفس واحد کو ایک عارضی جائے قرار (فَمُسْتَقَرٌّ) اور ایک مکان استقرار سے دوسری جائے قرار میں بدلا حتیٰ کہ اُسے آخری مکان قرار مستقل جائے استیداع

بلکہ اسکی حفاظت اور بقا کا اصلی راز 'صلاحیت' اور 'استعداد' ہے۔ جس نوعِ حیوانی نے سعی و ابتلا کے

بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۵) (مُسْتَوْدَعٌ) میں سے آیا، جو احسن الخلق بشر کا قالب ہے۔ جو قوم ہمارے اعمال کو سمجھتی، اور اُسکا صحیح علم رکھتی ہے، اُسکو ہم نے اپنی قدرت کے یہ عجوبات (الآیٰت) اِن لفظوں میں بالتفصیل بیان کر دیئے ہیں۔

'نَفْس' کا لفظ نہایت معنی خیز ہے جسکے معنی مطلق جان کے ہیں۔ قرآن حکیم میں انسان کی پیدائش کے متعلق ہر جگہ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ کا ذکر ہے بَشَرٍ واحدٍ کا کہیں ذکر نہیں لیکن یہ بحث اپنے موقع پر دوسری جگہ آئے گی)

قرآن کو کتاب خدا مان کر مسئلہ ارتقا کے درست ہونے، یا مسئلہ ارتقا کی عینی اور علمی شہادت پاکر قرآن حکیم کے منجانب اللہ ہونے کی آجتک اِس سے بہتر اور روشن تر شہادت کہیں موجود نہیں!

(ب) یَعْرُجُ کے لفظ سے جو سورۂ سجدہ کی محولہ بالا آیت (۳۲ : ۵) میں ہے، ازروئے نحو یہ ظاہر ہے کہ اِس کا فاعل خدا ہونا چاہیئے (یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ... ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ)، اور اِلَیْهِ کی ضمیر کا مرجع الْاَمْر ہونا چاہیئے۔ مگر مفسرین نے یَعْرُجُ کا فاعل الْاَمْر اور ضمیر کا مرجع خلاف اسلوب کلام خدا لکھا ہے، اور اِس آیت کا عجیب و غریب ترجمہ کر دیا ہے جس کے نقل کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔ متذکرہ صدر ترجمے میں ازروئے نحو عام مفسرین کا اتباع کیا گیا ہے، مگر انصافاً اس اتباع کی ضرورت بھی معلوم نہیں ہوتی۔ اور چونکہ یَعْرُجُ کے معنی یہاں پر بتدریج ارتقا کرنیکے ہیں، اِسلیئے اِس نقطہ نظر سے معانی اور بھی زیادہ صاف ہوجاتے ہیں:

"خداوند عظیم کار اور بزرگ اعمال خدا ہے کہ ایک امر مہم کی تجویز آسمان سے لیکر زمین تک کر دیتا ہے اور پھر اس امر عظیم کی طرف ایک مدت مدید میں جسکی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال ہوتی ہے آہستہ آہستہ اور نامحسوس طور پر ارتقا کرتا ہے" گویا اس امر کی تکمیل کہیں ہزار برس میں جاکر ہوتی ہے۔ اِس صاف ترجمے سے ارتقا کا وجود اور بھی واضح ہوجاتا ہے۔

(ج) سورہ سجدہ کی یُدَبِّرُ الْاَمْرَ والی آیت سے یَوْم کی تشریح فیصلہ کن ہے، اور ظاہر ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش ہماری گنتی کے چھ دنوں میں جن کا وجود بھی اُسوقت نہ تھا، نہیں ہوئی، بلکہ ہزاروں برس یا کم از کم چھ ہزار برس میں ہوئی۔ لیکن یہ تعیین بھی درست نہیں۔ کیونکہ ایک دوسری آیت میں یَوْم کی اِس تعیین کو اُڑا دیا گیا ہے اور "کَاَلْفِ سَنَةٍ" کہکر اُسکو غیر محدود کر دیا گیا ہے: وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ (۲۲ : ۴۷) "اور یہ لوگ تم سے عذاب کے بارے میں جلدی مچا رہے ہیں، حالانکہ خدا اپنا وعدہ ہرگز خلاف نہیں کرتا اور تمہارے پروردگار کے نزدیک تو ایک دن بھی تمہارے شمار کے ایک ہزار برس کی مانند ہوتا ہے، پھر اُسکو کونسی جلدی پڑی ہے" اور سورہ معارج میں تو یَوْم کی مدت پچاس ہزار برس لکھی ہے: تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝ (۷۰ : ۴) "ملائکہ اور روح اُس خدائے عظیم کی طرف ایک مدت مدید (یَوْم) میں ارتقا کرتی ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار برس کے برابر ہے"! الْمَلٰٓئِكَة اور الرُّوْح کی تشریح میں ابھی بہت دیر ہے۔ لیکن ان آیاتِ الٰہی سے ظاہر ہے کہ 'یَوْم' ایک لامحدود مدت ہے جو ہزاروں بلکہ لاکھوں برس کی ہوسکتی ہے، اور اَرْض و سَمٰوٰت کی پیدائش بھی لاکھوں برس میں ہوئی۔ ملائکہ اور روح کا پچاس ہزار برس میں عروج کرنا (خواہ اُن کی حقیقت کچھ ہی کیوں نہ ہو) ارتقا کی طرف ایک ایسا اشارہ ہے جو ہر صاحب نظر پر واضح ہے۔ 'ستۃ ایام' کے متذکرہ صدر الفاظ میں لفظ سِتَّةَ (چھ) کی تخصیص کو سمجھنے کے لیئے مزید تشریح درکار ہے جو آیندہ اوراق (صفحہ ۳۶-۳۷) میں کر دی جائے گی۔

(د) انسان کے اپنی موجودہ حالت سے بہتر مخلوق بننے کے متعلق قرآن عظیم میں ایک خفیف سا اشارہ ہے، جو 'استخلاف' کی بحث میں صفحہ ۱۰ کے تحت المتن میں ہوئی، گذر چکا ہے۔ یہاں پر اسکا اعادہ کیا جاتا ہے: وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِی الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ ۝ (۴۳ : ۶۰) "اور اگر ہم مناسب سمجھتے تو تم ہی کو فرشتے بناکر اس زمین میں تمہارا جانشین کر دیتے"۔ یہاں مِنْكُمْ کے الفاظ نہایت قابل لحاظ ہیں، لیکن یہ امر کہ آیا مَلٰٓئِكَة بہمہ وجوہ انسان سے بہتر مخلوق ہیں یا نہیں نہایت بحث طلب ہے، اور اسکی تشریح اپنے موقع پر آئے گی۔

Marfat.com

اِس عظیم الشان معمل میں موانع فطرت کا مقابلہ تندہی اور استقلال سے کیا، جو مخلوق موت

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۶) مسئلہ ارتقا کی باقی شقیں یہ ہیں:-

۷۔ نفس واحدہ کے اجتماع اور استعمار سے مختلف نوعیں پیدا ہوئیں لیکن ہر نوعی اجتماع نہ صرف پہلے نوعی اجتماع سے بہتر اور صالح تر ہوا بلکہ ہر ایک صورت اجتماع میں بھی، اسکے اپنے دائرے کے اندر، اصلاح اور ارتقا کی تجویز قائم رہی، حتٰی کہ وہ صنف بذاتِ خود اوجِ کمال کو پہونچ گئی۔ گویا ارتقا ایک شجر ہے جسکی متعدد متفرع شاخیں ہیں، اگرچہ اصل ایک ہی ہے؛ مختلف شاخیں اپنے اپنے خطوں پر پھولتی پھلتی گئیں، بلکہ شاخ در شاخ بن گئیں؛ اُن پر مختلف پھول لگے، جو اس شق کی 'صالح' ترین انواع ہیں۔ بعض شاخیں اور پتے جھڑتے گئے، جو غیر صالح انواع کی مصداق ہیں۔ اِس تنے کی بلند ترین شاخ انسان ہے جسکی کئی ایک فروع ہیں جو بلحاظ اختلاف لون و نسل، اور امتیاز فہم و ادراک، ایک دوسرے سے قوی تر، صالح تر اور ممیز تر ہیں۔ جس قوم یا نسل کی حکومت، صورتاً اور معناً، اِس زمین کے بر و بحر پر قائم ہے وہی آج 'اصلح' ہے، اور اِس عظیم الشان درخت کی چوٹی پر متمکن ہونا اُسیکا طغرائے امتیاز ہے"!

(الف) کتاب خدا نے شجرے کی صورت کو نہایت بلیغ اور پُرمعنی الفاظ میں ادا کیا ہے، مگر اُن کی حقیقت نا اہل مسلمانوں کے ہاتھوں مدت ہوئی مسخ ہو چکی ہے۔ سورۂ نوح میں ہے: وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ (۷۱: ۱۷) "اور اے ساکنانِ زمین! خدائے عظیم نے تم انسانوں کو زمین سے ایک درخت کی طرح اُگایا"۔ گویا جب انسان کی زمین سے درخت کی مانند اُگنے کی ظاہری صورت کوئی نہیں تو ان الفاظِ وحی کے لامحالہ کوئی اور عظیم الشان معانی ہیں جن کی تعلیم دینے کے لیے ربّ بے مثال نے ایک مستقل آیت بھیجنے کی تکلیف گوارا کی۔ مگر آجکل کے مسلمانوں کو جو کسی عزیز کے مرنے پر ایک رات میں پورے قرآن کو کئی بار ختم کر کے مُردے کو ثواب پہنچانے میں مشغول ہیں، قرآن عظیم کے مطالب سے کیا غرض ہو! جب ایک ایک حرف کی تلاوت پر لاکھوں نیکیاں خود بخود مل رہی ہیں تو معانی جو کچھ بھی ہوں ہوتے رہیں، اُن سے بحث کرنے کی کیا ضرورت ہو! اسی سورۃ میں ایک اور مہتم بالشان مضمون ہے جو پوری دو آیتوں میں ادا کیا گیا ہے:

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۚ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝ (۷۱: ۱۳-۱۴)

اے لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اس خدائے عظیم سے عزت اور آبرو کی آس نہیں لگاتے، تم اُسکے قانون پر چل کر بہترین بننے کی اُمید نہیں رکھتے، حالانکہ وہی ربّ بے مثال اور وہی منعم حقیقی تو ہے جس نے تم کو کئی طریقوں، اور تخلیق کے کئی مرتبوں سے مرتقی کر کے پیدا کیا ہے، ادنٰی مخلوق سے اعلٰی مخلوق میں ترقی دیکر، اور ایک جہلت سے دوسری اعلٰی جبلت میں بدل کر اشرف الخلق ہونے کا وقار بخشا ہے!

کیا 'وقارا' اور 'اطوارا' والی آیات کا ربط اس کے سوا کسی اور معانی میں ہو سکتا ہے؟ اور کیا نوح علیہ السلام ایسا اولوالعزم نبی اس وقار کی حقیقت معلوم کیے بغیر اپنی قوم کو خطاب کر رہا تھا؟

(ب) بنی نوع انسان کی سب مخلوق پر فضیلت خدائے عظیم کی اس زمین پر ہر شخص کو بہر نوع واضح ہے، اور جو انسانی نسل زمین کے بر و بحر، اور طیبات رزق کی مالک ہے، اُس کا تفضل بھی اظہر من الشمس ہے مگر زمین و آسمان کے مالک کا کلام انسان کی فضیلت تمام عالم کی مخلوق پر نہیں مانتا، اور اسکی ناپیدا کنار آسمانی فضا میں لامحالہ کسی شریف تر مخلوق کے وجود کی گواہی دے رہا ہے، لیکن اس نکتے کی تصدیق کے لیے مریخ سے چشمک زنی کی سعی کرنے والے یورپ کو ابھی نہ معلوم کتنی اور صدیاں درکار ہیں! سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ (۱۷: ۷۰)

اور بیشک ہم نے بنی آدم کو اشرف المخلوق بنا کر بڑی عزت دی، اُن کو اس پھانے زمین کے بر و بحر پر قابض کر کے صحیح معنوں میں اس زمین کا حکمران کر دیا،

Marfat.com

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۷) اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں انکو دیں، اور اِس کائنات عالم میں جسقدر مخلوق ہم نے پیدا کی ہے، اُن میں سے اکثر پر ان کو فضیلت عطا فرمائی۔

۷؎ "طبقات الارض کی تہوں میں میلوں کی گہرائی پر دبی ہوئی ہڈیاں نہ صرف اس مخلوق کی یادگار ہیں جو انسان سے پہلے اِس زمین پر بس رہی تھی، بلکہ زمین کے اُن طبیعی اور جغرافی، مقامی اور تخلیقی انقلابات کی سلسلہ وار سرگذشت ہیں جو نشاء آفرینش سے ہوتے، اور آج ہو رہے ہیں۔ گویا زمین کے تہ در تہ طبقے 'کتابِ فطرت' کے مرتب اوراق، اور اُن کی ہڈیاں وہ ناقابل محو حروف ہیں جن کی وساطت سے ماجرائے زمین کا سلسلہ وار پتہ لگ سکتا ہے۔ اسفل طبقے اعلیٰ طبقوں سے لامحالہ قدیم تر ہیں، اور اُن کے باقیماندہ[۱۸] آثار تکوین کے تدریجی سلسلے کی صحیح سند ہیں۔ اِن آثار کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ شجر ارتقا کی ابتدا سب سے نیچے طبق میں اُن نہایت ابتدائی حیوانات سے ہوئی جو محض ایک خوردبینی مضغہ گوشت تھے، مگر سطح زمین کے نزدیک کے اعلیٰ طبق میں فرعی ارتقا، اُس شدومد سے ہوا کہ بڑے بڑے جسیم اور زور آور حیوان (جن کے ڈھانچے آجکل کے بڑے سے بڑے حیوان سے بھی کئی گنا بڑے ہیں) روئے زمین پر مدتوں کثرت سے آباد رہے۔ اُن کا بالآخر سطح زمین سے محو ہو جانا، اور بظاہر ضعیف جنسوں کا لکھوکھا برس سے جاری رہنا، اِس امر کی دلیل ہے کہ مزاحمت حیات میں جسمی زور یا جارحانہ قوت ہی کفایت نہیں کرتی، بلکہ 'صلاحیتِ بقا' اِن کے سوا کچھ اور شے بھی ہے۔ یہ صلاحیت فطرت کی اُن قوتوں کا، جو بقا کی راہ میں حائل ہیں، اور جو ہر مخلوق کے بالمقابل بقدر اسکی بساط کے نبرد آزما ہیں، مستعدی سے مقابلہ کرنا ہے۔ اگر چیونٹی کی نسل باوجود اپنے ضعف جسم کے ایک مُدت مدید سے اِس زمین پر متمکن ہے، درآنحالیکہ وہ عظیم و جلیل 'میمتھ'، جو موجودہ ہاتھی سے کئی گنا بڑا تھا، تباہ ہو چکا ہے، تو اِسکا باعث لامحالہ یہی ہے کہ چیونٹی نے موانع طبیعت کا مقابلہ زیادہ مستعدی اور کامیابی سے کیا ہے۔"

قرآن کریم کا تمام دستور العمل اِس حیرت انگیز اور گرانبہا حقیقت کا وہ مکمل اور آخری، وہ ناقابل ترمیم اور ناپیدا مثال مرقع ہے، جسکے بالمقابل آج اِس بیسویں صدی کے یورپ کا علم و عمل، اسکے سب معاشری اصول اور اجتماعی حکمت، اسکا علمی تفضّل اور سیاستِ مُدن، ابجد اطفال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ یہ صلاحیت کی صحیح اور ناقابل انکار تعریف کرنا ہی اِس کتاب کا اہم موضوع ہے، اور اِسکی شہادت کتاب کے ہر ورق میں ملے گی۔ خود آیۂ استخلاف اِس حقیقت کبریٰ کی بصراحت تمام موید ہے۔ فی الحال مسئلہ ارتقا کی اِس شق کی تائید میں رسماً صرف دو معنی خیز آیتوں کو پیش کیا جاتا ہے لیکن مجھے خوف ہے کہ کتاب کے اِس ابتدائی حصے میں اُنکے صحیح مطالب اخذ کرنے میں غلط فہمی نہ پیدا ہو، اگرچہ فہم مطلب کے لیے اِن کا اعادہ کتاب کے متن میں اپنے موقع پر کیا جائے گا:

وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۝ (۲۸: ۵-۶)

(اُدھر فرعون اپنی فرعونیت میں مصروف تھا، کمزور اور مظلوم رعیت کے مختلف فریقوں کو ایک دوسرے سے لڑا کر اپنا اُلو سیدھا کر رہا تھا، اور بنی اسرائیل کی بے کس قوم پر تو بر تو ظلم ہو رہے تھے (۲۸: ۴))، اِدھر ہم اِس بات کے درپے تھے کہ اُنہی لوگوں کو جو اُسکے مُلک میں نہایت کمزور سمجھے جاتے ہیں، اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیں، ان کو قانون خدا کا پابند بنا کر زمین کے سردار بنا دیں۔

[۱۸] سطح زمین کی عمیق تہوں میں مخلوقات قدیمہ کے ان آثار باقیہ کو طبقات الارض کی علمی اصطلاح میں رِکاز کہتے ہیں۔ ان رکازات کی تفصیل عنقریب آیندہ تحت المتن صفحہ ۲۰-۲۹ میں آئیگی۔

Marfat.com

کرتی رہی، اور حفظِ نفس کے اصل اصول پر چلکر ہر مدِّمقابل سے فی الجملہ عہدہ برآ ہوئی،

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۸) اور بالآخر اسی سلطنت کا وارث بنائیں جس کی تشیخی پر فرعون اُن سے یوں ناک بھوں چڑھاتا تھا۔ نہیں بلکہ ہم چاہتے تھے کہ اُنکو اِس زمین میں یکسر متمکن کردیں، اور فرعون بادشاہِ مصر، اور ہامان وزیرِ اعظم، اور اُن کے مغرور گورا شاہی سپاہیوں کو جو یوں ہونچھوں پر تاؤ دیکر اینٹھے اینٹھے پھرا کرتے تھے، ایک دفعہ وہی تباہی اور زوال اُن کی اپنی آنکھوں سے دکھادیں جس کا چور اُنکے دلوں میں بنی اسرائیل کے مظلوم خشت پزوں کو کوڑے مارتے، اور اُن کی عورتوں اور بچوں کو بے دھڑک قتل کرتے وقت) رہا کرتا تھا! (وَمَا كَانُوا يَحْذَرُونَ)

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا ۖ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ﴿٧ : ١٣٧﴾

اور اس مبارک اور زرخیز سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بالآخر ہم نے اُنہی لوگوں کو کیا جو بظاہر کمزور گنے جاتے تھے۔ اور خدائے عظیم کا وعدۂ نیک تو بنی اسرائیل کے حق میں اوجِ تکمیل تک ٹھیک پونہچا، کیونکہ اُنہوں نے نہایت عزم اور استقلال سے دشمن کی سختیوں کی برداشت کی تھی، اُن کے ظلم و ستم کا مردانہ وار مقابلہ کیا تھا، اور موسیٰ کی قیادت میں مدافعت کے لیے نکل کھڑے ہوئے تھے (بِمَا صَبَرُوا)، پھر ہم نے فرعون کے سب منصوبوں کو تہس نہس کردیا؛ اُس کی قوم کی سب عظمت خاک میں ملادی؛ اور جو اونچی اونچی عمارتیں وہ بنی اسرائیل کے آدمیوں کو بیگار میں پکڑ پکڑ کر بنواتے تھے، ایک اقل قلیل مدت میں خاک میں ملادیں!

کیا آج فرعون اعمال اور خون آشام یورپ کو اِس قانونِ خدا، اِس آئینِ موت و فنا، اِس تعریف عدمِ صلاح کو پڑھکر کچھ لرزش نہیں ہوگی؟ یا کیا بیچارہ اور مظلوم مشرق کو، اِن آیاتِ خدا کی صحیح روح جذب کر لینے کے بعد، اصلاحِ عمل، کی کوئی اور تعریف کردینا باقی ہے!

مسئلہ ارتقا کی آخری شق یہ ہے:

۸۔ (الف) کرۂ فلک کے اِس ناپیدا کنار محیط میں، جسکی وسعت قطعًا ناقابلِ مساحت ہے، لا انتہا عظیم و جلیل کُرے ہول انگیز فاصلوں پر ہر طرف پھیلے ہوئے اپنے اپنے مداروں پر چل رہے ہیں۔ منظار اللون کی ناقابلِ انکار شہادت نے آج یہ بات پایۂ ثبوت تک پونہچادی ہے کہ ان سب جامع عوالم کی ترکیب اجزا میں وہی مشترک عناصر، ابخرے اور فلزات، شامل ہیں جو زمین پر موجود ہیں؛ کوئی نیا عنصر یا فلزی اور ہوائی مرکب ابتک اُن کے کسی حصے میں داخل ثابت نہیں ہوا۔ اِس مشاہدے سے لامحالہ ثابت ہے کہ آسمان کے سب دور اور نزدیک کُرے بشمولیت زمین، آفرینش کے محض ابتدائی مراحل میں ایک مشترک "ہیولائے فضائی" تھے جسکے مختلف حصے علیحدہ علیحدہ ہوکر، (فارق المرکز قوت کے اثر سے) ٹھوس اجسام بن گئے، اور نئے مداروں پر چلنے لگے۔ طبعی نقطۂ نظر سے **فطرت کی وحدت** اِس بنا پر ایک آشکارا امر ہے جسکے لیے کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں!

(ب) اجرامِ سماوی سے قطع نظر کرکے پھر اگر تمام عالمِ حیات کی طرف نظر دوڑائی جائے تو فطرت کا طالب العلم لامحالہ اِس نتیجے پر پونہچتا ہے کہ ماہیتِ حیات کا راز سب روئے زمین پر ایک ہے۔ اسکا کیف و مال سب مخلوق میں اصلاً ایک ہے، اسکے لازمات اور ماجریات، تاثرات اور محسوسات ایک ہیں۔ پانی اسکا وہ مشترک اور عالم آرا قوام ہے جسکے بغیر اس کا قائم رہنا محال ہے۔ ارتقائے حیات کے مختلف منازل میں یہی وہ شئے ہے جو ہر حال میں موجود ہے۔ اِس بنا پر **حیات** کی رو سے ذہن پر وحدت ہی ایک بدیہی امر ہے!

---

[15] اِس حیرت انگیز حقیقت کو سرزمینِ ہند کے مشہور طبعی فلسفی ڈاکٹر جگدیش چندر بوس نے حال (۱۳۳۳ھ و ۱۹۱۵ء) ہی میں پایۂ ثبوت تک پونہچا دیا ہے۔

Marfat.com

وہی قانونِ طبعی کی اصطلاح میں صالح ہے، وہی مستخلف فی الارض اور غالب ہے، وہی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ١٩) (ج) مشاہدہ فلک نے ثابت کر دیا ہے کہ "ہیولائے فضائی" سب کا سب ابھی ختم نہیں ہوا، بلکہ مختلف شکلوں میں، بعض مجامع النجوم کے گرداگرد، فضائے اثیری میں پڑا چکر کھا رہا ہے۔ اس بنا پر تخلیقِ عالم کا سلسلہ بھی ختم نہیں ہوا، بلکہ روز بروز نئے کُرے وجود میں آ رہے ہیں، یا پُرانے نسیاً منسیاً ہو کر ہیولائے فلک بن رہے ہیں۔ الغرض یہ سب تعمیر و شکست ایک بے پایاں سلسلہ ہے جس کا، کوتاہ نظر انسان کے محدود علم کے رو سے اٹل نتیجہ ایک ہی ہے؛ اور وہ یہ کہ تمام کائناتِ فطرت ایک ہے، اسکی علۃ العلل ایک ہے، صورتِ اتحاد ایک ہی، نسخہ حیات ایک ہی، راز ممات ایک ہی، نظم و نسق اور مطاعِ بے مثال ایک ہے"!

وحدتِ کائنات کا یہ ہوش رُبا انکشاف مغرب کے حکمائے عظام کو آج اس جانگزا تلاش اور قرنوں کے پیہم مشاہدے کے بعد حاصل ہوا ہے جسکی مثال سطحِ زمین کا کوئی گذشتہ قرن حتماً پیش نہیں کر سکتا۔ مگر اسی عالم آرا اور حقیقت کشا توحید کا اعلان تیرہ سو برس پہلے اس پہنائے زمین میں ریگستانِ عرب کے اُمّی **پیغمبر** (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھوں اس شدّ و مد سے ہوا کہ دنیا اُس نتیجہ خیز یقین کی مثال پھر پیدا نہ کر سکے گی۔ آج اس توحید کے رسمی نام لیوا اگرچہ اُسی خدائے وحدہ کے اٹل قانون کے مطابق مٹ رہے ہیں۔ مگر خدا کا نوشتہ اٹل ہے، اور یورپ کے تثلیث سے بیزار، اور قرآن سے ناآشنا طبعی فلسفی تحسین و آفرین کہتے ہوئے نہ جانے کیا کیا معنی خیز سوال کر رہا ہے! سورۂ انبیاء میں ہے:

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ (٢١:٣٠)

اے پیغمبر! کیا قانونِ خدا اور خدا کے منکروں نے، انکار کرتے وقت، اس عظیم الشان حقیقت پر نظر نہیں کی کہ آسمانوں کے لاانتہا کُرے بشمولیت زمین، پیدائش کے ابتدائی مراحل میں، باہم ملے ہوئے تھے (كَانَتَا رَتْقًا)، ان کے مواد کا باہمی انضمام اور اتصال تھا (كَانَتَا رَتْقًا)، ان کا ہیولا ایک تھا (كَانَتَا رَتْقًا)، پھر ہم ہی نے اُس ہیولائے فضائی کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس حیرت انگیز سلیقے اور ترتیب اس محیر العقول نظم و نسق کے ساتھ آسمان اور زمین کو بنایا (فَفَتَقْنٰهُمَا)۔ اور تمام عالم کے سب بالا و پست میں وحدتِ کائنات اور وحدتِ خدا کی عینی اور ناقابل انکار، زندہ اور لازوال شہادت قائم کر دی! اور یہی نہیں بلکہ ہم ہی نے ہر ذی حیات شے کی حیات کا قوام پانی سی عام اور مشترک شے سے کر کے، تمام عالم کو وحدتِ حیات اور وحدتِ خلاق کا بدیہی ثبوت دے دیا! تو کیا اب بھی یہ لوگ اُس خدائے عظیم کی وحدت، اُسکی لاثانیت، اُسکی لاشریک حکومت، اُس کے عالم آرا تسلط، اُس کی عظیم کاری اور نظم پسندی پر ایمان نہیں لاتے؟

کیا آج سے تیرہ سو چالیس برس پہلے، جب کہ زمین خدا کے طول و عرض میں مغرب کی موجودہ علمی تحقیق کا نام و نشان تک نہ تھا، جب جہل و وہم کی ہوشربا ظلمت سب طرف یکسر چھائی ہوئی تھی، پہنائے بر و بحر کی سب سے جاہل، سب سے بے علم، مغلوب الوہم اور بے ہنر قوم کا ایک اَن پڑھ، یتیم، اور مظلوم بشر اپنے زورِ مشاہدہ سے، اپنے خداداد علم، اور قلبِ سلیم کے باعث سب دوربینوں اور خوردبینوں سے بے نیاز ہو کر ملکوتِ زمین و آسمان کا وہ یکتا اور فرید الدہر عالم نہ بن گیا تھا جس کا اندازہ آج لگاتے ہوئے ہوش پاش پاش ہو جاتے ہیں! اور کیا وہ اِن آیاتِ خدا کے قلب پر نازل ہوتے وقت اُس صاحبِ کبریا و جبروت سے، جو اس کائناتِ جہان کا باعثِ اول ہے، دو گز بلکہ اس سے بھی قریب تر بیٹھا ہوا گردوں کے اُفقِ اعلیٰ کا تماشہ بچشم خود نہ دیکھ رہا تھا؟ سورۂ نجم میں اللہ العالمین کی طرف سے اس یتیم بچے کو یہی سند ملی ہے جس کی شہادت آیۂ رتق کے اس حیرت انگیز انکشاف کے بعد مغرب کا ایک ایک حکیم بے اختیار دیگا!

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ۙ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى ۙ **عَلَّمَهُ** شَدِيدُ الْقُوٰى ۙ ذُو مِرَّةٍ ۖ فَاسْتَوٰى ۙ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلٰى ۚ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ **فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى** ۚ فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهِ مَا أَوْحٰى ۚ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۚ أَفَتُمٰرُونَهُ عَلٰى مَا يَرٰى (٥٣: ١-١٢)

مرتقی، متمکن، اور صحیح معنوں میں زور آور ہے۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو آج وہ عظیم الجثہ افیال

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰) اے صحنک زمین کے بے خبر بسنے والو! اور اے عظمت خدا کے ناقدر دان بندو! بام آسمان کا وہ بلندیوں پر چمکنے والا ستارہ جو شکست کے آخری مرحلوں سے گذر کر تم سے بدرجہا زیادہ قانون فنا و بقا سے باخبر ہو گیا ہے، اس بات کا شاہد ہے (وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى) کہ تمہارا رفیق محمدؐ نہ تو غلط چل رہا ہے، اور نہ کچھ بہک گیا ہے۔ وہ زمین و آسمان کے جو جو حقائق عالیہ تمہارے سامنے بول رہا ہے، کچھ اپنے وہم اور خواہش نفسانی سے نہیں بولتا، بلکہ وہ سب کے سب آسمانی انکشاف ہیں جو اس پر کیے جاتے ہیں! وہ خدائی آواز ہے جو اوجِ آسمان سے بول رہی ہے۔ اسکو یہ سب علمی اور حکمی معارف شدید القویٰ اور غالب الامر خدا نے خود سکھائے ہیں! اسی علم کے زور اثر سے وہ آج، اوجِ کمال پر پہنچکر، افقِ اعلیٰ پر متمکن ہے (فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى) فلک الافلاک کی بلندیوں پر جم کر بیٹھا (فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى) ملکوتِ خدا کا تماشا کر رہا ہے! نہیں، بلکہ وہ اس سے بھی بلند تر ہو کر مستاد ازل تعالیٰ کے عرش تک پہنچ گیا ہے (ثُمَّ دَنَا)، اور اس آستانہ کبریا و علم پر جبین نیاز گھستے گھستے (فَتَدَلّٰى) بقدر دو کمان بلکہ اس سے بھی کم فاصلے پر رہ گیا ہے! پھر جب وہ علم اور عجز، مشاہدہ اور ارادت، استعداد اور نیاز، ذوق اور شوق کے اس مقامِ منیع تک پہنچ چکا، تب کہیں اُس ایزد بیمثال نے اپنے بندے کو وہ بات وحی کی جو تمہارے سامنے ہے! (فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى) بے خبرو، اور ناحقیقت شناس لوگو! ذہن اور قلب سلیم (فُؤَادُ) نے جو حقیقت حال دیکھی اُس میں محمدؐ کو کچھ دھوکا نہیں ہوا، تو کیا تم لوگ قرآن حکیم کے اُن برحق نتائج کے متعلق جنکی حقیقت اُسنے بچشمِ خود دیکھی ہے، اُس سے جھگڑا کرتے ہو (اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى)۔

کیا اس سے بہتر اور قائم تر معراج علم و کمال آج تک کسی بڑے سے بڑے یورپی فلسفی، بڑے سے بڑے حکیم، بڑے سے بڑے طبعی کو حاصل ہوا ہے؟ کیا جہل و وہم، ظن و گمان کے عالم آرا ماحول میں اتنی وسیع نظری، ایسی صاف بینی، اسقدر بلند نگہی، ایسے حقیقت کشا افق کا حاصل ہو جانا، العیاذ باللہ، کسی دھوکہ باز، بے علم، نفس پرست اور جاہ طلب آدمی کا کام ہو سکتا ہے؟ کیا آیہ رتق (۲۱: ۳۰) آیہ مستودع (۶: ۹۹) آیہ نبات (۷۱: ۱۷)، آیہ سافلین (۹۵: ۵) وغیرہ وغیرہ کا مضمون آج سے صدیوں پیشتر اُس سید کائنات، اُس حقیقت شناس اور خدا شناس اُس خیر الوریٰ اور اعلم الناس بشر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے سوا کسی اور مدعیٔ علم کسی دوسرے معلم حکمت، کسی ارسطاطالیس، یا افلاطونِ زماں کے منہ سے نکلا؟ کیا وہ مغرب کا سب سے بڑا "معلم الحکما" ارسطو (المتوفی ۳۲۱ قبل مسیح) جس کی حکمت اور بینش مبنی پر آج یورپ بھی اپنی ہٹ دھرمی اور تعصب کے باعث اِسقدر نازاں ہے، اور جسکی علم فطرت کے متعلق ہولناک غلطیوں کی عجیب و غریب تاویلیں پیش کر کے اُس کے جہل پر پردہ ڈالنے کی سعی کر رہا ہے، فیثاغورس (المتوفی ۵۰۰ قبل مسیح) کے دو سو برس پیشتر کے صحیح دعاوی کے باوجود، زمین کو مرکزِ عالم قرار دینے، اُسکو ساکن اور شمس و قمر کو اُسکے گرد متحرک بتانے، اور پھر سارے آسمان کو خالی فرض کر کے نجوم کو آسمان کے بلوری کروں میں نصب کیا ہوا یقین کرنے میں وہ مہلک غلطی، وہ المناک نادانی، وہ مضحکہ انگیز سوفیانہ کلام نہیں کر رہا تھا جسکے زیر اثر دنیا، کا پرنیکی نظام (۹۳۶ھ ۱۵۳۰ عیسوی) کے شائع ہونے تک، کامل اٹھارہ سو برس تک پڑی بھٹکتی رہی؟ اور کیا وہ پھر اُس فخرِ موجودات، اُس حکیم عرب، اُس مکی اور مدنی معلم الناس اور متعلم خدا کا لایا ہوا معجز نما کلام نہ تھا جسنے کاپرنیکس (المتوفی ۹۴۹ھ ۱۵۴۳ء) کے موجودہ مسلم نظام سے کامل نو سو برس پیشتر، نااہل مسلمان کی ناقدر دانی اور نارمز شناسی کے باوجود، زمین کو بلکہ بلا استثنا تمام اجرام سماوی کو متحرک قرار دے کر ارسطو کی شرارت انگیز حکمت کا یکسر قلع قمع کر دیا تھا:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ (۳۹: ۵)

اور الجسیم الجسد اژدہے جو قرون خالیہ میں روئے زمین پر اس کثرت سے آباد تھے تسلّط

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱) لوگو! اُس رب بیمثال نے ہی آسمان کے لاانتہا ستاروں (السّمٰوٰت) اور زمین کے عظیم الشان کرّے کو پیدا کیا، اور اب روز روز ان اجرام سماوی کی حیرت انگیز ترتیب و وقت طلوع و غروب کی تعیین سے رات کی ظلمت آرا چادر کو دن کے روشن جسم پر لپیٹ دیتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ دن کے نورانی حجاب کو رات کے سیاہ جسم پر اوڑھ دیتا ہے۔ اور بڑی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ سورج اور چاند جیسے عظیم و جلیل کرّوں کو اُسنے اپنی مرضی کے تابع، اپنے حکم کا محکوم، اور اپنے اشارے پر مجبور کر رکھا ہے (سخّر)۔ یہ سب آسمانی کرّے، یہ شمس و قمر، یہ سماوات، اور زمین سب کے سب (کُلٌّ) ایک وقت مقرر تک حرکت کر رہے ہیں (یجری) اور منشائے ایزدی کو پورا کر رہے ہیں۔ لوگو! بگوش ہوش سُن رکھو کہ وہ خدائے بے ہمتا بڑا غالب القوی (العزیز) اور بڑا پردہ پوش (الغفّار) ہے۔

کیا پھر دشمن کی حجت کو یکسر توڑنے اور اسلام کے عالم آرا فلسفے کو ارسطاطالیسی نظام سے بدرجہا بلند اور حقیق تر جتلانے کے لیے اُس نے اسی "یجری" کے قدرے مشکوک لفظ کی ناقابل انکار تشریح، آیہ رتق (۲۱: ۳۰) کے مقابعد کر کے یہ دعوےٰ نہ کیا تھا کہ "سمٰوٰت" اور زمین، اور شمس، اور قمر سب کے سب بلا استثنا اپنے اپنے "فلک" اور اپنے اپنے مدار میں پڑے چل رہے ہیں، اور "السّماء" سے مراد ("السّمٰوٰت" اور "فلک" کے قرآنی مفہوم سے قطع نظر) وہ "محفوظ" اور ناقابل درک، وہ نا دست رسیدہ اور نا نظر یافتہ "چھت" ہے جسکے نیچے یہ سب ہنگامہ کائنات ہو رہا ہے اور جسکے محفوظ ہونے کا آج تمام یورپ قائل ہو چکا ہے:

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰہُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِہِمْ ۪ وَجَعَلْنَا فِیْہَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّہُمْ یَہْتَدُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚۖ وَّہُمْ عَنْ اٰیٰتِہَا مُعْرِضُوْنَ ۝ وَہُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّہَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝ (۲۱: ۳۰-۳۳)

اے پیغمبر! کیا منکرین خدا نے اس حقیقت پر نظر نہیں کی کہ آسمان کے لاانتہا کرّے (السّمٰوٰت) اور زمین، پیدائش کے ابتدائی مراحل میں ملے ہوئے تھے (کانتا رتقا)، پھر ہم نے ان دونوں کو آپس سے الگ الگ کر دیا، اور سب زندہ اشیا کا قوام پانی بنا دیا۔ تو کیا یہ لوگ اس حیرت انگیز انکشاف کے بعد بھی خدا کی توحید پر ایمان نہ لائیں گے؟ اور ہم ہی نے زمین میں عظیم الشان پہاڑ اپنے اپنے موقع پر ڈال دیئے کہ زمین (اپنی حرکت میں) انکو لیکر ایک طرف کو نہ جھک جائے (اَنْ تَمِیْدَ بِہِمْ)، اور اسکا مرکز ثقل قائم رہ سکے، اور کشادہ راہیں اُس میں بنا دیں کہ لوگ راہ پا سکیں۔ اور آسمان (السّماء) کو ایک مضبوط اور ناقابل شکست "چھت" بنا دیا، اسکے ہر حصے کو انسان یا دیگر مخلوق کے دستِ تصرف سے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا (سَقْفًا مَّحْفُوْظًا)؛ خدا کی اس حیرت انگیز مضبوط کاری اور حفاظت پسندی کو دیکھنے کے باوجود لوگ اس کے حفظ و امان دینے والے احکام سے گریز کرتے ہیں۔ اور لوگو! وہ خدا ہی تو ہے جس نے رات اور دن کی عظیم الشان حقیقتوں کو نیست سے ہست کیا، اور شمس و قمر کے عظیم الشان کرّوں کو پیدا کیا۔ یہ سب کرّے، یہ شمس و قمر، یہ سمٰوات اور زمین، یہ لیل و نہار اپنے اپنے مداروں میں پڑے تیر رہے ہیں!

کیا جبالِ زمین کے قیام کی یہ حیرت انگیز تشریح موجودہ علم جرِ ثقیل کے اُس اصولی ضابطے، اور علم التجمیعات (انٹیگرل کلکولس) کے اُس اساسی قاعدے کے بالمقابل حرف بحرف پوری نہیں اُترتی، جسکے رُو سے کسی دوّار جسم کے مرکز ثقل کا محور پر واقع ہونا، اُسکی یکساں اور ہموار حرکت کے لیے لابدی ہے، اور جسکے بدون اس محور کا، اُس جسم کا، بلکہ جسم کے اجزا کا ہر دم لڑکھڑاتے رہنا اٹل ہے کیا "اَنْ تَمِیْدَ بِہِمْ" کے بعد "کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ" کا دعوےٰ خود اس امر کی روشن دلیل نہیں ہے کہ بطلیموسی اور ارسطاطالیسی نظام ایک لغو نظام تھا، جسکی تقلید ساکنانِ زمین صدیوں تک غلط اُصول پر کی، اور جب ہر جرم فلکی کا ایک علٰحدہ مدار (فلک) ہے تو لامحالہ زمین بھی اپنے مدار پر چل رہی ہے اور یکساں حرکت سے

Marfat.com

ہو جاتے اور حضرت انسان کے لیئے گز بھر جگہ میسر نہ ہوتی ۔ چیونٹی سے لیکر ہاتھی اور کنجشک

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲) چل رہی ہے ! نہیں کیا خود کا پرنیکی نظام کے اندر جس کے اہم حصوں کو آج یورپ نے پایہ ثبوت تک پونچاکر تلاش حقیقت میں کامیاب ہونے کا سہرا ہمہ تن اپنے سر پر رکھا ہے ، اور جسکی بعض شقوں پر نا دیدہ ایمان بلا حیل و حجت قریباً تین سو برس تک قائم رہا ، کیا خود اس نظام کے اندر سورج کے ساکن فرض کر لینے کی وہ خطرناک غلطی کئی قرنوں تک نہایت التزام کے ساتھ جاری نہ رہی جس کو ہرشل (المتوفی ۱۲۳۷ھ / ۱۸۲۲ء) نے ، مدة العمر مشاہدے کے بعد ابھی پورے ڈیڑھ سو برس نہیں گذرے، ۱۱۹۷ھ / ۱۷۸۳ء میں ان معرکۃ الآرا الفاظ میں درست کیا :-

"سورج مع اپنے تمام نظام شمسی کے خود ایک دور دراز مرکز کے گرد چل رہا ہے اور موجودہ اوقات میں اس کی سمت حرکت ایک مجمع النجوم کی طرف ہے جس کا نام "الجاثی علی رکبتیہ" (ہرکولیس) ہے"۔

آہ ! کیا پھر اسی عظیم الشان حقیقت اور محیر العقول صداقت کو محمد (صلعم) کے لائے ہوئے **قرآن عظیم** نے کامل بارہ سو برس پیشتر "کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ" کے عالم آرا الفاظ کے علاوہ (جس سے لامحالہ سورج کا کسی مرکز کے گرد چلنا ظاہر ہے) انہی شاندار اور شرمندہ کن الفاظ میں بصراحت تمام بیان نہیں کیا جن کو دہرانے پر قرآن سے بیخبر اور محمد (صلعم) سے ناآشنا ہرشل قطعاً مجبور ہو گیا تھا !

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (۳۶ : ۳۸)

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ○ (۳۶ : ۳۹-۴۰)

اور آفتاب ہے کہ اپنے کسی ایک جائے قرار کی طرف برابر چلا جا رہا ہے ! لوگو ! اُس قاہر القوی اور غالب العلم خدا کا باندھا ہوا اندازہ اس عظیم الشان شعلۂ نور کے حق میں یہی ہے (جس سے ادھر اُدھر ہٹنے کی اُس بیچارے میں کچھ طاقت نہیں ۔)

اور چاند کی حرکت کی ہم ہی نے منزلیں مقرر کر دی ہیں تو وہ اس اندازے کہ اُس کا روشن حصہ گھٹتے گھٹتے ایسا ٹیڑھا اور پتلا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پُرانی سوکھی ہوئی ٹہنی ۔ نہ تو سورج بیچارے میں طاقت ہے کہ اپنے سے کمزور چاند کو لپک کر پکڑ لے ، نہ رات ہی سے بن پڑتا ہے کہ دن سے پہل کرے ۔ اور یہ اجسام سب کے سب (بشمولیت زمین جسکا ذکر (۳۶ : ۳۳) میں ہوا) اپنے اپنے فلک ، لو آسمان میں پڑے تیر رہے ہیں !

ہاں ! لیکن اُس عزیز و علیم ہستی کے بالمقابل ، جسکے دست قدرت میں سورج کا زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا کرہ محض بیچارہ ہے ، غریب ہرشل کی کیا بساط تھی کہ علم میں مسابقت کرتا !

مسئلہ ارتقا کی آخری شق کے تیسرے حصے (ج) کے متعلق بھی قرآن میں وہ فیصلہ کن شہادت موجود ہے جس سے خدائے عظیم کے متعلق تعطل کا نظریہ ، (جس کا فلسفہ داں ابن باجہ اسقدر قائل تھا) ، محض ساقط ہو جاتا ہے ۔ "خَلَقَ" کا لفظ قرآن کریم میں ہر قسم کی مخلوق کی پیدائش کے متعلق استعمال ہوا ہے ۔ خود اسی تحت المتن میں یہ اصطلاح اِنْسَان (۹۵ : ۴) صفحہ ۱۳ ، (۳۷ : ۱۱) صفحہ ۱۵ ، (۵۵ : ۱۴) صفحہ ۱۶ ، (۷۱ : ۱۴) صفحہ ۱۷ ، (۳۲ : ۷) صفحہ ۱۳) ، السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (۳۲ : ۴) صفحہ ۱۴ ، (۴۰ : ۵۷) صفحہ ۱۵ ، (۳۹ : ۵) صفحہ ۲۱) ، لَیْل وَنَہَار ، شَمْس وَقَمَر (۲۱ : ۳۳) صفحہ ۲۲) بلکہ آیہ (۲۰ : ۵۰) صفحہ ۱۱ میں بلا تخصیص ہر شئے کی پیدایش کے بارے میں مستعمل ہوئی ہے ۔ اس نقطۂ نظر سے خدا کے ابدا و اعادۂ خلق کے متعلق وہ تمام دعاوی جو قرآن میں جابجا موجود ہیں ، کسی ایک قسم کی مخلوق ، (مثلاً انسان یا حیوانات یا نباتات) تک ہی محدود نہیں ہو سکتے ، بلکہ اُن سے مراد ہر قسم کی مخلوق کا بار بار پیدا کرنا ہے ۔ اور جس میں لامحالہ نئے سموات ، نئے ستاروں اور نئے کُروں کی پیدایش شامل ہے ۔ یہاں پر ایک دو موقعے قابل ذکر ہیں ۔ سورۂ یونس میں ہے :

سے لیکر انسان تک جو جو نسلیں اِس وقت تک قائم ہیں اُن میں صلاحیت عمل کم و بیش باقی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲) قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ (۱۰: ۳۴)

اے پیغمبر! اِن لوگوں سے کہو کہ کیا تمہارے شریکوں اور ٹھیرائے ہوئے خداؤں میں کوئی ایسا بھی ہے جو مخلوق کو نیست سے ہست کرے اور پھر بار بار نئی مخلوق پیدا کرتا رہے؟ ان کو کہو کہ خدا ہی مخلوق کو نیست سے ہست کرتا ہے اور پھر اُسکو بار بار پیدا کرتا رہتا ہے تو تم کدھر کو بہکے چلے جا رہے ہو!

سورۂ عنکبوت میں یہی اشارہ ذرا واضح تر ہے. کیونکہ اعادۂ خلق کے عینی مشاہدے کی ترغیب دی گئی ہے، اگرچہ اِس 'خلق' سے مراد مخلوق زمین ہی ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ○ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ○ (۲۹: ۱۹-۲۰)

کیا منکرینِ خدا نے اِس بات پر نظر نہیں کی کہ خدا مخلوق کو کس طرح نیست سے ہست کرتا ہے اور پھر اُسکو بار بار پیدا کرتا ہے. بیشک نہیں کہ یہ سب کام (یعنی ابدا اور اعادہ) خدا پر بیحد آسان ہے. ان کو کہو کہ جاؤ زمین کے طول و عرض میں جاکر تماشا کرو کہ خدا نے مخلوق کی ابتدا کیونکر کر دی ہے، پھر وہی خدا ان سب کو نیست کرکے ایک دوسری پیدائش کی ابتدا (یُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ) کرے گا. اِس میں شک نہیں کہ خدا ہر شئے پر قادر ہے! (آیہ (۲۹: ۱۹) اِس دنیا میں مخلوق کے اعادے کے متعلق ہے اور (۲۹: ۲۰) آخرۃ کے اعادے کے متعلق ہے)

سورۂ روم میں اعادۂ خلق کے ساتھ ساتھ سمٰوات اور زمین دونوں کا ذکر کرکے نوعِ مخلوق کو اور بھی عام کر دیا ہے:

وَهُوَ الَّذِىْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (۳۰: ۲۷)

لوگو! وہی رب قدیر تو ہے جو مخلوق کو نیست سے ہست کر رہا ہے پھر اُسکو بار بار پیدا کرتا ہے، اور یہ سب کچھ اُسکے لیئے بیحد آسان ہے! اور آسمانوں اور زمین میں اُسکی اِس عظیم الشان طاقت کی دھاک بندھی ہوئی ہے، اور وہ خدا بڑا غالب القوی اور صاحب حکمت خدا ہے جو ایسا کر سکتا ہے!

آسمانوں میں قوت کی دھاک تبھی بیٹھ سکتی ہے، جب وہاں بھی تخلیق کا سلسلہ اُسی طرح جاری ہو جیسے یہاں پر ہے. لیکن ان شہادتوں سے قطع نظر جن کے مطالب میں مفسرین نے تاویل کی بہت کچھ گنجایش اختیار کرکے اُن کو متشابہ المعانی بنا دیا ہے، اور جن کے صحیح اور مربوط معانی اپنے اپنے موقع پر کتاب کے متن میں آئینگے، اور شہادتیں بھی ہیں جن سے لامحالہ ثابت ہوتا ہے کہ آسمان و زمین کا خلاق عظیم اُن کی پیدائش کے بعد بھی نئے نئے مہمات امور میں مصروف ہے، اور روز بروز نئے عظیم الشان کام کر رہا ہے. سورۂ الرحمٰن میں ہے:

يَسْئَلُهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِىْ شَاْنٍ ○ (۵۵: ۲۹)

لوگو! جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے سب اُسی کے آگے ہاتھ پھیلا رہا ہے، اُسی کا محتاج اور سوالی ہے. وہ بے کار اور معطل خدا نہیں بلکہ آئے دن کسی نہ کسی عظیم الشان کام میں مصروف ہے!

یَوْم کی تشریح پہلے گذر چکی ہے جس سے ظاہر ہے کہ 'کام' بھی نہایت عظیم الشان ہونا چاہیئے. خدا کے بیکار نہ رہنے کے متعلق سورۂ قٓ میں بھی ایک پرمعنی اشارہ ہے جس سے نتیجہ اخذ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ خدا ہر دم نئی تخلیق میں مصروف ہے اور تعطل کا دعوٰے محض باطل ہے:

Marfat.com

ہے۔ اگر افریقہ کا قصیر الجسم ہاتھی رفتہ رفتہ کشمکش حیات سے شکست کھاکر معدوم ہوچکا ہے؛

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۴) وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ (۵۰ : ۳۸)
اور لوگو! بالتحقیق ہم ہی نے آسمانوں اور زمین کے اِس حیرت انگیز کارخانے کو، اور جو عظیم الشان کرّے اور زندہ مخلوق
اِن کے درمیان ہے اُسکو چھ بڑے مدید الوقت دنوں، میں پیدا کیا، اور باوجودیکہ کام اِسقدر تھا کہ اسکو دیکھکر عقل ششدر ہے؛
اور مدّت یہ دراز تھی کہ تمہارے وہم و گمان میں نہیں آسکتی، لیکن ہماری یہ حالت ہو کہ تھکاوٹ نے ہم کو چھوا تک نہیں، اور ہم
برابر اُسی طرح نئے کاموں میں مشغول ہیں۔

نوعیتِ خلق کے متعلق سورۂ نحل میں ہے: وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۱۶ : ۸) "اور وہ خدائے عظیم اُن اشیا کو بھی پیدا کر رہا ہے جن کا تم کو سرے سے علم ہی نہیں" جس سے کنایہ بظاہر اُس مخلوق سمٰوٰت کی طرف معلوم ہوتا ہے جس کا علم حاصل کرنا کوتاہ بیں انسان کے لیے ممکن نہیں۔ بہر نوع یہ تمام اشارات اِس امر کی مجموعی شہادت ہیں کہ زمین و آسمان کا ربِ لم یزل تخلیق کائنات کے بعد "تدبیر امر" میں ہی مصروف نہیں جس کا ذکر آیہ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ (۳۲ : ۵) صفحہ ۱۴ پر آچکا ہے بلکہ ہر قسم کی تخلیق کے نئے مہماتِ امور میں مشغول ہے اور جن میں نئے آسمانی کرّوں کی پیدائش بھی شامل ہے۔ یہی مذہب آج یورپ کے طبعی حکما کا ہے، اور اُس لایزال و لم یزل خدا کے شایانِ شان بھی یہی ہے کہ ہر لحظہ کچھ نہ کچھ کرتا رہے۔ جو لوگ اسکو آجکل کے کسی عیش پرست حکمران کی مانند سریرِ حکومت پر معطّل اور مسند آرا سمجھتے ہیں، اُنکی شناسائی اُس احکم الحاکمین سے بہت کم ہے، اور **معرفت** کی پہلی بلکہ آخری منزل یہی ہے کہ اعمالِ خدا کا صحیح اور برای العین **علم** ہو، اسکی عظمت اور طاقت کا صحیح اندازہ ہو، اُس کے معمول سے پوری واقفیت، اور عادات کی کما حقّہٗ شناخت ہو۔ مگر یہ بحث بجائے خود ایک مستقل موضوع ہے جسکا یہاں پر چھیڑنا ضروری نہیں۔

مختصر الفاظ میں ڈارون کے مسئلۂ ارتقا کا دعوےٰ یہ ہے جسکی شرح و بسط اوپر ہوئی۔ جو قرآنی شہادتیں اِس مسئلے کی تائید میں پیش ہوئیں، اُنکی بحث دراصل **"علم القرآن"** کے متعلق ہے، جو اِس کتاب کا اخیر ترین حصہ ہے۔ اُن کا یہاں پر لکھ دینا کم از کم ایک ایسی کتاب کے لیے جسکا منتہا علم و یقین کی طرف بالدلیل اور بتدریج رہنمائی کرنا، اور فرض و اعتقاد کے عنصر کو بیدخل کر کے قرآن کو سب انسانی علم سے بالاتر اور عالم آرا حقیقت **ثابت** کر دینا ہو، بہت کچھ پیش از وقت ہے۔ ہم نے اِس تصنیف کے ابتدائی اوراق میں اِن مباحث عالیہ کو محض اسلیے جاری ہے کہ کلامِ الٰہی کے اُن متلاشیوں پر جو اسکی ہر آیت میں ایک مستقل حقیقت کے موجود ہونے کا یقین رکھتے ہیں، مسئلۂ ارتقا کی اہمیت (جو فی الحقیقت انسانی علم کا معراج ہے) ایک حد تک واضح ہو جائے، اور ساتھ ہی اُن علمائے علمِ فطرت کے ذہنوں میں جو قرآن کو لاشئے سمجھکر اُس سے بیزار ہو گئے ہیں، اِس عجیب و غریب کتاب کی وقتِ مطالب اور عمقِ نظر کا اندازہ ابتدا سے ہو جائے۔ وہ آیندہ اوراق میں بچشم خود دیکھیں کہ قرآن کسقدر اِس عظیم الشان مسئلے کا مؤید ہے، اسکا دستور العمل کہاں تک اِس حقیقتِ کبرےٰ کے عین مطابق ہے۔ اُس کا تمام لائحہ عمل کیونکر **"حفظِ نفس"** کے منتہائے وحید کی طرف جا رہا ہے، کس انتہائی شدت سے **"اجتماعی سلامتی"** کے درپے، اور **"انفرادی سعی و عمل"** کا مؤید ہے۔ نہیں بلکہ جوں جوں انکا علم قرآن کے حقائق عالیہ کے متعلق وسیع ہوتا جائے، وہ آجکل کے رسمی اور لفظی اسلام کو نظر انداز کر کے اُس یقین انگیز اسلام کی ماہیت کی طرف متوجہ ہوں جس نے ایک عالم کے اعمال اور اخلاق میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا تھا، جس نے افراد کے دلوں میں وہ ہیجانِ عمل، وہ سلیقۂ نظم و نسق، وہ اتحاد اور ارتباط جاری کر دیا تھا جو ابتدائے آفرینش سے آجتک ہر زندہ اور مرتقی قوم کا خاصّہ ہے، وہ اِس حیرت انگیز کتاب الٰہی میں بطور خود وہ عظیم الشان اصول فنا و بقا دیکھیں جن کا اجرا روزِ اوّل سے صفحۂ زمین پر ہو رہا ہے جن کی تاریخ بزبانِ حال شاہد ہے، جن سے قومیں فلک الافلاک پر چڑھ جاتی ہیں، یا تحت الثرےٰ میں گر کر ملیامیٹ ہو جاتی ہیں۔ اِس نقطۂ نظر سے یہ تحت المتن، جسکی طوالت کا اندازہ مصنف نے کتاب کی تحریر کے وقت نہیں کیا تھا اور جو بعد میں فرمایش پر لکھا گیا، محض ایک ابتدائی تحریر ہے جس کا محولہ بالا اوراق کے نفسِ موضوع سے تعلق ابھی عیاں نہیں ہو سکتا، اور نہ مسئلۂ ارتقا کو صحیح فرض کر کے قرآن کی صحت کو ثابت کرنا ہمارا پیشِ نہاد ہے۔

یا امریکہ کا ہندوئے احمر منقطع النسل ہونے کو ہے تو مسئلہ ارتقا کے رُو سے اُن کی مدافعانہ جدوجہد

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵) کتاب کے متن کا سلسلہ استدلال بجائے خود ایک مستقل شے ہے جسمیں اس تحریر کو چنداں دخل نہیں، البتہ اگر کتاب خدا کا علم، اِن مباحث کے ضمن میں مسئلہ ارتقا کو اپنی آغوش میں لیکر، اپنے آپ کو یورپ کے اُس علم سے بدرجہا وسیع تر ثابت کرے جس کے باعث وہ آج اوجِ کمال پر چڑھ گیا ہے تو منکرین کیلئے یہ امر بجائے خود قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی روشن اور ناقابل انکار دلیل ہے!

مسئلہ ارتقا کی بحث آیۂ استخلاف کے الفاظ "عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" سے شروع ہوئی تھی۔ عمل صالح، کی مکمل اور ناقابل انکار تشریح کر دینا فی الحقیقت قرآن کے تمام دستور العمل کو از سر نو آشکار کرنا ہے۔ اور یہ صلاحیت عمل، ہی مسئلہ انتخاب طبیعی کی وہ مضبوط اساس ہے جس پر اقوام کے بقاو استخلاف کا سب ارومدار ہے۔ پس آج اس علم و شہادت کے زمانے میں قرآن کریم کا **طبعی تعلق** اس مسئلے سے ہے، اگرچہ حکمائے مغرب کو اس کا علم نزول قرآن کے صدیوں بعد حاصل ہوا ہو۔ یا صالحات، کے عظیم الشان لفظ کے معانی قرنوں تک بگڑتے بگڑتے نہایت محدود، یا قطعاً محجوب ہو گئے ہوں، اور اپنا اصلی اثر کلیۃً کھو چکے ہوں! یہ حقیقت اور بھی واضح تر اس وقت ہو جاتی ہے جب کلام الٰہی کا طالب العلم کامل غور و تعمق کے بعد لامحالہ اس نتیجے پر پونہچتا ہے کہ قرآن کریم درحقیقت اقوام عالم کے فنا و بقا کے اسباب کی مکمل داستان ہے جو شارع کائنات نے تذکیر و اعتبار کے لیئے انسان کے حوالے کر دی ہے۔ اور جسکے لائحہ عمل کو نباہنا در اصل اس روئے زمین پر اپنی مدت قیام کو دراز کرنا ہے۔ سورہ ملک میں مالک زمین و آسمان نے اس حقیقت کو بوضاحت تمام بیان کر کے موت و حیات کے سوال کو خاتمے کر دیا ہے:

اِلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۙ (۶۷: ۲)

لوگو! وہ وُہ مالک الملک اور صاحب اختیار خدا ہے جس نے اجتماعی موت و حیات کے قانون کو رائج کر دیا ہے تاکہ اس بات کی آزمایش کرے کہ تم میں سے کونسی قومیں حسن عمل کرتی ہیں؛ جبتک صالح، ہیں اُن کو بقا نصیب کرے؛ جب غیر صالح بن جائیں اُن کو صفحۂ زمین سے یکسر محو کر دے! اور لوگو! یاد رکھو کہ وہ شارع کائنات بڑا زبردست اور بڑا شدید العقاب (اَلْعَزِیْز) ہے البتہ تائب اقوام کے اجتماعی عیوب پر بڑا پردہ ڈالنے والا بھی ہے (اَلْغَفُوْر)۔

آج اس مسئلہ ارتقا کی تائید و تثبیت انسانی علم و یقین کے قریب قریب ہر شعبے نے اس حیرت انگیز طریقے پر کی ہے کہ مغرب کے لیئے اسکا منکر ہو جانا قطعاً غیر ممکن ہو گیا ہے۔ سطح زمین کے موالید ثلاثہ کی کامل تدوین و تنظیم نے اس حقیقت کو اور بھی آشکارا کر دیا ہے۔ طبقات الارض کی تمام داستان من و عن اسکی مؤید ہے، عالم افلاک کے پیہم مشاہدے اسی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں؛ روئے زمین کے طبعی انقلابات یہی کہہ رہے ہیں؛ اجناس حیوانات کی داستان حیات یہی سبق دے رہی ہے؛ اطلال دیار کی روئداد یہی ہے؛ احوال جہان کی سرگذشت بھی اسی قطع کی ہے؛ جنین اور میں تخلیق انسان کا تنوع یہی ثابت کر رہا ہے؛ طبعیات، ریاضیات، کیمیا، تشریح الابدان وغیرہ وغیرہ اکثر یقینی علوم اسکی ساعدت میں ہیں۔ خود انسان کی مائل بہ حیوانیت فطرت زبان حال سے کہہ رہی ہے کہ انسان کسی ادنیٰ مخلوق کا لُطف اور کثر مولود سے خوفزدہ۔ عام تخیل کہ بندر ارتقا کرتے کرتے انسان بن گیا جہلا کی نامنصفانہ تشریح ہے، اسکو اس مسئلہ سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا کہ خود بندر کو انسان سے بظاہر ہے۔ تاہم اسمیں شک نہیں کہ اس مسئلے کے نفس دعوے میں بھی وقتاً فوقتاً ارتقا ہوتا رہا۔ روئے زمین پر تدریجی انقلاب کا اعتراف (شق اول) انسان کو غالباً اُسوقت سے ہے جسکی صحیح تعیین بہت مشکل ہے۔ قدیم ہندو فلسفہ تکوین عالم کے متعلق عجیب و غریب دعاوی پیش کرتا ہے جن کی مماثلت موجودہ مسئلے سے ایک خفیف سی ہے۔ یونانی حکمانے قدامت مادہ کے نظریئے کی ترویج کی۔ مگر کوئی خاص مسئلہ مدون نہ کیا۔ اسلامی حکمانے پہلی، دوسری، تیسری اور آٹھویں شقوں کے متعلق مستقل دعاوی مرتب کیئے۔ مگر باقی تمام شقوں کی تدوین اور تحقیق (بلکہ ایک رو سے تمام مسئلے کی تصدیق)، ہمہ تن علم جدید کا کارنمایاں ہے۔ مسئلہ انتخاب طبیعی (یعنی چوتھی اور ساتویں شق)، کا دعوے اول اول ۱۲۲۸ھ ۱۸۱۳ء اور بعد ازاں ۱۲۴۶ھ ۱۸۳۱ء میں یورپ کے دو غیر معروف طبعی فلسفہ دانوں نے کیا۔ گمر ڈارون اور والیس نے ۱۲۷۴ھ ۱۸۵۸ء میں اسکو از سر نو

Marfat.com

اور صلاحیت کا خاتمہ ہوگیا ہے![†]

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۲۶) دریافت کرکے پایۂ تحقیق تک پونہچا دیا۔ اُس وقت سے آجتک اِس مسئلے کی روز افزوں شہادت برابر مل رہی ہے حتیٰ کہ آج اُسکو علمِ جدید کی بدیہیات میں شامل کرلینا مغربی حکما کے نزدیک کچھ قابلِ اعتراض نہیں۔ اصل کتاب میں اسکے متعلق 'نظریّے' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے (دیکھو صفحہ ۱۱) مگر 'نظریّہ' کا لقب فی الحقیقت اِس کے شایانِ شان نہیں، اگرچہ قرآن حکیم کی مستقل اور ناقابلِ بدل حقیقت کے بالمقابل اِس نامکمل اور غیر مستقل مسئلے کو یہی لقب دینا زیادہ موزوں ہے!

مسئلہ ارتقا کی محولۂ بالا چوتھی شق، یعنی مسئلہ انتخاب طبیعی (صفحہ ۱۳) کی صداقت پر جو ناگہاں حملہ حال ہی (یعنی ۱۳۴۱ھ ۱۹۲۲ء) میں جامعہ کیمبرج (انگلستان) کے دو نامعروف الاسم حکما ڈاکٹر وِلس اور ڈاکٹر یُول نے کیا ہے اِس قابل نہیں کہ اسکی باضابطہ تردید یا تشریح اِس کتاب میں کیجا سکے۔ ابھی تک کسی قابلِ ذکر علمی حلقے نے اِن حکما کے دعوے کی اہمیت کو تسلیم نہیں کیا، اور چند اشتباہی اور مشترک النتائج دلائل کی بنا پر انتخاب طبیعی کے اصل اصول کو مشکوک قرار دینا بہت کچھ پیش از وقت بلکہ حتماً ناروا ہے۔ اِن حضرات کا دعوےٰ ہے کہ انواع و اجناس حاضرہ کا روئے زمین پر تخلف 'بقائے اصلح' کے قاعدے کے ماتحت رہ کر نہیں ہوا، بلکہ ہر نوع بقدر اپنی **قدامتِ ظہور** اور **مدتِ قیام** کے روئے زمین پر توسیع و تمکن حاصل کرتی رہی حتیٰ کہ کسی ایک باقی یا فنا شدہ نوع کے رقبہ توسیع کا حال ضرب و تقسیم کے حسابی قاعدوں کے ذریعے سے معلوم ہوسکتا ہے۔ اِسی نقطۂ نظر سے اِن کے نزدیک ہر جنس کے تعدد انواع کی توسیع بھی روئے زمین پر ہوتی رہی۔ بہت ممکن ہے کہ **صلاحیت** اور **قدامت** کے اعداد و شمار کے درمیان کوئی اتفاقی تعلق ظاہر ہوا ہو جس کی وجہ سے حساب لگانے میں یک گونہ سہولت پیدا ہوگئی ہو، مگر ظاہر ہے کہ فطرت کا یہ کارگاہِ عظیم انسان کے تسلیم کیئے ہوئے وضعی قاعدوں کی پابندی سے مطلقاً بے نیاز ہے۔ جب کون و مکان کے ہر شعبہ بقا و حیات کی بنیاد سعی و عمل پر ہے تو **سعی و عمل کا قیام ہی عین صلاحیت** ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس **صلاحیت** کا وجود ہی **عین قیام و بقا** ہے! پس اِس مقامِ نظر سے مدتِ قیام کی درازی اور صلاحیت دو مترادف اشیا ہیں جن کی **اصل** ایک ہی ہے۔ یہی قرآن عظیم کا دعوےٰ ہے۔ اور یہی مسئلہ ارتقا کا اصل اصول۔ اگر قدامتِ ظہور اور تکثّر و تمکن فی الارض میں کوئی ظاہری تعلق پیدا ہوگیا ہے تو وہ بھی اسی باطنی ترادف کی وجہ سے ہے نہ اِس وجہ سے کہ قانون بقا و فنا کے متعلق کوئی نیا انکشاف ہوا ہے جس کا اعتراف پہلے لوگوں سے نہیں ہوسکا۔

† اژدہوں اور افیال کے متعلق اِس اجمال کی تفصیل کے لیئے علم طبقات الارض کی مفصلہ ذیل معلومات کا یہاں پر لکھ دینا ضروری ہے:-

قشر الارض، یعنی کُرہ زمین کے سطحی غلاف کی تفحص اور تلاش کرنے سے فطرت کے طالب العلم پر یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ سطح زمین کا وہ حصہ جو انسان کے دست قدرت میں ہے، اور جہاں تک اسکی کُدال کی زد پونہچ سکتی ہے، دو قسم کے احجار پر مشتمل ہے۔ ایک حصہ جو نسبتہً مختصر سا ہے اُن چٹانوں کا ہے جو وقتاً فوقتاً زمین کے بطن سے سیال حالت میں آتش فشاں پہاڑوں کے دہانوں سے نکل کر سطح زمین پر جمتی گئیں، اور بعد ازاں اِس مُہمل مذاب کے عظیم الشان تودے بن گئے۔ یہ سب چٹانیں نہایت سخت ہیں، اِنکے زمین پر پھیلاؤ کی کوئی ترتیب نہیں، اِن کے اندر کسی قدیم حیوان کے بقیۂ آثار کا نشان تک نہیں۔ جہاں جہاں غلاف زمین کا کوئی کمزور حصہ ہے وہاں یہ چٹانیں اسکو پھاڑ کر نمودار ہوگئی ہیں۔ قدامت کے لحاظ سے اِن کی ترکیب میں کچھ کچھ کیمیاوی تغیّر و تبدّل ہوا ہے مگر ماہر فن کے لیئے اِن احجار منقلبہ کی شناخت کچھ مشکل نہیں، اور اگر کوئی شئے مشتبہ نظر آئے تو خوردبین اسکا یکدم فیصلہ کردیتی ہے۔

دوسری قسم چٹانوں کی وہ ہے جو مطبق یعنی تہ در تہ ہے۔ ایک تہ نہایت سلیقے سے دوسری تہ کے اوپر جمی ہے۔ انکی سطحیں بھی قریب قریب ہموار ہیں۔ ہر ایک تہ کا رنگ اُس کے اِراتی اجزا، اُسکی ظاہری ساخت، اُسکی خوردبینی بافت اور کیمیاوی ترکیب دوسری تہ سے جُدا ہے، کوئی نرم ہے

قرآن حکیم نے اس آیۂ کریمہ میں آفرینش کی بقا و فنا، اور اقوام کے عروج و زوال کا وہ مہتم بالشان کلیہ بیان کر دیا ہے جس کی صرف پہلی شق کی اصلیت کو یورپ کے طبعی فلسفی طبقات الارض کی مسلسل تفتیش و تفحص کے بعد ابھی پہنچے ہیں۔ غیر ناطق حیوانات میں چونکہ ایمان کی انسانی طریق پر گنجائش نہیں اور عمل مقتضائے طبیعت ہے، اس لئے فطرت کے حال و احوال کا ان کی ضروریاتِ زندگی سے تطابق

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۷) کوئی سخت، کسی کے اجزا نہایت باریک ذرات سے بنے ہیں، کسی میں چھوٹے چھوٹے ساحلِ آب کے گھسے ہوئے گول پتھر جڑ کر چٹان بن گئے ہیں، کسی کے سالمات اس قدر نفیس ہیں کہ بمشکل تمام ان کے اتصال کو شناخت کیا جا سکتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ سورۂ فاطر میں انہی حیرت انگیز اور جلیل الشان چٹانوں کیطرف اشارہ ہے جن کی حقیقت کشا سرگذشت کم بین اور کوتاہ نظر انسان نے ہزاروں برس تک سننے سے انکار کیا، اور ابھی ڈیڑھ سو برس نہیں گذرے، کہ مغرب کے چند طبعی حکما اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر ان سے ہمکلام ہوئے، اور ان کی جگ بیتی داستان کو سن کر ایک عالم کو محو کر دیا! نہیں، بلکہ قرآن حکیم کے ایک اہم حصّے پر عمل کر کے دنیا کو معرفتِ خدا کے فلک الافلاک پر پہنچا گئے!

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ۝ (۳۵: ۲۷)

اے ساکنانِ زمین! کیا تم نے اس حیرت انگیز حقیقت پر غور نہیں کیا (اَلَمْ تَرَ کا ترجمہ جو اسی آیۂ کریمہ کے شروع میں ہے) کہ پہاڑوں کے اندر عظیم الشان طبقے ہیں جن میں سے کوئی سفید ہے کوئی سرخ، ان کے رنگ جدا جدا ہیں اور بعض ان میں سے ایسے بھی ہیں جو بھجنگ کالے ہیں (تم جاؤ ان کو دیکھو کہ وہ کیا داستان سنا رہے ہیں، سفید کیا انکشاف کر رہے ہیں، سرخ کیا کہہ رہے ہیں، خدا کی عظمت اور معرفت کا کیا گراں بہا سبق دے رہے ہیں، کالے کیا بے بہا نعمتیں بخش رہے ہیں!)

ان طبقوں کی متوازی حدیں، انکی ہموار سطحیں، انکی ظاہری ساخت اور خوردبینی بافت، ان کے مختلف اور متقابل رنگ، لامحالہ اس نتیجے پر پہنچا دیتے ہیں کہ یہ سب احجار پانی کی تہ میں اور سمندروں کی وساطت سے بنے۔ سطح زمین کے مختلف نالوں اور دریاؤں کے مکدر اور ذرات آمیز پانی جھیلوں اور سمندروں کے پانی میں ملکر ساکن ہو گئے۔ وہاں پر آہستہ آہستہ انکی تلچھٹیں (رسوبات) تہوں میں بیٹھتی گئیں اور مرورِ وقت کے باعث ہزارہا گز موٹی تہیں بن گئیں۔ ایک تہ کے اوپر سطح زمین کے تبدیل احوال کے باعث، دوسرے رنگ، ساخت اور قماش کی تہ بیٹھی۔ تبدیلیٔ موسم، طوفانِ باد و خاک، اور حرکت انہار کے تخریبی اثرات (تعریۂ جوّی)، شبنم اور طبیعی میاہ، باران و یخ بستہ کے کیمیاوی اور ارادتی اعمال (تعریۂ مطری)، اور تصادم امواج، مد و جزر بحر کی زمینی شکست و ریخت (تعریۂ بحری) نے ان طبقات کی تدریجی تعمیر میں مستقل حصّہ لیا۔ پھر ان کے اوپر کا پانی زلازلِ زمین یا دوسرے مقامی انقلابات کے باعث رفتہ رفتہ خشک ہو گیا، اور یہ طبقے سطح زمین پر نمودار ہو گئے۔ بعد ازاں اوپر کے طبقوں کے کروڑوں من بوجھ اور زمین کی اندرونی حرارت نے قرنوں کے بعد ان رسوبات کو پتھر کی مانند سخت کر دیا، اور وہ مختلف چٹانیں بن گئیں۔ آج بھی ہر سمندر، جھیل، بلکہ معمولی تالاب کی تہوں میں یہ رسوبی طبقات روز بروز بن رہے ہیں، اور ہر صاحبِ نظر کو ارضی تعمیر و شکست کا سبق دے رہے ہیں!

لیکن جو حیرت انگیز امتیاز ان آبی اور رسوبی احجار میں نمایاں ہے وہ ان کا حیوانی ہڈیوں اور ڈھانچوں، ان کے قدموں کے نشانوں، اور نباتی پتّوں اور تنوں کے بقیۂ آثار (رکازات) سے معمور ہونا ہے۔ سطح زمین سے کئی کئی ہزار گز، بلکہ بعض اوقات چار چار میل نیچے تک یہ ہڈیاں کیمیاوی طور پر تبدیل شدہ حالت میں ملتی ہیں۔ بلند ترین طبقوں میں مرے ہوئے حیوانوں کے سالم ڈھانچے ترکیبی اجزا کے معمولی رد و بدل کے بعد پائے جاتے ہیں۔ ان کی شکلیں بالکل محفوظ ہیں لیکن اجزا متحجّر یا متحدّد بن گئے ہیں۔ بعض کے اجزا چونے سے بدل گئے ہیں، بعض لوہا یا تانبا وغیرہ بن چکے ہیں۔ قرآن حکیم میں عظام کی اسی بدلِ ماہیت کی طرف علیمانہ اشارہ کر کے خدا فراموش انسان کو بعث کا عبرت انگیز سبق دیا گیا ہے:

Marfat.com

یا تخالف پذیر ہونا ہی ان کی صلاحیت یا عدم صلاحیت ہے، اور وہی جنس قوی تر یا صالح تر ٹھیرے گی جسکے وسائل دفاع کا توازن (جو فطرت نے اُسکو سپرد کیے ہیں) قدرت کی خارجی اور اٹل طاقتوں کے ساتھ قائم رہے گا۔ مگر مجامع انسانیہ کی حالت جن کے ہر فرد کی ادنےٰ سے ادنےٰ ضرورت بھی تدبیر و عمل کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی، قطعی مختلف ہے۔ ان کے تحفظ و ارتقا کا مسئلہ بیحد مشکل اور بدرجہا پیچیدہ تر ہے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۶۸) وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ○ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ○
اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ
اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ○ (۱۷: ۴۹-۵۱)

اور لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم مرے پیچھے گل سڑ کر ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہوجائیں گے تو کیا ایسی حالت میں ہم کو از سرِ نو پیدا کر کے اٹھا کھڑا کیا جائے گا۔ اے محمدؐ! ان سے کہدو کہ کم عقلو! تم مرے پیچھے پتھر ہوجاؤ، یا لوہا بن جاؤ، یا کوئی اور شے جو تمہارے خیال میں اس سے بھی عجیب تر ہو، پھر کہیں گے کہ اچھا بھلا اب کون ہم کو زندہ کرسکے گا۔ انہیں کہدو کہ وہی خلاق عظیم جس نے تمہیں پہلے پیدا کیا تھا۔ اس پر یہ لوگ تمہارے سامنے انکار کے طور پر سر ہلانے لگیں گے اور کہیں گے کہ اچھا یہ کب ہوگا۔ انہیں کہدو کہ عجب نہیں کہ یہ سب کچھ قریب ہی آن لگا ہو!

ایک مدت تک اِن آثارِ باقیہ کے متعلق لوگ یونہی سر ہلایا کیے؛ انکے وجود کے بارے میں اکثر اغماضی اور تجاہلی شان رہی؛ لوگ انکو دیکھتے؛ مگر ان کے متعلق بحث کرنے سے محترز رہتے؛ کسی نے اُن کو فطرت کا کھیل کہا؛ کسی نے "خدائی شان کا ایک نمونہ" بتاکر معترض کو چپ کر دیا۔ عیسائی پادریوں نے جو یورپ کی علمی تحقیقات سے خوفزدہ ہوکر اپنی انجیل کی حفاظت میں حواس باختہ تھے، اور پاپائے رومۃ الکبریٰ نے جو محافظ دین ہونے کی حیثیت میں علمائے فطرت کو دار و صلیب پر چڑھانے میں مصروف تھا، ان کو نوح علیہ السلام کے طوفان کا بقیہ قرار دیکر اپنی جان چھڑانی چاہی، مگر حقیقت کے بالمقابل باطل کب تک ٹھیر سکتا تھا۔ جب کئی کئی گز لمبے ڈھانچے اور پورے سر، اور پیر اور دھڑ برآمد ہونے لگے، اور میلوں کی گہرائی تک تمام سطح زمین آباد نظر آئی تو پادری دُم دبا کر بھاگے؛ سب مسیحی یورپ دم بخود ہوگیا؛ علمائے فطرت کی چڑھ بنی۔ اُنہوں نے کامل غور و خوض کے بعد اعلان کردیا کہ دنیا عہد عتیق کے شمار کے مطابق محض چھ ہزار سال سے ہی آباد نہیں بلکہ تخلیق کا سلسلہ لکھو کھا برس سے جاری ہے! یہ ہڈیاں لامحالہ اُن حیوانوں کی ہیں جو روئے زمین پر انسان سے پہلے بس رہے تھے۔ اُن کے ڈھانچے پانی کے سیلاب، ہوا کے جھکڑ یا اور مختلف اسباب کے ذریعے سے سمندروں میں چلے گئے؛ آبی حیوانوں کے ڈھانچے وہیں تہ میں گرتے رہے، بالآخر جب رفتہ رفتہ رسوبات اور ذرات کی تہ اُن پر جمی، دب گئے۔ فطرت نے ان کو نہایت حفاظت سے یادگار کے طور پر محفوظ رکھا، اُن کی شکلیں برقرار رکھیں، اُن کے کیمیاوی اجزا تقطیر حوامض و املاح کے باعث بدل گئے مگر شکل نہ بدل سکی۔ انسان کی نوعی تخلیق ان حیوانات کے مدتوں بعد ہوئی اور بتدریج تمام ہوئی۔ اِس بنا پر سطح زمین کے لاتعداد رنگارنگ طبقے فطرت کی عظیم الشان کتاب کے رنگارنگ "ورق" ہیں؛ یہ رکازات باقیہ اِن اوراق پر خدا کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے "حروف" ہیں؛ انسان کو یہ "عالم آرا کتاب" اسلیئے دی گئی ہے کہ اسکو پڑھے اور اُس خلاق عظیم کی عظمت کا اندازہ بچشم خود کرے!

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ○ (۶۷: ۱۵)

لوگو! وہ وُہ منعم حقیقی ہے جس نے زمین کو تمہارے لیئے میدان کردیا ہے کہ تم اِسکے اطراف و اکناف میں دل کھول کر پھرو، خدا کے

Marfat.com

اور جوں جوں اقوامِ عالم ترقی کی تگ و دَو میں ایک دوسرے پر سبقت لیجا رہی ہیں انفرادی معیشت اور اجتماعی حفاظت کا سوال اور بھی لاینحل ہوتا جا رہا ہے۔ آج معاشرت کی اِس حیران کن مسابقت میں تمدّن کی لاانتہا ضروریات، اور تہذیب کے اَن گنت لازمات جزوِ زندگی بن گئے ہیں؛ علم کی حیرت انگیز جدت آفرینی اور عمل کی محیّر العقول جولانی نے میدانِ حیات ناقابلِ گذر کر دیا ہے؛ ذرائع کی ناقابلِ یقین توسیع کے باوجود

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۹) عجیب وغریب اعمال کا بچشمِ خود مشاہدہ کرو، اور اس کا رزق کھاؤ، ترقی اور آسودگی کے بامِ بلند پر چڑھو لیکن اِس بات کو یاد رکھو کہ تم نے ایک نہ ایک دن اُسکے حضور میں کھڑے ہو کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔

کتابِ فطرت کی اِس حیرت انگیز اہمیت کو پیش نظر رکھکر مغرب کے طبعی حکما نے اجزارِ زمین کے اُس حصۂ عظمیٰ کو جن کی تخلیق سمندر کی وساطت سے ہوئی پانچ بڑے بڑے جلیل القدر اور طویل المدّت زمانوں یعنی "القدیمۃ الاولیٰ"۔ "القدیمۃ الاخریٰ"۔ "الحیات الوسطیٰ" "الجدیدۃ القصویٰ"۔ اور "الجدیدۃ الادنیٰ" کے صحور پر منقسم کیا ہے۔ پہلی قسم یعنی **القدیمۃ الأولیٰ** کے طبقوں میں جنکی گہرائی زمین کے بعض حصّوں میں میلوں تک پہنچتی ہے اور جو اوپر سب طبق کی تہ میں ہیں، کسی ذی حیات مخلوق کا باقی نشان آجتک نہیں ملا، اگرچہ ان کی تہوں کے اندر بعض مشکوک سی لکیریں اور سوراخ پائے جاتے ہیں جنسے شبہ پڑتا ہے کہ وہ کسی بے استخوان حشرات الارض کے نشاناتِ قدم ہیں۔ باقی چار حصّے حیرت انگیز ترتیب اور تسلسل کے ساتھ عجیب وغریب حیوانات کے بقیہ آثار (رکازات) سے پُر ہیں، سطحِ زمین کا کوئی حصّہ اُن سے خالی نہیں۔ "**القدیمۃ الأخریٰ**" کے طبق میں جن کی تقسیم چند بڑے بڑے حصّوں میں کیگئی ہے، زندگی کے آثار غیر مشکوک طور پر نمایاں ہیں۔ استخوان کے عام فقدان کے باعث سب مخلوق غیر ذی فقری (یعنی ریڑھ کی ہڈی کے بغیر) ہے۔ پہلے حصّے میں (خوردبینی حیوانات سے قطع نظر جنکے نشانات کا باقی رہنا ناممکن ہے) سرطان نما قشری حیوانوں (القشریات) کی ایک تعداد کثیر پائی جاتی ہے جو آج سطحِ زمین سے قطعاً ناپید ہو چکے ہیں۔ اِسی حصّے میں اسفنج، مفصلی اور دوبرگی حلزون (گھونگھے) کی ابتدائی نوعیں رونما ہوئی ہیں۔ دوسرا حصّہ اِن "سرطانی" انواع سے نسبتاً کم آباد ہے۔ مگر مرجان (مونگے) کی فی الحال ناپید انواع، اسفنج، شوکیۃ القشر لوبی (پیچدار) حلزون، اور ناموجود "سنجابی" حشرات سے پُر ہے۔ قشریات "کشمکشِ حیات" کے باعث نہایت قلیل التعداد اور نحیف ہو چکے ہیں، مگر نجم نما آبی حیوان کی ابتدا ہو رہی ہے۔ دریائی حلزون زوروں پر ہیں، ریڑھ کی ہڈی والے (ذی فقری) جانوروں کی نشاۃ اول کہیں کہیں نمودار ہے مگر نہایت ابتدائی اعضائی ترکیب کی مچھلیوں کے سوا اور کوئی حیوان اِس جنس کا کہیں نظر نہیں آتا۔ البتہ سرطانی قشریات اعضائی ارتقا کر کے ہزار پائے بن گئے ہیں۔ آبی عقرب، جن کی کوئی قسم آج نہیں ملتی، کہیں کہیں جلوہ گر ہے۔ نمل (چیونٹی) کی ابتدائی انواع، پردار اور بے پر، دونوں پائی جاتی ہیں۔ چوتھا گروہِ طبق مچھلیوں کی بے شمار ناپید انواع سے پُر ہے۔ ارضی حیوانات کی اکثر انواع وہی ہیں جو تیسرے حصّے میں تھیں۔ مگر اقسام نسبتہً بہت زیادہ ہو گئی ہیں، مرجان کی کثرت ہے۔ "القدیمۃ الاخریٰ" کے طبقات کا پانچواں حصّہ روئے زمین کی انقلابی نشو ونما کا وہ یادگار زمانہ ہے جس میں انسان کی آیندہ بہبودی کے عجیب وغریب سامان پیدا ہوئے۔ اِس زمانے میں سطحِ زمین پر **نباتات** کا وہ عظیم الشان دَور دَورہ ہوا جسکی مثال آجتک پھر پیدا نہ ہو سکی۔ بڑے بڑے سر بفلک درخت جن کے تنے موجودہ درختوں سے کئی کئی گنا بڑے تھے سطحِ زمین کے سب بالا و پست میں پھیل گئے۔ ہزارہا اقسام کی نئی نباتات کا ظہور ہوا، بالآخر اِسی سرسبز نباتات کے ہزاروں میل تک پھیلے ہوئے خزانے پایاب جھیلوں اور دلدلوں میں جمع ہو کر صدیوں کے بعد **معدنی کوئلہ** بن گئے، جس پر آج یورپ کی بے مثال ترقی اور تمکّن فی الارض کا اکثر حصہ ہے! قرآن حکیم میں اِسی اہم نعمتِ خدا کا تذکرہ، اور اِسی بے مثال صنّاعی کا بیان سورۂ یٰسٓ کے اندر ہے (سورۂ فاطر میں جھنگ کالی (غرابیب سود) چٹانوں کا اشارہ بھی اِسی معدنی کوئلے کی طرف ہے جسکا ذکر آیہ (۳۵: ۲۷) صفحہ ۲۸ میں ہو چکا ہے):

ذاتی آسائش مفقود، اور بین الاقوامی امن ممتنع الحصول ہوگیا ہے، عمران وحفظانِ صحت کے التزامات نے آبادی کی المناک کثرت پیدا کردی ہے۔ ہلاکت کے شہر شکن سامان اور بربادی کے کوہ پاش وسائل کا مہیا کرنا ہر متمدن قوم کا منتہائے عمل ہوگیا ہے۔ وہ روٹی کا ٹکڑا جو انسان کو نشاء اول میں قلیل ہی قلیل سعی اور ادنےٰ سی ادنےٰ تدبیر کے باعث مل رہتا تھا آج انتہائی جدوجہد کے بغیر میسر نہیں ہوتا۔ علاوہ ان

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۰) قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ۝ (۳۶: ۷۹-۸۰)

اے محمدؐ! ان منکرین بعث کو جواب دو کہ تمہاری بوسیدہ ہڈیوں کو از سرِ نو زندہ وہی خلاقِ عظیم کرے گا جس نے اول بار انکو نیست سے ہست کیا تھا، اور وہ اپنی پیدا کی ہوئی ہر چیز کے سب کیف و حال، اور اسکی تمام ممکنات سے بخوبی واقف ہے۔ وہ وہ کارسازِ جلیل اور وہ بنائے رحیم ہے جس نے تمہارے استعمال کے لیئے سرسبز درختوں کے بوسیدہ تنوں سے آگ کے عظیم الشان خزانے پیدا کیئے اور آج تم انہی خزانوں کو اپنے مصرف میں لا کر ترقی کے بام بلند پر چڑھ رہے ہو!

آج ان گرانبہا خزانوں کے تہ در تہ طبقے ہزارہا گز گہرے وسطِ یورپ اور امریکہ، وسطِ ایشیا اور شرقِ ہند، روم، عرب اور مصر کی سرزمینوں میں دبے ہوئے انسانی سعی وعمل کا انتظار کر رہے ہیں۔ معدنیاتِ زمین کے اسی حصۂ کبرےٰ میں پردار مچھلیاں کثرت سے دبی ہیں۔ گویا مچھلیوں کی نسبتاً ادنیٰ مگر استخوانی مخلوق کے ارتقا سے پرندوں کی مقابلۃً اعلیٰ مخلوق کے ابتدائی اسباب پیدا ہو رہے ہیں۔ انکی اقسام ترقی کرتے کرتے موجودہ مچھلیوں کے لگ بھگ بن چکی ہیں۔ اسفنج اور لوبی حلزون، کیڑے اور مکوڑے زیادہ طاقتور اور بہتر اعضائی ترکیب کے بنتے جاتے ہیں۔ لیکن جس خاص جنس کا ظہور اس عہدِ ارتقا میں اول مرتبہ ہوا وہ پیٹ کے بل چلنے والے دابہ ہیں۔ ان میں سے ایک نوع کسی منقار دار چھپکلی کی ہے جس کی ایک باقی قسم ابھی تک نیوزیلینڈ کے بعض متعلقہ جزائر میں سسک سسک کر اپنی حیات کے آخری دن گذار رہی ہے!

لیکن طبقاتِ زمین کے اس "درکِ اسفل" سے قطع نظر "الحیات الوسطیٰ" کے طبق فی الحقیقت وہ حیران کن طبقے ہیں جن کے اندر اس خلاقِ عظیم کی کبریائی سب سے زیادہ واضح طور پر آشکارا ہوئی ہے۔ دریائی اور ساحلی کیکڑے قدیم قشری سرطانوں اور عقربوں سے ارتقا کرتے کرتے موجودہ کیکڑوں کے متشابہ بن گئے ہیں، مچھلیاں بدرجہا بہتر اور صالح تر ہو رہی ہیں، ان کے پھیپھڑے اور سر استخوانی ڈھانچے اور متنا ذیں آجکل کی مچھلیوں کے اعضا سے مشابہ ہو چلی ہیں۔ پیٹ کے بل چلنے والی چھپکلیاں (حرزن) نہایت تیز رفتاری سے ترقی کر رہی ہیں، ان کی منقاریں رفتہ رفتہ موجودہ حرازین کے دنداں دار مونہوں سے بدل گئی ہیں، ایک گروہ اسی جنس کا دریائی مسکن اختیار کر چکا ہے۔ جہاں یہ آجکل کے دریائی دودھ پلانے والے حیوانوں (ذات الثدی یا مرضعات) کا پیش خیمہ بن رہا ہے۔ "الحیات الوسطیٰ" کے اسی پہلے حصۂ طبق میں حرازین کے فرعی ارتقا کے باعث رضاعی حیوانوں کے مشکوک یا متشابہ آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ اکثر وہ اعضائی خاصیات اور آلی امتیازات جو اس جنس کے لیئے مختص ہیں، بعض اعلیٰ اقسام کے حرازین میں نمودار ہو رہی ہیں۔ دوسرے حصۂ طبق میں حرزنی جنس کے حیوانات کی یہ حیرت انگیز کثرت اور پرورش ہوئی ہے کہ ان کے بقیہ آثار کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ بڑے بڑے عظیم الشان پیٹ کے بل چلنے والے جانور جن کے ڈھانچے کئی کئی گز لمبے ہیں اور جنکی رانوں کی قد آدم کے برابر ہڈیاں اور گز گز لمبی دُمیں ان کو اژدہوں کے مماثل کر دیتی ہیں، اس زمانے میں سطحِ زمین پر معمور دکھائی دیتے ہیں۔ ان ڈھانچوں میں 'سُم قدم'، 'چنگال قدم'، اور 'پنجہ قدم'، تینوں قسم کے حرزن

Marfat.com

مشکلات کے مادّیت کے غلبے نے اقوامِ متمدّنہ میں روحانیت سے عام انحراف پیدا کردیا ہے! جسمی طاقت اور مادّی اقتدار پر ناز، کبریائی کا ادّعا اور بہیمی اخلاق سے تخلق، طبیعت ثانیہ ہوگئی ہے! مکر و دروغ مجامع عالم کا شعار، بلکہ طغرائے امتیاز بن گیا ہے! بین الملّی خُلق اور اتحادِ عالم کا نصب العین خواب و خیال ہوچکا ہے! طاقتور اقوام کی سبعیّت اور درندگی کی یہ شان ہے کہ ایک دوسرے کی تباہی کے ہولناک سامان روز بروز بڑھ رہے ہیں

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۱) شامل ہیں گویا پرندوں اور رضاعی حیوانوں کی طرف ارتقا کا میلان ابھی سے ظاہر ہے۔ حزرونی اژدہوں کے اعضا کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیس بیس گز لمبی چھپکلیاں اپنی پچھلی دو ٹانگوں کے بل سطح زمین پر کودتی پھرتی تھیں، یا عظیم الشان تمساحوں (مگرمچھ) کی طرح پایاب ساحلوں اور دریاؤں کے دہانوں پر شکار کی گھات میں پڑی رہتی تھیں۔ امریکہ کے بعض حزرون اپنی جسامت کے لحاظ سے اسقدر عظیم الشان تھے کہ آج سطح زمین کا بڑے سے بڑا جانور اُن کے بالمقابل دیوار کی چھپکلی سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا! ایک منقاردار حزرون جسکے پاؤں کی ساخت پرندوں کے پنجوں سے بہت مماثل تھی اسقدر قدآور تھا کہ الف لیلہ کا سیمرغ بھی اسکے آگے محض ایک کنجشک نظر آتا ہے! اسکی تمام محدّب کمر پر ریڑھ کی ہڈیوں کے عین اوپر دو دو گز اونچی گھریلو مرغ کی مانند کلغی تھی، اور مخروطی دُم کے اوپر ڈیڑھ ڈیڑھ گز لمبے اور ہاتھی کی ٹانگ کے برابر موٹے کئی کانٹے تھے! اونچائی میں چار انسانوں کے قد کے برابر اور دُم سے لیکر چونچ تک بلا مبالغہ دس گز لمبا تھا!

يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۱:۳۵)

وہ رب عظیم اپنی مخلوق میں جو مناسب سمجھتا ہے زیادہ کردیتا ہے۔ لوگو! بگوش ہوش سُن رکھو کہ وہ خدائے بے مثال ہر بات کردینے پر قادر ہے!

"الحیات الوسطیٰ" کے اسی زمانے میں فرعی ارتقا کے باعث اُڑنے والے اژدہوں کی ایک تعداد کثیر نظر آتی ہے۔ اُن کے تمساح (مگرمچھ) کی مانند لمبے لمبے دندان وار منہ اور خفاش (چمگادڑ) کی مثل جھلی والے پر اس بات کی شہادت ہیں کہ یہ ہولناک "پرندے" درندوں سے بدرجہا خوفناک تھے معمولی اژدہوں کے پروں کا پھیلاؤ بھی آٹھ آٹھ گز تک پہنچتا تھا۔ دُم سے لیکر چوٹی تک ہر ایک کی لمبائی کئی کئی گز تک تھی، اور الف لیلہ کے رُخ کی مانند یہ دہشت انگیز درندے جہاں اُڑتے تھے اپنے پروں کے پھیلاؤ سے زمین پر اندھیرا کردیتے تھے[۱]!

لیکن فرعی ارتقا کی اِن حیرت انگیز عجائب نمائیوں سے قطع نظر جو اصلی ارتقا اس زمانے میں نمودار ہوا وہ پر والے پرندوں کا ظہور ہے اِن طبقات میں مُرغ ہوا کی صرف ایک قسم محفوظ رہ گئی ہے جو آجکل کے پرندوں سے کچھ کچھ مماثل ہے۔ رضاعی (ذات الثدی) حیوانات کے آثار خال خال نظر آتے ہیں۔ لیکن حزرونی اور رضاعی اجناس کے سلسلہ تکوین کی درمیانی کڑیاں صاف طور پر ظاہر ہیں۔ "انڈے دینے والے رضاعی حیوان" جو مرغ اور چارپائے کے بین بین نظر آتے ہیں کثرت سے ہیں۔ تھیلی والے رضاعی حیوانات کی جو حزرون اور مویشیوں کی درمیانی کڑی ہیں، رونق لگی ہے۔ مقدم الذکر نوع کی دو قسمیں آج بھی آسٹریلیا کے بعض حصوں میں پرانے وقتوں کی یادگار کے طور پر قائم ہیں۔

ارضی، ہوائی اور دریائی تمساحوں اور اژدہوں کا قیام "الحیات الوسطیٰ" کے تیسرے اور آخری حصے میں بھی بدستور رہا۔ لیکن اُنکی جسامت اس زمانے میں اور بھی حیران کن ہوگئی۔ ایک ارضی حزرون جسکے جسم کی نسل موجودہ اُود بلاؤ سے بہت کچھ ملتی جلتی تھی، اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑا پانچ گز کے قریب بلند نظر آتا ہے۔ بعض ہوائی تمساح اُڑتے وقت تین تین گز لمبے خفاشی پر پھیلا سکتے تھے۔ بعض امریکی دریائی انواع کی لمبائی سر سے لیکر دُم تک پچاس پچاس گز ناپی گئی ہے! ایک ارضی تمساح کی ہڈیاں اسی زمانہ قدیم کے طبقوں میں سے ابھی (جنوری ۱۳۴۱ھ ۱۹۲۲ء) چھ ماہ نہیں گذرے

---

[۱] ابن بطوطہ (المتوفی ۷۷۹ھ ۱۳۷۷ء) اور مارکوپولو (المتوفی ۷۲۵ھ ۱۳۲۳ء) نے اِن ہیبت ناک پرندوں کا ذکر اپنے سفرناموں میں کیا ہے۔

الغرض عقل کی بے اندازہ کارفرمائیوں اور فوق الضرورۃ چارہ جوئیوں نے آج عقدۂ معاش میں وہ صورتِ اشکال پیدا کردی ہے جو فی الحقیقت ناقابلِ تحمل ہے!

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (۳۳: ۷۲)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۲) کہ ہند کی سرزمین میں دریائے جہلم کے قریب نکلیں مگر اُس کا ڈھانچا اسقدر وزنی تھا کہ تیس نفر اُسکو بمشکل اُٹھا کر اپنی جگہ پر لے جا سکے! الغرض جس حیرت انگیز طریق پر ربِ زمین و آسمان کی اِن ہولناک اجناس نے انسان کے زمین پر وارد ہونے سے پیشتر زور پکڑا تھا، اُس سے گمان ہو سکتا تھا کہ انسان جیسی بظاہر کمزور، نو وارد اور بے نوا مخلوق اُن کے ہوتے ہوئے کچھ حفظ و قیام حاصل نہ کر سکے گی، مگر شارعِ فطرت کو اِن کا روئے زمین پر دیر تک رکھنا منظور نہ تھا؛ کارخانۂ طبیعت کے اٹل قوانین اُنکے تمکن فی الارض کی مخالفت میں حتماً تھے؛ بقاء معیشت کے پیہم مجادلے میں اُنکی جسامت، اُنکی قوتِ لایموت کی مقدار، اُن کا ممتنع السیر، کاہل الوجود اور بطئ النسل ہونا ہی اُنکے بقا کا مانع تھا؛ وہ سب کے سب ایک اقلِ قلیل مدت میں صفحۂ زمین سے محو کر دیئے گئے، اور باعمل اور صالح تر مخلوق کو اُن کا جانشین کر دیا گیا۔ "الحیات الوسطیٰ" کے بلند ترین طبقات جسقدر اِن اجناس سے پُر نظر آتے ہیں، اُسیقدر "الجدیدۃ القصویٰ" کے احجار کا ورک اسفل اِنسے نسبتاً خالی پایا جاتا ہے۔ مقدم الذکر زمانے کے زیر و بالا سب طبقات میں اُن کے حیرت انگیز ہول آفرین تکثر کے بعد بلند تر طبق میں اُنکا یکلخت معدوم ہو جانا فطرت کے طالب العلم کے لیئے ازبس عبرت آموز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سعی و عمل، تگ و دو، صبر و ابتلا کے اس عظیم الشان معمل میں اُنکی سعی کچھ مشکور نہ ہوئی؛ بدیع کائنات کو جو بذاتِ خود شبانہ روز سعی و عمل میں مصروف ہے، اور ہر آن "کُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ" کا مصداق ہے، اُن کا جمود، اُن کا ناکارہ پن، اُنکی گرانجانی کچھ پسند نہ آئی، اور ایک دو "یوم" کے اندر اندر اُن کو روئے زمین سے خاک کر دیا گیا۔ قرآن کریم میں سورۂ قصص کے اندر اُس ربِ عظیم کے اسی بے مثال اختیار کی طرف اشارہ ہے جس کے مطالب کی عظمت کو طبقاتِ زمین کی "کتابِ عظیم" میں بچشمِ خود دیکھ کر ہر صاحبِ نظر کا کپکپا جانا یقینی ہے!

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ وَيَخْتَارُ ۭ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (۲۸: ۶۸)

اور اے محمدؐ! تیرا پروردگار زمین و آسمان کے اِس بیکراں محیط میں جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور پھر پیدا کرنے کے بعد اُن کی سعی و عمل کا امتحان لیکر جو مخلوق چاہتا ہے پسند کر لیتا ہے، اور جسکو مناسب سمجھتا ہے روئے زمین سے محو کر دیتا ہے (یختار) اور جو فرضی معبود اور حاکم اعلیٰ انسانوں نے اپنی طرف سے گھڑ لیئے ہیں اُنکو تو یہ عظیم الشان اختیار کچھ بھی نہیں! اے ساکنانِ زمین! وہ خدائے عظیم اُن تمام من گھڑت مطاعوں اور معبودوں سے بدرجہا بلند تر اور ارفع ہے جن کو لوگ اسکے برابر بنائے رہتے ہیں (یشرکون)۔ اور اس پر طرہ یہ کہ اگر اس قیام و ممات، اس رد و قبول، اِس فنا و بقا اور اِس شکست و فلاح کے اختیار کرنے کی کوئی شرط قرآن کریم پیش کرتا ہے تو وہ بھی مغربی طبیعیوں کی علمی تحقیقات کی تائید میں "عمل صالح" ہی ہے جو اِس آیۂ کریمہ سے پیشتر کی آیت میں بوضاحت تمام بیان کر دی گئی ہے:

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ۝ (۲۸: ۶۷)

پھر جو مخلوق اُسکے قانون کیطرف لوٹ آئی (تاب)، اور جنے ایمان کی اٹل قوتیں اپنے اندر قائم رکھیں (اٰمن) اور جنے عمل صالح کیئے تو قریب ہے کہ وہی اس دنیا کے کسب و عمل میں کامیاب ہوگی۔ (توبہ اور ایمان کی تفصیل کے لیئے ابھی بہت دیر ہے مگر یہاں پر ایک عارضی ترجمہ کر دیا گیا ہے)۔

Marfat.com

ہم نے فہم و ادراک کی امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے پیش کیا کہ شاید وہ اُسے قبول کریں، مگر اُنہوں نے بزبانِ حال اس عظیم ذمہ داری کے حامل ہونے سے انکار کیا، اور اسکی اہمیت کو پاکر خوفزدہ ہوگئے۔ بالآخر انسان نے اسکو اُٹھانا قبول کیا مگر وہ درحقیقت بڑا ہی ظالم اور بڑا ہی جاہل تھا جو یوں ناحق اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالا!

عالم الغیب کے حضور میں شاید تمدّن کی اسی رست وخیز، اور عمرانِ حاضرہ کی اسی نفسا نفسی کی قیامت نما

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۳) ایک اور موقع پر نسل انسانی کو انہی معنوں میں خدا کا محتاج گردانا گیا ہے، ساکنانِ زمین کو قانونِ فطرت اور حکم خدا کی کامل متابعت کی ترغیب دی گئی ہے، اور ان سب کو یکسر ہلاک کر کے کسی خلق جدید کے متمکن فی الارض کرنے کی دھمکی اس حیرت انگیز جرأت، صحت اور وثوق سے دی ہے کہ اعمالِ خدا کا علم رکھنے والا انسان بے اختیار لرز جاتا ہے۔ لیکن یہ آیاتِ کبریٰ اپنے اصلی رنگ میں لامحالہ اُسوقت نظر آئیں گی جب کتاب کے متن (غالباً چھٹی مجلّد) میں تمام سورہ کا مربوط ترجمہ کردیا جائے گا:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ۝ (۳۵: ۱۵-۱۷)

اے ساکنانِ زمین! تم سب کے سب کسی حال اور رنگ ڈھنگ میں ہو بہرنوع اُس خدائے عظیم کے محتاج ہو، اُس کے لطف و کرم کے محتاج ہو، ہدایت اور رہنمائی کے محتاج ہو، قانون پر چلنے کے محتاج ہو۔ اور اُس کی یہ شان ہے کہ وہ تم سب سے مستغنی بے نیاز ہے، اور باوجود اِس بے نیازی کے سزاوارِ حمد ہے۔ وہ اِسقدر بے پروا خدا ہے کہ اگر تمہارے اعمال کو دیکھکر مناسب سمجھے تو تم سب کو تختۂ زمین سے یکسر اُچک لے، اور کسی نئی مخلوق کو تمہاری جگہ لا بسائے، اور جانے رہو کہ یہ خدا کے لیئے کچھ بھی دشوار نہیں (وہ تم سے پہلے بارہا اسی طرح کرچکا ہے، اور پھر کرنے میں اُسکو کوئی تکلیف نہیں ہوتی)!

ایک عجیب و غریب مشاہدہ جو یہاں "صلاحیت" کے صحیح مفہوم کو سمجھنے کے لیئے نہایت غور طلب ہے، اور جو "الحیات الوسطیٰ" کے اِن عظیم الشان اژدہوں کے متعلق کیا گیا ہے یہ ہے کہ وہ آجکل کے بڑے سے بڑے تمساحوں اور سُسماروں کے بالمقابل نہایت چھوٹے چھوٹے دماغ رکھتے تھے۔ بعض حالات میں، باقی جسم کے تناسب کو پیش نظر رکھکر کاسہ سر (جمجمہ) بھی بے اندازہ مختصر تھا، بعض میں گوشت اور اعصاب کی زیادتی کے باعث بظاہر سر کافی بڑا دکھائی دیتا تھا، مگر حجرۂ دماغ ناقابل یقین طور پر تنگ تھا؛ حتیٰ کہ موجودہ مگرمچھ کا دماغ تناسب بدن کے لحاظ سے دس گنا بڑا ہے۔ اِن مشاہدات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کچھ دور از کار نہیں کہ کشمکش حیات کی اس شکستِ فاش میں جو ان حیوانوں کو نصیب ہوئی دماغی قویٰ کو بھی بہت بڑا دخل تھا۔ کمزور دماغی طاقتوں والے حیوان مقابلۃً جلد مٹ گئے؛ جن کی قوتِ مُدرکہ بڑھتی گئی محفوظ رہے۔ آجکل انسان کی نظروں میں بیوقوفی اور کُند ذہنی کا مجسمہ گدھا ہے مگر اُس کا انسان کے لیئے مفید ہونا خود اسکی نسل کی حفاظت کر رہا ہے۔ اگر وہ بھی مزاحمتِ حیات کے میدان میں اور حیوانوں کے بالمقابل جم کر کھڑا ہو جاتا اور انسان کے سایۂ عاطفت میں پناہ نہ لیتا تو شاید کبھی کا صفحۂ زمین سے نابود ہو گیا ہوتا!

الجدیدۃ القصویٰ کے ادنیٰ طبقات زیادہ تر اُن دیرینہ حیوانات کے آثار سے پُر ہیں جو "القدیمۃ الاولیٰ" کے زمانے سے رفتہ رفتہ ارتقا کرکے بہتر بنگئے ہیں۔ حلزون اور اسفنج، حیتان (مچھلیاں)، ہزار پائے، مرجان، نجم نما مچھلیاں، قبّہ دار حلزون، حشرات الارض شقایق بحری، خارپشت بحری، وغیرہ وغیرہ نہایت کثرت سے ہیں۔ حرذون (چھپکلیاں)، حربا (گرگٹ)، ثعبان (اژدہے)، تنین (منقاری اژدہے) تمساح (مگرمچھ)، خفاش (چمگادڑ) وغیرہ وغیرہ نسبتاً بہت کم ہیں۔ لیکن پرندے غیر مشکوک طور پر نمایاں ہوگئے ہیں۔ اُن کے منقار و دندانہ دار

Marfat.com

تصویر درپیش تھی جو انسان کو قبولِ امانت کے وقت ظلوم و جہول ٹھیرایا تھا۔ مگر تصویر کے اِس تاریک پہلو سے ایک لمحے کے لیے قطع نظر کر کے جو اہم سوال آج اِس زمانے میں پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ مسئلہ ارتقا کے روسے وہ کونسی صلاحیت ہے، اور قرآن کریم کی لازوال صداقت کے تتبع میں وہ کیسا ایمان اور کیا اعمال صالحہ ہیں جسنے آج اقوامِ یورپ کو مادی ترقی کے انتہائی منازل پر پونہچا کر اعلون بننے، اور

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۴) گویا ہوائی ممتاحوں سے ارتقا ظاہر ہے۔ رضاعی حیوانات کی بعض ناکمل نشانیاں نچلے حصے کے بعض اعلے طبق میں نمودار ہیں مگر ٹھیٹھ رضاعی حیوان اِن طبقوں میں بھی بہت کم ملتا ہے۔

"الجدیدۃ القصوی" کے اعلیٰ طبق میں بھی قریب قریب یہی حال ہے، مگر اکثر اجناس کا بہتر اور صالح تر ہوجانا بیش از بیش ظاہر ہے۔ لیکن "الجدیدۃ الادنیٰ" کے طبقات وہ سبق آموز اور عبرت انگیز طبقات ہیں جن کی مخلوق کے مطالعے سے سطح زمین کی موجودہ مخلوق کا تدریجی ارتقا اظہر من الشمس ہوجاتا ہے۔ اِن حصص زمین میں حیوانات کے آثار باقیہ نہایت وضاحت اور حفاظت کے ساتھ ملتے ہیں۔ ادنیٰ حیوانات کی ایک شاندار تعداد ارتقا کی ہوئی ملتی ہے۔ حرازین کی قسم کے حیوانات اکثر نابود ہوگئے ہیں مگر رضاعی اجناس کی ایک بہت بڑی تعداد آبی گاؤ، اود بلاؤ، اور ویل مچھلی (حوت) کی صورت میں پیدا ہو رہی ہے، مچھلیاں آجکل کی ساحلی مچھلیوں سے ترکیب اعضا میں زیادہ مشابہ ہو رہی ہیں، مگرمچھ اور سنسار کہیں کہیں نظر آتے ہیں، عقرب، عنکبوت، ہزار پائے وغیرہ وغیرہ ایک حد تک قائم ہیں، حشرات الارض کی سب قسمیں کثرت سے ہیں، پتنگے اور تیتریاں پہلی دفعہ جلوہ گر ہیں، پیٹ کے بل چلنے والے جانوروں کی یادگار مینڈکوں میں رہ گئی ہے، پرندوں نے اپنی چونچوں کے اندر دانت رکھنا قطعاً چھوڑ دیا ہے لیکن اُن کی جنس کا داخلی ارتقا حیرت انگیز طریقے پر ہوا ہے۔ اِسی کے زیر اثر سے اُڑنے کی بجائے دوڑنے والے پرندے (یعنی مرغ میدان) جلوہ گر ہیں، نعامہ (شتر مرغ) اور اسی جنس کی اور انواع جو آج صرف عرب اور افریقہ تک محدود ہوگئی ہیں نصف کرہ شمالی، یورپ اور شمالی امریکہ میں بھی پائی جاتی ہیں۔ گویا خط استوا کی طرف کوچ بعد میں شروع ہوا۔ نیوزیلینڈ میں آج صرف ایک قسم نعامہ کی رہ گئی ہے مگر ابھی دو سو برس نہیں گذرے کہ شتر مرغ سے نسبتہً بہت بڑے بڑے پرندے جن کی اونچائی چار چار گز تک پونہچتی تھی، اُن اقطاع میں آباد تھے جنکو بالآخر اُس سرزمین کے اصلی باشندوں نے نابود کر دیا۔ جزیرۂ مدغاسکر میں کچھ اوپر سات صدیاں گذریں کہ ایک عظیم الشان مرغ رہا کرتا تھا جسکے قدِ آدم کے برابر انڈے ابھی تک الف لیلہ کے افسانوں میں بطور یادگار کے رہ گئے ہیں مگر اسکا نشان آج صرف ہڈیوں میں ملتا ہے۔

"الجدیدۃ الادنیٰ" یا "الجدیدۃ الحاضرہ" کے اعلیٰ طبق کی مخلوق اور موجودہ مخلوق میں بہت کم فرق نظر آتا ہے۔ عجیب و غریب رضاعی حیوانات کی ایک تعداد کثیر سے یہ سب طبقے پُر ہیں۔ اُن کی نو مختلف نوعیں شناخت کی گئی ہیں جن میں ویل مچھلی کی قسم کے مرضعات، آبی گاؤ، سُم دار مویشی، کُترنے والے موش، گوشت خور گربہ، کرم خور خار پشت، چمگادڑ، بغیر دانت کے رضاعی حیوان، اور بوزنہ وش انواع شامل ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک نوع اِس زمانے میں بھی پائی جاتی ہے۔ رضاعی اقسام میں عجیب و غریب حیوانات مرامیس (گینڈے) ہیں، جن کی بعض قسمیں نہایت خوفناک تھیں جو نابود ہوگئیں۔ ہاتھی کی بعض حیرت انگیز قد آور انواع اِسی زمانے میں ظاہر ہوئیں۔ ایک بالوں والا یال دار ہاتھی (میمتھ) جو انسان کا ہمعصر تھا، اور موجودہ دو اقسام سے کم از کم دوگنا بڑا تھا، شمالی سائبیریا اور انگلستان میں نہایت کثرت سے ملتا ہے۔ اُسکے دانت سائبیریا میں اِس کثرت سے ملتے ہیں کہ روسی تجارت کی مجوب شئے بن گئے ہیں۔ موجودہ فیل کی بقیہ دو اقسام کا بھی انسان کی دستبرد سے مدت تک محفوظ رہنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ہاتھی دانت کی تجارت کو موجودہ مقدار میں برقرار رکھنے کے لیے دنیا میں ہر سال ایک لاکھ ہاتھیوں کا

مُستخلف فی الارض، کا مقام حاصل کرنیکا قطعی مستحق قرار دیا ہے، اور مسلمانوں میں وہ کیا ضعفِ ایمان اور کیا غیر صالحہ اعمال آگئے ہیں جنسے اُنکی ہزار سالہ عظمت کو محو کر کے اُنکو تنزّل کا مترادف اور جہانبانی کا نا اہل کر دیا ہے؟

پیشتر اسکے کہ یہ عظیم الشان سوال، اِس کتاب کے طول و عرض میں[؎] ایک مُدلّل اور نا قابلِ انکار طریقے پر طے کر دیا جائے، اِس امر کا فیصلہ ضروری ہے کہ مفسّرین نے جن سہل اور محدود معنوں میں آیۂ استخلاف کو لیا ہے کِس حد تک اُس کی مشروط اور مطلق لغت کے تابع، اور سیاق کلام کے مطابق ہے؛ اولاً اس آیت کا

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۵) شکار ہوتا ہے۔ اور چونکہ ہتھنی پندرہ سال میں صرف ایک بچہ جنتی ہے، اور موجودہ حیوانوں میں سب سے زیادہ بطی النسل ہے، اسلئے چند اور صدیوں کے اندر اِس نوع کا تباہ ہو جانا بھی یقینی ہے۔ لیکن "الجدیدۃ الحاضرۃ" کے اعلیٰ طبق میں خدا کی جس حیرت انگیز عالم آرا، اور احسن الخلق مخلوق کا ظہور ہوا وہ حضرت انسان ہے۔ ادنیٰ طبقوں میں کچھ مشکوک سی ہڈیاں ملتی ہیں جنکو رضاعی حیوانات اور ابتدائی انسان کی "درمیانی کڑی" کہا جا سکتا ہے، مگر قطعی طور پر کچھ مل نہیں سکا۔ ایک مدت مدید تک حکمائے مغرب اِس "درمیانی کڑی" کی تلاش میں سرگردان رہے، اور ابتک ہیں۔ اعلیٰ طبق میں ابتدائی انسان کے ڈھانچے صاف طور پر ادنیٰ حیوانوں سے ارتقا کیئے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اُنکے جسم نسبتاً قوی ہیں مگر دماغ کے حجرے موجودہ انسان کے بالمقابل بہت چھوٹے ہیں۔ قدیم غاروں میں اُنکی ہڈیاں نہایت صفائی سے دبی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اُنکے ساتھ ساتھ اکثر اوقات پتھر اور لوہے کے بید ڈھنگے برتن بھی دبے ہیں جنسے معلوم ہوتا ہے کہ آفرینش کے ابتدائی ایام میں انسان اپنے آپ کو زبردست حیوانوں سے بچانے، اور سردی اور گرمی سے محفوظ رکھنے میں مصروف رہا، اِس وجہ سے مدت مدید تک وہ کوئی معاشرتی ترقی نہ کر سکا۔ پہاڑوں کی غاریں اور وادیوں کے اوٹ اُسکے مستقل نشیمن تھے، حفظِ نفس اُسکا منتہائے وحید تھا۔ بالآخر جب انفرادی دفاع مفید نظر نہ آیا تو عقل سلیم نے اجتماعی اور معاشرتی حیات اختیار کرنے پر مجبور کیا، اور آج اُسکی یہ حالت ہے کہ علم و عمل کے بام بلند پر چڑھکر فطرت کی عالم آرا قوتوں کو قابو میں لانے کی سعی کر رہا ہے!

ارتقائے حیات کی متذکرہ صدر تشریح میں جو بات نہایت قابل لحاظ ہے یہ ہے کہ سلسلہ تکوین متعدد مستقل منازل طے کر کے انسان تک پہنچا۔ "القدیمۃ الاخریٰ" کے پہلے حصے میں زندگی صرف غیر ذیفقری اور مفصلی مخلوق تک محدود رہی، دوسرے اور تیسرے حصے میں ان بے استخوان اور مفصلہ حشرات سے ریڑھ کی ہڈی والے (ذیفقری) بے دست و پا جانور پیدا ہوئے جن کی نشاۃ اول مچھلی سے ہوئی، چوتھے اور پانچویں حصوں میں مچھلیوں کا اعضائی ارتقا اوج کمال کو پہنچا، چھٹے حصے میں پردار مچھلی کے ساتھ ساتھ پیٹ کے بل چلنے والے دابہ کا ظہور ہوا۔ "الحیات الوسطیٰ" میں بے دست و پا مچھلی اور دابہ سے پردار پرندوں کا ارتقا ہوا۔ پھر "الجدیدۃ القصویٰ" کے زمانے میں دو پاؤں والے پرندوں اور حرازین کے ارتقا سے چار ٹانگوں والے ذات الثدی حیوان پیدا ہوئے جو اِس سلسلے کی آخری کڑی ہیں۔ اِن انواع شریفہ کا مقدمۃ الجیش "الحیات الوسطیٰ" کے ادنیٰ طبق میں ہی نمودار ہو گیا تھا مگر فرعی ارتقا احسن الخلق انسان پر کر مکمل ہوا۔ طبیعی حکما کا اندازہ ہے کہ یہ تمام نوعی اور جنسی تبدیلیاں لاکھوں بلکہ کروڑوں برس میں جا کر واقع ہوئیں، اور بتدریج تمام ہوئیں۔ ادنیٰ مخلوق ہی بلند تر طبقوں میں اُسی ایک سلسلہ توالد و تناسل کے ذریعے سے وقتاً فوقتاً اعلیٰ مخلوق میں مبتدل ہوتی رہی۔ کسی نئی نوع یا جنس کا ناگہاں اور بلا واسطہ ظہور مافوق الطبیعی یا خارق عادت اصول پر نہیں ہوا جیسا کہ عوام کا خیال ہے۔ قرآن حکیم نے سورۂ نور میں حیوانات زمین کی اِس وحدت اصل و نسل کو، اور جوارح حیوانی کے اِس تدریجی اور سلسلہ وار انقلاب کو اُن غیر مشکوک، پر معنی، اور نتیجہ خیز مُبَیِّنَات میں ادا کیا ہے جن کے حقیقت کشا انکشاف کو صحیفہ فطرت میں بچشم خود دیکھکر خدا کی طاقت کا ہر شخص کے دل میں مشخص ہو جانا، نہیں بلکہ تخلیق عالم اور سرِ حیات کی اصلیت کے متعلق صراطِ مستقیم کا پتہ لگ جانا یقینی ہے!

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ ‹بقیہ›

؎ اِس سوال کے متعلق قطعی فیصلہ غالباً پانچویں مجلد سے پہلے نہ ہو سکے گا۔ ۔۔ کُلّ کی تعمیم، مَآءٍ کی تنکیر و تنوین اور خَلَقَ کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ یہاں مراد ایک سلسلۂ تناسل ہے، صفحہ ۳۰ کی آیۃ (۳۰:۲۱) کا ملاحظہ

خطاب بلاقید وقت عام مسلمانوں[*] کیطرف ہے، مگر معاہدہ لامحالہ اُنکے ایک گروہ ہی سے باندھا گیا ہے اگرچہ عہدے کی توسیع ایمان اور اعمال صالحہ کی موجودگی میں ہر مسلمان تک ہوسکتی ہے۔ اس بنا پر مسلمانانِ عالم میں سے صرف اُسی گروہ کا استخلاف شرط ہے جو ایمان اور اعمال صالحہ رکھتا ہو؛ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ[**] (۲۴: ۵۵)۔ ثانیاً استخلاف فی الارض کا میثاق، جزیرۃ العرب پر تسلط یا سیادتِ حرمین کے معنوں میں کسی فرد واحد، یا اُسکی نسل، یا زیادہ سے زیادہ عرب قوم کے ساتھ ہوسکتا تھا، سب مسلمانانِ عالم سے ضروری تھا۔ ثالثاً کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ، نے معاملہ بالکل صاف کردیا کیونکہ اسلام سے پہلے حرمین پر

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۳۶) يَمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ، لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۲۴: ۴۵-۴۶)

اے لوگو! اس خلاقِ عالم کی طاقت کی یہ شان ہے کہ اس نے روئے زمین کے تمام حیوانوں کو ایک ہی نطفے اور ایک ہی سلسلہ توالد و تناسل کے ذریعے سے (مِنْ مَّاۗءٍ) پیدا کیا، اور آج اِس وحدت تناسل کا نتیجہ یہ حیرت انگیز ہے (فَ) کہ اُن حیوانوں میں سے بعض وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں، اور بعض وہ ہیں جو صرف دو پاؤں پر چلتے ہیں، اور بعض وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں (اور یہ محیر العقول تباین اور اختلاف اسی ترتیب و تسلسل سے اُس ایک نطفے کی قوت تولید میں ظاہر ہوا ہے) لوگو! خدا جو شے جس ذریعے سے مناسب سمجھتا ہے پیدا کردیتا ہے، بگوش ہوش سُن رکھو کہ وہ ہر بات کے کردینے پر قادر ہے۔ اے ساکنانِ زمین! ہم نے تم کم علم اور کوتاہ نظر انسانوں پر حقیقت کشا اور جہاں نما آیات اوجِ آسمان سے اُتاری ہیں تاکہ تم پر تکوین حیات کا راز عیاں ہوجائے، اور یاد رکھو کہ خدائے عظیم اُسی کو علم کے صراط مستقیم پر لے جاتا ہے جسکو مناسب سمجھتا ہے۔

کیا آج سطحِ زمین کے طول و عرض میں مذاہبِ عالم کی آسمانی کتابوں کے اندر تکوین حیات کی اِس سے بہتر، صحیح تر اور مکمل تر داستان کہیں موجود ہے؟

طبقاتِ زمین کی تعمیر کے یہ پانچوں زمانے جن کا ذکر اوپر ہوا اور جنمیں زمین و آسمان کی پیدائش فی الحقیقت تکمیل کو پہنچی، اور ظہورِ انسان سے لیکر آج تک کا زمانہ حال جسمیں بنی نوعِ انسان کا ارتقا مکمل ہو رہا ہے، مالکِ کون و مکاں کی حکیمانہ لغت میں وہ "سِتَّةِ اَيَّامٍ" (آیہ (۳۲: ۴، صفحہ ۱۲) ہیں جنمیں اُسنے زمین و آسمان کو پیدا کیا؛ 'یوم' کی تشریح کافی طور پر صفحہ ۱۵ میں گذر چکی ہے، اور لفظ ستہ سے ظاہر ہے کہ قرآن حکیم زمین و آسمان کی تدریجی اور ارتقائی تعمیر کا بھی مؤید ہے۔ پس عہدِ عتیق کا دعوےٰ کہ دنیا صرف چھ ہزار برس سے قائم ہے از روئے قرآن محض غلط ہے، اگرچہ ستہ ایام کا ذکر اُس الہامی کتاب میں بھی موجود ہے۔ حکمائے معتبر نے زمین کی مدتِ تعمیر کو چھ زمانوں میں اس بنا پر تقسیم کیا ہے کہ اُنکی مخلوق کے مابین ایک صریح تباین اور قطعی بہ الامتیاز پیدا ہے جسکے باعث طبقے اور زمانے ایک دوسرے سے طبعاً اور خلقاً الگ نظر آتے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ یہی وجہ افتراق اُس ربِ کائنات کے مخصوص نظریہ ستہ ایام کے الفاظ میں مضمر ہو مگر یہ بحث کسی آئندہ موقع پر بتفصیل کیجائے گی۔

قصیر الجسم ہاتھی جسکا ذکر اصل کتاب (صفحہ ۲۰) میں ہوا، دراصل افریقہ کا باشندہ تھا جو کشمکش حیات کے باعث در بدر پھر کر چند صدیاں گذریں نابود ہوگیا۔ اُسکی ہڈیاں آج جزیرۂ مالٹا میں ملتی ہیں۔ ایک نوع کی اونچائی گھٹتے گھٹتے ڈیڑھ گز اور دوسری کی صرف ایک گز رہ گئی تھی۔ نئی دنیا کا ہندوئے احمر جو آجکل بڑے زور سے ناقابلِ یقین سرعت سے ناپید ہو رہا ہے، سولھویں صدی کے احتلالِ امریکہ کے بعد یورپی اقوام کی جارحانہ دستبرد اور ستم ایجادیوں کا شکار ہوا۔ فرانسیسی مستعمرین نے اِس بیخ کنی میں سب سے زیادہ شرمناک حصہ لیا۔ ایک موقع پر مہلک متعدی بیماریوں کے جراثیم سے آلودہ کمبل، رواداری اور غریب پروری کے بہانے سے اُنمیں تقسیم کردیئے جس سے اردگرد کی آبادی سال بھر میں آدھی رہ گئی، لیکن تمدن کے مجادلہ بقا میں آج وہ اور دوسری غیر صالح قومیں جس تیزی سے محو ہو رہی ہیں اِس داستان سے کہیں زیادہ دردناک ہے!

---

[*] اگر نہیں تو آج مِنْكُمْ کا خطاب بیمعنی ہے اور تمام آیت سے کوئی مستقل نتیجہ اخذ نہیں ہوتا۔ [**] مطالب کے لیے دیکھو صفحہ ، لیکن مِنْكُمْ کے الفاظ نہایت قابلِ غور ہیں۔

Marfat.com

یا عرب میں استخلاف اِن خاص معنوں میں نہ تھا، اور نہ عرب کے متخاصم قبائل ایمان اور اعمال صالحہ کا دعوٰے کرسکتے تھے۔

درحقیقت اِس آیۂ کریمہ میں، شارع فطرت نے مسلمانانِ عالم کے سامنے وہ عظیم الشان دستور العمل پیش کردیا ہے جو ہر کیفیت میں، اور ہر موقع پر اُن کی انفرادی اور اجتماعی، اعتقادی اور علمی، روحانی اور مادی زندگی میں کامل طور پر کارآمد ہوسکے۔ اِسی نصاب عمل میں افراد کے اخلاق کی صلاحیت، اعمال کی درستی، اعتقادات کی سلامتی، ہمت کے قیام، قوت کے توازن، دینی بہبودی، اور دنیاوی مرفّہ الحالی کا سامان موجود ہے، اور اِسی ضابطے کے اندر اقوام کے سیاسی غلبے، اقتصادی ترقی، اجتماعی اقتدار، علمی ارتقا، اور تسلّط فی الارض کے جراثیم مخفی ہیں[†]۔ "استخلاف فی الارض" جسکا وعدہ خدائے پاک نے بلا قیدِ وقت مسلمانوں سے کیا، محض ایک کمزور اور مرنجان مرنج ملکی تسلط ہی کا دوسرا نام نہیں جو مسلمانوں کو کچھ دیر ہوئی سرزمین عرب پر حاصل تھا، اور اب بھی زمین کے دو ایک ٹکڑوں پر حاصل ہے، بلکہ وہ تمام روئے زمین یا اُسکے بڑے سے بڑے حصّے پر کامل سیاسی اقتدار، اور مکمل اجتماعی اور اقتصادی غلبے کا نام ہے۔ وہ قومی آزادی، علمی بیداری، علمی اور ادبی اِحیا، جمعی عصبیّت، اور اخلاقی عُلوِّ مرتبت کا وہ انتہائی معراج ہے جو صحیح معنوں میں مسلمانانِ عالم کو کئی سو سال تک قرونِ اولیٰ و متوسطہ میں حاصل رہا، اور معانی کی خاص حدود کے اندر یورپ کی بعض اقوام کو اِس وقت حاصل ہے۔ وہ مغرب کی سیاسی اصطلاح میں امن کے زمانے میں اپنی بہتری کی خاطر ہر ملّی اور بین الملّی وسیلے کا اختیار، اور ایامِ جنگ میں اپنے بچاؤ کے لیئے ہر جائز اور مناسب حربے کا استعمال ہے۔ حرمین شریفین کی حفاظت، جزیرۃ العرب کی کامل سیاسی آزادی، اور رسمی خلافت کا قیام و استحکام اُسکے کُل کا صِرف ایک جزو لاینفک ہے۔ وہ آیۂ استخلاف کے الفاظ میں شارع فطرت کی اپنی بنائی ہوئی شریعت، اپنے پسند کیئے ہوئے نظامِ عمل، اور اپنے اختیار

[†] اِن ہتم بالشان دعاوی کا ثبوت آگے چل کر اِس کتاب میں جا بجا ملے گا۔

Marfat.com

کیے ہوئے مسلک و مذہب کا زمین پر حقیقی تمکن، اور معنوی تسلط ہے: وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا (۲۴: ۵۵)؛ وہ مسلمانوں کے دینی اور دنیاوی عروج، قومی اور انفرادی تفوق اور علمی اور ذہنی تقدم کی وہ خوشگوار منزل ہے جہاں ایمان اور عمل صالح کی قوت افزا وساطت سے ہر شکست کا فتح میں، ہر فنا کا بقا میں، اور ہر خوف کا امن میں تبدیل ہو جانا یقینی ہے۔

جس طرح ہر متنفس میں بقائے نسل اور تحفظ ارث کی خواہش ایک طبعی امر ہے اسی طرح ابتدائے آفرینش سے آج تک، ہر زندہ قوم کا منتہائے نظر قیام سلطنت اور حفظ نسل رہا ہے۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کو لفظ استخلاف سے تعبیر کیا ہے، اور ظاہر کر دیا ہے کہ اسلام سے پہلے بھی اقوام عالم میں یہ فطری جذبہ موجود تھا۔ شارع دین نے بعینہ اسی قطع کے تخلف کا وعدہ، سابقہ اقوام کی مانند مسلمانوں سے بھی کیا، اور اسی قرینے سے اس نے جا بجا 'وراثت زمین' کے نام سے موسوم کیا ہے:-

قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا ۖ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ۝† (۷: ۱۲۸)

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ان مشکلات کی حالت میں اللہ سے مدد مانگو اور مستقل مزاج بنے رہو۔ زمین تو سب اللہ ہی کی ہے، وہی اپنے بندوں میں سے جسکو مناسب سمجھتا ہے وارث بنا دیتا ہے اور بالآخر جیت تو انہی کی ہے جو مقام خدا سے ڈرتے رہتے ہیں۔

ك اور وہ خدائے عظیم اس دین کو جو اس نے مسلمانوں کے لیے پسند فرمایا ہے متمکن کر کے رہے گا، اور اس حالت خوف کو بھی جو آج دشمن سے لاحق ہے، امن سے بدل دے گا۔

† گویا اس آیۂ کریمہ کے رو سے 'وارث زمین' وہی قوم بنتی ہے جس کے افراد میں صبر اور استقلال بدرجۂ اتم موجود ہو۔ اس بنا پر آیۂ استخلاف کو پیش نظر رکھکر 'عملوا الصّٰلحٰت' کی ایک شق 'صبر' ہے۔ 'استعانت باللہ' سے مراد، درگاہ خدا میں عاجزی کرنیکے علاوہ احکام خدا سے استعانت بھی ہے لیکن خود 'صبر' کے معانی بھی آج مسخ ہو چکے ہیں 'یشاء' کے محولہ بالا معانی کا ثبوت دیر میں آئے گا۔ 'عاقبۃ' کے معنی یہاں پر قیامت کی آخرت کے نہیں اور نہ اس سے معانی مربوط ہو سکتے ہیں۔ بلکہ اس کا صحیح مفہوم کسی قوم کی سعی و عمل کا اس دنیا میں منتج بخیر یا بشر ہونا ہے۔ انہی معنوں میں 'عاقبۃ' کا لفظ آیۂ 'أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ' (۴۰: ۸۲) میں، یا 'أَفَلَمْ' کی بجائے 'أَوَلَمْ' کے ساتھ (۴۰: ۲۱)، (۳۵: ۴۴)، (۳۰: ۹) میں استعمال ہوا ہے جسکے معنے یہ ہیں: "تو کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ اپنی آنکھ سے دیکھ لیں کہ ان لوگوں کا کیا برا انجام ہوا جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں"۔ 'متقین' کی تشریح میں ابھی دیر ہے، لیکن ترجمے میں مطالب کی تصریح کر دی ہے۔

Marfat.com

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي
بَارَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۵ بِمَا صَبَرُوا † (۷ : ۱۳۷)

اور اس مبارک اور زرخیز سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بالآخر ہم نے اُنہی لوگوں کو کیا جو کمزور گنے جاتے تھے۔ اور خدا کا وعدۂ نیک تو بنی اسرائیل کے حق میں ٹھیک پورا ہوا کیونکہ اُنہوں نے عزم و استقلال سے دشمن کی سختیوں کی برداشت کی تھی۔

اسی ضمن میں ایک اور جگہ بعینہٖ آیۂ استخلاف کا مضمون ہے :-

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ○
إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عَابِدِينَ ‡ ○ (۲۱ : ۱۰۵-۱۰۶)

---

† اس آیۂ کریمہ میں صبر کا انجام اور بھی واضح طور پر وراثت زمین ہے۔ گویا صبر کے معنی استقلال اور استقامت سے سب مشکلات کا مقابلہ کرتے رہنا ہے، ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنا، اور اپنی بربادی کا تماشہ دیکھنا نہیں۔ یہ آیۂ عظمیٰ مسئلہ ارتقا کی تشریح کے ضمن یعنی صفحہ ۱۹ کے تحت المتن میں آچکی ہے۔ مزید تشریح کے لیے وہاں دیکھنا چاہیے۔

‡ ان آیاتِ الٰہی میں 'وارثین زمین' کی مکمل تشریح 'عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ' کے الفاظ میں کر دی گئی ہے 'صلاح' کی تعریف از روئے قرآن مجید جامع و مانع ہے۔ علیٰ ہذا القیاس لفظ 'عبادت' کی۔ مگر یہ امر نہایت غور طلب ہے کہ مسئلہ ارتقا کے 'بقائے اصلح' کا مفہوم اس آیۂ کریمہ (۲۱ : ۱۰۵) کے دعوے کے کسقدر عین مطابق ہے۔ 'عبادت' کا لفظ عبد سے مشتق ہے جسکے معنی غلام کے ہیں۔ اور وہی قوم درحقیقت عابد ہے جو خدا کی عملاً غلام ہے جو اُسکے قانون اور احکام پر عمل کر رہی ہے۔ ورنہ کوئی رسمی نماز گذار اور باقی احکام سے غافل قوم عابد کہلانے کی مستحق نہیں ہو سکتی کیونکہ ملازمت کی شرطِ اوّل آقا کے احکام کی تعمیل ہے۔ لیکن 'عبادت' کے متعلق مکمل بحث اصل کتاب میں آگے چل کر جا بجا آئے گی۔

'صلاح' کی ایک اہم شق ہم نے 'صبر' بتلائی۔ لیکن اگر 'صلح' کے معانی کی ایک جھلک کتاب کے اس ابتدائی حصے میں دیکھنی ہو تو اس آیۂ کریمہ پر غور کرنا ضروری ہے جس میں شارعِ کائنات نے نوزائیدہ بچے کو 'صالح' کہا ہے :

فَلَمَّا أَثْقَلَتْ دَعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ○ فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ
فِيمَا آتَاهُمَا ۚ فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ○ (۷ : ۱۸۹-۱۹۰)

پھر جب خاوند کے نطفہ سے بیوی کا حمل ٹھہر گیا اور وہ رفتہ رفتہ بوجھل ہوتی گئی تو مرد اور عورت دونوں مل کر دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! اگر تو ہمکو یہ بچہ صحیح الاعضا (صالح) متناسب البدن (صالح) جیتا جاگتا (صالح) خوبصورت (صالح) دیگا تو ہم تیرے بڑے ہی شکرگذار ہونگے۔ پھر جب ان دونوں کو وہ خدائے عظیم صحیح اور سالم، توانا اور تندرست (صالح) بچہ عطا فرماتا ہے تو اس منعمِ حقیقی کے ساتھ اُسی انعام دی ہوئی چیز کو شریک کرنے لگتے ہیں، اس بچے کی محبت میں اسقدر منہمک ہو جاتے ہیں کہ خدا کے برابر اُسکو کر دیتے ہیں، اُسی کو اپنا بُت بنا لیتے ہیں۔ تو لوگو! خدائے عظیم اُس شئے سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے جو یہ لوگ اُس سے شریک کرتے ہیں۔ (پچھلے حصے کا ثبوت بعد میں آئے گا)

ان آیات سے واضح ہے کہ بچے کا صالح ہونا اسکا فی الحقیقت بے نقص اور تندرست، صحیح الاعضا اور سالم الجسم ہونا ہی ہے۔ یہی دعا ماں باپ حمل ٹھیر نے کے بعد لگا رہتا ہے۔ ورنہ ماں کے پیٹ سے بچے کا نیک پیدا ہونا بے معنی ہے اور نہ یہاں جوان بنکر نیک ہونے کا ذکر ہے۔ اس نقطۂ نظر سے صالح قوم وہی ہے جسکا ہر عضو درست ہو، متناسب ہو، بڑھا گھٹا نہ ہو، اُسکے ہر حصے میں یکساں بیداری ہو، حیات کا جوہر لطیف اسکی ہر رگ و پے میں دوڑ رہا ہو وغیرہ وغیرہ۔ جبتک مسلمانانِ عالم ان معنوں میں صالح رہے وراثتِ زمین اُنکے پاس رہی۔ جب صلاح کے معنی محدود ہو گئے تو اس آیت (۲۱ : ۱۰۵) کی نارَوا تاویلیں بھی ہونے لگیں مگر کلامِ خدا کے صحیح مفہوم میں ردّ و بدل قطعاً محال ہے۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ (۶ : ۱۱۶) اسکی شہادت ہے۔

اور ہم زبور میں تمام احکام کی شرح و ذکر کے بعد یہ بات لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث تو ہمارے صالح العمل بندے ہی ہیں۔ بلاشبہ اسمیں اطاعت گذار قوم کے لیئے ایک بڑا پیغام ہے۔

اور سورۂ زمر کے آخیر میں :-

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ۝ (۳۹ : ۷۴)

اور وہ لوگ کہیں گے کہ شکر ہے اُس خدا کا جسنے اپنا یہ وعدہ بھی سچ کر دکھایا، اور اس سے پیشتر زمین کا وارث بھی ہمیں کو بنایا؛ اب ہم بہشت میں جہاں بھی چاہیں رہیں گے ؛ تو دیکھو کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے!

اب یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ آیۂ استخلاف میں فاطر ارض و سما نے خاص مسلمانانِ عالم کے ساتھ ایک ایسے کامل سیاسی غلبے کا حتمی وعدہ کیا ہے جو محض سرزمین عرب پر قبضے کے متعلق، یا اس کمزور اور برائے نام خلافت کے قیام پر مشتمل نہیں جسکو یورپ کی خون آشام طاقتیں آج ایک لمحے کے لیئے چین نہیں لینے دیتیں، بلکہ اُسکا نصب العین دنیا کے عظیم تر حصے پر حقیقی اور قرار واقعی سیاسی اور اجتماعی حکومت ہے۔ اِس نعمت عظمیٰ کے حصول کے بغیر نہ تو خدائے پاک کا دین کسی معنوں میں اکنافِ عالم میں متمکن ہو سکتا ہے، اور نہ وہ خوف جو آج ہر سمت سے مسلمانانِ عالم پر طاری ہے کسی طرح امن سے بدل سکتا ہے۔

✤ یہاں پر لوگوں نے 'الارض' کے معنے ارض جنت لے لیئے ہیں۔ مگر اس دل خوش کن تاویل کی کوئی سند نہیں۔ اَوْرَثَنَا کا ماضی کا صیغہ اور نَتَبَوَّاُ کا حال کا صیغہ اِس کا شاہد ہے کہ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ کا واقعہ پیشتر کا واقعہ ہے۔ اور جب الْجَنَّةِ کا ذکر آگے صاف ہے تو خدا کے کلام میں ایک آیت کے اندر بے نتیجہ تکرار پیدا کرنا محض لغو ہے۔

دوسری بات جو غور طلب ہے یہ ہے کہ اِس آیۂ کریمہ میں بھی 'فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ' کہہ کر سعی و عمل پر کسقدر زور دیا گیا ہے۔ گویا عمل وہ چیز ہے جسکا نتیجہ وراثت زمین ہے۔ اور وراثت زمین کا نتیجہ ہی الْجَنَّة آخرت میں ہے !!

ایک اور اہم بات جو قابل لحاظ ہے یہ ہے کہ اِن سب آیات (یعنی (۷ : ۱۲۸)، (۷ : ۱۳۷)، (۲۱ : ۱۰۵) اور (۳۹ : ۷۴) میں بھی 'الارض' کا لفظ مطلق معنوں میں استعمال ہوا ہے کسی خاص حصۂ زمین کی تخصیص اِن میں نہیں جیسا کہ بعض شارحین نے آیۂ استخلاف میں فرض کر لیا ہے۔

Marfat.com

یہ آیت اُسوقت نازل ہوئی تھی جب دینِ الٰہی کے سچے علمبرداروں، اور بے ریا عاملوں کی ایک چھوٹی سی جماعت، کفارِ مکّہ کے سلوک سے تنگ آکر مدینے میں پناہ گزین ہوگئی تھی۔ دشمن کے پے در پے حملوں کے باعث خوف وہراس ہر طرف طاری تھا؛ مجبوری اور بے چارگی کا یہ عالم تھا کہ ایک لمحے کے لیے بھی ہتیار بدن سے جدا نہیں ہوسکتے تھے؛ مردوں اور تیموں کی نیم شبی آہیں، اور عورتوں اور بوڑھوں کی صبحگاہی دعائیں آسمانوں کو ٹکرا رہی تھیں۔ مایوسی اور اضطراب کی ان گھڑیوں میں، خدائے پاک کی غیرت نے جوش زن ہوکر مسلمانوں کو بشارت دی کہ اگر تمہارے ایمان میں یہ استواری، اور اعمال میں یہ صلاحیت ہے تو یقین جانو کہ دُنیا کی کوئی طاقت تم کو مقہور ومغلوب نہیں کرسکتی؛ تم خدائے واحد کے پرستاروں کی ایک عاجز اور حقیر جماعت ہو، مگر یاد رکھو کہ قادرِ مطلق کی جناب میں تمہارے کاموں کی حقیقی وقعت، اور تمہارے ایمان کی سچی قدر ہے؛ تمہارے سینوں میں صداقت کے موجزن دریا، اور حقانیت کے اُمڈتے ہوئے طوفان ہیں؛ تمہارے دلوں میں خدا کی محبت کا سچا ولولہ، اور رسول کی اطاعت کا سچا ولولہ ہے؛ تم بے خان ومان ہو، مگر تمہاری نظروں میں آخرت کی لازوال متاع، اور عقبیٰ کی راحت افزا منزل ہے؛ تم بے سروسامان ہو، مگر تمہاری اَنتھک کوششیں اور اتحادِ عمل ہی خدا کی دائمی نصرت کا سامان ہیں؛ تم قلیل التعداد ہو، مگر جہاں جاتے ہو استقلال کے فرشتے تمہارے ہم رکاب، اور حوصلوں کے غیبی لشکر تمہاری تائید پر ہوجاتے ہیں: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝ (۹:۳۳)؛ تم ایک ہو، مگر قوتِ ایمان اور صلاحِ عمل کی برکت سے

---

۵۱ اے ایمان والو! خدا کے اس احسان کو یاد کرو جو اسنے تم پر کیا تھا جب کہ تم پر لشکر کے لشکر آچڑھے تھے۔ تب ہم نے اُن پر آندھی بھیجی اور ایسے علاوہ اور لشکر بھی جو تم کو دکھائی نہ دیتے تھے۔ یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ اللہ تمہارے مردانہ وار اعمال کو بغور دیکھ رہا تھا اور تمہاری تائید ونصرت پر بہمہ وجوہ تلا ہوا تھا۔

---

† ۵ھ ہجری میں غزوۂ خندق کے موقع پر اس جلیل القدر آیت کا نزول ہوا۔ آیت کے آخری حصے "وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا" سے ضمناً یہ ظاہر ہے کہ صدرِ اسلام کے مومنوں کا سعی وعمل ہی نصرتِ خدا کا باعث ہوا تھا نیز یہ کہ شارعِ کائنات کی توجہ سعی وعمل کی طرف کس قدر ہے اور اسکا انعام کیا ہے۔

Marfat.com

وٹس بنجاتے ہو، تمہارا عزم صمیم اور سچا ایثار ہی تمہارے لیئے پیغام بقا ہے۔ دشمن کے ہجوم نے ایک لمحے کے لیئے تم کو مرعوب اور بے بس کر دیا ہے، مگر میرا تم سے وعدہ ہے کہ اگر تم میں یہی خوبیاں رہیں تو تم نہ صرف خانہ کعبہ کے قطعی محافظ، اور سرزمین عرب کے حقیقی وارث بنو گے بلکہ کسریٰ کی دیرینہ عظمت کے اصلی حقدار، اسکندر کی عالم آرا سلطنت کے مسلّم جانشین، بکرماجیت کی بھارت کے سچے سپوت، اور قیصر کے دنیاوی جاہ و اُبہت کے بہترین خلف ٹھیرو گے!

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ† اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ‡ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ۝ (۱۴: ۱۳-۱۴)

اور منکرین خدا نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ ہم تم کو اپنی زمین سے نکال باہر کرینگے یا ہار کر تم پھر ہمارے مذہب میں آملو گے۔ اِس پر خدا نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ تم بدستور اپنی سعی میں لگے رہو ہم یقیناً ان ظالموں کو ہلاک کر دینگے اور ان کے پیچھے تم ہی کو اس سرزمین میں بسائیں گے۔ یہ صلہ اس قوم کا ہے جو میرے مقام و منصب سے ڈر کر میرے احکام کی اطاعت کرتی رہی، اور جس نے میرے عذاب سے بچنے کی کوشش کی۔

اِس بحث و تمحیص کے بعد یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ آیہ استخلاف مسلمانوں کے ساتھ وراثت زمین کے متعلق ایک مشروط وعدہ ہے، اجتباری اور بلا قید شرط نہیں۔ جب تک مسلمانان عالم ایمان اور اعمال صالحہ کے صحیح مفہوم پر کم و بیش قائم رہے زمین کے ایک عظیم ترحصے کی وراثت اُن کے قبضے میں رہی، دین اسلام کا تمکن مستقل ہوتا گیا، اور یکے بعد دیگرے ہر مخالف طاقت کا خوف امن سے بدل گیا۔

---

† اس موقع پر اَرْضِنَا سے مراد منکرین خدا کا وطن ہے اور اس لحاظ سے (۱۴ / ۱۴) میں الْاَرْض کے معنے بلا شبہ اسی مخصوص سرزمین کے ہیں۔ مگر آیہ استخلاف یا دیگر متذکرہ صدر آیات میں جنہیں الْاَرْض کا لفظ واقع ہے تخصیص اسلیئے نہیں ہو سکتی کہ ان میں کسی خاص وطن کا ذکر نہیں۔

‡ یہاں صاف ظاہر ہے کہ مَنْ کسی فرد واحد کے لیئے نہیں آیا بلکہ تمام قوم کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اجتماعی حرف موصول کی اس قطع کی مثالیں قرآن حکیم میں آگے چل کر جا بجا ملیں گی۔ ایک مثال مسئلہ ارتقا کے تحت المتن صفحہ ۱۳ آیہ (۳۵/۷) میں گذر چکی ہے: فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

قرآن کی اعجاز نما تعلیم نے ایک اقل قلیل مدت میں عرب کے رہزنوں اور مردم کُش وحشیوں کو روحانیت اور ایمان کے حلقۂ اثر میں لاکر، اُنکی کایا پلٹ دی۔ ریگستان کے ان بے مُہار حُدی خوانوں کو، جن کی زندگیاں سالہا سال سے ریت کے چٹیل اور خشک میدانوں میں تشنۂ اِمل اور آوارۂ مراد کٹتی تھیں، خدا کی جبل متین میں جکڑکر کامران صلاح اور سُبک گام عمل کردیا۔ بداعمالی اور فسق کے یہی آزادہ رَو بندے، جن کے ہر فرد کو قتل و غارت پر ناز، اور ہر شخص کو بدکاری کا اِدّعا تھا، چشم زدن میں طاعت کی لذت اور عشق خدا کی خلش سے آشنا ہوکر، عبودیت کے رہ نورد بن گئے۔ اخلاق کی درستی کے ساتھ ساتھ دنیاوی اعمال میں صلاحیت آگئی۔ وہی طاقتِ عمل جو داحس اور بسوس٭ کی خانہ جنگیوں میں قومی تخریب کا باعث ہوا کرتی تھی، قرآن کی حسن تجویز سے اعلائے حق میں صرف ہوئی؛ وہی خوش اعتقادی جو لات و منات، ہُبل و عزیٰ کی جاہلانہ پرستش سے قبائل عرب کو نصیب تھی، خدائے واحد کی سرفرازانہ عبادت سے بدل گئی۔ بالآخر ایمان کے انہی بے محابا فدائیوں، اور عمل صالح کے اِنہی نامصلحت اندیش والہوں نے باطل کو دنیا سے یک قلم محو کرکے، اُسکے ہر گوشے میں صداقت کی گونج اور فدویّت کی ہیبت پیدا کردی! کلام الٰہی نے منتشر قوتوں کو جمع، کمزور جذبات کو مضبوط، اور نفسانیت کو مغلوب کردیا۔ وحشیانہ عادات کو مناسب سطح پر لاکر، اقتصاد اور میانہ روی کی ہدایت کی حسیات ملّیہ کو متحرک اور وسیع الاثر کرکے عالم گیر اسلامی اخوّت کا سبق دیا۔ نیّتوں کی راستی اور ارادوں کی درستی کو اعمال کے عواقب پر مقدّم کرکے ہیجانِ عمل پیدا کردیا۔ جائز مراسم اور مفید روایات کو مفید تر پیرائے میں بدلکر پھر رائج کیا۔ الغرض ارادات اور اعتقادات کی

٭ زمانۂ جاہلیت کی دو مشہور خانہ جنگیاں حرب بسوس اور حرب داحس کے نام سے موسوم ہیں۔ اول الذکر لڑائی بنی بکر اور بنی تغلب کے درمیان ۴۹۴ء میں شروع ہوئی اور چالیس ۴۰ برس تک جاری رہی۔ وجہ یہ ہوئی تھی کہ ایک شخص کا اونٹ کھیت میں چلا گیا۔ کھیت والی نے اونٹ کو مارا بلکہ غصے میں آکر اُس کے تھن کاٹ ڈالے، اس پر فریقین میں لڑائی چھڑ گئی۔ پھر رفتہ رفتہ عرب کے سب قبائل اس لڑائی میں شریک ہوگئے، اور ستر ہزار آدمی اس خانہ جنگی کی بھینٹ چڑھے۔ حرب داحس گھوڑ دوڑ میں کسی شخص کے گھوڑا بدکانے پر ۵۶۸ء میں شروع ہوئی اور ترسٹھ ۶۳ برس تک جاری رہی! اس لڑائی کا خاتمہ اُس وقت ہوا جب بعض قبیلے حلقہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ مگر قبیلوں کے قبیلے اُس وقت تک کٹ مرے تھے!

Marfat.com

کامل صلاحیت کو **ایمان** سے، اور عبادات اور معاملات کی کامل درستی کو **اعمالِ صالحہ** سے تعبیر کر کے شریعت اور سیاست کی بنیاد ایک پتھر پر رکھدی۔ اور چند برسوں کے اندر اندر عرب کے ان سیہ کار اور فاقہ مست گداؤں کو شناسائی خدا کے ساتھ ساتھ بادشاہتِ زمین کی ہر رمز سے آگاہ کر کے عالم ستانی کے لائق اور جہانبانی کا اہل بنا دیا!

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِیْرًا (۱۷: ۹)

بیشک یہ قرآن اپنے عاملوں کو اُسطرف لیجاتا ہے جو سب سے زیادہ راست اور قیام آفریں ہے اور اُن صاحب ایمان لوگوں کو جو صالح العمل ہیں بشارت دیتا ہے کہ اُنکے لیے بڑا اجر ہے۔

پس اگر آج تیرہ سو سال کے بعد اسلام کا لہلہاتا ہوا چمن مایوسی اور شکست کی ماتم سرا بن گیا ہے، اگر آج اُسکی ہر روش بربادی کے سپرد، اور اُسکا ہر گوشہ خرابی کا امین بن چکا ہے، اگر اُسکی بدطالعی اور خانہ ویرانی کے افسانے دشمن کے شکر خند اور قہقہے بن رہے ہیں، اگر اسکی بے آبروئی اور فاقہ مستی کا ماجرا شرمندہ بیان اور رُو کش تشہیر نہیں رہا، اگر آج اُسکی ذلت اور مسکنت کی چوٹ جگروں کو فگار اور سینوں کو پاش پاش نہیں کرتی، اگر بے حسی کے موت آفریں زہر نے آج اُسکے ہر فرد کو بے پروائے سعی اور بیگانہ عمل کر دیا ہے، اگر افلاس کی غیرت اور تہی دستی کی آن آج اسکو منت کش چارہ گر ہونے نہیں دیتی، اگر اس کی نعش جاں سپار پر آج ایک سچا ماتمی اور نوحہ گر موجود نہیں، نہیں نہیں، اگر اسکے عزاداروں کی آسماں رس فغاں اسکے بخت خوابیدہ کو جگا نہیں سکتی، اگر اسکے یتیموں کے دلفگار آنسو، اور بھک منگوں کی جاں گداز آہیں فرش زمین میں شگاف اور سقفِ آسمان میں سوراخ نہیں کرتیں، اگر اسکے پسماندوں کی محشر انگیز سینہ کوبیاں اللہ میاں کے عرش کو متزلزل نہیں کرتیں، اگر خدائے پاک کی غیرت اور شان عفو، زمیں پاش سجدوں اور فلک شگاف دعاؤں کے باوجود، جوش زن اور متحرک نہیں ہوتی، اگر آج محبوبِ خدا اور حبیب ملت نبیؐ کی **شفاعت** بھی اُمت کے حق میں کارگر ہوتی نظر نہیں آتی، نہیں العیاذ باللہ نہیں! اگر خود اُمت اپنی مجرمانہ غفلت اور ظالمانہ طریقِ عمل،

Marfat.com

عداوتِ رسولؐ اور عصیانِ خدا کے باعث رحمؔ کی قطعی غیر مستحق، اور شفاعت کی یقیناً نااہل ہوگئی ہے۔ اور آسمانی اور زمینی بلائیں آج ہر طرف سے اُسکے اُجڑے ہوئے جھونپڑوں کو ڈھونڈ ڈھونڈکر ویران کر رہی ہیں تو اسکی وجہ یہی ہے کہ مسلمان قرآن کے مقاصد سے قطعًا ناآشنا ہوگئے ہیں اور **ایمان** اور **اعمالِ صالحہ** کے اصلی مفہوم سے کوسوں دور جا پڑے ہیں!

وَقَالَ الرَّسُولُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی† اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ○ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ○ (۲۵: ۳۰-۳۲)

اسوقت رسولؐ پاک اللہ کی جناب میں بصد حسرت عرض کرینگے کہ آہ! اے میرے پروردگار میری اُمّت نے تیرے اس بھیجے ہوئے قرآن کو لغو سمجھکر چھوڑ دیا! اور بعینہٖ اسطرح ہم نے ہر نبی کی مخالفت میں احکامِ خدا سے مجرمانہ تغافل کرنے والوں کی ایک جماعت بنا رکھی ہے، مگر اس مایوس کن حالت میں بھی تمہیں راہ سجھانے اور مدد کرنے کو تمہارا پروردگار بس ہے۔ اور آج منکرینِ خدا جو اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن سارے کا سارا ایکدم سے رسول پر کیوں نہیں نازل کیا گیا اور جستہ جستہ کیوں اُترا، فی الحقیقت مناسب یہی تھا کیونکہ ہم اُنکو مطمئن کرنے کی بجائے سب سے پہلے اسکی صداقت اور عظمت کو تمہارے دلنشین کرنا اور تمہارے قلبِ سلیم کو مطمئن کرنا چاہتے تھے۔ اور اسی غایت کو پیشِ نظر رکھکر ہم نے اسکو ٹھیر ٹھیر کر اُتارا کہ اسکی ایک ایک آیت کی اہمیت کو تمہارے دل پر کالنقش فی الحجر کردیں۔

---

† 'قوم' کا لفظ قرآن کریم میں مختلف جگہ پر خاص اُس اُمّت کے لیئے آیا ہے جس کی ہدایت کے لئے کوئی رسول بھیجا گیا ہو۔ مثلاً آیات (۶: ۶۶)، (۱۱: ۳۶)، (۴۳: ۴۴)، (۴۳: ۵۷) میں، اور بالخصوص آیۂ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ (۱۴: ۴) میں، "اور ہم نے کوئی رسول اپنے ہاں سے نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہ ہمارا پیغام اُسی زبان میں لے جاتا ہے جو اُسکی قوم کی ہے تاکہ اُنپر ہمارے منشا کو غیر مشکوک طور پر واضح کردے"۔ جس سے ظاہر ہے کہ متذکرہ صدر آیت (۲۵: ۳۰) میں قرآن کو لغو سمجھکر متروک کردینے کا اشارہ بالخصوص قوم عرب کی طرف ہی۔ اور چونکہ کتاب خدا کے عربی زبان میں ہونے کے باعث، اِس کے مقاصد اور مطالب اہل عرب کو عجم کے بالمقابل، بدرجہا واضح تر ہونے چاہیئے تھے، اسلیئے آج فقدانِ مطالب کی اکثر ذمہ داری اہل عرب کی گردن پر ہے، نہ باقی دنیائے عجم پر۔ آیندہ اوراق میں چلکر بتایا جائے گا کہ اسلاف صالحین سے قطع نظر جن کے سلیم الذہن طبقے قرآن کے عظیم الشان مطالب سے کماحقہٗ واقف تھے، اور جن کے علم و عمل نے ہی فی الحقیقت اسلام کو تمدن کے فلک الافلاک تک پونہچا دیا تھا، اخلاف عرب نے کتاب خدا کو ہُجر و ہذیان بنانے میں کسقدر مستقل حصہ لیا، اسکے مطالب میں کیا کیا آمیزشیں کرکے ایک دنیا کو اِس سے بیزار کردیا۔ آج اِس زمانے میں بھی مسلمانانِ عالم کے اکثر مذہبی اور معاشری، تمدنی اور اجتماعی معاملات میں اہل عرب کا روایتی اقتدار اس انتہائی حد تک نمایاں ہے کہ اسلام کی موجودہ حالت کی اکثر ذمہ داری بھی اہلِ عرب پر ہی عائد ہوتی ہے۔ اسلام کی داستان زوال کے ہر مرحلے میں یہ امر اسقدر روشن ہو کہ تاریخ کے ہر وسیع النظر طالب العلم کا اس تلخ حقیقت سے انکار کرنا قریبًا محال ہوگیا ہے۔

Marfat.com

آج قرآن کی سچی عظمت دلوں سے محو ہوگئی ہے! اُسکے عالم افروز مطالب اور محیر العقول معانی کو دلنشین کردینے والے دس متنفس زندہ نہیں رہے، اُسکے حیرت انگیز ربط اور مکمل لائحہ عمل کو عیاں کرنے والا ایک فرد باقی نہیں رہا! اُسکی بُرہان ساطع اور حکمت لامعہ، رسمی ادب اور سطحی تعظیم کے گرد آلود جُزدانوں اور ریشمین غلافوں کے اندر سر بلند طاقوں میں چھپی ہے، اسکی حجت قاطعہ، زبان کی عام نافہمی، تراجم کی حسرت آفرین کمی، اور مطالب کی نفرت انگیز تشریحوں کے باعث ہجر و ہذیان بنکر دردناک کس مپرسی کی حالت میں پڑی ہے۔ طہارت کے سقیم عذروں، رموز اوقاف اور اسالیب قرأت کے فوق الضرورۃ خوف آلود فتواؤں نے اِس عظیم الشان کتاب کو اور بھی متروک و مہجور کردیا ہے۔ اِسکے کُھلے کُھلے احکام کے مطالب، اور سیدھی سادی آیتوں کے معانی بھی لغت، صرف و نحو، علم الانشا، علم المعانی، علم البیان، علم البدیع، علم رسم الخط وغیرہ وغیرہ، کے اُن لامتناہی نکات اور مصنوعی رعایات کی شرح و بسط کے نیچے دب گئے ہیں جو عرب زباں دانوں نے محض اپنی زبان کو جِلا دینے کی خاطر ترتیب دیئے تھے۔ قرآن کا صحیح مطالعہ عرب تو درکنار، دنیائے عجم کے نزدیک بھی آج زیادہ تر انہی غیر متعلق علوم و فنون کا شبانہ روز درس والتزام ہے جو اہل عرب نے خود قرآن ہی کو معیارِ فصاحت و بلاغت مان کر اُسی کے تتبع میں قرنوں† بعد اختراع کیئے تھے۔ مسلمانوں کا درد انگیز قحط عقل، اور اُن کی مضحکہ خیز کم فہمی آج عرب کی کورانہ تقلید میں مغز کو چھوڑ کر پوست کی محبت میں گرفتار ہے، اور قرآن کی نہایت ادنیٰ، وہمی، اور سطحی فضیلت کو اہل غرض کی

---

† علم نحو کی ابتدا خلیل بن احمد (المتوفی ۱۷۰ھ/۷۸۶ء) سے ہوئی، اگرچہ ابوالاسود الدؤلی (المتوفی ۶۹ھ/۶۸۸ء) نے اس موضوع پر چند ابتدائی قواعد لکھیں۔ سیبویہ (المتوفی ۱۸۰ھ/۷۹۶ء)، اور کسائی (المتوفی ۱۸۹ھ/۸۰۵ء) نے بعدازاں اِس فن کو مستقل کیا۔ علم صرف عام طور پر کسائی سے منسوب ہے مگر اسکا اصلی موجد ابوعثمان بکر بن محمد مازنی بصری (المتوفی ۲۴۹ھ/۸۶۳ء) ہے۔ علم لغت کی ابتدا ابوعبیدہ (المتوفی ۲۱۰ھ/۸۲۵ء) نے کی۔ علم انشا کا ظہور ابوجعفر منصور عباسی (المتوفی ۱۵۸ھ/۷۷۵ء) کے عہد میں ہوا۔ علم المعانی والبیان پر پہلی کتاب غالباً عبدالقادر جرجانی (المتوفی ۴۷۱ھ/۱۰۷۸ء) نے خلیفۃ المقتدی باللہ کے عہد میں لکھی۔ علم بدیع کا موجد ابن المعتز (المتوفی ۲۹۶ھ/۹۰۸ء) ہے جو خلیفۃ المعتز کا بیٹا اور المعتمد باللہ کا بھائی تھا۔ درس و تدریس قرآن کے متعلق باقی فنون کی ابتدا بھی نزول قرآن کے قرنوں بعد ہوئی۔ کتاب الٰہی کا مطالعہ صدر اسلام میں اِن تمام تکلفات سے بے نیاز ہوکر ہوتا رہا۔ لیکن کیا اِن فنون کی عدم موجودگی میں آج کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کرتا ہے کہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے عہد کے مسلمان قرآن کے مطالب سے بعد کے مسلمانوں کے بالمقابل کم آشنا تھے، یا اُس کی نبوتی تعلیم اور معنوی خوبیوں سے کم واقف تھے؟

Marfat.com

اپنی بنائی ہوئی دلیل، اور اپنی پیدا کی ہوئی سند سے ثابت کرنے کی لاطائل سعی کر رہی ہے!

تو سرا دیدۂ برشعلہ می تازی زخاکستر
بہ بینی حسن خاکستر چو در روشنگراں بینی

آہ! اِس المناک تکلف اور مجرمانہ ظاہر پرستی کا خمیازہ مسلمانوں کو آج اُٹھانا پڑا ہے جبکہ صدیوں کے اِس بے سود اجتہاد، اور تضیع وقت نے اُنھیں اپنی محبوب کتاب کے مہتم بالشان مقاصد سے اسقدر علیحدہ اور دائمی بہبودی کے حیرت انگیز دستور العمل سے اِسقدر دور کر دیا ہے۔ کاش! جس تصنّع اور ظاہر نوازی سے خلیل ابن احمد، ابو الاسود الدؤلی، سیبویہ، کسائی، قطرب اصمعی وغیرہم نے قرآن کو ادب و بلاغت کی صحیح محک مان کر اُسے کئی ایک مستقل علوم ادبیہ کا ماخذ و مصدر قرار دیا تھا اگر رازی، ابن رشد، فارابی، ابن حزم، اشعری وغیرہم علیہم الرحمۃ بھی کتاب الٰہی کے دروں کو قانونِ فطرت کا صحیح ضابطہ، اور مشیت خدا کی صحیح تصویر مان کر اُسی طریقے پر مستقل اور ناقابلِ ردّ علوم الکلام اور علوم الطبیعۃ کی بنیاد ڈالتے، اور قرآن کا تمام ضابطہ عمل عیاں کر دیتے، تو آج اسلام اِس اندوہناک مصیبت میں مبتلا نہ ہوتا۔ برخلاف اِسکے علم کلام میں مسلمانوں کی تمامتر سعی نہایت نازک اور خارج از بحث، مابعد الطبیعی اور غیر مفید موضوعوں کے غلط استنباط اور غلط اجتہاد میں صرف ہوئی۔ معارفِ الٰہی، اوصافِ نبوت، ماہیتِ وحی، حقیقتِ روح، بحث امامت، جبر و قدر، احوالِ قیامت، عذاب قبر، خلق قرآن، وغیرہ وغیرہ، ایسے مسئلے تھے جن سے کسی غائر نظر کے بعد بھی کوئی یقینی فائدہ یا قطعی نتیجہ مترتب نہیں ہو سکتا تھا۔ یونان کے ضعیف اور لفاظ، غیر مستند اور خیال آرا فلسفے نے اِن مباحث کو چھیڑ کر مسلمانوں کے اعتقادات میں دردناک تصادم پیدا کر دیا۔ اہلِ سنت اور شیعہ، خوارج، معتزلہ، قرامطہ وغیرہا کے علاوہ جبریہ، قدریہ، مشبّہ، مرجیہ، باطنی، ناصبی، غالیہ، وغیرہ وغیرہ بیسیوں فرقے اسلام میں پیدا ہو گئے! اجماع امت شک میں تبدیل ہو گیا، قرآن کے مطالب کی تنظیم و تنسیق قطعاً ترک کی گئی، استدلال کا تمامتر رجحان معتقدات اور ظنیات کی طرف ہو گیا، معاملات اور یقینیات کیطرف توجہ نہ رہی

Marfat.com

ان نامراد قضیّوں میں پڑکر مسلمان قرآن کی حقیقت سے اور بھی دور ہو گئے۔ جمہور علمائے دین کی عقائد نیں بالغ نظری اور معاملات کی طرف کم نگہی آج ایک بہت بڑی حد تک اسی مفسدانہ اور شرانگیز فلسفیانہ اجتہاد کا بقیہ ہے۔

وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝† فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ فَذَرْهُمْ فِىْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ (۲۳ ۔ ۵۲ ۔ ۵۴)

اور مسلمانو! یاد رکھنا کہ یہ تمہاری امت اپنے اصل اساس کے اعتبار سے ایک ہی گروہ ہے جو میری سرکردگی اور سرداری میں قائم ہے۔ اور وہ اصل یہ ہے کہ مجھ ہی سے ڈرتے رہو اور مشترک خوف کے باعث ایک امت بنے رہو۔ آہ! لیکن خدا کا خوف ان سے زائل ہو گیا، اور لوگوں نے آپس میں پھوٹ پیدا کر کے اپنا اپنا مسلک جدا کر لیا۔ اب ہر فرقہ اپنی اپنی بات پر خوش ہے۔ پس ان سب کو غفلت میں پڑا رہنے دو۔ یہاں تک کہ امر الٰہی انکے اس گناہ عظیم کی پاداش میں سب کا فیصلہ کر دے!

علم کی صداقت آزما فضا، اور عمل نے فیصلہ کن میدان میں آج اس **یونانی فلسفے** کی دھجیاں اڑا چکی ہیں۔ سطحی خوب صورتی، لفظی نزاع، غلط مقدمات، ظنی استدلال، عقم نتائج، وغیرہ وغیرہ، کوئی ایسا مذہبی نہیں جسکے روسے اسکی اصلیت، حسب نسب، اور نامۂ اعمال کی قلعی نہ کھل گئی ہو۔ خود مسیحی یورپ بھی آج اپنے کمال قوت اور عدیم المثال تمکن کے غرور میں کبھی کبھی اس پرانی، باتونی، اور بے وفا معشوقہ کی داستان دل لگی اور افسوس کے طور پر بیٹھتا ہے جسکی دلفریب باتوں کی بلائے محبت میں وہ مسلمانوں کی شہ پر دو سو برس تک گرفتار وصال اور منتظر نتائج رہا۔ مگر مسلمان ہیں کہ ایک ہزار سال سے زیادہ اس راندۂ عالم اور مضعف یقین، اس تہیدست اور قلاش محض عجوزہ کے تبسم نما لبوں اور عشوہ سنج نگاہوں کے

---

† حاکم وقت کا خوف بشرطیکہ سچا خوف ہو رعیت کے افراد کے مابین سچا اتحاد پیدا کر دیتا ہے۔ اگر کوئی جماعت کسی ایک شخص کے ماتحت رہ کر متحد نہیں ہوتی تو اسکو لامحالہ اس حاکم کا کچھ خوف نہیں۔ خوف کے ہوتے ہوئے تفرقہ ناممکن ہے۔ اور یہ بات ہر منتظم محکمے اور ادارت میں روزمرہ نظر آتی ہے۔ پس تقوے اور اتقا کی ایک اہم قرآنی شق اتحاد اور وحدت امت ہے۔ اور وہی قوم دراصل متقی ہے جو خوف خدا کے باعث متحد بنکر رہے! اس عالم آرا اصول کی تائید آگے چلکر جابجا ملے گی۔ یہاں پر اس سے بحث نہیں۔

Marfat.com

گھائل ہیں اور اپنی دینی اور دنیاوی کشائش کی راہ ابتک اِس ناپاک فلسفے کے قدموں تلے دیکھ رہے ہیں! کیا خدائے پاک کا تنبیہی اور تادیبی اشارہ جو آیہ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ[۱۵] (۵۶ : ۷۹) میں ہے، اور جسکی سطحی تعمیل اور دور از کار تاویل† میں مسلمان اِس جوش و خروش سے استعاذوں، استغفاروں، اور پے در پے طہارتوں کے بغیر قرآن کا

[۱۵] اِس قرآن عظیم کو پاک بندوں کے سوا کوئی چھونے نہیں پاتا۔

† اِس معنی خیز اور حقیقت نما آیت کا غلط استعمال جسقدر مسلمانانِ عالم نے پے در پے کئی قرنوں سے باالتزام کیا ہے شاید ہی کسی دوسری ایک آیت الٰہی کا کیا ہو، کتاب خدا کے قدیم ترنسخوں میں جسقدر اِس کا سرِ ورق پر زیب عنوان ہونا کہیں تحقیق نہیں، اسیقدر اسلام کے زمانہ انحطاط سے آجتک یہ آیت نہایت استقلال کے ساتھ قریب قریب ہر مجلد کا سرنامہ بنتی رہی ہے۔ قرآن کریم کا ہر عالم اور جاہل مولف بلا امتیاز اسکو سرِ ورق پر کہیں نہ کہیں جگہ دیتا رہا ہے، اور اسکی شمولیت کو اپنی تالیف کا جزو لاینفک قرار دیکر اپنے زعم میں دنیا کو خدا کی ایک 'منہی' مہم کی طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہے، اور طرفہ تر یہ کہ اُسکے غلط العام مفہوم کے متعلق اپنے دل میں ذرا سا شک بھی نہیں رکھتا۔ مگر ہر قوم کے زوال کی داستان دراصل اُسکی حسیات کے زوال کی داستان ہے، جب سعی و عمل کا اصلی ہیجان افراد کے قلوب سے رفتہ رفتہ فرو ہو جاتا ہے، اور طبیعتیں آرام پسند بن جاتی ہیں تو انسان اپنے دل کی تسکین کے لیئے چند ایسی باتیں اعتقاد کے طور پر لے لیتا ہے جن کے کرنے میں کم سے کم تکلیف ہوتی ہے، اور اُن کے کر لینے سے ایک ڈھارس سی بندھی رہتی ہے۔ جبتک مسلمانانِ عالم، کتاب خدا کو کسی جلیل القدر حاکم کا فرمان خسروی یقین کرکے اسکے ایک ایک حرف پر عمل کرنا ناگزیر سمجھتے رہے، اسکی اہمیت اور عالی نسبتی سے خوفزدہ رہ کر لرزتے رہے، اور اسکی تعمیل میں اپنے تن بدن کو تحلیف میں ڈالتے رہے، قرآن کی تعظیم کا صحیح مفہوم عمل اور صرف عمل ہی رہا۔ لیکن جب سعی و عمل سے گریز کرنا آرام دہ نظر آیا تو لوگوں نے قولِ خدا کی لفظی اور زبانی تعظیم کو اپنے اعتقاد کا جزو کبیر بنا کر اپنے نفس کو دھوکا دیا، اِسی کو حاکم اعلےٰ کا صحیح منشا سمجھنے لگے، اِسی کو حکم حاکم کی مرگ مفاجات فرض کر لیا، اِسی میں اپنا تمام تر اعتنا و انہماک صرف کر دیا۔ پھر نفس فریب کار کی اِس خوشنما بہانہ سازی نے قرآن کی تعظیم ریشمین جزدانوں میں بند رکھنے، یا کبھی کبھی تبرک کے طور پر تلاوت کر لینے پر محدود کر دی، اور جب اس مکر و ریا کو نباہنا بھی طبیعت پر گراں گذرنے لگا تو اُسکو ہر وقت بالائے طاق رکھنے کا شیوہ اختیار کرکے گویا خدا کو بالائے طاق رکھدیا! آج یہی ابلیس کی بنائی ہوئی متقیانہ دلیل ہر فرد متنفس کے دل میں موجزن ہے، اور باوجودیکہ انسانی تعلق اور تعبد کا انداز ہمیشہ سے یہ ہے کہ کسی مشاہرہ دہ حاکم کے مکتوب کو دیکھکر کئی کئی راتوں تک نیند حرام ہو جاتی ہے، اور دن تیاری اور تعمیل میں صرف ہوتے ہیں، اور فہم مطلب کے اضطراب میں اُس منشور خسروی کو اُٹھا اُٹھا کر پڑھا، اور پڑھ پڑھ کر رکھدیا جاتا ہے، اور عمل کے سوا کسی دوسری تعظیم کا خیال تک نہیں گذرتا، تاہم مسلمانوں کے نزدیک آجکل تعظیم احکم الحاکمین، اور تکریم جلّ و علےٰ کی بہترین تجویز یہی ہے کہ اُسکے مکتوب کو طاق نسیاں پر رکھکر پھر اُس کی خبر نہ لی جائے، اور ہر دم باوضو نہ ہونے کا یا اور شیطانی عذر رکھکر اسکو ٹال دیا جائے۔ آہ! لیکن جسوقت کسی قوم کی نیتیں بگڑ جاتی ہیں، جب تکلیف کی بجائے آرام اُن کا شیوۂ عمل بن جاتا ہے تو کوئی منطق، کوئی دلیل، کوئی حس مشترک اُنکو بہتر بنانے کے لیئے کارگر نہیں ہوتی، ورنہ خوف خدا کے اُس لشکر انگیز اور کشور کشا زمانے میں جب کہ قرآن کے یہی الفاظ سردار اُمت اور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب پر براہ راست آسمان سے وحی ہو رہے تھے، آپ کی چہیتی اور رازدار بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ کلام خدا کو چمڑوں، اور کھجور کی شاخوں اور ہڈیوں پر لکھکر اُسی طرح علی الحساب ایک صندوق میں ڈال دیا جاتا تھا اور وہ صندوق رسولؐ خدا کی چارپائی کے سرہانے پڑا رہتا تھا!

لیکن اِس استدلال سے قطع نظر جن معانی میں آیہ مُطَهَّرُونَ (۵۶ : ۷۹) قرآن کریم کے اندر استعمال ہوئی ہے۔ اُن کا مسلمانوں کی اِس خود ساختہ تاویل سے خفا کوئی تعلق نہیں۔ سورۂ واقعہ کے ربط کو ظاہر کرنے کا یہ موقع نہیں مگر چند پہلی اور پچھلی آیتوں کے سیاق سے ظاہر ہے کہ

درس تو درکنار، اُسکے اوراق پر اُنگلی بھی نہیں رکھنے دیتے ، یہی معنی رکھتا تھا کہ تم اس پاکیزہ کتاب کے خدائی مقولات اور انمول جواہرات کو یونانی فلسفے کے ناپاک سنگِ امتحان پر رگڑ رگڑ کر، اپنی ہی ناقص عیاری اور نااہلی کا ثبوت دو ، اور دنیا کو ابدالآباد تک محوِ حیرت اور شرمسار کر دینے والی صداقتوں کے مابین الدفتین خزانوں کو

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۵۰) اِس آیت میں کسی بات سے منع کیا گیا ہے اور نہ اِنما مقصود ہے بلکہ معترضین کو کتاب خدا کے مفید عام ہونے اسکے علم کے سب انسانی علم و خبر سے بالاتر ہونے ، اور اسکی تعلیم کے مصدرِ عزت و امن ہونے کا دعوے حیرت انگیز الفاظ میں پیش کیا گیا ہے :

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۔ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ۔ (۵۶ : ۷۵ - ۸۵)

تو اے راہ گم کردہ غفلت زدو ! اور اے احکام خدا کو مکرے ٹالنے والے بہانہ سازو ! (الفاظ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ (۵۶ : ۵۱) کا ترجمہ ، جو اس سے پیشتر آ چکے ہیں ، اور جہاں سے برابر مُکَذِّبِیْنَ قرآن اور ضَآلِّیْنَ کی طرف خطاب ہو رہا ہے حتیٰ کہ (۵۶ : ۹۲) میں بھی انہی الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ کی طرف عود کیا گیا ہے) میں تم کو آسمان کی اس پہنائے بیکراں میں کروڑوں میل بلند ستاروں کے مقامات عالیہ کو گواہ ٹھیرا کر کہتا ہوں (اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ) اور بگوش ہوش سُن لو کہ اگر تم کو علم ہوتا تو سمجھ لیتے کہ ان آسمانی رصدگاہوں کی شہادت ایک بہت ہی بڑی اور قطعی شہادت ہے ، کہ یہ قرآن عظیم ایک بڑی ہی بلند پایہ (کَرِیْمٌ) ، بڑی ہی قابل قدر و عزت (کَرِیْمٌ) ، بے حد لائق غور و خوض (کَرِیْمٌ) ، اور قابلِ اعتنا و انہماک (کَرِیْمٌ) کتاب ہے ۔ ہمارے نزدیک اِس کے احکام کی عزت ، اِسکے مضامین کی قدر و منزلت ، اُن کی اہمیت ، ضرورت ، اور نافعیت ، فی الحال اسقدر ہے کہ گویا کئی تہوں میں رکھے ہوئے (مَکْنُوْنٍ) انمول موتیوں کی طرح بین الدفتین لپٹی پڑی ہے ، جسکو بوجہ اس کے نایاب اور بے بہا ہونے کے پاک صاف اور اہل آدمیوں کے سوا کوئی چھونے نہیں پاتا (لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ) کم فہمو ! قدر شناس انسانوں کے دلوں میں اس کتاب عزیز کے احکام کی یہ وقعت کیوں نہو ، یہ تو ایزدِ بے مثال کا اُتارا ہوا کلام ہے جو مخلوقِ زمین و آسمان کا پالنے والا ہے اور سب کو امن و راحت دینا جسکا اولین پیش نہاد ہے (رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ) ۔ تو کیا تم ایسے قابل قدر ، ایسے منفعت بخش اور اسقدر نایاب کلام سے مُداہنت اور مسامحت روا رکھو گے (اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ) کیا ان بے بہا احکام کی تعمیل سے گریز کرنا ، اُن کو جھوٹ سمجھکر اُن سے بے اعتنائی برتنا اپنا روزینہ اور ذریعہ معاش بنا لوگے (وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ) ! تو خیر کچھ پرواہ نہیں شوق سے کرو ۔ لیکن اے اجل زدو ! اِس فرمانِ خسروی کو اُسدن کیوں نہ جھٹلاؤ جب کہ اجتماعی شکست و ریخت کے قیامت انگیز سمے میں تم میں سے ایک ایک فرد کی جان بدن سے کھچکر حلق میں آ پہنچے گی ، اور تم اُسوقت ٹکر ٹکر پڑے دیکھتے ہوگے اور ہرگز کچھ نہ کر سکو گے ! پھر اُسدن ہم تم سے بھی زیادہ تمہارے حلق سے قریب تر (اَقْرَبُ اِلَیْهِ) کھڑے تمہارا گلا گھونٹ رہے ہونگے ، اور تم کو خبر تک نہ ہوگی (وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ) ۔

اِس مربوط ترجمے سے جس میں ہر آیت کے مطالب کو بعد کی آیت سے سلسلہ وار پیوست کر دیا گیا ہے ، یہ ظاہر ہے کہ لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ کے الفاظ احکام الٰہی کی قدر و منزلت کو ساکنانِ زمین کی نگاہ میں عیاں کر دینے کے لیے بطور استعارہ استعمال کیے گئے ہیں ۔ کتاب خدا کو آیہ (۵۶ : ۷۷) میں کَرِیْم کا خطاب دیا ہے اور آیہ (۵۶ : ۷۸) میں اسکے تکرّم کی توکید مزید لفظ مَکْنُوْن سے کر دی ہے ۔ گویا یہ کتاب وہ دُرِّ شہوار اور وہ گوہر نایاب ہے کہ موتیوں کی طرح تہوں میں لپٹی پڑی ہے ۔ یہ کسی شئے کو لپیٹے رکھنا ہی انسان کے نزدیک انتہائی تعزز کا معیار رہا ہے ، اور بعینہ یہی تشبیہ رب جل و علیٰ نے حورانِ بہشتی کے متعلق آیہ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُوِٴ الْمَكْنُوْنِ (۵۶ : ۲۳) میں فرمائی ہے ، گویا وہ حوریں تہوں میں رکھے ہوئے موتیوں کی مانند ہیں ۔ جو رہا کا فی الواقع لپٹی ہوئی ہونا نہ یہاں مراد ہے اور نہ قرآن کا عرش معلیٰ پر آیت زیر بحث (۵۶ : ۷۸) میں ، بلکہ مقصود احکام خدا یا انعام خدا کی قدر و قیمت

Marfat.com

چھوڑ کر، کاسۂ گدائی ہاتھ میں لیئے ہوئے، یُونان کی مسخ شدہ حکمت کے دریوزہ گر بنو!

آفتاب اندرون خانہ وما — دربدر میسرویم ذرہ مثال
گنج در آستین ومیگردیم — گرد ہر کوئے بہر یک مثقال

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۵۱) کا جتلاتا ہے۔ اِسی قدر و قیمت کی مزید تائید لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَؕ (۵۶: ۷۹) کے الفاظ سے کر دی ہے، یعنی وہ لپٹے ہوئے موتی اسقدر قیمتی اور آبدار ہیں کہ میلے ہاتھوں کا اُن کو چھونا بھی منع ہے۔ یہی تخصیص سورۂ الرحمٰن میں حوروں کے متعلق کی ہے: لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ (۵۵: ۵۶ و ۷۴)، یعنی "کسی جن و انس نے ان کو اس سے پہلے چھوا تک نہ ہوگا"۔

اب رہا یہ سوال کہ کتاب خدا کی قدر و منزلت آیا اسی سطحی تعظیم میں ہے جو کم ہمت مسلمان آج کر رہے ہیں، یا اسکے مشمولہ احکام کی تعمیل کرنا ہی قرآن کریم کی صحیح قدرشناسی اور عزت ہے۔ اِس کا جواب آیۂ مُّدْهِنُوْنَ (۵۶: ۸۱) اور آیۂ تُكَذِّبُوْنَ (۵۶: ۸۲) میں ہے۔ اِن دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن کریم سے "مداہنت" یہی ہے کہ مکر اور چرب زبانی سے کام لیکر اسکے احکام کی آرام دہ تاویلیں کر دیجائیں، ان کی تعمیل سے گریز کیا جائے، اور نری سطحی آؤ بھگت کر کے العیاذ باللہ خدا کو دھوکا دیا جائے۔ یہی کفر کے صحیح معنی ہیں اور یہی تکذیبِ آیاتِ الٰہی ہے۔ جیسا کہ دوسری مجلد میں واضح کر دیا جائے گا۔ خدا کی نظروں میں "مکذّب" وہی شخص ہے جو اُسکے کہے پر عمل نہیں کرتا خواہ وہ اُسکے قول و کلام کا مُنہ سے رسمی اقرار کرے یا نہ کرے، انہی معنوں میں رسول خدا صلعم کے زمانے میں اکثر اہل عرب مکذّب تھے۔ مُنہ سے مقر ہو جانا اور عملاً تکذیب کرنا، خدا بلکہ فی الحقیقت ہر اولوالامر کے نزدیک وہ فعل عبث ہے جس کی کچھ اُجرت نہیں۔

تعجب ہے کہ احکام الٰہی کو عملاً ماننے کی اس حیرت انگیز تحریص و ترغیب کے باوجود آیۂ مُطَهَّرُوْنَ کے معانی یہ لیئے جاتے ہیں کہ خدا نے اِس کتاب کو ہاتھ مُنہ دھوئے بغیر چھونے سے منع فرمایا ہے، اور صرف رسمی تعظیم مقصود ہے۔ ایک سلیم الذہن شخص کے نزدیک یہ تشریح نہایت لغو اور مضحکہ انگیز ہے۔ یہ خدا کی شان سے حتماً بعید ہے کہ اپنے فرمان خسروی کی ایسی ناقص اور بے معنی تنظیم کرنے کا حکم دے جو آج کسی معمولی سے معمولی حاکم کو بھی قطعاً گوارا نہیں، اور جسکا نتیجہ اسکی تبلیغ و اشاعت کو بحد محدود، اور نامسلمان ملکوں میں قطعاً مسدود کر دینا ہو۔ مگر اس تمام استدلال سے قطع نظر، کیا آج غیور مسلمانوں اور بالخصوص سات کروڑ ہندی مُسلموں کے لیئے یہ ڈوب مرنے کا مقام نہیں کہ آیۂ مُطَهَّرُوْنَ کی اِس تاویل کو بالاتفاق تسلیم کرتے ہوئے بھی اُن کی فاقہ مستی اور بے نوائی، اُنکی بے حسی اور لاأبالیت اِس حد تک پونہچ چکی ہے کہ قرآن کریم کی اکثر اشاعت در طباعت کا فرِ ناپاک ہندؤں کی وساطت سے ہو رہی ہے۔ اُن کا اِس کتاب کو چھُونا تو درکنار، عین سرورق پر آیۂ مُطَهَّرُوْنَ کے ساتھ ساتھ اُنکے نام نامی لکھے جاتے ہیں اور کوئی نہیں پوچھتا کہ یہ کیا اندھیر ہو رہا ہے!

میرا مقصود اِس تمام بحث و تمحیص سے حتماً یہ نہیں کہ کلام الٰہی کی ظاہری تعظیم نہ کی جائے یا کم کر دیجائے، بلکہ یہ کہ صحیح قدرشناسی صرف اُس کے احکام کی تعمیل میں ہے اور بس۔ جو شخص قولِ خدا پر عمل کرنے کی نیت سے اپنے آپ کو تکلیف میں ڈال رہا ہے وہی اُسکے قول کی تعظیم کر رہا ہے، وہی اُسکو مان رہا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ اکثر اوقات یقین و عمل کے ساتھ ساتھ ایک ظاہری ادب بھی خود بخود پیدا ہو جاتا ہے مگر ایسا اجتباری لحاظ کسی وجہ سے قابل اعتراض نہیں۔ جس بات پر اعتراض ہے یہ ہے کہ کتاب خدا کے بارے میں مسلمانوں کے دلوں میں ریا و مکر کی تعظیم نہ ہو، جمود و فریب کی عزت نہ ہو، آرام دہ تکلف نہ ہو، تسکین دہ بناوٹ نہ ہو، دل سے انکار اور مُنہ سے اقرار نہ ہو، نفس کو دھوکہ نہ ہو، شیطان کی ساعدت نہ ہو، خدا سے گریز نہ ہو! اگر یہ ہے اور ساتھ ہی جنت کی لَو بھی لگی ہے تو مسلمان وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ[۵۱] (۳: ۵۴) کے مضمون کو یاد رکھیں اور سمجھ لیں کہ اس خوش اعتقادی کا کیا انجام ہو سکتا ہے!

(باقی بر صفحہ آئندہ)

---

۵۱ "اور اِدھر اُن لوگوں نے مکر کیا تو اُدھر خدا اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ مکارین کے بالمقابل بہترین چال چلنے والا ہے"۔

Marfat.com

مغربی حکمت کے اِن شیدائیوں نے آہ! اِس تیرہ سو برس کے اندر قرآن کی مقدس مجلدات کو درس کے ہر موقع پر آنکھوں سے لگاتے اور بار بار چومتے وقت ایک مرتبہ بھی اُسکے اُن دعاوی پر غور نہیں کیا جنکو وہ ہر نئے موضوع کے عنوان میں، ہر دقیق بحث کے ضمن میں، اور ہر تازہ اکتشاف کے ضمیر میں پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ آہ! قرآن حقیقت کے اِن گمراہ متلاشیوں کو سوفسطائی فلسفے سے ہٹا کر حق و یقین کے راہ راست پر ہی لا رہا تھا جب اُس نے کہا تھا کہ اسکی آیات حکمت کے کامل اُستاد، اور غالب البرہان خدا کے اپنے ہاں سے اُتری ہیں: تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (۳۹: ۱)[۵۱]؛ اُس بے مثال ہستی کا روئے سخن حکمت کے اِنہی نامراد ہرجائیوں کی طرف تھا جب اُس نے قرآن کو حکمت کی بے بدل اور جامع و مانع کتاب قرار دے کر اُسکی قسم کھائی تھی: یٰسٓ ۔ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؕ (۳۶: ۱-۴)[۵۲]؛ وہ ربّ عزیز و حکیم، فی الحقیقت، انسان کو اُسکی اپنی ایجاد کی ہوئی ہر حجت اور حکمت سے عملاً بے نیاز کر رہا تھا، جب اُس نے اپنی بھیجی ہوئی بُرہان، اور اپنے بنائے ہوئے قانون کو "کتابِ حکیم" کا جامع اور مانع لقب دیا تھا: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ (۱۰: ۱)[۵۳]؛ شارعِ زمین و آسمان کی مراد حکمت کے اِنہی نادان اور کم علم فلسفیوں کو صراطِ مستقیم پر لانے کی تھی جب اُس نے جتلا دیا تھا کہ تمہارا اُمّی نبیؐ تو قرآن کے مہتم بالشان حقائق

---

۵۱ سورۂ زمر کے علاوہ جس کا حوالہ متن میں دیا گیا، یہی آیت دو اور جگہ زیبِ عنوان ہے جن کا حوالہ یہاں پر دیا جاتا ہے: تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (۴۵: ۲)، تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (۴۶: ۲)، سورۂ مومنون میں "العزیز العلیم" ہے: تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (۴۰: ۲)۔ ترجمہ ان کا یوں ہے: یہ تحریری پیغام (الکتٰب) بارگاہ جلّ علیٰ کی طرف سے تمام عالم کے نام ہے، جو بڑا غالب القوٰے (بڑا صاحب علم (۴۰: ۲)) اور بڑا صاحب حکمت ہے۔

۵۲ قرآن حکیم اِس بات کا شاہد ہے کہ بیشک تم خدائے عظیم کے پیغامبروں میں سے ہو، اور اسی صراطِ مستقیم پر چل رہے ہو جو مقصود خدا ہے۔

۵۳ یہی آیت سورۂ لقمان کے زیبِ عنوان بھی ہے: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ (۳۱: ۲)۔ ترجمہ یوں ہے: یہ احکام الٰہی (آیات) اُس قانون جلیل سے ماخوذ ہیں جو ایک مجسمۂ حکمت کتاب ہے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۵۲) "مواقع النجوم" کی قسم کا صحیح مفہوم، اسکی عظمت کی تشریح، اور حلقوم تک پہنچنے والی موت کی صحیح کیفیت کا ذکر کسی موقع پر کر دیا جائے گا۔ محولہ بالا ترجمے میں مطالب بہت کچھ عیاں کر دیئے ہیں، اور ظاہر ہے کہ مواقع النجوم کی شہادت لامحالہ اُس افق اعلیٰ کی شہادت ہے جو انسان کو کمالِ علم کے باعث حاصل ہو جاتی ہے، اور جو عرب کے پیغمبر اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہو گئی تھی۔ اِس کیفِ نبوت کا ذکر مسئلہ ارتقا کے تحت المتن صفحہ ۲۱ میں ہو چکا ہے۔

Marfat.com

حکیم و علیم خدا کے ہاں سے براہِ راست سیکھ کر آتا ہے: وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ[۱] (۲۷: ۶) اور اُسکی آیات پڑھکر دنیا کو حکمت اور طہارتِ نفس سکھلاتا ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ[۲] (۳: ۱۶۳)۔ ادب آموزِ ازل[۳]

---

[۱] اور اے محمدؐ! اس میں شک نہیں کہ تم قرآن کی عظیم الشان حکمتوں کو حکیم و علیم خدا کے پاس سے سیکھ کر آتے ہو۔

[۲] لوگو! اس خدائے عظیم نے ایمان والوں پر بڑا ہی احسان کیا کہ ان بے علم اور اُجڈ، اَن پڑھ اور انجان اہلِ عرب میں (فِيْهِمْ، دیکھو (۶۲: ۲)) اُن ہی میں کا، اور حسبِ پسند ایک رسول بھیجا جو آج فرستادہ خدا ہونے کے باعث اس قدر صاحبِ علم ہو گیا ہے کہ اُن پر خدا کے عالم آرا احکام واضح کر رہا ہے (يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ)، ان کو آلائشِ گناہ سے پاک صاف کر رہا ہے، اُن کو قانونِ الٰہی (الْكِتٰبَ) کا علم دے رہا ہے، خدائے علیم و حکیم کی حکمت سکھلا رہا ہے، ورنہ اس سے پہلے تو یہ جاہل لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

قریب قریب یہی مضمون (فِيْهِمْ) اور (يُعَلِّمُهُمْ) کی ذرا زیادہ وضاحت کے ساتھ چار اور موقعوں پر آیا ہے۔ سورہ جمعہ میں ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ (۶۲: ۲)

لوگو! وہ خدا ہی تو ہے جس نے عرب کے اَن پڑھ اور اُجڈ لوگوں کی ہدایت کیلئے اُن ہی میں کا ایک اُمّی اور پہلے آسمانی صحیفوں سے ناآشنا شخص اپنا قاصد بنا کر بھیجا، وہ شخص آج فرستادۂ خدا ہونے کے باعث ہی اسقدر صاحبِ علم ہو گیا ہے کہ اہلِ عرب پر خدائے عظیم کے عالم آرا احکام واضح کر رہا ہے، اُنکے دلوں کو اپنی زندگی کے پاکیزہ نمونے اور زورِ عمل سے آلائشِ عصیان و جمود سے پاک کر رہا ہے (يُزَكِّيْهِمْ)، اُنکو قانونِ الٰہی کا علم دے رہا ہے، خدائے حکیم کی حکمت سکھلا رہا ہے، ورنہ اس سے پہلے تو یہ جاہل لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

سورہ بقرہ میں ہے:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۚ (۲: ۱۵۱)

اے ساکنانِ عرب! یہ احسانات جو اوپر شمار ہوئے اسی قطع کے ہیں جیسا وہ عظیم الشان احسان کہ ہم نے تم کو راہ راست پر لانے کیلئے تم ہی میں کا ایک رسول بھیجا جو ہمارے احکام تم پر واضح کرتا ہے، تمہارے نفس کو گناہ کی آلائش سے پاک کرتا ہے، تمکو قانونِ الٰہی کا علم دے رہا ہے، عزیز و حکیم خدا کی حکمت سکھلا رہا ہے، اور المختصر یہ کہ تمکو ان عظیم الشان حقائقِ فطرت کا علم دے رہا ہے جن کا اس سے پہلے تمہیں کچھ علم نہ تھا۔

ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا بھی یہی انداز تھا:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۧ (۲: ۱۲۹)

اے ہمارے پروردگار! تو ان بے علم اور انجان اہلِ عرب میں اُن ہی میں کا ایک رسول بھیج، جو تیرے احکام ان پر اچھی طرح واضح کر دے، اُنکو تیرے قانونِ جلیل کا علم دے، تیری جلیل القدر حکمت کا درس دے، اور اُنکی اصلاح کرے (يُزَكِّيْهِمْ)، اسمیں شک نہیں کہ تو بڑا ہی غالب البرہان اور صاحبِ حکمت خدا ہے۔

سورۂ نسا میں ہے:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (۴: ۱۱۳)

اور اے محمدؐ! اس خدائے ذوالجلال کا تم پر بڑا ہی فضل ہوا جو اُس نے اپنی کمال عاطفت سے یہ کتابِ عظیم تم پر اُتاری، اور یہ کتاب کیا ہے، در اصل مجسمۂ حکمت ہے، جسکے ذریعے سے خدائے علیم و حکیم نے تم کو وہ حقائقِ عالیہ سکھلائے ہیں جن کا تم کو اس سے پیشتر علم نہ تھا۔

نے یونانی فلسفے کے اِن خوشہ چینوں کو قرآن ہی کیطرف بُلایا تھا جب اسکی سچی اور بے عیب حکمت کو بشریت کے ہر نقص سے بری، اور انسانی صناعت کے ہر سُقم سے پاک ٹھیرایا تھا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ سکتہ (۱۸: ۱)، اور صاف فرمادیا تھا کہ ساکنانِ عالم کو محیط ظلمت سے پہنائے نور میں نکالنے والی یہی کتاب ہے: كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڏ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰي صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ (۱۴: ۱)۔ آہ! مغربی منطق کے اِن ذلّہ برداروں نے، قرآن میں یونانی فلسفے کے ذریعے سے اجتہاد کرتے وقت نہ سمجھا کہ قرآن کی قطعیّت اور کفایت کی یہی دلیل بس ہے کہ وہ ایک کامل باعلم اور کامل باخبر ذات کی طرف سے ہے: كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ (۱۱: ۱)، اور اس بنا پر اسکے معارف و حقائق میں کسی ناقص، غیر قائم اور عارضی شئے کو دخیل کرنا خدا اور حکمتِ خدا کو العیاذ باللہ ناقص سمجھنا ہے!

---

۵۱ تمام تعریف اور شکر خدا ہی کو سزاوار ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن اُتارا اور اس میں کسی قسم کی کجی نہ رکھی۔
قرآن حکیم کی حکمت میں کجی نہ ہونے اور اسکی صداقتوں کے ازلی اور ابدی ہونے کے متعلق دو اور اشارے ہیں جو اس جگہ لکھ دیئے جاتے ہیں۔ سورۂ زمر کی آیت (۳۹: ۲۷) سے قرآن کی جامعیت اور مانعیت کا دعوٰے بھی نکلتا ہے:

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۚ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ (۳۹: ۲۷-۲۸)

اور لوگو! ہم نے تمہارے سمجھانے اور تمہیں صحیح طرزِ عمل بتلانیکے لیئے اِس قرآن کے اندر ہر ممکن مثال دیکر سارا دستور العمل واضح کردیا ہے تاکہ لوگ اس سے نتائج اخذ کریں، اور بعدازاں اُنپر عمل کریں۔ یہ قرآن عربی زبان میں ہے، اِسکی حکمت عالیہ میں کسی قسم کی کجی نہیں رکھی، اور ہمکا منتہائے نظر یہ ہے کہ تمام عالم کے لوگ اس بیمثال حکمت پر عمل کرکے عذابِ الٰہی سے بچیں۔

لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ؀ (۴۱: ۴۲)

باطل کو اس کتاب عظیم سے مقابلہ کرنے کی تاب نہیں، نہ اسکو پیچھے سے وار کرنے کی جرأت ہے۔ جھوٹ نہ اسکے سامنے سے آسکتا ہے (مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ)، نہ پیچھے سے (مِنْ خَلْفِهٖ) نہ آج اِسکو کوئی انسانی حکمت جھٹلاسکتی ہے، نہ آج کے بعد اِسکو کہیں سے گزند پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت عظمیٰ اس حکیم اجل، اُس استاد ازل کی اُتاری ہوئی ہے جس کی حمد و ثنا میں ایک عالم رطب اللساں ہے!

۵۲ یہ قرآن ایک بڑے پائے کی کتاب ہے۔ اس کو ہم نے تم پر اس غرض سے اُتارا کہ تم لوگوں کو حکم خدا کی اطاعت پر آمادہ کرکے جہل کے اندھیرے سے علم کی روشنی میں لاؤ اور انکو عزیز و حمید خدا کی طرف لے جاؤ۔

۵۳ یہ قرآن وہ بے بدل کتاب ہے کہ اسکے احکام دلائل و براہین سے بخوبی ثابت اور مستحکم کیئے گئے ہیں اور پھر حکیم و خبیر خدا کے اپنے ہاں سے اُن کی مکمل شرح و بسط کی گئی ہے۔

Marfat.com

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ (۱۶: ۸۹)

اور اے پیغمبر! ہم نے تم پر یہ کتاب اس پائے کی نازل کی ہے کہ اسمیں ہر ممکن شئے کے متعلق (جسکا واسطہ انسان سے پڑتا ہے) تفصیلی بیان موجود ہے، اور تسلیم کرنے والی قوم کے لیئے یہ کتاب تو سرتاسر ہدایت ہی، رحمت ہے، اور اسکی سلامتی اور حفظ وامن کی بشارت ہی!

ان حیرت انگیز دعاوی کے بعد مسلمانوں اور قرآن کو "تسلیم کرنے والوں" کا فرض تھا کہ وہ اپنی دینی اور دنیاوی دونوں زندگیوں کے اصولی قواعد اور بنیادی ضوابط کی تلاش میں انسانی حکمت کے ہر مسلک خیال، اور قیاس ورائے کے ہر نظری مذہب سے حتماً بے نیاز ہوجاتے۔ وہ اللہ کا حاوی علم، اور خدا کا محیط فلسفہ موجود ہوتے ہوئے کسی افلاطون یا ارسطو کی حکمت کے محتاج نہ بنتے، وہ انفرادی اور اجتماعی دونوں زندگیوں کو خوش سلوبی سے سلجھانے کیلئے تمامتر رجوع اسی کتاب کی طرف کرتے، وہ دین اور دنیا کے ہر مسئلے اور ہر طرز عمل کے متعلق سب بشارت اور رحمت، سب نور اور ہدایت، سب علم اور خبر اسی کتاب سے لیتے، وہ قرآن ہی کو اعتقادی اور علمی مناظرات کی حقیقی سنام، اور کلام الٰہی کو ہی روحانی اور مادی مجاہدات کی مضبوط اساس مانتے، وہ کتابِ خدا کو نہ صرف ذاتی فلاح کا بے مثال ذریعہ اور روحانی تقرب کا واحد وسیلہ سمجھتے، بلکہ معاشری عمران کا سنگِ بنیاد، اجتماعی استحکام کا مرکزِ ثقل، اور قومی تقدم کا محورِ عمل یقین کرتے، وہ اقوام کی ترقی کے اسباب، انحطاط کے وجوہات، بادشاہت اور تسلط فی الارض کے طریقے، حصولِ قوت کے مآخذ، علوم وفنون کے مصادر، فطرت کے قوانین†، الغرض اُن سب نکات کے کھوج جن پر ارتقائی زندگی کا تمام حصر ہے، اسی قرآن سے لیتے اور اُنپر عمل پیدا کرتے۔ منانِ لم یزل اور منعمِ حقیقی نے قرآن ہی کو مسلمانانِ عالم کا کامل ضابطۂ عمل اور مکمل آئینِ مذہب قرار دے کر کہا تھا کہ آج میں نے اسلام کو تمہارے لیے پسند فرما کر دین ودنیا کی تمام نعمتیں تم کو بخش دی ہیں!

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا‡ (۵: ۳)

آج ہم تمہارے دین کے تمام دستورِ عمل کو تمہارے لیے مکمل کر چکے، ہم نے اپنی تمام نعمت تم پر پوری کر دی او

---

† مسئلہ ارتقاء کے تحت المتن (صفحہ ۱۰۱-۱۴۷) میں اس عظیم الشان حقیقت کو واضح کرنے کی ایک حد تک سعی کی گئی ہے۔ ‡ نبوت کے سال ۲۳ نبوت سنہ ۱۰ ہجری میں حجۃ الوداع کے خطبے کے موقع پر یہ آیہ جلیلہ نازل ہوئی۔

Marfat.com

اسلام کو تمہارے لیئے بطور آئین عمل پسند فرمایا۔

کلام الٰہی کی اس مہتم بالشان اور معرکۃ الآراحیثیت کو پہچاننے کے لیئے نہایت سیدھے سادے اجتہاد کی ضرورت تھی۔ شارع اسلام نے قرآن کو ایک روشن اور بیّن حقیقت قرار دیا تھا: تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ۞ (۲۶: ۲)، مگر ساتھ ہی سورۂ قمر میں یہ امر بار بار یاد دلا دیا تھا کہ اسکے اوامر و نواہی، مواعظ و حِکَم، طریق توجیہ اور طرز استدلال سے پورے طور پر مستفید ہونیکے لیئے ذکر و فکر، صحیح استنباط نتائج، اور عمل کی قطعی ضرورت ہے: وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۞ (۵۴: ۱۷)۔ صاحب قرآن اور فاطر زمین و آسمان نے قرآن کو ہدایت کا سرچشمہ، رحمت الٰہی کا مبدء، اور بشارت کا مصدر قرار دیا تھا لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اُسکے حقائق عالیہ کو پورے طور پر سمجھنے کے لیئے کامل یقین، کامل ایمان، انتہائے استقلال، اور کمال بصیرت کی ضرورت ہے: قُلْ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۞ (۷: ۲۰۳)

---

۵۱ "یہ آیات اس کتاب جلیل کا ایک حصہ ہیں جو واضح ہے، اور جسکے مقاصد صاف صاف بیان کر دیئے گئے ہیں"۔ یہی آیت سورۂ شعراء کے علاوہ سورۂ یوسف اور سورۂ قصص کے زیب عنوان بھی ہے: تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ۞ (۱۲: ۱)، (۲۸: ۲)۔ سورۂ حجر کے شروع میں "قُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ" کے الفاظ ہیں: تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ۞ (۱۵: ۱)، "یہ آیاتِ الٰہی اس الکتٰب کی ہیں جو قانون خدا ہے، اور اس قرآن کی جو ہر طرح پر واضح اور روشن ہے"۔ سورۂ نمل میں "كِتَابٍ مُّبِیْنٍ" کے الفاظ ہیں: تِلْكَ اٰیٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِیْنٍ۞ (۲۷: ۱) "یہ آیاتِ الٰہی قرآن کریم کی ہیں اور اس کتاب کی جو واضح اور روشن ہے"۔ سورۂ زخرف (۴۳: ۲) اور سورۂ دخان، (۴۴: ۲) میں صرف وَالْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ۞ ہے جس کا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے "قرآن کریم جو ایک روشن اور مشرح فی البیان کتاب ہے اس بات کا شاہد ہے"۔

ان آیات کا صحیح مفہوم ترجمے میں ادا کرنا از بس مشکل ہے یہاں پر ایک عام ترجمہ کر دیا گیا ہے جس سے مقصود قرآن کو واضح کتاب ثابت کرنا ہے لیکن یہ امر کہ "کِتَابٍ مُّبِیْنٍ" اور "الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ"، "الکتٰب" اور "کِتَاب" کے الفاظ کا صحیح مقصود کیا ہے علیحدہ بحث ہے جو دوسری صحبت میں کی جائے گی۔ "الکتٰب" اور "کتاب" کے الفاظ اس سے پیشتر بھی چند آیتوں میں آچکے ہیں، اور اس موضوع کی مستقل اور فیصلہ کن بحث سے پیشتر بھی آئینگے لیکن ان کے اصلی مفہوم کو اُسی بحث پر چھوڑ دینا چاہیئے۔

۵۲ اور فی الحقیقت ہم نے قرآن کو تو لوگوں کے اخذ نصیحت کی خاطر آسان طور پر بیان کر دیا ہے۔ پس کوئی ہے جو اس سے سچی نصحت پکڑ کر اس کے احکام پر عمل کرے!

سورۂ دخان کے اخیر میں ہے: فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ۞ (۴۴: ۵۸) "ہم نے اس قرآن عظیم کو تمہاری زبان میں محض اسلیئے آسان کر دیا ہے کہ تمہاری قوم کے لوگ اس سے نصیحت اخذ کریں"۔ "یَسَّرْنٰهُ" کا اشارہ ایک اور جگہ بھی آیا ہے: (۱۹: ۹۷) مگر وہ آیت آگے چلکر متن کتاب میں آئے گی۔ آیۂ مُّدَّكِرٍ قرآن کریم میں سورۂ قمر میں تین جگہ آئی ہے یعنی (۵۴: ۱۷)، (۵۴: ۲۲)، (۵۴: ۴۰)

۵۳ تم ان لوگوں سے کہدو کہ میں تو اسی پر عمل کرتا ہوں جو میرے پروردگار نے مجھ پر وحی کی ہے۔ یہ قرآن تو فی الحقیقت بڑی سوچ سمجھ کی باتیں ہیں جو خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔ ان میں اگر ہدایت اور رحمت ہے تو اس قوم کے لیئے جو اسکی حقیقت پر کامل ایمان رکھتے ہوئے اس میں تدبر کرے (لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۞)۔

Marfat.com

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ٥ (۴۵ : ۲۰) [۵۱] استادِ علم نزل اور حلال مشکلات تعالیٰ نے قرآن کو آسان او مبین، کہنے کے باوجود مجسمہ بصائر اور پیکرِ حکمت فرمایا تھا مگر ساتھ ہی یہ معنی خیز تشریح کر دی تھی کہ اس کی آیات کی صحیح اور مکمل تفصیل صاحب علم قوم کے سوا کسی کو ودیعت نہیں: كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ٥ [۵۲] (۴۱ : ۳)، وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ† هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ٥ [۵۳] (۷ : ۵۲) ہادیٔ دین اور ماحیٔ اختلاف خدا نے قرآن کو تضاد کے بدنما اور بشری عیب سے قطعاً بلند تر ٹھیرایا تھا مگر اس بات کو بوجہ احسن واضح کر دیا تھا کہ اگر انسان کو اسکی آیات بیّنات میں کسی جگہ اختلاف کا شائبہ نظر آتا ہے، یا نقص و ضعف کا گمان گذرتا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اس کے ظاہر اور باطن، سیاقِ بحث اور سباقِ کلام یا محلِ وقوع اور شانِ نزول پر غائر نظر نہیں ڈالی گئی، جسقدر اسکے مطالب میں تدبّر اور صحیح استدلال کیا جائے گا اسکا اختلاف مٹتا جائے گا۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا٥ (۴ : ۸۲)

توکیا یہ لوگ قرآن کے مقاصد و مطالب پر غور نہیں کرتے اور نہیں دیکھتے کہ وہ سب آپسمیں متحد اور متفق ہیں کیا ان کو اتنا بھی شعور نہیں کہ سمجھیں کہ اگر یہ کسی غیر خدا کا بنایا ہوا قانون ہوتا تو لامحالہ اسمیں بعید اختلاف پاتے۔

---

۵۱ یہ قرآن تو تمام عالم کے لیئے بصیرت اور تدبّر کی باتیں ہیں۔ ہدایت اور رحمت اسی قوم کو حاصل ہو جو اسکی سچائی اور منجانب اللہ ہونے پر بالاستقلال یقین رکھکر اسمیں تدبّر کرے (لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ)۔

۵۲ یہ قرآن عظیم ایک کتاب ہے جس کی آیات جلیلہ کے عظیم الشان مطالب کو ایک عربی متن کی صورت میں (قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا) اس قوم کے لیئے مشرح اور مفصل کر دیا گیا ہے جو 'علم' رکھتی ہو (لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ)۔

۵۳ اور حقیقت حال یہ ہے کہ ہم ان نادان اور اجڈ اہل عرب کے پاس وہ بے بدل کتاب لائے ہیں جس کی شرح و تفصیل ہم نے 'علم' سے کر دی ہے' جو صاحب علم قوم اس قانونِ جلیل کے حقائق عالیہ کی صحت پر بالالتزام ایمان رکھکر اس میں تدبّر کرتی ہے۔ اس کے لیئے تو یہ کتاب سراسر ہدایت اور رحمت ہے (لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ)۔

---

† 'علم' کی صحیح اور ناقابل انکار تعریف 'عمل' کے عنوان کے تحت تیسری مجلد میں آئے گی۔ وہاں پر بصراحت تمام واضح کر دیا جائے گا کہ کتاب خدا کی مراد 'علم' سے بعینہ کیا ہے اور اس کے موجودہ مفہوم میں کس قدر حیرت انگیز تحریف ہوئی ہے۔ اس آیۂ کریمہ (۴۱ : ۳) سے بہر نوع یہ ظاہر ہے کہ قرآن صرف صاحب 'علم' قوم کے لیئے اُترا ہے اور اس بنا پر اسکے حقائق عالیہ کو وہی قوم کماحقہٗ سمجھ سکتی ہے جو 'علم' رکھتی ہو۔ مسئلہ ارتقا کے تحت المتن میں اس 'علم' کی ایک جھلک دکھلا دی گئی ہے اور ایک دو اور مباحث آگے چلکر اسی مجلد میں آئیں گے۔ مگر 'علم' کی تعریف تسلیم کیئے بغیر کتاب خدا کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگانا از بس مشکل ہے۔

Marfat.com

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ (۱۶ : ۴۴)

اور اے محمد! ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب نصیحت اسلیئے اتاری ہے کہ تم لوگوں پر اچھی طرح عیاں کردو کہ ان لیے کیا احکام اُترے ہیں، اور ساتھ ہی یہ بھی کہ وہ خود سوچیں اور تدبر کرکے نئے مطالب دریافت کریں، اور تطابق پیدا کریں۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ † (۳۸ : ۲۹)

اے پیغمبر! یہ قرآن عظیم بڑی برکت اور رونق پیدا کرنے والی کتاب ہے۔ اسکو ہم نے تیری طرف محض اسلیئے اُتارا ہے کہ لوگ اسکی آیات پر کامل تدبر کریں، اور صاحب عقل و فراست لوگ اس سے صحیح نتائج اخذ کرکے عبرت حاصل کریں۔

یہی خالص تدبر، ذکر و فکر، ایمان و یقین، علم و بصیرت، صحیح استدلال اور تطابق ایسے آئینی اُصول تھے جن کی بنا پر کلام الٰہی کے حجۃ بالغہ ہونے پر ایک سچا اور ناقابلِ رد اجتہاد قائم ہوسکتا تھا۔ قرآن کے حیرت انگیز سربستہ رازوں، اور سربمہر حکمتوں کے لیئے کسی خارجی فلسفے کی ضرورت نہ

---

† 'اُولُوا الْاَلْبَاب' کی قرآنی تعریف بھی 'عقل' کے عنوان میں آئے گی۔ لیکن ان تینوں (۱۴ : ۸۲) (۱۶ : ۴۴) (۳۸ : ۲۹) اور قابل کی 'بصائر' والی (۷ : ۲۰۳)' (۴۵ : ۲۰)) آیات کو پیش نظر رکھکر اُس مہلک تخیل کا یکسر قلع قمع ہوجاتا ہے جسکے رو سے مسلمانانِ عالم کی ایک کثیر تعداد نے قرآن میں تدبر کرکے اس کے مطالب کو دریافت کرنا گناہ سمجھ لیا ہے۔ آج اِس عام انحطاط کے زمانے میں غالب رائے یہی ہے کہ قرآن کسی تدبر کا متحمل نہیں، اس کے حقائق عالیہ کا ذہن سے کچھ تعلق نہیں، اس کے مطالب میں فہم کو دخیل کرنا گناہ ہے، اسکی تشریح میں عقل کو کام میں لانا بدعت ہے' وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جو لوگ "علم اسرار الدین" کے منشا و وجود سے واقف ہیں جس کی رسمی بنیاد قرن اوّل میں حضرت عمرؓ نے رکھی' اور جنھوں نے اُس تنقیح و استقصا کا مزا چکھا ہے جو خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں اور اصحاب صُفّہ کے مابین سالہا سال تک ہوتی رہی، اور جس کو بلا استثنا سب صحابہ کرام نے ایمان و یقین کی خشت اوّل قرار دے کر قرآن حکیم کی ایک ایک آیت کے مطالب کی تعمیر میں مہینوں اور برسوں تک تدبر کرنا عین ایمان سمجھا تھا، اُن کے نزدیک اس زہر آلود تخیل کی کچھ وقعت نہیں۔ اگر مالک زمین و آسمان اور بخشایندۂ فہم و ادراک کا کلام انسان کی بڑی سے بڑی تنقید، ہر ممکن سے ممکن آزمائش، اور سخت سے سخت معیار کا متحمل نہیں تو وہ ذی شعور انسان کے لیئے وجوباً قابل قبول نہیں۔ کتاب کے اِس ابتدائی حصے میں بھی صاحب نظر کے لیئے کئی مثالیں پیش ہوچکی ہیں لیکن آگے چلکر ہر صق اس امر کا آشکارا ثبوت ہوگا کہ قرآن حکیم کی آیات کس قدر محکم، کس قدر صحیح، کس قدر مطابق، اور کس قدر عمیق و بلیغ ہیں۔ کوتاہ نظر انسان کا علم اُن کے علم کے بالمقابل کس قدر ہیچ ہے۔ خدائے بیمثال کی طرف سے انسان کو صلائے عام ہے کہ اُن کو بغور تمام پرکھے، الٹ پلٹ کر دیکھے، باربار دیکھے، مگر اُنکے ایک حرف کے متعلق کوئی کمی، کوئی کم علمی، کسی نادانی کا دریافت کرنا قاطبۃً محال ہے۔ اس کتاب میں کلام الٰہی کے تمام مطالب اِسی تطابق کے اصل اصول کو پیش نظر رکھکر واضح کیئے گئے ہیں، اور جو یکانگت اور صحت اس ترکیب سے ان مطالب میں قائم ہوئی ہے ہر صاحب نظر کے سامنے ہے۔ خود انہی آیاتِ الٰہی یعنی آیۂ مبین (۲۶ : ۲) و آیۂ مدّکر (۵۴ : ۱۷) اور آیات بصائر (۷ : ۲۰۳) (۴۵ : ۲۰) کے مطالب میں بظاہر کچھ اختلاف سا نظر آتا تھا مگر ادنیٰ سے تامل نے اسکو آیۂ یعلمون (۱۴ : ۴) کی وساطت سے رفع کردیا ہے۔

Marfat.com

تھی۔ ربِّ علیم و حکیم نے اہلِ اسلام کی رہنمائی اور رہبری کے لیئے، قرآن کے بیمثال عجائب خانے کے اندر سعی و عمل کے ہزاروں کرشمے، خوشحالی اور امن کے صدہا طلسم، قوت و اقتدار کے لاانتہا دفینے، اور علم و حکمت کے بیسیوں اساسی اصول اسکے مختلف طاقچوں اور گوشوں، دیواروں اور محرابوں کے سپرد کر دیئے تھے مگر آہ! اُن کی ظاہری شکلیں بھی آج اعتقاداتِ باطلہ، غلط مطالب، اور غلط اجتہاد کے خس و خاشاک کی تہ میں محو ہو چکی ہیں! مسلمانوں کا موجودہ فلسفہ آج اس معجز العقل عجائب خانے کے انمول موتیوں کو سپردِ خاک کر کے، عمارت کی چوکھٹوں اور دہلیزوں، طاقوں اور محرابوں، روشندانوں اور کھڑکیوں، چھتوں اور نالیوں کی ثناخوانی میں مصروف ہے، اور کم فہمی اور بدّویّت کی غیظ آفرین بے توجّہی سے ان پاکیزہ جواہرات پر فصاحت کا جاروب پھیر کر، شاعرانہ واہ واہ یا جزدانی تعظیم کے جمادِ چند، سے ہی اُن کی قدر و قیمت کا فیصلہ کرنا چاہتا ہے! آج قرآن کی کُل کائنات میں مسلمانوں کا مبلغ اجتہاد اور اُنکی اہم داستانِ حکمت، قیامت کے بے سند قصّوں، قبر کے مظنون عذابوں، روح کی مفروض قسموں، اخلاقی امراض کی آفتوں، کفر کے بے دلیل اور مضحکہ انگیز فتواؤں نشست و برخاست کے موضوعی آداب، توبہ و استغفار کے بناوٹی اسالیب، اور طہارت و استنجا کے وضعی طریقوں کی ندامت انگیز تشریح ہے! کیا یونانی فلسفے کی المناک خیال آفرینی، اور مسلمانوں کے دردانگیز فقدانِ علم و فکر کا یہ نتیجہ نہیں ہُوا کہ آج ظن و وہم کے ان ہوائی قلعوں کی تعمیر میں اسلام وہ سب کچھ کھو بیٹھا ہے جو صرف چند برس تک مسلمانوں کو قرآن کے ادنیٰ اور ابتدائی عمل کے انعام میں ملا تھا۔

وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۞ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۞ (۴۳: ۲-۵)

† "الکتٰبِ المبین" کے معانی کے متعلق، جیسا کہ صفحہ ۵۰ کے تحت المتن میں ظاہر کیا گیا ہے، ابھی کچھ بحث کرنا پیش از وقت ہے لیکن ان آیات یعنی (۴۳: ۲-۳) اور (۱۲: ۱-۲) سے کم از کم یہ ظاہر ہوتا ہے کہ (۴۳: ۲) میں کسی "روشن اور بیّن کتاب" کی شہادت پیش کی گئی ہے اور جعلنٰہ (۴۳: ۳)

Marfat.com

لوگو! کتاب مبین اس امر کی شاہد ہے کہ ہم نے کتاب خدا کو عربی زبان میں محض اسلئے کردیا ہی کہ تم اسکے دستور العمل کو بآسانی سمجھ لو۔ اور یہی قرآن جسکو تمہارے سمجھنے کی خاطر عربی لباس پہنایا گیا ہے اُس اُمّ الکتٰب کا ایک حصہ ہے جو ہمارے ذہن میں ہے اور جو ایک مقتدر اور مخزن حکمت کتاب ہے۔ تو کیا اس وجہ سے کہ تم لوگ اس کتاب کے حقیقی مقاصد نہ سمجھنے میں حد سے بڑھے جاتے ہو اور ہمارے مطلب کو نہیں پاتے ہم اس کتاب کے مطالب کو تم سے سرتاسر اِسطرح اُچک لیں کہ تم خاک بھی نہ سمجھ سکو؟

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (۱۲: ۱-۲)

اے ساکنانِ زمین! یہ آیات الٰہی اس جلیل القدر کتاب سے ماخوذ ہیں جو روشن اور واضح ہے۔ اور اسمیں شک نہیں کہ ہم نے اس کتاب مبین کو اپنے ہاں سے عربی زبان کا لباس پہنا کر عربی اللسان قرآن اس لیئے بنایا ہے کہ تم لوگ اس کے اسرار عالیہ کو سمجھکر عقلمند بن جاؤ۔

قرآن کے مقاصد اور اسلامی فلسفۂ اخلاق پر یونانی حکمت کے اس مُہلک اثر کے علاوہ اور بھی فساد آفرین اثرات پڑے جن کا تعلق خود اہلِ عرب کی جبلّت اور طینت سے تھا۔ عرب ظہور اسلام سے پہلے یونانیوں

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۶۰) اور اَنْزَلْنٰهُ (۱۲: ۲) کی ضمیر مُو کا مرجع بھی اسی "کتٰب مبین" کی طرف ہے۔ گویا خدائے بیمثال نے کسی کتاب مبین کو شاہد بنا کر یہ کہا ہے کہ ہم نے اُس کتاب مبین کو عربی زبان کا لباس پہنا کر عربی قرآن اسلیئے بنا دیا ہی کہ تم عقلمند بن جاؤ۔ ان آیاتِ الٰہی کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لیئے بیحد غور و خوض درکار ہے لیکن صفحہ ۹ کے تحت المتن سے جو علم طبقات الارض کے متعلق ہے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ "الکتاب المبین" دراصل صحیفۂ فطرت ہی ہے۔ اور اسکو مبین اسلیئے کہا گیا ہے کہ ہر شخص کے پیش نظر ہے۔ اگر اس مفہوم کو تسلیم کر لیا جائے تو آیات (۴۳: ۲-۳) کے معانی صاف ہو جاتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

"لوگو! صحیفۂ کائنات جو تمہاری نظروں کے سامنے روشن اور عیاں ہے اس امر کی گواہی دے رہا ہے (وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ) کہ ہم نے اس کارگاہ اکبر کے تمام پوشیدہ قانون کا ترجمہ سہل الفہم اور عربی اللسان قرآن میں اسلیئے کردیا ہے (جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا) کہ تم اسکے رازوں کو سمجھکر ہوشمند بن جاؤ (لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ)۔ (گویا اسلام دین فطرت ہے اور قرآن کریم صحیفۂ فطرت کے قانون کا لُب لباب ہے۔)

حکمائے مغرب نے بھی جریدۂ فطرت کو کتاب سے تشبیہ دی ہے اور اسکا مثل ایک کتاب کے معرفت خدا کے نکات اور معلومات عالیہ سے پُر ہونا تسلیم کیا ہے۔ اور دراصل یہی وہ عظیم الشان کتاب ہے جو خدائے عظیم نے خود اپنے ہاتھوں سے مرتب کی ہے۔ اعمال خدا کے اسرار و حقائق کے متعلق اس سے روشن تر کتاب کا ملنا قطعاً غیر ممکن ہے بشرطیکہ اسکا صحیح مطالعہ ہو سکے۔ لیکن اسکا صحیح مطالعہ کرنا آسان کام نہیں۔

آگے چلکر "الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ" کے ان معانی کی حیرت انگیز شہادت قرآن کریم کی مختلف آیات سے ملیگی۔ یہاں صرف مطالب کو قابل فہم بنانے کی غرض سے پیش از وقت متنبہ کر دیا گیا ہے۔ رہا اس بات کو پایہ ثبوت تک پہنچانا کہ قرآن کا قانونِ عمل کسقدر صحیفۂ فطرت کے قانون کا ہو بہو عکس ہے، اور کیونکر فِطْرَتَ النَّاسَ عَلَيْهَا (۳۰: ۳۰ صفحہ ۴) کا مصداق ہے اسکی شہادت اصل کتاب میں جابجا ملے گی۔ البتہ نفس مطلب کی تائید اُن تمام آیات سے جو صفحہ ۵۷ پر "تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ" کے تحت المتن میں بیان ہوئیں بصراحت تمام ہوتی ہے جہاں "الْكِتٰبُ" اور "قُرْاٰن"

Marfat.com

کی طرح اوہام پرستی اور خیال آرائی میں ماہر تھے۔ اُن کے مذاہب اور ادیان میں، اُنکی عبادات اور معاملات میں، اُنکی رسموں اور رواجوں میں **تخیّل اور توہّم** کا عظیم تر حصّہ شامل تھا۔ اُن میں غیب دانی اور کہانت کا بکثرت رواج تھا۔ زود اعتقادی کی یہ حد تھی کہ عورتیں[†] بھی نبوت کا دعوٰے کر کے قبائل سے بیعت کرالیا کرتی تھیں۔ قیافہ شناسی، تفاؤل و تشاؤم، تنجیم و تسحیر، میسر و ازلام، سیمیا، وغیرہ وغیرہ ایسے اعتقادات واہیہ تھے جن پر صدیوں سے نہایت ایماندارانہ عمل چلا آتا تھا۔ ظن و قیاس سے واقعات کی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۶۱) مُّبِيْنٍ (۵:۱۵) اور اَلْقُرْاٰنِ اور كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (۲۷:۱) کے درمیان ظاہری شناخت قائم کر کے کتابِ فطرت اور کتاب خدا کو ایک سمجھنے کا پرمعنی اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن اسی مطلب کی ایک اور آیت بھی غور طلب ہے جس میں خود قرآن ہی کو کتابِ مبین کا لقب دیا گیا ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے: قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (۵:۱۵)۔ "لوگو! تمہارے پاس خدا کی طرف سے یہ قرآن کیا آیا گویا نور اترا ہے اور کتاب مبین اُتری ہے"۔ گویا قرآن اور کتاب مبین (یعنی صحیفۂ فطرت) ایک ہی شئے ہیں۔ لیکن ان معانی کی مزید شہادت اصل کتاب میں اپنے موقع پر ملے گی۔

اَلْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ کے اِن معانی کے بعد دوسرا سوال یہ ہے کہ "اُمّ الْكِتٰب" کیا شئے ہے۔ لیکن ادنیٰ سے تامّل کے بعد یہ فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ اگر "الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ" صحیفۂ فطرت کا وہ حصّہ ہے جہاں تک انسان کے حواس ظاہری پہنچ سکتے ہیں تو "اُمّ الْكِتٰب" لامحالہ تمام کائنات ہی جس کا ایک عظیم تر حصّہ انسان کے دست قدرت اور علم سے قطعًا باہر ہے اور جس کا کامل علم لامحالہ اُس ذات باری کو ہے جس نے اسکو اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ اسی لئے اسکو "لَدَيْنَا" کہا گیا ہے اور چونکہ صحیفۂ کائنات ہی تمام علم و حکمت کا مخزن ہے اسلئے اسکو "لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ" کا خطاب دیا گیا ہے۔ عوام کی زبان میں "اُمّ الْكِتٰب" کو مفسرین نے "لوح محفوظ" کہا ہے لیکن اگر بنظر عمیق دیکھا جائے تو یہ صحیفۂ کائنات ہی وہ عظیم الشان کتاب ہے جو لاکھوں اور کروڑوں برس سے محفوظ ہے۔ اسی کے اندر خدا کا علم، اسکا قانون، اسکی حکمت چھپی پڑی ہے۔ وہ اس کے علاوہ کوئی بڑی لمبی چوڑی مجلد نہیں جو جہلا کی زبان میں ساتویں آسمان پر عرش خدا کے کنارے پر رکھی ہے اور جس کی لمبائی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے"۔ اس نکتے کو پیش نظر رکھکر آیہ (۴۳:۴) کے مطالب صاف ہو جاتے ہیں: "اور یہ قرآن عظیم اس صحیفۂ کائنات کے عالم آرا قانون کا ایک جزء ہے (وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ) جو اِس وقت ہمارے پاس پڑا ہے (لَدَيْنَا) اور جو ایک بڑے پائے کا قانون (لَعَلِيٌّ) ہے اور حکمت سے پُر ہے (حَكِيْمٌ)"۔ جب دین اسلام کے رُو سے خدائے عزوجل کے وجود کو انسان کی شکل و صورت سے قطعًا کوئی مماثلت نہیں تو خدا کی بنائی ہوئی اُمّ الکتب بھی کاغذ کی بنی ہوئی انسانی کتابوں سے اصلاً مختلف ہونی چاہیئے۔

† زمانۂ جاہلیت کے اہل عرب کے نزدیک کہانت اور نبوت میں بہت کم فرق تھا۔ سب وہ لوگ جو آیندہ یا گذشتہ واقعات پر اطلاع رکھنے کا دعوٰے کرتے تھے کاہن کہلاتے تھے۔ جو اس کے علاوہ شعبدہ بازی اور عجائبات دکھلانے کا ادعا کرتے نبی کہے جاتے تھے۔ چنانچہ ان شرائط کو بزعم خود پورا کرنے والے افراد ہر قبیلے اور قریے میں موجود تھے۔ افعی، جذیمہ ابرش، اسود عنسی، ابن ابی سرح، مسیلمہ، وغیرہ وغیرہ چند مشہور کاہنوں اور نبیوں کے نام ہیں۔ ایک مشہور عورت سجاح بنت حارث نے جو قبیلۂ تمیم کی شاخ بنی یربوع سے تھی رسول خدا کے زمانے میں نبوت کا دعوٰے کیا مگر مسیلمہ کے بالمقابل ایک مدت تک اسکا زور نہ چل سکا۔ رسول خدا کی وفات کے بعد پھر اسی عورت نے جزیرہ بنی تغلب میں نبوت کا دعوٰے کیا اور بنی تمیم کو اپنا حمایتی بنا کر اسلام کے لئے ایک مستقل خطرے کی صورت پیدا کر دی۔ اسلام سے پہلے بھی ایسی کاہنہ عورتیں عرب میں ظاہر ہوئیں اور خلق خدا کو اپنے تابع کر لینے میں چند لمحوں تک کامیاب ہوتی رہیں۔ تفاؤل اور تشاؤم کا رواج بھی اہل عرب میں اسلام سے پہلے انتہائی حد تک پہنچ چکا تھا۔ عرب کے ان اعتقادات واہیہ کا بقیہ ابھی تک عالم اسلام کے اندر استخاروں اور پیشگوئیوں کے شرعی تقدس میں رونما ہے۔

پیش بینی، اور غیر متعلق واقعات کو ذات پر محمول کر لینا اُنکے خمیر میں داخل ہو گیا تھا۔ من گھڑت روایات اور آبائی مزخرفات کا ایک عظیم الشان طومار اُن کا علم ادب بلکہ اخلاقی ضابطہ بن گیا تھا۔ فصاحت اور شعر گوئی کا یہ عشق و ولولہ تھا کہ عین میدان جنگ میں، سفر و حضر میں، خطابات اور مناظرات بلکہ عالم خواب† میں، رجز و سجع بے تامّل کہہ دیتے۔ ظہور اسلام سے بیشتر بیسیوں برس تک، فصاحت کے یہ جنونی امرأ القیس، زہیر، لبید بن ربیعہ وغیرہم کے مُعلقات السبع کے سامنے فی الحقیقت ماتھا رگڑتے رہے، اور مُجمہرات اور منتقیات السبع‡ کے مصنفوں کو اپنے تخیل اور فصاحت حتیٰ کہ اعمال و اعتقادات کا سچا رہنما مانتے رہے۔ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان تمام مراسم شنیعہ کو جہنم کا شعلہ اور غضب الٰہی کی آگ دکھا کر یک قلم معدوم کر دیا۔ تمام مذاہب و ادیان ملیامیٹ ہو گئے؛ توہم پرستی قطعاً جڑ سے اُکھڑ گئی کہانت اور نبوت کے متعلق سب مافوق الفطرۃ عقائد اور دعاوی قرآن کے ایک ادنیٰ اشارے سے باطل ہوتے گئے: اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِهِم مِّن جِنَّةٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ (۷: ۱۸۴)[1] نجوم پرستی اور سحر کے تمام شعبدے بیکار ہو گئے؛ قرآن کی روشن اور نمایاں حقیقت کے سامنے کذب و دروغ سب فنا ہو گیا: وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ

---

[1] کیا ان لوگوں نے اس بات پر کبھی غور نہیں کیا کہ اُنکے پیشوا (یعنی رسولِ خدا) کے اندر کوئی جن تو ہے نہیں، وہ کوئی پاگل تو ہیں نہیں کہ اُن کی بیہودہ اور اَن ہونی فرمائشیں قبول کرتے پھریں وہ تو صرف کُھلم کُھلا اور صاف طور پر عذاب خدا سے ڈرانے والے ہیں الخ۔

---

† عالم خواب میں شعر کہنے کے متعلق اہل عرب کی بعض روایتیں مشہور ہیں جن کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں۔

‡ مُعلقات کے سات قصائد مشہور ہیں۔ ان کے مصنف امرأ القیس، زہیر ابن ابی سلمیٰ، حارث بن حلزہ، لبید بن ربیعہ، عمرو بن کلثوم، طرفۃ بن العبد، اور عنترۃ بن شداد ہیں۔ "مجمہرات" بھی سات قصیدے تھے جو نسبتاً کم مشہور ہیں۔ نابغہ ذبیانی، عبید بن الابرص، عدی بن زید، بشر بن کازم، امیۃ بن ابی الصلت، خداش بن زہیر، نمر بن تولب العکلی، ان قصائد کے مالک تھے۔ "منتقیات" تیسرے طبقے کے قصائد ہیں۔ جن کے مصنف مسیب بن علس، مرقش بن جریر، مرقش الاصغر، عروۃ بن الورد، دید بن صمتہ، مہلہل بن ربیعہ، اور عثمان بن سوید تھے۔ یہ سب شعرا اکثر زمانۂ جاہلیۃ ہی کے تھے۔ معلقات کے سات قصائد خانۂ کعبہ کی دیواروں پر لٹکتے رہتے تھے۔ لوگ ان کو اکثر دیکھتے اور ان کے سامنے سجدہ کرتے۔ بیتکۃ الحکم فی طبقات الامم میں معلقات پرستی کی مدت ڈیڑھ سو برس لکھی ہے۔ مگر امرأ القیس کے عہد حیات (۵۳۰ء) اور ابتدائے اسلام کے زمانے (۶۲۱ء) کو پیش نظر رکھ کر اس مدت عبادت میں بہت کچھ مبالغہ معلوم ہوتا ہے علاوہ ازیں بعض جدید محققین نے ان قصائد کے دیوار کعبہ پر آویزاں ہونے سے بھی یکسر انکار کیا ہے۔ اور معلقات کے تسمیے کو حمّاد الراویہ سے منسوب کیا ہے۔ بہر نوع واقعات کچھ ہی ہوں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان قصائد کی عرب میں خاص عزت تھی۔ لہٰذا کوئی شئے ان کے بالمقابل قدر و قیمت میں شہرت نہ پا سکتی تھی۔

Marfat.com

وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿۱۷: ۸۱﴾ - فصاحت کے طاقتور اور فساد انگیز طلسم کو توڑنے کے لیئے کلام الٰہی نے اپنے بے ارادہ زورِ کلام سے ہی خاموش مگر ترکی بہ ترکی جواب دیکر عرب کو ہمیشہ کے لیئے دم بخود کردیا، معلقات کی پرستش از خود ماند پڑ گئی - عرب کی طاقت گویائی گویا اچک لی گئی۔ مگر ساتھ ہی عرب کے اس مالیخولیائی وصف کی علانیہ تکذیب و توہین کے ارادہ سے، اور کتاب الٰہی کی حیثیت کو شعر و فصاحت سے بے انتہا بلند تر جتلانے کیلئے، شارع اسلامؐ نے شاعروں کو اللہ کے رستے سے بھٹکے ہوئے، وہم و گمان کی وادیوں میں سرگردان، جھوٹے اور سفری قرار دیا۔

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۝ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۝ ﴿۲۶: ۲۲۴-۲۲۶﴾

اور جیسا کہ عرب خیال کرتے ہیں رسولِ خدا شاعر بھی نہیں۔ شاعر تو خود گمراہ ہوتے ہیں اور گمراہ لوگ ہی اُنکے پیچھے لگتے ہیں۔ کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ وہ عالم وہم و خیال کے ہر میدان میں پڑے بھٹکتے ہیں اور اکثر اپنے بارے میں فخر کے طور پر وہ کچھ کہتے ہیں جو کبھی کرتے نہیں۔

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ[†] وَمَا يَنبَغِي لَهُ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ۝ لِّيُنذِرَ مَن كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ ﴿۳۶: ۶۹-۷۰﴾

اور ہم نے رسولِ خدا کو کچھ شاعری تو نہیں سکھائی اور نہ شاعری اُنکی شان ہی کے لائق ہے۔ یہ قرآن تو نری نصیحت ہی نصیحت ہے، ہاں البتہ واضح کتاب ہے۔ اور اسکے نہیں ہونے سے مقصود یہ ہے کہ باحس اور بیدار لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرائے اور ساتھ ہی منکروں پر ہمارے عذاب کی دھمکیاں برحق ثابت ہوں۔

---

[۱] اور ان سے کہدو کہ اب حق آگیا اور باطل نیست و نابود ہو گیا۔ اور فی الحقیقت اُس نے تو ایک نہ ایک دن مٹنا ہی تھا۔

[†] اس آیت میں اور اور کئی موقعوں پر جن کی تفصیل آگے آئے گی مخالفین نے قرآن کو شعر کہا ہے۔ حالانکہ قرآن موجودہ معانی میں شعر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ موزوں نہیں، بلکہ تمام کا تمام مقفّٰی بھی نہیں حقیقت یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب ہر اُس شئے کو جس میں نظافت بیان ہو، ایجاز و اختصار ہو یا جسکی عبارت مقفّٰی ہو، بلالحاظ وزن شعر کہا کرتے تھے۔ فصاحت کا معیار بھی اُن کے نزدیک یہ تھا کہ خوبیٔ مضمون کے ساتھ ساتھ الفاظ خوش اسلوبی سے پیوست کیئے گئے ہوں، ان میں ترنم ہو، مطالب سادہ اور دلچسپ ہوں، ان میں غیر ضروری عمق نہ ہو، لیکن وزن کا ہونا یا نہ ہونا ضروری نہ تھا۔ اسی بنا پر اہل عرب سجع، رجز، خطبات، مناظرات اور قصائد سب کو شعر میں داخل سمجھتے تھے۔ اور چونکہ اس قطع کے شعر کا جزوِ اعظم ہمیشہ سے یہی ہے کہ انسان کے سفلی اور سطحی جذبات یا صرف سامعی محسوسات کو برانگیخت کرتا ہے، اور باطنی تربیت اسمیں مدنظر نہیں ہوتی، اس لیئے قرآن کو اپنے متعلق ایسی فصاحت کے معترف بننے میں چڑ تھی۔ اسی نقطۂ نظر سے قرآن نے جابجا شعر ہونے سے انکار کیا ہے اور اسی لحاظ سے وہ فصیح بھی

اِن اعتقادی خرابیوں سے قطع نظر، عرب کا سب سے نمایاں اور مہلک عیب اُن کا باہمی انتشار اور **نفاق** بھی تھا۔ سب قبیلے ایک دوسرے کے خلاف آمادۂ جدال رہا کرتے تھے، بغض و حسد اُن میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، سب کی سب کچھ رسم وراہ نہ رہی تھی! اُن کی ذاتی اور پشتینی عداوتیں تھیں، حریفانہ کاوشیں اور خاندانی رنجشیں تھیں، حسب و نسب کے فخریہ جھگڑے، اور بداعمالی کے اِدّعائی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۶۴) نہیں۔ تعجب ہے کہ باوجود اِس صریح اور پے درپے انکار کے آج مسلمانانِ عالم قرآن کو انہی معنوں میں فصیح مانتے ہیں جن سے اُسکو عمداً احتراز ہے۔ قرآن کے تمام طول وعرض میں اُسکی فصاحت کے متعلق ایک حرف کہیں موجود نہیں! نہیں بلکہ فصاحت کا لفظ بھی سوائے وَ اَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا[۵۱] (۲۸ : ۳۴) کے جو حضرت ہارونؑ کے متعلق استعمال ہوا ہے کہیں نظر نہیں آتا! آئندہ اوراق میں اِس امر کے متعلق توضیح کردی جائے گی، لیکن قرآن کے "فصیح فی البیان" ہونے کا مہلک اور شرمناک تخیل مسلمانوں کی ہر رگ و پے میں اسقدر سرایت کر چکا ہے کہ اب اِس کتاب عظیم کی اور کوئی خوبی اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں آتی۔ اگر فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ[۵۲] (۲ : ۲۳) کی صلائے عام جو خدا نے قرآن حکیم کے متعلق جابجا دی ہے، فی الحقیقت اسکی فصاحت، اسکی شاعریت، اسکے صنائع اور بدائع کی خوبیوں کے متعلق ہے، اور اِس کتاب جلیل کی عالم آرا **حکمت**! اسکے ناپیدا کنار **علم**، اسکی حیرت انگیز **صداقت** اور بے نظیر **ہدایت** سے اِس دعوے کو چنداں واسطہ نہیں، تو آج ابوالقاسم حریری کے مقامات کا ایک ایک ورق، یا امرؤ القیس ابن حجر کے قصائد کا ایک ایک بیت ان انسانی کمزوریوں اور تکلفات، اِن خود ساختہ ترہات اور لغویات سے اسقدر پُر ہے کہ قرآن کی عبارت اُن کے بالمقابل ہرگز نہیں ٹھہر سکتی۔ اگر فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ[۵۳] (۱۱ : ۱۳) سے صاحب القرآن کی مراد فی الحقیقت یہی تھی کہ برجستہ الفاظ اور چست بندشوں، یا قوافی اور استعاروں کی مناسبت میں اسکا ادبی مقابلہ کیا جائے، اور دین اسلام کو کسی اجل زدہ اُمت کے لغو شاعروں کا اکھاڑہ بنا کر خدائے زمین و آسمان سے "ذوق سلیم" کی داد (العیاذ باللہ) دلوائی جائے، تو آج مسیلمہ کذاب کا افترا کیا ہوا "قرآن" بھی جس کی چند پریشان آیتیں کہیں کہیں ملتی ہیں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لائے ہوئے قرآن سے کسی اسلوب میں کم نظر نہیں آتا، کیونکہ اُس مفتری علی اللہ کی سحر بیانی نے بھی آخر انہی عرب قبائل کی ایک تعداد کثیر کو عین صدرِ اسلام میں برسوں تک دم بخود کر رکھا تھا جو خوش اعتقاد مسلمانوں کے قول کے مطابق اِس سے پیشتر قرآن کی ادبی خوبیوں پر مرمٹے تھے! قرآن اگر آج زمین کے طول وعرض میں پھیل کر ساکنانِ عالم کے لیے مشعلِ نورِ ہدایت بن گیا ہے، اور مسیلمہ کا تمام قافلہ لُٹ کر پیوندِ زمین بن چکا ہے، تو اسکی وجہ یہ نہیں کہ قرآن کی زبان علم ادب کے اُن رسمی قواعد کے رو سے بہتر ہے جن کو خود انسان ہی نے وضع کیا، نہ اس لیے کہ مالکِ زمین و آسمان اور بادشاہِ ارض و سما نے بادشاہ ہو کر بیچمیز انسان کے اسالیبِ بیان کا بہترین تتبع کیا ہے، بلکہ اِس لیے کہ یہ تصنیف جلیل **کلام ملوک** میں وہ **ملک الکلام** ہے جس کی حکمت اور حقیقت، جس کا علم و فضل، نور و ہدایت سب انسانی تصانیف سے حتماً بالاتر ہے! یہ ناپید اکنار علم کا مخزن ہونا ہی وہ مات کن فضیلت تھی جس کے آگے مغرور سے مغرور گردنیں جُھک گئی تھیں، جس کے سامنے بادشاہوں نے گردن خم کردی تھی، عرب اور عجم سب دم بخود ہو گئے تھے، عمر (رضی اللہ عنہ) سا اَنْوَر اور سخت گیر دشمن مُڑ گیا تھا، **ابوسفیان** نے بالآخر توبہ کرلی تھی، اور آج بھی اگر قرآن عظیم سے دل میں باغی اور منہ سے مُقِر مسلمان اسکے آگے از سرِ نو گردن اطاعت خم کرسکیں گے تو اسکی شاعرانہ حیثیت کو دیکھ کر نہیں، بلکہ لامحالہ اسکے علم ہی کے قائل ہو کر کرینگے! سورۂ ہود میں بتلاتی)

[۵۱] وہ یعنی ہارونؑ مجھ سے زیادہ اپنے کلام میں فصیح ہے۔ [۵۲] تو اس قرآن جیسی ایک سورۃ تو کہیں سے لے آؤ۔ [۵۳] تو اسی طرح کی من گھڑت دس سورتیں تم بھی بنا لاؤ۔

Marfat.com

اعلان تھے ، ذاتیات پر بے اندازہ فخر و طعن تھا۔ اس بنا پر اُن کے درمیان ادنیٰ سی بات پر نارِ حرب مشتعل ہو جاتی تھی۔ پھر اِن خانہ زاد لڑائیوں میں قبیلوں کے قبیلے اپنی بسالت اور تہور، اپنے شرف اور تفاخر، اپنے زور و عمل کے جوہر دکھانے کے لیے شوقیہ مل جاتے تھے۔ پھر خود نمائی اور نفس پسندی کی آن اکثر اوقات اس حد تک نمایاں ہو جاتی تھی کہ برسوں کے مقاتلے اور انتہائی کشت و خون کے باوجود مصالحت کا نام زبان پر لانا بے غیرتی میں داخل تھا۔ ہادیٔ اسلام نے اس ہلاکت انگیز معاشرت کو حکومت خدا اور

(بقیہ تحت المتن صفحہ ٦٥) أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَإِلَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ وَأَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ۝ (١١: ١٣-١٤)

کیا قرآن کے منکر کہتے ہیں کہ محمدؐ اسکو اپنی طرف سے گھڑ لایا ہے۔ انہیں کہہ دو کہ اں تم بھی ایسی ہی گھڑی ہوئی دس سورتیں لے آؤ، اور اگر تم اس الزام دہی میں سچے ہو تو خدا کو چھوڑ کر تمام دنیا جہان کے لوگوں کو، جہانتک تمہاری طاقت ہے، مدد کے لیے بلاؤ کہ تمہاری بنائی ہوئی سورتیں مقابلے میں پوری اُتر سکیں۔ پھر اگر لوگ (پھر بھی تمہاری اس دعوت کو قبول نہ کریں تو جانے رہو کہ یہ قرآن عظیم اس خدائے زمین و آسمان کے علم کو اپنے ساتھ لیکر اترا ہے (اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللهِ) اس شارع کائنات کی ناپیدا کنار حکمت کا امین ہے اور وہ وہ علیم بے مثال ہے جسکے مثل کوئی دوسرا حتیٰ نہیں (وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ) تو کیا تم اس ناممکن الحصول فضیلت کو پیش نظر رکھکر اسکو کتاب خدا تسلیم کرنیکے لیے تیار ہو؟

خدائے زمین و آسمان معاذاللہ کوئی شاعر نہ تھا کہ لوگوں کو ادبی مقابلے کے لیے بلاتا، اس کی بڑی اور کارگر دھمکی یہی ہے کہ انسان کا علم اُسکے بالمقابل محض ہیچ ہے، یہی وہ شے ہے جو شاگرد کو اُستاد کے سامنے، محکوم کو حاکم کے حضور میں، جاہل کو عالم کے روبرو، مستغیث کو منصف کے آگے حتماً چپ کرا دیتی ہے! اسی کے ہوتے ہوئے کسی کو دم مارنے کا یارا نہیں ہوتا! اگر بعثت رسولؐ کے زمانے میں تمام کا تمام عرب فصاحت کا شیدا تھا، اگر عرب کو اپنی شاعری کے بالمقابل تمام دنیا گُنگ نظر آتی تھی، تو بھی خدا پر اسکا کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اور نہ اس موقع کو غنیمت جانکر (العیاذ باللہ) خدا اپنی فصاحت کو ظاہر کرنے کا اشتیاق رکھتا تھا۔ اُس پاک ذات نے اگر قرآن کو عربی زبان میں اتارا تھا تو محض اسلیئے کہ عرب کی گمراہ قوم قانونِ خدا کو سمجھ جائے: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (١٢: ٢) اُسکے منشا کو اخذ کرے: اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (٤٣: ٣) اُن کا کوئی لنگ عذر باقی نہ رہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۝ (١٤: ٤) اُن کی بہانہ سازیاں معدوم ہو جائیں، انکو اس تشریح و تبیین کے بعد کسی اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہے، اُن کے لیے باعث تذکیر و اعتبار ہو: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (٤٤: ٥٨) مصدرِ امن و بشارت ہو: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝ (١٩: ٩٧) اس سے زیادہ قطعاً اور قاطبۃً کچھ نہیں اور اگر مسلمانانِ عالم اسپر بھی کسی مضحکہ انگیز وہم میں گرفتار ہیں اور قرآن کو کسی عربی ہزل گو یا ہندی تُک بند کا مجموعۂ نکات سمجھتے ہیں تو سمجھتے رہیں اس سے کلامِ الٰہی کی عظمت اور صداقت میں لزوماً کوئی فرق نہیں آتا۔

اس میں شک نہیں کہ ہر وہ کتاب جس کا منشا علم و یقین کی طرف رہنمائی کرنا ہو، جو صدق نیت اور خلوص دل سے لکھی گئی ہو، جو سرتاپا راستی

٥١ مطالب کے لیے دیکھو متن صفحہ ٦٠-٦١ ٥٢ دیکھو متن صفحہ ٦١ - ٥٣ دیکھو تحت المتن صفحہ ٤٦ - ٥٤ دیکھو تحت المتن صفحہ ٥٧ ٥٥ اے پیغمبر! ہم نے قرآن کو تمہاری زبان کا لباس پہنا کر محض اس لیے آسان کر دیا ہے کہ تم اس کے ذریعے سے خدا سے ڈرنے والی قوم کو خوشحالی کی خبر دو، اور عرب کی جھگڑالو اور نفاق پرور قوم کو عذاب خدا سے ڈراؤ۔

Marfat.com

خوف احکم الحاکمین کے حلقۂ اثر میں لاکر کالعدم کردیا۔ سب فرقہ بندیاں اور نفاق آرائیاں جڑ سے اکھاڑ دیں، صدیوں کے دشمن دوست کردیئے، سینوں کی کدورتیں نکال پھینکیں، دلوں سے کینے یکسر اچک لیئے، اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ[۱] (۴۹: ۱۰) کا لشکر انگیز فرمان بارگاہِ خداوندی کے ہاں سے دکھلا کر چند برسوں کے اندر اندر محکوم اور شکست زدہ اہل عرب کو فرماں فرمائے عالمیان اور بادشاہ وقت بنادیا!

یہ سب کچھ اسلام اور قرآن کا ناقابل انکار معجزہ تھا مگر عرب کی جبلّت اور طینت کو کون بدل سکتا تھا؟ وہ عادتیں اور خاصیتیں جو اُن کی فطرت میں ہزار در ہزار برس پہلے سے چلی آتی تھیں کس طرح چشم زدن میں اُنسے رخصت ہوکر اپنا نقش پا نہ چھوڑتیں؟ وہ ملّی اوصاف جو قرنوں اور صدیوں پہلے اُنکی مٹی میں خمیر ہوچکے تھے، اُن کے طبعی میلانِ کار کو کیسے بے اثر چھوڑ دیتے؟ قرآن کی قاطع الظن اور متحد الاعمال تعلیم کی فدایانہ تعمیل میں عرب اپنی ظاہری عبادات اور مرسومات کو بدل سکتے تھے، اپنی آبائی روایات اور اعتقادات کو بادی النظر میں چھوڑ سکتے تھے، اپنے داخلی مناقشات اور قبائلی تنازعات کو علی رؤس الاشہاد محو کرسکتے تھے، بلاغت اور فصاحت کے ذاتی اِدعا کو بھی طوعاً و کرہاً خیرباد کہہ سکتے تھے، مگر طبائع کے باطنی رُجحان اور اصلی طریق تخیل کو ہرگز نہ بدل سکتے تھے۔ اُنکا مسلک وہم و خیال یونان کی قدیم وہمی روایات سے ہزارہا سال قدیم تر تھا۔ اُنکی قبائلی زندگی کی بُنیاد روزِ آفرینش سے اسی انداز پر چلی آتی تھی۔ وہ اِسی وہمی اور اعتقادی ماحول کے بگڑے ہوئے طفلک، اور اِسی فرقہ آرائی اور انتشار کے کُہنہ مشق استاد تھے۔ اِس بنا پر اُن میں کسی حقیقت کشا علمی صداقت یا عافیت انگیز

---

[۱] ایمان والے تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۶۶) اور حقیقت پر مبنی ہو، جسمیں واقع الامر کی تائید اور صراط مستقیم کی تاکید ہو، جس کا منتہائے نظر انسان کو امن کا راہ راست دکھانا اور اجتماعی ہلاکت سے حتی الوسع بچانا ہو، ہر ایسی کتاب خود بخود اپنے زور بیان کے باعث، اپنی صداقت اور عمق نظر کی وجہ سے بلیغ بلکہ بسا اوقات فصیح بھی بن جاتی ہے لیکن اِس بلاغت اور فصاحت کا شاعرانہ تکلف اور آورد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اِنہی معنوں میں قرآن حکیم بھی بلیغ ہے۔ جیساکہ آگے چلکر جابجا واضح ہوگا۔

بہر نوع محولہ بالا آیات سے ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کے متعلق شاعرانہ فصاحت کا دعوٰے سرتاپا اہل عرب یا مسلمانانِ عالم ہی کی ایجاد ہے۔ صاحب القرآن کو اِس سے کوئی تعلق نہیں۔

Marfat.com

معاشری آئین کا معناً اور اصالۃً رائج ہو جانا ازبس متعذر تھا۔ اسی قطع کی ایک متفرق اور اوہام پسند نوحؑ کی قوم، اِن سے صدہا برس پیشتر، اپنے ضعف ایمان اور طغیان کے باعث غضب الٰہی کے تنور میں دردانگیز طور پر غرق ہو چکی تھی؛ (سورۂ ہود ۱۱: ۳۵-۴۹)؛ اسی جزیرۃ العرب کے ایک حصے میں عاد و ثمود کی احکامِ الٰہی سے متذبذب اور آیاتِ خدا کی مکذب قومیں بالآخر اللہ کے عذاب غلیظ اور صیحہ سے دوچار ہوئی تھیں (سورۂ ہود ۱۱: ۵۰-۶۰)؛ اسی دیار کے بسنے والے اصحاب مدین، صدیوں پیشتر کم وزنی اور شرک کرتے کرتے غضب الٰہی کی چیخ کے شکار ہو گئے تھے (سورۂ ہود ۱۱: ۸۴-۹۵)؛ اور وہ دراصل اسی مٹی میں رہنے والے وہم زدہ لوگ، اور قریب قریب اسی آب و ہوا میں پلے ہوئے فرقہ بند آدمی تھے جنھوں نے وادیٔ سینا میں موسیٰ علیہ السلام کی شریعت بیضا کو ہاتھ میں لیکر، اُنکی غیبت میں، اپنی پُرانی عادت کے مطابق اللہ سے انکار، اور بچھڑے کی پرستش شروع کر دی تھی (سورۂ اعراف ۷: ۱۴۸-۱۵۰)؛ نہیں بلکہ وہ انہی عرب کے ہم اصل (سامی) اور قریب النسل (عبرانی)، ہم مشرب اور ہمسائگت میں رہنے والے بھائی بند تھے جنھوں نے حکومت، فارغ البالی، زرخیز زمینوں، معتدل آب و ہوا، چشموں اور نہروں اور انواع و اقسام کے طیبات رزق کی بے قدری کر کے بالآخر ذلّ و مسکنت کی وہی پُرانی طرز معیشت کو پسند کر لیا تھا؛

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۲: ۶۱﴾

اور اے بنی اسرائیل! کیا تمھیں وہ وقت یاد ہے جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا کہ اے موسیٰ! اب تو ہم ایک ہی قسم کے ان اچھے اچھے کھانوں اور اس سرزمین کے شکار وغیرہ سے تنگ آ گئے ہیں تو آپ ہمارے لیئے اپنے پروردگار سے دعا کریں کہ شیرینی درخت طلّ اور بٹیر (منّ و سلویٰ) کی بجائے ہمارے لیئے زمین سے جو چیزیں اُگتی ہیں، یعنی ترکاری اور ککڑی، گیہوں اور مسور اور پیاز، پیدا کرے۔ موسیٰ نے کہا کیا تم فضیلت اور حریت کے اس مقام رفیع کو چھوڑ محکومیت اور افلاس کی ادنیٰ معاشرت کو پسند کرتے ہو، اچھا تو یہاں سے کسی متمدن شہر کو چل پڑو جہاں کی حاکم قوم تم کو

Marfat.com

فلاحت اور زراعت میں لگادے گی ، اور تم کو وہی کچھ مل رہے گا جو مانگتے ہو۔ پھر ان پر ذلت اور محتاجی لیس دی گئی اور وہ خدائے قاہر کے غضب میں آگئے : یہ سب اس لیے کہ انہوں نے خدا کے مستعدر کنے والے احکام سے غفلت برتنی شروع کر دی تھی ، اور رُسُل کو ناحق قتل کیا تھا ، اور نیز اس لیے کہ اپنے امیر جماعت کی نافرمانی کی تھی اور کاہلی ، کامچوری ، اور ناقدرشناسی میں حد سے زیادہ تجاوز کیا تھا۔

صدرِ اسلام کے اہل عرب نے بلاشبہ صاحبؐ شریعت کی زندگی میں ہی کلام الٰہی کے آگے سر بسجود ہو کر اپنا سارا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا تھا؛ وہ سارے کے سارے ایک اقل قلیل مُدت میں ماسوی اللہ کے قطعی منکر، اور خدا اور رسول کے قطعی مطیع ہو گئے تھے ؛ قرآن اُن کا واحد منتہائے عمل ، اور کتاب خدا اُنکی ایک جمع لانگاہ نظر بن گئی تھی ؛ اُسکے محض ابتدائی اصول پر بے دھڑک اور بلا تامل عمل کرنیکے شکرانے میں منعم لم یزل تعالیٰ نے دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت ، اور زمین کی وسیع تر وراثت اُن کو سپرد کر دی تھی ؛ وہی نہروں والے جنات جنکا وعدہ ، بادی النظر میں ، خدا نے آخرت میں کیا تھا ، قرآن کے مبادیات اور ایمان کے حرف اوّل پر بیجا با عمل کے عوض میں اُن کو اس دنیا میں ہی مل گئے تھے ؛ اُن کے مشعلستانِ ایمان دل ، اور محشرستانِ عمل جگر ، اُن کو چند برسوں† میں ہی سمندروں کے پار ، عراق عرب کے میدانوں ، افریقہ کی تپتی ہوئی ریتیوں ، اور اُندلس کی خوشگوار چوٹیوں پر لے گئے ! یہ سب کچھ اہل عرب کی بےنظیر خوبیوں کا ایک منظر تھا مگر جب زمین کی بادشاہت مل گئی ، اور امن کے لوازمات حاصل ہو گئے تو سلطنت کے تمکن و استقرار کیلئے قرآن میں استدلال اور اجتہاد ناگزیر ہو گیا ، عرب کی مختصر سیاسیات میں توسیع اٹل نظر آئی ؛ تب اسلام کے یہ جاں باز

† ایک مورخ نے تخمینہ لگایا ہے کہ رسولِ خدا کی وفات (سنہ ۱۱ھ ۶۳۲ء) کے بعد بارہ برس کی مدت میں (گویا فاروقؓ اعظم کے عہد خلافت کے اختتام (سنہ ۲۳ھ ۶۴۴ء) تک) مسلمانوں نے چھتیس ہزار شہر اور قلعے اپنے قبضے میں کر لیے تھے۔ چار ہزار بتخانوں اور ہیکلوں کو اپنے تصرف میں لاکر مسجدوں میں تبدیل کیا۔ گویا اسلامی افواج کی اوسط رفتارِ تقدم مسلسل بارہ برس تک یہ ہی کہ ایک دن میں نو شہر یا قلعے سر کر لیتے تھے ' جو آج کسی قاہر سے قاہر یورپی فوج کے لیے ازبس متعذر ہے۔ خود المانیہ ، اپنی ناپید امثال جُندیت کے باوجود ، حال (یعنی سنہ ۱۳۳۲ھ ۱۹۱۴ء) کے محاربہ عظمیٰ میں اس رفتار کے عُشر عشیر تک بھی نہ پونچ سکی ۔ اور یوں تو دول یورپ کے برخلاف جارحانہ تقدم چند مہینوں تک قائم رکھنا بھی اسکے لیے بالآخر پیام موت بنکر رہا۔ حضرت عمرؓ کے مقبوضہ ممالک کا رقبہ بائیس لاکھ مربع میل تھا۔ ہجرت کے ایک سو برس بعد تک مسلمان پُرانی دنیا کے تینوں بر اعظموں میں پھیل گئے ' ایشیا میں دیوارِ چین کی حدود اُنکے ایک طرف ، اور یورپ میں فرانس کے جنوبی اور وسطی میدان دوسری طرف تھے ، افریقہ کا تمام شمالی علاقہ بھی اُنہی کے دستِ قدرت میں تھا ، گویا ماسوا روما الکبریٰ کی سلطنت کے قریب قریب سب مہذب دنیا پر ان کا تسلط ایک صدی کے اندر اندر ہو گیا تھا۔

Marfat.com

فدائی جو اپنے تمدّن کی تمام اگلی روایات اور کلیات کو خدا کی راہ میں متروک کر چکے تھے، اِسکے دقیق مطالب کی طرف متوجّہ ہونے لگے۔ کچھ عرصہ قرآن کی جمع و ترتیب میں صرف ہو چکا تھا، کچھ اور تصرف کتابت میں خرچ ہوا، نقاط اور حرکات ایجاد کی گئیں[1]، مگر اعراب کے استعمال سے معانی کی نوعیت کے متعلق ایک علیٰحدہ اور انوکھا اجتہاد قائم ہونا شروع ہوا، عرب اپنی وہمی، نفاق آرا، اور مجادلانہ طبیعت سے مجبور ہو کر اِس جد و جہد میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ تلفظ کی زیروں اور زبروں اور اختلاف معانی پر، تراکیب الفاظ اور تغیرات عوامل پر مستقل مناظرات ہونے لگے۔ کوفے اور بصرے میں نحویوں کے دو مقتدر اور متخالف گروہ قائم ہو گئے۔ اِن فساد آفرین مجاہدوں میں، تلاش سند کے بہانے سے، عرب قبائل کی مختلف لغات اور جاہلیّہ کا سارا علم ادب مدوّن ہو گیا۔ راویوں کی مختلف جماعتیں جاہلی اور مخضرمی شعرا کے رطب و یابس سب ابیات اور قبائل کی جھوٹی سچی سب روایتیں پیش کرنے لگیں۔ اُدھر عرب کی ارباب ذوق، نازک اور ظنّی طبیعتیں قرأت کے سطحی اختلافات کی بھی متحمل نہ ہو سکیں۔ علما کا ایک پُرمغز گروہ اختلاف قرأت، رموز اوقاف، اور ترتیل قرآن کی طرف لگ گیا۔ فصاحت و بلاغت کی ان مُہلک یا ددہانیوں میں عرب جو اپنا بیشتر اعتقاد قرآن کی بے مثال فصاحت ہی پر رکھتے تھے، اور جو اپنی قادر الکلامی اور سخن شناسی کے کبھی منکر نہ ہوئے تھے، اِسی ناگوار اجتہاد کو اسلام کی بہترین خدمت سمجھنے لگے۔ شعر و سخن کی ان دلدادہ طبائع، اور وہم و وسوسہ کی ان مجبور فطرتوں میں کلام خدا کی محبت نے استدلال کی

---

[1] قرآن کی مختلف سورتوں کی آیتوں کی داخلی ترتیب خود صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زندگی میں کر دی تھی، مگر ایک مدت تک یہ سورتیں علی الحساب اہل عرب کے سینوں کے اندر محفوظ رہیں اور کتابت قرآن کا سوال پیدا نہ ہو سکا۔ غزوہ یمامہ کے بعد جب حضرت عمرؓ نے خلیفۂ اوّل کی توجہ جمع قرآن کی طرف دلائی تو صدیق اکبرؓ نے زید بن ثابتؓ کی وساطت سے قرآن کو جمع کیا۔ لیکن اس وقت سورتوں کی باہمی ترتیب کا خیال غالباً نہیں کیا گیا۔ خلیفۂ ثالثؓ (المتوفی ۳۵ھ ۶۵۶ء) کے عہد میں سورتوں کی مستقل ترتیب عمل میں آئی جو آج تک قائم ہے۔ پہلے پہل قرآن کی کتابت شاید حمیری خط میں تھی۔ پھر اس کے بعد کچھ تصرف کر کے کوفی خط کو لے لیا۔ بعد ازاں زیر، زبر، پیش، جزم، وغیرہ وغیرہ حرکات اور نقاط ایجاد کیے گئے، اور اس خط کو اور بھی ترقی ہوئی۔ پھر دوسری صدی ہجری کے اوائل میں جب مسلمانوں نے اندلس اور افریقہ کو فتح کر لیا اور ابو جعفر منصور نے ۱۴۵ھ ۷۶۲ء میں بغداد پر قبضہ کر کے اُس کو علوم عربیہ کا مرکز بنایا تو خط بغدادی کی ابتدا ہوئی جو آج بعض اہم تبدیلیوں کے بعد ہر جگہ جاری ہے۔

بجائے الفاظ بینی اور ظاہر نوازی، اور اجتہاد کی جگہ خیال آرائی اور بلند پروازی از خود پیدا کر دی؛ فصاحت پرستی صحیح معنوں میں از سر نو شروع ہو گئی! قرآن ہی سے ثابت کرنے کی ناروا کوشش کی گئی کہ انسانوں اور جنّوں کا متفق گروہ بھی اس کی ایک سورت جیسی فصیح و بلیغ "تصنیف پیدا کرنے سے متعذر ہے†: و مَا

---

† سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ٥ (۱۷: ۸۸)

اے محمدؐ! تم علی الاعلان کہہ دو کہ اگر اس پہنائے عالم کے سب جنّ و انس بھی اس بات پر مجتمع ہو جائیں کہ اس قرآن عظیم کی مانند ایک دوسرا قرآن بنا لیں تو ہرگز اس جیسا نہ لا سکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کی مدد پر تلے ہوئے ہی کیوں نہ ہوں۔ (جن کی تشریح اپنے موقع پر آئے گی یہاں اس سے بحث نہیں)

یہاں ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی فصاحت یا عبارت آرائی کے متعلق ایک حرف نہیں کہا گیا۔ کیونکہ اگر مقابلہ فصاحت ہی میں تھا تو تمام دنیا کے جنّ و انس کو دعوت دینے کی کیا ضرورت تھی، صرف قادر الکلام اہل عرب ہی کو بلایا ہوتا جن کا مقابلہ کچھ معنی بھی رکھ سکتا تھا پس جب دعوت عام ہے تو موازنہ بھی لامحالہ کسی ایسی خوبی کا ہے جس کے متعلق ہر شخص حتی المقدور کچھ نہ کچھ دعوے کر سکتا ہے اور وہ خوبی علم، حکمت یا ہدایت کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی۔ اس امر کا تصفیہ کہ محوّلہ بالا آیت (۱۷: ۸۸) میں مِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ کے الفاظ سے بعینہٖ کن معنوں میں مثیل قرآن کے ممکن نہ ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے، سورۂ انفال کی ایک اور آیت سے بھی ہوتا ہے جو اس لحاظ سے از بس معنی خیز ہے:

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ٥ (۸: ۳۱)

اور ان نابکار اہل عرب کے انکار کی یہ شان ہے کہ جب ہماری آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو متابولی کہتے ہیں کہ ہاں ہاں ہم نے محمدؐ کے قرآن اور اس کے دعوے پیمبری کی حقیقت کو خوب سمجھا (قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا)، اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسی ہی پُر از افادہ باتیں بنا لیں (لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ)، ان میں رکھا ہی کیا ہے، یہ تو وہی ڈھکوسلے ہیں جو اگلے لوگ ہم کو ہمیشہ سے سناتے چلے آئے ہیں۔

یہاں ظاہر ہے کہ مِثْلَ هٰذَآ کا اشارہ قرآن حکیم کے نفس موضوع اور مشمولہ حکمت اور ہدایت ہی کی طرف ہے جس کی منکرین عرب نے اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ کہہ کر تخفیف کرنی چاہی ہے۔ اگر ادبی اور لفظی خوبیوں کی طرف اشارہ ہوتا تو اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ کے الفاظ بے موقع اور بےمعنی تھے کیونکہ اساطیر کے لفظ سے غیر فصاحت کے معنی قطعاً نہیں نکلتے اور نہ اَوَّلِيْنَ سے مراد پرانے اُدَباء اور فصحاء کی جماعت ہے۔ انہی معنوں میں 'مِثْل' کا لفظ سورۂ طور کے اندر واقع ہوا ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ٥ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ٥ (۵۲: ۳۳-۳۴)

(کیا لوگ کہتے ہیں کہ محمدؐ اس قرآن کو اپنی طرف سے بنا لایا ہے۔ یہ تو ان کام چوروں کے لنگ عذر اور کٹ حجتیاں ہیں، اصل بات یہ ہے (بَلْ) کہ وہ سرے سے ایمان لانے کی نیت ہی نہیں رکھتے (لَا يُؤْمِنُوْنَ)۔ (کیونکہ ایمان لانے کے ساتھ ہی قرآن پر عمل کرنا ان پر واجب ہو جاتا ہے) اور ویسے اگر وہ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو اس جیسی ایک بات بھی تو لے آویں۔

یہاں بھی صاف طور پر قرآن کا مثیل شعر و فصاحت میں طلب نہیں کیا گیا بلکہ مقصود اس کے مضامین کو قدر و قیمت میں برتر ثابت کرنا ہے اس کے شعر ہونے سے انکار تین آیتیں پہلے اسی سورۃ میں ہو چکا ہے: اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ٥ (۵۲: ۳۰) یعنی کیا لوگ رسول خدا کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ تو محض ایک شاعر ہے (جس نے اپنے زور تخیل کے باعث چند خوشامدی پیدا کر لیے ہیں، اس کی واہ واہ تبھی تک ہے جب تک وہ زندہ ہے) اور ہم تو اس امر کے منتظر ہیں کہ موت کا حادثہ اس کو آ دبوچے اور اس کی سب لن ترانیاں خاک میں مل جائیں۔"

Marfat.com

هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ† قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ۝ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝[ل] (۶۹: ۴۱-۴۳)

متن و عبارت کی خوبیاں، اور نطق کی گہرائیاں پیش نظر ہوتی گئیں۔ فصاحت کے عاشقوں کی ایک جماعت بلاغت کو مستقل فن بنانے میں مصروف ہوگئی؛ قرأت اور ترتیل کے موضوعہ اُصول کی بنا پر ادنیٰ سی واماندگی کے عوض میں، عرب و عجم سب کے لیئے، اللہ کی سرکار سے دردناک سزائیں مقرر ہوئیں۔ آہ! لیکن ان مجاز پرستانِ دین کو اس اعتنا و اہتمام کے باوجود یہ کہنے کی توفیق ہرگز عطا نہ ہوئی کہ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کی حقیقی غایت خدا کے نزدیک صرف اس قدر ہے کہ اُسکی ایک ایک آیت کے مطالب عوام کے دلوں پر کالنقش فی الحجر ہو جاویں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۚ كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ‡ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۝ (۲۵: ۳۲)

اور منکرین دین جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن سارے کا سارا ایک دم سے کیوں نازل نہیں ہوا تو انہیں کہہ دو کہ فی الحقیقت یہی مناسب تھا۔ کیونکہ ہم اس کے مطالب تمہارے قلب پر دلنشین کرکے تمہیں مطمئن کرنا چاہتے تھے اور اسی وجہ سے ہم نے اسکو ٹکڑے ٹکڑے کرکے اُتارا۔

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنزِيلًا ۝ (۱۷: ۱۰۶)

اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کرکے اس لیئے اُتارا کہ تم وقتاً فوقتاً مہلت کے ساتھ اُسے لوگوں کو پڑھکر سناؤ اور اسکے مطالب دلنشین کردو، اور اسی مصلحت سے ہم نے اُسے رفتہ رفتہ اتارا۔

[ل] اور یہ قرآن کسی شاعر کا کلام تو ہے نہیں، افسوس کہ تم اسکی حقانیت پر بہت کم ایمان رکھتے ہو جو اسے قول شاعر قرار دیتے ہو۔ نہ یہ کسی کاہن کے ڈھکوسلے ہیں۔ افسوس تم اس سے بہت کم نصیحت پکڑتے ہو جو اسے ایسا سمجھتے ہو۔ یہ تو پروردگار عالم کیطرف سے اُترا ہوا کلام ہے۔

---

† یہ تیسرا موقع ہے کہ قرآن کے شعر ہونے سے بصراحت تمام انکار کیا گیا ہے۔ ایک موقع ابھی ابھی صفحہ ۷۱ پر اور ایک صفحہ ۶۴ پر گذر چکا ہے۔

‡ یہ آیۂ جلیلہ صفحہ ۶۴ پر پہلے بھی آچکی ہے مگر اُس جگہ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ کے مطالب کی تشریح نہیں کی گئی تھی۔ سورۂ ہود کے اخیر میں ہے:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ (۱۱: ۱۲۰)

اور یہ سب جو کچھ ہم تمکو اپنے گذشتہ پیغامبروں کے حال بیان کرتے ہیں (اُنکی کامیابیوں اور دشمن کی ناکامیوں کی اطلاع دیتے ہیں) اس سے غرض و مطلب یہی ہے کہ ہم تمہارے دل کو مضبوط کردیں، تمہارے عزم کو مصمم کردیں (مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ) قانون خدا کی اہمیت کو واضح کرکے تمہارے دل کو اُسکی صداقت کے بارے میں مطمئن کردیں (مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ) اور اس میں شک نہیں کہ تمہیں اس موضوع کے اندر ایک عظیم الشان حقیقت (الْحَقُّ) منکشف کردی گئی ہے (جو تمہارے آیندہ طرز عمل کیلیئے مفید ہوگی) اور علاوہ ازیں ایمان والوں کے لیئے بھی اس سورت میں نصیحت اور عبرت ہے!

حقیقت کی ماہیت سے یہاں پر بحث نہیں مگر یہ امر ظاہر ہے کہ نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ کے معنی دل کو مطمئن کرنے کے ہیں۔

.........وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ (۷۳:۴)

اور قرآن کو خوب سوچ سمجھ کر پڑھا کرو۔

ظاہر پرستی کے اِن لاانتہا اور شبانہ روز مشاغل کے باعث قرآن کے مطالب میں حقیقی تدبر محال تھا۔ اسلام کی دماغی قوّت کا بہترین حصہ اس دردناک طور پر ضائع اور منتشر ہوتا گیا۔ قرآن کی درس و تدریس تمام عالمِ اسلام میں انہی اصول پر ہونے لگی۔ اس اثنا میں جمع و تدوینِ احادیث کے نئے نظریے نے اجتہاد کا رُخ ایک اور ہی طرف بدل دیا۔ سینکڑوں محافظینِ دین تسلسل اور تواتر کے ناممکن اور غیر یقینی اجتہاد میں مصروف ہوگئے۔ راویانِ احادیث کے حسب نسب اور نامہ ہائے اعمال کی ایک نہایت وضعی مگر پُر از کار تحقیق شروع ہوگئی۔ احادیث کی صحت کا معیار اہلِ عرب نے پھر اُسی عقیدتمندی اور غلبۂ وہم کی بنا پر، کتابِ الٰہی سے تطبیق یا کم از کم عدم تضاد کی بجائے رُواۃ کے ذاتی اعتبار کو قرار دیا۔ دینی اور خدائی معاملات میں اِس نارَوا ارادت کا اظہار، اور نسیان کار انسان سے یہ عقیدتمندانہ سلوک عرب کی ظاہر پرستی اور ناحقیقت شناسی کی ایک اور دلیل تھی جس کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ قسم قسم کی احادیث، موقع اور مطلب کے نباہنے کے لیے معتبرین کے نام پر موضوع ہونے لگیں حتّٰی کہ اُن کی چھان بین محال ہوگئی، اور بے حد قیمتی وقت صرف ہوا۔ کلامِ الٰہی کے مطالب میں براہِ راست اجتہاد اُسیقدر کم ہوتا گیا، اور ضمناً مسلمان ایک حسرت انگیز طریقے پر، قرآن کے ناقص اور غیر مکمّل، مغلق اور غیر مشرح ہونے کے خاموش قائل ہوگئے[✝]!

درحقیقت اِس تمام سطحی جد و جہد کے بروئے کار نہ آنے کی اصلی وجہ اہلِ عرب کا طریقِ تخیّل تھا۔ عرب کی گذشتہ ہزارہا سالہ تاریخ میں اُن کا واسطہ تخیّل کی دو ہی شقوں سے پڑتا رہا۔ شاعرانہ شق کی بنا پر انہوں نے قرآن کے ظاہری محاسن کو دیکھنا شروع کیا اور بالآخر اسکو کمال پر پہنچا دیا۔ عجیب و غریب رسمی علوم ایجاد کر کے اسکے صنائع اور بدائع کی مکمّل تدوین کی، نفسِ قرآن کو ایک زیر و زبر کے اختلاف سے پاک کر کے

✝ احادیث کے معیارِ صحت کی حقیقت اور متعلقہ معاملات کے بارے میں ایک مبسوط بحث عنقریب تیسری مجلد میں آئے گی۔

Marfat.com

ابدالآباد تک انسانی تصرف سے محفوظ کر دیا۔ اوہامی شق کی بنا پر عرب نے قرآن کے باطن میں بھی استدلال شروع کر دیا تھا مگر چونکہ طبائع میں غیب کی باتوں سے الفت تھی، اور کہانت، وسواس، ظن، اور ضربیت کے عناصر غالب تھے اس لیئے کتاب الٰہی کو کھولتے ہی اُن کا خیال ماہیتِ خدا، حقیقتِ نبوت، کیفیتِ وحی، ملائکہ، جنات، موت، مابعد الموت، بہشت و دوزخ وغیرہ وغیرہ، کی طرف معًا منتقل ہو گیا۔ یہ سب موضوعات لامحالہ اِس نمط کے تھے کہ اُن کے متعلق تخیّل کی بلند پروازی بدرجۂ اتم ہو سکتی تھی ظنّ و تخمین کے اِن معاملات پر عرب اور عجم نے دل کھول کر بحثیں کیں، جاہلیّہ عقائد کے اکثر لازمات کو اسلامی لباس پہنا کر اِن اتھاہ مضامین میں خلط مبحث کر دیا۔ مگر چونکہ ازمنۂ جاہلیہ کے عقائد، یونانیوں کے علم الاصنام کی غیر مانند، مدوّن بھی نہ ہوئے تھے، خود قبائل میں پہلے سے ہی اِن ظنیّات کے متعلق بے انتہا تفرقہ موجود تھا، اور اُن کی صحت کی تائید یا تردید بھی قرآن سے نہ ہو سکتی تھی، اسلیئے اِس نوع خیال کا لازمی نتیجہ **فرقہ بندی** ہوئی، عرب نے اِس حادثۂ عظمیٰ سے بہت پہلے مسئلہ امامت کے متعلق ایک غیر اسلامی اور جاہلی عقیدے کی بنا پر تفرقہ ڈال کر اسلام کو دو ناقابلِ وصال گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا، مگر اب ظنی اجتہاد سے اِلٰہیات کی سطحی موشگافیاں کر کے، ایک خدا، ایک رسول، اور ایک قرآن کے بارے میں بھی عقائد و آرا کا دردناک تشتّت پیدا کر دیا: كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَسْــَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝[1] (۱۵: ۹۰-۹۳)[†] جامع المتفرقین خدا نے، جو مسلمانوں کی ایمانی اور علمی دونوں

---

[1] یہ قرآن تو گویا ہم نے کسی اور قوم پر نہیں اتارا کہ وہ سارے کو من و عن مانکر اسکے مطالب میں تطابق قائم کریں، بلکہ دراصل اس تفرقہ آرا قوم کی طرف اتارا جو حسب خاطر اسکے ٹکڑے ٹکڑے کر کے آپس میں بانٹ لینے والے ہیں۔ اپنے اپنے حصّے کو علیحدہ کر کے تفریق پیدا کرتے ہیں۔ پس تیرے پروردگار کی قسم کہ ہم اِن سے اُن کے اِن بداعمال کی ضرور باز پرس کرینگے!

[†] قرآن کو "عِضِين" (ٹکڑے ٹکڑے) کرنیکے معانی یہی ہیں کہ اُسکے کسی ایک حصّے کو لیکر اپنے مطلب کے معنی پیدا کر لینا، اسی پر اپنی کشش و توجہ صرف کرنا، اور باقی حصوں کو نظر انداز کر کے فرقہ بند بننا جیسا کہ آج ہر اسلامی فرقے کا شیوۂ عمل بن گیا ہے گویا فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ (۲۳: ۵۳) کا مصداق بننا، جسکی تشریح صفحہ ۴۹ پر گذر چکی ہے۔ یہ طریق تخیّل ظاہر ہے کہ کسقدر مُہلک ہے۔ جبتک کسی تصنیف کا تمام لائحۂ عمل پیش نظر نہ ہو، اُسکے کسی ایک حصّے کے ظنّی معانی انسان جو چاہے بنا سکتا ہے، مسلمانانِ عالم نے کتاب اللہ کو اکثر اِسی نقطۂ نظر سے دیکھکر اپنے اپنے فرقے بنا لیئے ہیں۔ اِسی لیئے آج اُنہیں دردناک پرسش ہو رہی ہے: فَوَرَبِّكَ لَنَسْــَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (۱۵: ۹۲-۹۳) ضمنًا ان آیاتِ الٰہی سے یہی مترشح ہے کہ قرآن حکیم فی نفسہٖ تمام کا تمام مربوط ہے۔ اور یہ انسان ہی ہے جو آیات کے حسب منشا معانی بیان کر کے اُسکو بے ربط کر رہا ہے، لیکن یہ حقیقت اُسوقت اظہر من الشمس ہو گی جب رفتہ رفتہ ہر ایک آیت کو اس کتاب میں مربوط المعانی ثابت کر دیا جائے گا۔

Marfat.com

زندگیوں کو چٹان کی طرح مضبوط دیکھنا چاہتا تھا، لامحالہ ظن کے انہی ناہموار نتائج کو پیشِ نظر رکھ کر، اسکی بعض قسموں کو قطعی طور پر گناہ قرار دیا تھا، مگر قرآن کریم کے ان عظیم الشان مقاصد تک پہنچنے کے لیے تابعین عرب کو اسکی آیات میں حقیقی تامل اور تدبّر کی ضرورت تھی!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (۴۹: ۱۲)

اے ایمان والو! اکثر قسم کے ظن سے بچتے رہا کرو کیونکہ بعض ظن داخل گناہ ہیں۔

اسلام کی ارضی سلطنت کے استمرار و تمکن کے لیئے یہ فساد آفرین مباحث کس طرح مفید ہو سکتے تھے قرآن کے متعلق ان لفظی تنازعات اور سطحی کج بحثیوں میں ہی مسلمانوں کی زندگی کے کم و بیش دو سو برس صرف ہو گئے۔ اِس اثنا میں حفاظت قرآن کے مفید اور بے مثال عمل کے ماسوا عرب تخیّل کا ایک دیگر یہی نتیجہ ہوا کہ کلام الٰہی کی درس و تدریس کے ضمن میں عوام کے سامنے جاہلیّۃ کا سارا علم ادب، اُن کی طرزِ معاشرت، اُن کی روایاتِ واہیہ، اُن کے اوہامِ باطلہ، اور اُن کا دیرینہ اخلاق مدوّن ہو کر التزام کے ساتھ پیش نظر ہو گیا۔ اِن بے سود تصریحات اور ناگوار انکشافات کے سم آلود اثر کے باعث، اسلام کی تسلیمِ اعتقاد میں صدہا غیر متعلق اور مفروضہ باتیں از خود دخیل ہو گئیں۔ قرآن کا سب سے بڑا معجزہ اسکی جیّد عبارت اور حسنِ بیان میں منتقل ہو گیا! اسکی تلاوت عرب سخن فہمی اور زباں نوازی کی بہترین داستان بن گئی۔ پھر فصاحت اور نغز گوئی ہر خاص و عام کا مستقل بلکہ مستند شغل ہو گیا۔ عرب و عجم قیل و قال میں، تحریر و تقریر میں، زباندانی کا اہتمام ذوق و شوق سے کرنے لگے۔ اُدھر قرآن کی فرضی تائید پر جنّات اور ملائکہ کے متعلق عقائد کی تدوین ہونے لگی۔ بہشت اور دوزخ کے مختلف مقامات اور مدارج وضع کیئے گئے۔ عذابِ قبر کی تشریحوں کے متعلق کلام الٰہی سے دور از کار استناد کیا گیا۔ ماہیّتِ خدا، حقیقتِ نبوت، کیفیتِ وحی وغیرہ کے مختلف نظریوں کے باعث، قرآن، رسول، بلکہ خدا کے متعلق بھی طرح طرح کے توہمات و شکوک عوام میں پھیل گئے۔ قرآن کی اکثر آیات میں عجیب و غریب تاویلیں ہونے لگیں۔ بدعت کا عام اجرا ہو گیا۔

Marfat.com

پھر قیاس کے ان بے نتیجہ مجادلات، آرا کی اس عام کشاکش، اور الفاظ وحی کے جاذبی اثر کے باعث عوام کے غیر مطمئن اور تشنہ نتائج دل کہانت کے جاہلی عقائد کی طرف از خود مائل ہو گئے؛ قرآن کا مطالعہ محض رسم و تبرک کے طور پر رواج پاتا گیا؛ کلام آلہی کے الفاظ میں غیبی برکت اور طبی تاثیر مانی جانے لگی، تمائم پرستی اور زیارت قبور کی جاہلی علامات نمایاں ہونے لگیں، فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ[1] (۷۰:۹، ۹:۳۰) پھر آئندہ احوال اور خانگی معاملات، حتّٰی کہ ملّی اور بین الملّی مناقشات کی پیش بینی کی غرض سے کلام خدا سے تفاؤل کیا جانے لگا! احادیث نبویؐ اور حروف مقطعات قرآنیہ سے زوال و بقائے قوم مدّتِ قیامِ عالم، اور بقائے اسلام کی تشریحیں نکالی گئیں! سحر و طلسمات کا وجود قرآن سے غلط مستنبط کر کے، اور حلول جنات وغیرہ وغیرہ جاہلی عقیدوں کا منفی ثبوت† غیر متعلق اور دور از کار آیات سے از سر نو نکالکر عجیب و غریب فریب سے اُن کی قرآنی تحریم و تردید کی نوعیت بدل دی! انہی مراسم جاہلیہ اور عقائد واہیہ کی تجدید کے سلسلے میں مُسلمانوں کو نجوم کے مفروضہ اعمال سے بھی لگاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ اثار کواکب کے جاہلیہ عقائد کی تائید، ایک نہایت شرم انگیز طریقے سے کلام خدا کی وساطت سے کی جانے لگی۔ بعض فرقِ صوفیا نے بھی تنجیم کے ان متعدّی اور ہلاکت انگیز اثرات میں پابگل ہو کر، طبائع کو کبی اور اَرواحِ فلکی کو مظاہر اسمائے آلہی فرض کیا، اور مکر و دروغ کے خجالت آفرین ڈھکوسلے اُسرارالحروف کے نام سے وضع کیے! تیسری صدی کے اخیر میں زیدیہ اور رافضیہ فرقوں نے امام جعفر صادق علیہ الرحمۃ کی تقلید کے بہانے سے کلامِ آلہی کو قطعاً ناقابلِ فہم قرار دے کر، اسکے اسرار و رموز کا حلّ جفر اور رمل سے مناسب

---

[1] تو اللہ ان پر ظلم نہیں کر رہا تھا بلکہ وہ تو اپنی جانوں پر آپ ظلم کر رہے تھے۔

---

† اس منفی ثبوت کی ایک مثال صفحہ ۶۳ آیۃ (۷: ۱۸۴) میں گذر چکی ہے۔ "مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ" سے بعض خوش اعتقادوں نے یہ مستنبط کیا؟ کہ اگرچہ رسولِ خدا میں (معاذ اللہ) جن نہیں گھسا تھا مگر عام لوگوں کے بدنوں میں جنات کے گھس جانے کی قرآن تائید کرتا ہے! جن کی حقیقت کے متعلق مکمل بحث غالباً چوتھی مجلد سے پہلے نہ ہو سکے گی۔ مگر جستہ جستہ اشارات درمیانی مجلدات میں بھی آئیں گے۔

Marfat.com

جاتا! اِن اوہام کی گرفت بالآخر اسقدر وسیع ہو گئی کہ عین اُسوقت جبکہ اسلامی عظمت وجبروت کا آفتاب نصف النہار پر ٹھیرا ہوا تھا، اور اللہ کی بخششوں کے خزانے مسلمانوں کو ہر طرف سے مالا مال کر رہے تھے اسلام کا مقتدر امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین، ہارون الرشید، قرآن اور اسلام کو بالائے طاق رکھکر فلکیات کے مطالعے میں بذات خود اس نیت سے مستغرق تھا کہ آثار نجوم سے اطلاع پاکر بقائے سلطنت کی بشارت اور نزولِ حوادث کے حالات معلوم کرے!

إِنَّا جَعَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ وَإِنَّهُۥ فِىٓ أُمِّ ٱلْكِتَٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِىٌّ حَكِيمٌ ۝ أَفَنَضْرِبُ عَنكُمُ ٱلذِّكْرَ صَفْحًا أَن كُنتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِينَ† ۝ (۴۳ : ۳-۵)

ہم نے کتاب خدا کو عربی زبان میں اسلیئے کر دیا تھا کہ تم اسکے عظیم الشان مطالب کو پاکر عقلمند بن جاؤ، اور یہی قرآن ہمارے ہاں ام الکتب میں موجود ہے جو ایک بڑی بلند نظر اور پر از حکمت کتاب ہے۔ تو کیا اس وجہ سے کہ تم اس کتاب عظیم کی اصلی غرض و غایت سے دور ہوتے جاتے ہو ہم اس کو تم سے یکسر کیوں نہ اُچک لیں؟

کیا اِن اعمال کے بعد انسان کی گذشتہ ہزارہا سالہ تاریخ میں، کفر اور ضلالت، جہل اور ابلہی، مکر اور سیہ کاری کی اس سے بہتر اور روشن تر مثال پیدا ہو سکتی ہے جیسی کہ سلف راشدین علیہم الرحمۃ کے ان ناخلف عرب و عجم نے ظہور اسلام کے پانچ سو سال بعد تک، قرآن کے مطالب پر غور کرنے، اور اللہ کی مُفت بخشی ہوئی سلطنت کو محفوظ و مستحکم کرنیکے بہانے سے دنیا کے سامنے پیش کی؟ کیا خود ابلیس، اپنی شبانہ روز مصروف کاری، شیطانی اغوا، اور طاغوتی مکر و حیل کے باوجود، اپنے سارے نامۂ اعمال میں، اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق کے دلوں پر ایک ہی وقت میں اُس کامل حکومت کی کوئی مثال پیش کر سکتا ہے جو ہم کے

---

† یہ آیات صفحہ ۶۰ پر گذر چکی ہیں مگر مُسرفین کی تشریح اس موقع پر چھوڑ دی گئی تھی۔ "مسخ حقیقت" کے عنوان میں اس قرآنی اصطلاح اور اکثر ایسے الفاظ کی مکمل تشریح آئے گی۔ اور ظاہر کر دیا جائے گا کہ یہ اصطلاح قرآن حکیم میں کن وسیع اور مختلف معانی میں استعمال ہوئی ہے۔ یہاں پر ہر صاحب نظر بطور خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ یہی معنی جو ہم نے اصل کتاب میں کیئے ہیں، مطالب کو مربوط کر سکتے ہیں۔ اِن کا بعد کی آیتوں سے ربط بھی ظاہر ہے۔ "الذکر" کا لفظ قرآن کے معنوں میں جابجا مستعمل ہوا ہے۔ مثلاً آیۂ (۱۶ : ۴۴) میں جو صفحہ ۵۹ پر آئی ہے۔ اِن آیات میں خطاب تمام تر اہل عرب کی طرف ہے۔

ہلاکت انگیز عفریت، اور جہل کے موت افزا دیو نے عرب کی بے علم و ہنر قوم کو کامل طور پر مسحور کر کے قائم کی؟ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ (۲: ۲۶)[۵۱] کیا اسلام کی ازلی صداقت اور قرآن حکیم کی ابدی حقانیت کی آڑ میں، مکر و دروغ کا یہ علانیہ جواز، ماسوی اللہ کی یہ آشکارا عبادت، اوثان جاہلیہ کی یہ فاش عبودیت، فی الحقیقت بنی اسرائیل کی پرستش عجل سے بہت بڑھکر جہالت، خودکشی، اور ظلم نہ تھا جس سے اہل عرب نے آج اس اخیر دم تک توبہ نہیں کی؟ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ۭ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (۲: ۵۴)[۵۲] کیا قرآنی آیات کو بازو پر باندھ کر شفا کی امیدیں رکھنا، اُسکے اوراق سے فالیں نکالکر نتائج کا چشم براہ رہنا، کلام الٰہی کے حروف کو طلسماتی فسون سمجھکر فوری اثر کا منتظر رہنا، حادثات زمانہ کو اللہ کے آسمانی کُروں پر محمول کر کے غیب جاننے کی سعی کرنا، اور اس طرح پر خدا کے وجود کا بالجہر امتحان لینا، دراصل بنی اسرائیل کی خدا کے آشکارا دیدار کی خواہش، اور اُن کے مشروط ایمان کے مترادف نہ تھا جسکی سزا میں بالآخر اُن پر بجلی گری تھی؟ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ (۲: ۵۵)[۵۳] نہیں، کیا پھر انہی عرب پر شدید العقاب خدا نے بنی اسرائیل کی مانند، اُنکے مفتریانہ اعمال اور فسق و ظلم کی پاداش میں جلد تر عین اُن کی سلطنت کے قلب میں ہلاکو کی بجلی نہ گرائی، اور اُن کی شش صد سالہ عظمت کو تاتاریوں کے طوفان جراد سے چند دنوں کے اندر خُرد بُرد نہ کیا؟ کیا یہی عرب آٹھ سو سال تک اُندلس کے روح پرور

---

۵۱ بہتوں کو اسی سے گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت کرتا ہے۔ لیکن گمراہ انہی کو کرتا ہے جو درحقیقت فاسق ہیں۔ (اور ہلاکت کے اہل دیکھو صفحہ ۸ سطر ۱۳)

۵۲ اور لوگو! کیا تمہیں وہ وقت یاد ہے جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے بھائیو! درحقیقت تم نے بچھڑے کی پرستش اختیار کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے بس اپنے خدا کی طرف پھر آؤ، اسکی جناب میں توبہ کرو، یا اگر یہ نہیں کرتے تو اپنے آپ کو ہلاک کرو، غرق ہو جاؤ، اور مر جاؤ (فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ)† خدا کی نگاہ میں تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ یا توبہ کرو یا مر جاؤ۔ پھر اُن لوگوں نے توبہ کی تو خدا نے بھی اُن کی توبہ قبول کر لی۔ ان پر عطا کی ہوئی نعمتیں بحال رکھیں، اُن سے کچھ مواخذہ نہ کیا، اور وہ خدائے عظیم باز آ جانے والوں کے حق میں بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا، اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔

۵۳ اور وہ وقت بھی یاد کرو جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ! ہم تمہیں ہرگز فرستادۂ خدا یقین نہ کریں گے جب تک ہم خدا کو آشکارا نہ دیکھ لیں۔ پھر تم کو بجلی نے آ دبوچا اور تم دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

---

† گویا فَتُوْبُوْٓا اور فَاقْتُلُوْٓا میں فاء سے مقصود اختیار جتلانا ہے۔ فَتُوْبُوْٓا کے بعد اور فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ سے پہلے وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا کے الفاظ مقدر ہیں۔

چشموں، سایہ دار بادلوں، دلفریب گھاٹیوں، پُرفضا وادیوں، اور حیات افزا جنّتوں میں رہ کر اللہ کی نافرمانی کے عوض میں، عبادت طاغوت کی سزا میں، ممنوعہ درخت کے پاس نہ جانے کے بدلے میں، غیب پر سے نقاب اُلٹنے کی جزا میں، اللہ کے آشکارا دیدار کی خواہش کی سرزنش میں، بالآخر اُسکے زبردست ہاتھ سے بیک بینی و دوگوش اس بے آبروئی اور دُرگت سے نہیں نکالے گئے کہ آج اِس داستان کو دُہراتے ہوئے پسینہ آجاتا ہے؟ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ† وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ؀ (۲: ۵۷) کیا آج آٹھ سو برس کی بے مثال حکومت اور جاہ و جلال کے بعد، اُس سرزمین میں، اُن کا ایک متنفس اور ایک نوحہ گر بھی باقی رہا ہے جو اُنکی خاموش مزاروں پر سرنگوں ہو کر چار آنسو ہی بہا دیا کرے!

فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ† وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُدًّا ؀ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا (۱۹: ۹۷، ۹۸)

---

۵۷ اور ہم نے تمہیں ایسے قطعات زمین پر آباد کیا جہاں ابر تم پر سایہ کئے رہتا تھا۔ اور تم کو شیرینی درخت حاج اور عمدہ اقسام کے بٹیر کھانے کو دیئے، اور اجازت دی کہ جو کچھ عمدہ رزق ہم نے تم کو دیا ہے شوق سے کھاؤ، لیکن تم نے ان نعمتوں کی بیقدری کی تو ان لوگوں نے ہم پر کچھ ظلم نہیں کیا، وہ تو اپنی جانوں پر آپ ظلم کرتے رہے۔

---

† یہ لغو تشریح ہے جو جُہلا نے بنالی ہے کہ بنی اسرائیل جہاں جاتے بادل کا چتر اُنکے سر پر رہتا تھا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ جزیرہ نما سینا کے جن شمال مشرقی حصص میں بنی اسرائیل فتح کنعان سے پیشتر رہے وہ پہاڑی علاقہ تھا۔ عین قادیش کا تمام گرد و نواح جہاں چند لاکھ بنی اسرائیل کے خروج کے بعد موسیٰ علیہ السلام چالیس برس تک ڈیرہ ڈالے رہے ایک نہایت خوشگوار ملک تھا، آب و ہوا میدانی علاقوں سے نسبتاً اب بھی خنک ہے، موسمی نہریں، چشمے اور دریا جابجا نظر آتے ہیں۔ درخت حاج جس کی شیرینی کو قرآن اور تورات نے مَنّ سے تعبیر کیا ہے بکثرت ملتا ہے۔ پرندوں کی بھی بہتات ہے۔ مصر اور سینا کے تپتے ہوئے بیابانوں سے نکلکر بنی اسرائیل کا ان علاقوں میں آباد ہونا انکے لیے نعمت غیر مترقبہ تھا۔ قرآن نے اسی حقیقت کو "ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ" کے خوب صورت الفاظ میں ادا کیا ہے اور اگر قرآن فصیح و بلیغ ہے تو درحقیقت انہی معنوں میں کہ اسکا تمام اسلوب بیان نہایت مختصر اور مؤثر ہے، اور اس سے بہتر انداز وہم و گمان میں نہیں آسکتا۔

بنی اسرائیل کی تاریخ بیان کرنے کا یہ موقع نہیں۔ یہ موضوع تاریخ القرآن کا ہی جو اس کتاب کا آخری حصہ ہی۔ اسی لیے انکے ظلم کی تشریح کو اُس حصّے کیلئے چھوڑ دیا گیا ہی۔

† تُبَشِّرَ کے بالمقابل تُنْذِرَ اور مُتَّقِينَ کے بالمقابل قَوْمًا لُدًّا کے الفاظ آئے ہیں۔ جس سے ظاہر ہے کہ خدا کی نظروں میں مُتَّقی قوم وہ اصل وہی جو آپس میں جھگڑے پیدا نہ کرے اور متحد ہو کر رہے۔ تقویٰ کے ان معانی کا ثبوت جابجا آگے چلکر آئیگا۔ تقوٰے کی رائج الوقت تشریح یعنی پرہیزگاری بے معنی اور دینی تشبیہ ہے۔ جو قرآن حکیم میں اسکی کوئی سند موجود نہیں۔ اقوام کے بارے میں اسکا اطلاق اور بھی بے معنی ہے۔ اس کتاب میں ہم نے فی الحال لفظی معنی کر دیئے ہیں۔ لیکن تقوٰے کے ان معانی کی ایک جھلک صفحہ ۸۹ کی آیۃ (۲۳: ۵۲) میں صاف نظر آتی ہے۔ جہاں مقام خدا کا قرب اس بات پر منتج کر دیا گیا ہے کہ انسان اُمّتہ واحدہ بنکر رہے: وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ؀ (۲۳: ۵۲)۔ کسی آقا (رب) کا سچا تقوٰے یہی ہے کہ اُسکے غلام آپس میں نہ لڑیں اور نہ کوئی غیور حاکم باہمی جدال کو گوارا کر سکتا ہے۔

Marfat.com

اے پیغمبر! ہم نے قرآن کو تمہاری زبان کا لباس پہنا کر محض اس لیے آسان کر دیا ہے کہ تم اس کے ذریعے سے خدا سے ڈرنے والوں کو خوشحالی کی خبر دو، اور عرب کی جھگڑالو اور اکھڑ قوم کو عذابِ خدا سے ڈراؤ۔ اور ہم ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ کیا اب تم ان میں سے کسی کو بھی دیکھ رہے ہو، یا ان کی بھنک تک بھی سنتے ہو!

آج یہی اللہ سے نڈر اور جھگڑالو قوم جس نے دین کی ہر جزوی بات میں پھوٹ، اور ہر فرع و اصل میں تفرقہ ڈال کر خدائے پاک کے محبوب مذہب کو نہایت بیدردی سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا جس کے شدید کفر و نفاق کی روئداد، رسولِ خدا کے حینِ حیات میں ہی قرآن کے قریب قریب ہر ورق پر روزِ روشن کی طرح ثبت ہے: اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ؁[۵۱] (۹: ۹۷) جس کے مکر و فریب، جھوٹی قسموں، لنگ عذروں اور منافقانہ دوستیوں سے تنگ آ کر علیم و حکیم خدا نے ان کے عظیم ترحصّے کو قرآنی ہدایت، اور حدودِ خدا پہچاننے کا قطعی نااہل قرار دیا تھا، جس کی کج بحثیوں، بیہودہ سوالوں، اور لغو فرمایشوں کا جواب دیتے دیتے اللہ کا محبوب نبیؐ اپنی جان کو ہلاک کر رہا تھا: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۔ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ؁[۵۲] (۲۶: ۳-۴)، جس کے باہمی جنگ و جدل کی سرگذشت، اور آپس کے فتنہ و فساد کی داستان بعثتِ نبیؐ کے بعد بھی، تاریخِ عالم کا سرخ تر اور خونیں تر ورق ہے! آہ یہی قوم کسریٰ، اور دارا کے سربفلک ایوانوں میں شکار کھیل کر، بابل اور نینوا، مصر اور کارتھیج کے مٹے ہوئے نشانوں پر گھوڑے دوڑا کر، نمرود اور فرعون کی مغرور کھوپریوں کو لکد کوب کر کے، بالآخر اپنے ظلم کی سزا میں، ذلّ و مسکنت کے انہی خراب آباد صحراؤں میں، ندامت انگیز قناعت کے ساتھ اپنی زندگی کے آخری دن بسر کر رہی ہے جو اس کے

---

۵۱ یہ جنگلی اور بادیہ نشین لوگ ازروئے کفر و نفاق بڑے سخت ہیں اور درحقیقت اس لائق ہیں کہ کتاب خدا کے احکام کی حدود نہ جانیں، اور خدا تو ان کے حالات سے اچھی طرح واقف ہے اور بڑا صاحبِ حکمت ہے جو انہی کے ذریعے سے اسلام کا بول بالا کر رہا ہے!

۵۲ اے پیغمبر! تم تو ان کے پیچھے اپنی جان بھی ہلاک کر دو گے کہ یہ کیوں ایمان نہیں لاتے۔ اگر ہم مناسب سمجھیں تو اسی وقت ان لوگوں پر آسمان سے دردناک عذاب بھیجیں حتیٰ کہ ان کی گردنیں اسکے آگے جھک کر رہ جائیں۔

Marfat.com

اصلی ساکن تھے، مگر اللہ کا المناک انتقام افسوس! آج بھی کم ہوتا نظر نہیں آتا، اور یورپ کی حرص سلطنت، جوع الارض، اور حریت کُش اقتدار سے اُنہیں اور بھی ذلیل و پامال کرنا چاہتا ہے!

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ† ○ (۲۸ : ۵۹)

اور اے پیغمبر! یہ تمہارے خدا کا دستور نہیں کہ وہ کسی بستی کو ہلاک کرے جبتک اُسکے اہم اور مرجع خلق حصے میں اپنا پیغامبر نہ بھیج لے جو واضح طور پر ہمارے احکام لوگوں کو سنا دے، اور اسپر بھی ہم بستیوں کو تباہ نہیں کرتے جبتک اُن کے رہنے والے مقررہ حدود سے تجاوز کرکے ہماری اصطلاح میں ظالم نہ ٹھیریں

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ† ○ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (۶ : ۴۷-۴۸)

اے پیغمبر! اِن سے کہدو کہ کیا تم نے اس بات پر غور کیا ہے کہ اگر عذاب خدا تم پر ناگہاں یا آشکارا آئے تو سوائے ظالم قوم کے کوئی اور بھی ہلاک ہوگا۔ اور پیغمبروں کو تو ہم اسی لئے بھیجتے ہیں کہ خوش حالی اور عذاب کی دونوں صورتیں پیش کردیں۔ پھر اسکے بعد جو قوم ایمان لے آئی، اور جنھوں نے اپنی حالت کی اصلاح کرلی، اُن کی زندگی بے خوف خطر ہے!

بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ† ○ (۴۶ : ۳۵)

---

† "ظلم" اور "فسق" کی قرآنی اصطلاحیں منجملہ اُن جامع و مانع مصطلحات کے ہیں جن کی تشریح میں ابھی بہت دیر ہے۔ اسی قسم کے چند اور الفاظ (مثلاً ایمان، صلاح، شرک، کفر، اتقا وغیرہ) اس سے پیشتر گذر چکے ہیں مگر اُن کا صحیح مفہوم بھی معرض التوا میں ڈالدیا تھا۔ سر دست جو مقصود ان آیات کے پیش کردینے سے ہے یہ ہے کہ قرآن کے روسے جو قوم صفحۂ عالم سے نابود ہو رہی ہے، جسکا سیاسی اور اجتماعی اقتدار گھٹ رہا ہے، جو ہلاکت کے قعر عمیق کیطرف بڑھ رہی ہے، وہ شارع کائنات کی نظروں میں بالحاظ مذہب ملت "ظالم" اور "فاسق" ہے۔ اجتماعی ہلاکت کا متعارف مفہوم یہی ہے کہ اُس قوم کا سیاسی اقتدار سطح زمین پر سے محو ہوجائے۔ ورنہ کسی قوم کے تمام افراد کا لغوی معنوں میں ہلاک ہوجانا شرط نہیں اور نہ تاریخ اسکی کوئی مثال پیش کرسکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اجتماعی ہلاکت کا لازمی نتیجہ اکثر اوقات یہی ہوا ہے کہ اُس اُمت کے افراد بھی روئے زمین پر سے محو ہوگئے ہیں حتٰی کہ اُن کا ایک فرد بھی باقی نہیں رہا، جیسا کہ صفحہ ۹، کی آیہ (۱۹ : ۹۸) سے ظاہر ہے، مگر یہ ایک تدریجی عمل ہے جو سلب قوت کے صدیوں یا قرنوں بعد تک ہوتا رہتا ہے۔ مسئلہ بقائے اصلح کو پیش نظر رکھکر آیہ (۶ : ۴۸) میں "فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" کے الفاظ نہایت قابل غور ہیں۔ انہی دو آیات یعنی (۶ : ۴۷-۴۸) سے ضمناً یہ بھی ظاہر ہے کہ پیغمبران خدا کی بشارت اور تخویف کی نوعیت کسی قوم کی اجتماعی سلامتی یا اجتماعی ہلاکت ہی ہے۔ اُن کی رسالت کا مُدعا یہی ہوتا ہے کہ اقوام کو حفظ و بقا کے رستے پر لیجائیں یا نافرمانبرداری کی صورت میں ہلاکت کا اٹل پیغام سنائیں یہ نکتہ نہایت قابل لحاظ ہے کیونکہ اسکی طرف اشارہ جابجا اصل کتاب میں آئیگا۔ بعینہ یہی بات آیات (۱۹ : ۹۷-۹۸) سے ظاہر ہے جو صفحہ ۹ کے متن میں آچکی ہیں

Marfat.com

اے لوگو! یہ ایک اہم پیغام تھا جو ہم نے تم کو پہنچا دیا! تو کیا اسکے بعد، فاسق قوم کے سوا اس دنیا میں کوئی اور قوم بھی ہلاک ہو سکتی ہے؟ (یعنی وہی ہلاک ہوتی ہے جو ہماری اصطلاح میں 'فاسق' ہو)۔

عرب تخیل اور اسلامی فلسفے کی اس مختصر حکایت کے بعد کیا کوئی صاحب نظر ایک لمحے کے لئے بھی اس طرزِ عمل کا ممنون، اور اس فلسفۂ خیال کا شرمندۂ احسان ہو سکتا ہے؟ کیا جنوں کے حالات کرید کرید کر بیان کرنا، اُن کے حسب نسب، ذرّیت، حتیٰ کہ حکمت اور علم ادب† کی تشریحیں کرنا، ملائکہ کو فرضی گروہوں میں تقسیم کرکے اُن کے بے سند اور عجیب و غریب فرائض مقرر کرنا، آسمان و زمین کے آر پار سڑکیں اور پُل باندھنا، بہشت کی نہروں درختوں اور مقاموں، دوزخ کے طبقوں ٹیلوں ایندھنوں حتیٰ کہ کلید برداروں اور محافظوں کے نام وضع کرکے، خلق خدا میں تذبذب یقین پیدا کرنا ہی عرب کے نزدیک وہ حیرت انگیز علم لدنّی تھا جسے احمد مرسل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) حکیم و خبیر خدا کے ہاں سے لایا تھا؟ اِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّن رَّبِّهِمُ الْهُدَىٰ ۞ (۵۳ : ۲۳) ¹ کیا رعد، صراط، صاعقہ، سدرۃ المنتہیٰ، کوثر، تسنیم، طوبیٰ، علیّون، وغیرہ وغیرہ، سیدھے سادے اور ممثّل الفاظ‡ کی تشریح میں عرب مفسرین کا آسمانوں اور بادلوں، ہواؤں اور عرش معلےٰ، خلد بریں اور مساکن ارواح کی سیر کرانا اور دین متین کو یکسر افسانہ بنا دینا ہی قرآن کے مطالب میں وہ حقیقی تدبر و تفکر تھا جس کی خدا نے پاک نے

ا؎ یہ تو نرے نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آبا و اجداد نے اپنی طرف سے رکھ لیے ہیں، خدا نے تو ان ناموں کی کوئی سند اتاری نہیں۔ یہ لوگ تو محض ظن پر چلتے ہیں یا جو کچھ دل چاہتا ہے گھڑ لیتے ہیں، حالانکہ ان کو اپنے پروردگار کے ہاں سے کامل ہدایت مل چکی ہے۔

---

† ابوالسّری سہل بن ابی غالب خزرجی جو خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں مقبول شاعر تھا اس بات کا مدعی تھا کہ اُسکو ایک جنیہ نے دودھ پلا کر پالا تھا۔ اُس نے اپنے دعوے کی تصدیق میں ایک کتاب جنوں کی نسب اور حکمت اور اشعار وغیرہ کے بیان میں لکھی اور خلیفۂ وقت کو خوش کرنے کیلئے اعلان کیا کہ اُسنے جنوں کی مخلوق سے امین بن ہارون الرشید کے حق میں بیعت لی ہے۔ یہ کتاب ایک مدت تک مقبول عوام رہی چند اشعار آج بھی کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔

‡ ان الفاظ کی تشریح حتی الوسع اپنے اپنے موقع پر آئے گی۔ اہل عرب نے انکے متعلق بے سروپا افسانے بنا لیے ہیں جن کی کوئی سند نہیں دین اسلام اغیار کی نظروں میں آج انہی توجیہوں کے باعث تمسخر کا سامان بن رہا ہے۔ 'صاعقہ' کا تمثیلی مفہوم ہم نے صفحہ ۰ پر ظاہر کرنے کی سعی کی ہے عرب نے 'صاعقہ' کو شہاب ثاقب سے گرے ہوئے لوہے کی تلوار یا گرز سمجھ لیا ہے جسکو 'رعد' کا فرشتہ اپنے ہاتھ میں لیکر مارتا ہے۔

تاکید کی تھی؟ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ† إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ (۱۷: ۳۶)ے

لہ اور جس بات کا تم کو یقینی علم نہیں اسکے پیچھے نہ ہو لیا کرو۔ کیونکہ کان، آنکھ اور قلب سلیم سب سے اس امر کی پرسش ہوگی کہ اٹکل پچو بات کا تتبع کیوں کیا گیا۔ (علم وہی ہے جو سمع و بصر اور قلب سلیم (عقل) سے براہِ راست حاصل ہوا)

---

† اس عظیم الشان آیت میں "علم" کی ایک نہایت حکیمانہ تعریف کردی گئی ہے، اور فیصلہ کردیا ہے کہ شارع کائنات کی نظروں میں "علم" وہ شئے ہے جو براہ راست سمع اور بصر اور فواد کے ذریعے سے حاصل ہو گویا جس شئے کی تصدیق کان، آنکھ، اور ذہن سلیم کریں وہ علم ہے؛ جو اس کے ماسوا ہے وہ "ظن" ہے، اور علم کے یقینی مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔ "فواد" کا عام مفہوم عربی زبان میں "قلب" ہے۔ مگر عرب کے نزدیک "قلب" ایک وسیع اصطلاح ہے جسکا اطلاق انسان کے اُن اعضائے شریفہ پر ہوتا ہے جو اُس کی فہم و ادراک کے متعلق ہیں۔ اس قول کی تصدیق میں دو مثالیں صفحہ ۲، کی آیت (۲۵: ۴۴) اور اُسی صفحہ کے تحت المتن کی آیت (۱۱: ۱۲۰) میں گذر چکی ہیں اور باقی تصریحات اپنے اپنے موقع پر آئینگی۔ لیکن سورۂ حج کی اس آیت سے قلب کا مفہوم قطعاً عیاں ہے؛ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ ۝ (۲۲: ۴۶) یعنی "کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں تاکہ اُن کے "دل" ہوتے جن سے تعقل کر سکتے، یا کان ہوتے کہ بگوشِ ہوش سُن سکتے اور خدا کی دردناک سزاؤں سے عبرت پکڑتے۔ کیونکہ دراصل آنکھیں تو اندھی نہیں ہوتیں لیکن "دل" جو سینوں کے اندر ہوتے ہیں اندھے ہو جایا کرتے ہیں"۔ گویا عرب کی اصطلاح میں "دل" ہی فہم و ادراک کا نشیمن ہے اور اسی کے ذریعے سے سب تعقل ہوتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے "فواد" کا زیادہ صحیح ترجمہ "قلب سلیم" ہے جس میں لامحالہ ذہن بھی داخل ہے۔ اور چونکہ جبتک کسی شئے کو ذہن تسلیم نہ کرلے، دل کے لیئے اسکا تسلیم کرنا غیر ممکن ہے اسلیئے ذہن سلیم ہی "فواد" کا صحیح مفہوم ہو سکتا ہے۔ اسی "فواد" میں باقی حواس ثلٰثہ (یعنی لامسہ، ذائقہ اور شامہ) بھی شامل ہیں کیونکہ اِن کے محسوسات کی اطلاع بھی، سامعہ اور باصرہ کی مانند، ذہن ہی کو ملتی ہے۔ "علم" کی یہ حیرت انگیز تعریف اسقدر جامع اور مانع ہے کہ آج مغرب کی تمام حکمت اور عمل کی بنیاد، بلکہ اُن کی تمام تلاش و تفحص کا معیارِ تصدیق یہی سمع و بصر اور قلب سلیم کی شہادت ہے۔ علم کے عظیم الشان قصر کی تعمیر انکے ہاتھوں آج انہی ارکان ثلاثہ کے زور پر ہو رہی ہے۔ ان کی نظروں میں کوئی بات واقع الامر نہیں، کوئی شئے حقیقت کہلائے جانے کی اہل نہیں جبتک کان نے بار بار اسکے واقع الامر ہونے کی گواہی نہ دی ہو، آنکھ نے ہر مرتبہ اُسکو اچھی طرح دیکھ بھال نہ لیا ہو، دل نے بلاعذر اُسکی معقولیت کو نہ مانا ہو۔ یہی اُن کے نزدیک "علم" ہے۔ اور جو اسکے سوا ہے "ظن" ہے اور اسلیئے قابلِ التفات نہیں۔ اسی سچے معیار کو پیش نہاد بنا کر انہوں نے اُن تمام انسانی مکتشفات کو "علم" کے نام سے موسوم کیا ہے جن کی بنیاد براہ راست تجربے اور مشاہدے پر ہے۔ علم طبیعیات، علم ہیئت، علم جر ثقیل، علم حرارت، علم تشریح الابدان، علم جغرافیہ، علم طب وغیرہ وغیرہ انکے نزدیک صحیح معنوں میں علم ہیں۔ فلسفہ، قانون، ادب، صرف نحو، بلاغت، عروض وغیرہ وغیرہ جن کی اساس قیاس، رائے، یا وضعی اجماع پر ہے، "علم" کے بلند مقام تک نہیں پہنچ سکتے، اور نہ سمع و بصر اور قلب سلیم کو ان سے کچھ تعلق ہے۔ بیکن (المتوفی سنہ ۱۰۳۵ھ سنہ ۱۶۲۶ء) کے مشہور اور عالم انگیز مسئلہ استقراء (سنہ ۱۰۲۹ھ سنہ ۱۶۲۰ء) کی تمام بنیاد علم کی اسی جامع اور مانع تعریف پر ہے۔ اور یہی وہ مسئلہ تھا جس نے مغرب کو ازمنۂ مظلمہ کی جہالت سے نکالکر ایک اقل قلیل مدت میں "نشاۃ الثانیہ" کی حیرت انگیز علمی ترقیوں کیطرف رہنمائی کی تھی!

علم کے صحیح اور ناقابل انکار قرآنی مفہوم کے متعلق اصل کتاب میں ایک طول طویل بحث بعد میں آئے گی، اگر کتاب کے اس ابتدائی حصے میں سورۂ بنی اسرائیل کی اس جلیل القدر آیت کے متعلق یہ سرسری توضیح اسلیئے بھی ضروری ہے کہ قرآن حکیم میں اس نہی مُہتم یعنی آیہ وَلَا تَقْفُ ..... (۱۷: ۳۶) کو ربانی حکمت کا ایک مستقل جز قرار دیا گیا ہے، جو بعد کی آیہ؛ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ط (۱۷: ۳۹) یعنی "یہ احکام ہیں جو تمہارے پروردگار نے اپنی حکمت کاملہ سے اخذ کیکے تم پر وحی کر دیئے ہیں" سے ظاہر ہے۔ اس حکمت عظمٰی کے متعلق ایک پر معنی بحث عنقریب تیسری مجلس میں آئے گی لیکن ہر صاحب نظر قرآن حکیم کی اس آیہ کبریٰ یعنی (۱۷: ۳۶) کے صحیح مطالب کو پاکر بطور خود سمجھ سکتا ہے کہ آج جن اقوام عالم نے "علم" اور صحیح علم کو اپنا سہارا

کیا تعویذوں اور گنڈوں، رمل اور جفر، تفاؤل اور حساب جمل سے آیندہ واقعات اور اسرار غیب کی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۸۳) بنایا ہے، جنہوں نے قرآن کے اِس اہم حکم کی تعمیل میں اپنے آپ کو لغو اور بے سند، اٹکل پچو اور بے تکی باتوں کا شکار بنا کر قوم کی ذہنی اور علمی قوتوں کو تباہ نہیں کیا، وہ آج ترقی کے فلک الافلاک پر کس طرح چڑھ رہے ہیں، اور دوسری قوموں کے بالمقابل کسقدر طاقتور بن چکے ہیں!

لیکن اور اُمتوں سے قطع نظر، خاص مسلمانانِ عالم نے جس حیرت انگیز خوش اعتقادی سے پچھلی چند صدیوں سے عالمِ عُقبیٰ کی جسمانی تصویر اپنے ذہنوں میں جمانے کی بے طرح سعی کی ہے؛ جو بے سند قصّے بہشت اور دوزخ کی مکانیت کے متعلق اپنے شاعرانہ تخیل کے باعث گھڑ لیئے ہیں، جو عجیب و غریب خیالی سماں اُن کی فرضی کیفیت کے بارے میں بلا شہادت باندھ لیا ہے (مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِہَا مِنْ سُلْطٰنٍ ط (۵۳ : ۲۳) صفحہ ۸۲) بجائے خود اُن کے ضعف یقین کی دلیل ہے۔ دنیائے آخرت کی صحیح ماہیت کے متعلق بحث کرنے کا یہ موقع نہیں، مگر باوجود اُس تمثیلی کیفیت کے جو قرآن نے انسانوں ہی کی زبان میں اُس سانحہ عظمیٰ کے بارے میں جابجا بیان کی ہے جس کا واقع ہونا اٹل ہے، اور باوجود اُس مثالی کیف و حال کے جو بہشت کی بے مثال آسائش اور دوزخ کی بے مثال تکلیف کے متعلق بار بار ظاہر کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو سرورِ کائنات کے اُس مشہور قول کی بھی کچھ وقعت پیش نظر نہیں جس میں بہشت اور دوزخ کی بابت فیصلہ کر دیا ہے کہ "لا عینٌ رأت لا اُذنٌ سمعت ولا خطر علیٰ قلب البشر" یعنی اُسکو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سُنا، اور نہ اسکا خیال ہی کسی بشر کے قلب پر گذرا ہے"۔ جب حال یہ ہے کہ سمع اور بصر اور فؤاد ان کی صحیح کیفیت تک نہیں پہنچ سکتے، اور اُنکا علم حاصل کرنا اُن کے واقع ہونے سے پیشتر محال ہے تو حیرت ہے کہ مسلمان "وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ" کے محاکمے کے باوجود کیوں اُن کے پیچھے پڑے ہیں اور فرضی قصّے بنا بنا کر اپنے دین کو غیروں کی نظر میں مضحکہ انگیز بنا رہے ہیں۔ عالمِ عُقبیٰ کے بارے میں جو تعلیم اسلام نے دی ہے فقط یہ ہے کہ وہ ہے، اُسکا واقع ہونا یقینی ہے اور بس:

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَۃُ ۙ لَیْسَ لِوَقْعَتِہَا کَاذِبَۃٌ ۘ خَافِضَۃٌ رَّافِعَۃٌ ۙ (۵۶ : ۱-۳)

اے لوگو! ذرا غور کرو کہ جب وہ کپکپا دینے والا سانحہ واقع ہوگا، اور قیامت جس کے ہونے میں ذرا شک و شبہ بھی نہیں تمہارے سروں پر آموجود ہوگی تو تمہارا کیا ہی خستہ حال ہوگا۔ اُسدن تمہارے اعمال کی حقیقت صاف کُھل جائیگی، بہتیروں کو ابد الآباد تک ذلیل کر دے گی اور بہتیروں کے درجے ہمیشہ کے لیئے بلند کر جائے گی۔

اِس حادثہ کبریٰ کے واقع ہونے کا ناقابل انکار ثبوت کتاب کے متن میں اپنے موقع پر آئیگا۔ رہی یہ بات کہ وہ کب ہوگا، کہاں اور کیونکر ہوگا، جزا کیا ہوگی سزا کس طرح ہوگی، کیا کیف حال ہوگا، کیا منظر پیش ہوگا، یہ سب امور انسان کے احاطہ علم سے باہر ہیں کیونکہ سمع و بصر اور فؤاد کے حیزِ درک میں آنیکا امکان نہیں رکھتے۔ اسی بنا پر اُنکے بارے میں بحث کرنا بھی عبث ہے۔ اور نہ قرونِ اولیٰ میں ان کی کسی ایک شق کے متعلق بحث کرنے کی اجازت تھی۔ سورۂ اعراف میں ہے:

یَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُرْسٰہَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُہَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ (۷ : ۱۸۷)

اے پیغمبر! لوگ تمہیں قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ آخر اس سانحہ عظمےٰ کا ٹھل بیڑا بھی کہیں ہے، کوئی شناخت کرنے کی علامت یا نشان بھی ہے۔ اِن کو کہہ دو کہ اُسکا علم تو صرف میرے خدا ہی کے پاس ہے۔

جو بات نتیجہ خیز ہے یہ ہے کہ اُس السَّاعَۃ کے واقع ہونے پر کامل اور علمی یقین ہو، اسکی اہمیت اور صداقت کو پا کر بدن میں کپکپیاں پیدا ہوں۔ دار الجزا کی امید میں سعی و عمل دہ چند ہوتا جائے، شوق کا حس بڑھے، خوف کا تکیف ظاہر ہو۔ نہ یہ کہ نادیدہ انعام کے فرضی قصّے گھڑ لیئے جائیں، اُنکو دُہرا دُہرا کر بے اثر، اور سعی و عمل کو کالعدم کر دیا جائے۔ انعام میں قوت تشویق اور سزا میں طاقت تخویف تبھی تک ہے جبتک اُنکی صحیح کیفیت معلوم نہیں اور ساتھ ہی انکے بہترین یا بدترین ہونے میں کلام نہیں۔ یہی انداز اِس موضوع کے متعلق تمام قرآن عظیم کا ہے مگر افسوس کہ آجکل کے مسلمانوں نے اِس راز کو اکثر نہیں سمجھا۔

Marfat.com

ٹوہ لگانا، اور اِس مکروحیل سے آیاتِ خدا کو کوڑیوں کے مول بیچنا ہی قرآن حکیم کی وہ محیّر العقول حکمت آموزی تھی جس کا دعوےٰ حکیمِ حقیقی نے بار بار کیا تھا؟ کیا صرف و نحو، علوم[‡] لغت اور فنونِ بلاغت کو اسلامی دینیات کا جزلاینجزّیٰ قرار دے کر سبع اسابیع[‡]، حماستین اور مقاماتِ حریری کے صنائع اور بدائع کا مطالعہ کرنا ہی فی الحقیقت "قَوْمٌ يُؤْمِنُونَ" و "قَوْمٌ يُوقِنُونَ" کے لیئے وہ "هُدًى وَبُشْرَىٰ" اور "هُدًى وَرَحْمَةً"[‡] تھی جس کا قرآن میں ملنے کا وعدہ کیا گیا تھا؟ فَذَكِّرْ فَمَا أَنتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ۝ أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ ۝ قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ۝[1] (۵۲: ۲۹-۳۱)، کیا قرآن کے پُرحکمت اور پُرمغز قصّوں، تشبیہوں اور مثلوں، سورتوں اور آیتوں کی فرضی اور بے سند تاویلیں بنا کر، اللہ کی پاک اور بے عیب کتاب کو سحر اور تکہن، خوارق اور عجائبات کا جامع قرار دینا، انبیاء کو عجیب و غریب کرامات کا عامل قرار دیکر اُن کو تماشہ گر اور حقّہ باز سمجھنا ہی اُس تذکیر و اعتبار، اُس تفکّر و تدبّر کے مترادف تھا جس کی تلقین کلامِ الٰہی نے کی تھی؟ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝[2] (۷: ۱۷۶)،

---

[1] تو اے پیغمبر! تم اپنی نصیحت کیئے جاؤ کیونکہ تم اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے نہ تو بازیگر (کَاهِنٍ) ہو اور نہ سودائی (مَجْنُونٍ)۔ کیا لوگوں نے تمہاری نسبت یہ مشہور کر رکھا ہے کہ محمّدؐ تو محض ایک شاعر ہے جس نے اپنے زورِ تخیّل اور شعر و سخن سے ہی چند افراد کو اپنا گرویدہ کر لیا ہے۔ اس کی پیروی اور اسکی دھمکیاں تبھی تک ہیں جبتک وہ زندہ ہے۔ اور ہم تو اِس امر کے منتظر ہیں کہ موت کا حادثہ اسکو آ دبوچے اور اس کی سب لن ترانیوں کو ختم کر دے۔ تم اِن سے کہدو کہ بہت اچھا تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں پھر علوم ہو جائے گا کہ کس کی دھمکیاں محض باد ہوا باتیں نہیں، اور کس کی ہدایت صرف نقش بر آب تھی۔

[2] پس تم ان کو یہ باتیں بیان کرو تاکہ اِن پر غور کر کے مستقل نصیحت اخذ کریں۔

---

‡ صفحہ ۴۳-۴۴ کے تحت المتن سے ظاہر ہو کہ علم لغت الٰہی اصطلاح میں درحقیقت علم نہیں علیٰ ہذا القیاس صرف و نحو یا بلاغت کے فنون۔ اسی لحاظ سے علوم کو واوین میں گھیرا گیا ہے۔

‡ متاخرین عرب نے اپنے علم ادب میں سے ہر طبقہ شعراء کے سات اعلےٰ پائے کے قصیدوں کو معلقات کے انداز پر منتخب کر کے سات حصوں میں منقسم کیا ہے اور اس مجموعے کا نام سبع اسابیع رکھا ہے۔ اِن سات حصوں کے نام یہ ہیں: معلقات، مجمہرات، منتقیات، مذہبات، مراثی، مشوبات، ملحمات۔ پہلے تین مجموعوں کی تفصیل صفحہ ۶۳ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ باقی شعراء کے نام یہ ہیں: مذہبات (حسان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ، مالک بن عجلان، قیس بن حطیم، احیحہ بن جلاح، قیس بن اسلت، عمرو بن امرؤ القیس)، مراثی (ابو ذویب ہذلی، محمد بن کعب، اعشیٰ باہلی، علقمۃ المطوس، ابو زبید طائی، مالک بن ریب نہشلی، متمم بن نویرہ) مشوبات (کعب بن زہیر، نابغہ جعدہ، قطامی، حطیئہ، تمیم بن مقبل، شماخ، عمرو بن احمر)، ملحمات (فرزدق، جریر، اخطل، عبید راعی، ذوالرمّہ، کمیت بن زید، طرماح)۔

‡ صفحہ ۵۷-۵۸ کے متن کی آیات (۷: ۲۰۳) اور (۷: ۵۲) اور (۲۰: ۱۴۵) کی طرف اشارہ ہے یا (۱۲: ۱۱۱) کی طرف جو آگے آ رہی ہے۔

لَقَدْ کَانَ فِیْ قَصَصِہِمْ عِبْرَۃٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ؕ مَا کَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰی وَلٰکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ وَتَفْصِیْلَ کُلِّ شَیْءٍ وَّہُدًی وَّرَحْمَۃً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝[۵۱] (۱۲ : ۱۱۱)۔ اگر صاحب القرآن عزّ اسمہٗ کی حقیقی غرض و غایت اِسی فلسفے اور اِسی حکمت سے تھی، اگر کتابِ خدا میں بصیرت اور تدبر کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا، اگر غور و فکر اسی نمط پر اسکے حقائق کو بیّن کر سکتا تھا، وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْہِمْ وَلَعَلَّہُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ ۝[۵۲] (۱۶ : ۴۴)، اگر یہ عالم افروز اور مبین کتاب دُنیائے اسلام کو اسی طور پر ظلمت سے نور میں نکال سکتی تھی، نہیں، اگر آیۂ استخلاف کے وعدے کے مطابق یہی **ایمان** اور یہی **اعمال صالحہ** ہونے چاہیئے تھے جو عرب اور عجم نے صدیوں اور قرنوں تک مل کر کیے تو آج کیوں قرآن حکیم کے یہی سچے مترجم، کیوں کتاب مبین کے یہی اصلی مفسر، یہی پکے مومن اور صالح العمل **اہل عرب**‡، ایک قلیل سے قلیل زمانے میں، شدید العقاب خدا کے عذاب مہین کے اِس دردناک طریقے پر شکار ہو چکے ہیں کہ خدا کی گز بھر زمین بھی صحیح معنوں میں ان کی وراثت میں نہیں رہی؟

۵۱ بلاشبہ دانا آدمیوں کیلئے اِن لوگوں کے حالات میں بڑی عبرت ہے اور یہ قرآن کوئی بنائی ہوئی یا جھوٹ بات تو ہے نہیں بلکہ جو کچھ اُسکے سامنے ہے اسکی تصدیق ہے اور فی الحقیقت یہ تو تمام آئین جہان کی تفصیل ہے اور اُس قوم کیلئے جو ایمان دار ہے اسکے احکام پر عمل پیرا ہے ہدایت اور رحمت ہے۔ ۵۲ اور ہم نے یہ کتاب نصیحت تم پر اسلیئے اتاری ہے کہ تم اسکے حقائق عالیہ کو اُن پر اچھی طرح عیاں کر دو، اور ساتھ ہی یہ بھی کہ وہ بطور خود اسمیں تفکر کریں اور نئے حقائق دریافت کریں۔

ء اِس آیت کے صحیح مفہوم، اور بالخصوص تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ کے معانی کے متعلق ایک مستقل باب باندھا گیا ہے جو غالباً پانچویں مجلد میں آئیگا، ایک اور مستقل بحث اسی ضمن میں عنقریب آنیوالی ہے اسلیئے یہاں پر اِس آیۂ کریمہ کے متعلق کچھ کد و کاوش کی ضرورت نہیں ہم نے اَلَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ کا ایک لفظی ترجمہ کر کے مطالب کو نظرانداز کر دیا ہے۔

‡ اِس جگہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ مقاصد قرآن کی غلط اشاعت کا مجرم خاصتہً اہل عرب کو کیوں قرار دیا ہے حالانکہ عباسیہ سلطنت میں علما، ادبا، متکلمین اور مفسرین اکثر عجمی الاصل تھے اور قرآنی مطالب کی نشر و تبلیغ بھی عجمیوں کی وساطت سے ہوئی۔ چنانچہ ابن خلدونؒ نے اپنے مقدمے میں اِس موضوع پر ایک مستقل باب باندھا ہے۔ یہ اعتراض بظاہر وزن دار معلوم ہوتا ہے مگر ادنیٰ تامل کے بعد اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عجمی حکما و فضلا نے قرون عباسیہ میں معاً قرآن اور باقی علوم و فنون کی تبلیغ جو کچھ کی سب کی سب عرب روایات اور عرب اثر، عرب تخیل اور عرب حکومت کے ماتحت رہ کر کی۔ دینیات کے متعلق تمام علوم کا مرجع و منتہا قرآن تھا اور وہ عربی میں تھا، احادیث کی روایت عربی زبان میں تھی، بحث مباحثے، اسناد اور حوالہ جات سب عربی میں تھے، تصانیف کی زبان عربی تھی، انکے اکثر موضوعات بھی تاریخ، عرب خصوصیات اور اخلاق عرب اعتقادات اور روایات پر یکسر مبنی تھے۔ نہیں بلکہ عجم مصنفینؒ قول و خیال کے اعتبار سے اپنے آپکو عرب میں مدغم کرنیکی سعی اِس شد و مد سے کی تھی کہ صرف تصنیف کو دیکھکر مصنف کی اصل نسل کا پتہ لگانا آج بھی بہت مشکل ہے۔ اِس مقام نظر سے یہ کہنا کہ مقاصد قرآن کی غلط اشاعت کی ذمہ داری عرب پر ہی ہے حقیقت کے اعتبار سے کچھ غلط نہیں۔ آج ہند کی سرزمین میں انگلستان کی شہنشہی، تمدنی اور اخلاقی روایات کی اکثر نشر و تبلیغ متفرق ہندیوں کے ہاتھ سے ہو رہی ہے، ٹھیٹھ انگریز جو اِس اشاعت میں حصہ لے رہے ہیں قلیل تعداد صفر ہیں۔ لیکن بایں ہمہ یہ کہنا کسقدر نادرست ہے کہ ہندوستان کے اخلاقی افلاس اور مادی انحطاط کے مجرم ہندوستانی ہیں، انگریز نہیں۔ حاکم قوم کی حکومت ہی اس بات کی روشن دلیل ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے انکے ایما بلکہ انہی کے کیے سے ہو رہا ہے، آلۂ کار خواہ کوئی بھی ہو۔ اِس نقطۂ خیال سے دین متین کو ہجر و ہذیان بنا دینے کے مجرم اہل عرب ہی ہیں اور اسی لیئے سزا بھی انہی کو جلد تر ملی۔ لیکن اس موضوع پر ایک ابتدائی بحث صفحہ ۹۶ کے تحت المتن میں بھی ہو چکی ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ○
إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ ○ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ○ (۲۱: ۱۰۵-۱۰۷)

اور ہم زبور میں تمام ضروری تفصیل کے بعد یہ بات قطعی طور پر واضح کر چکے ہیں کہ زمین کے وارث تو ہمارے صالح العمل بندے ہی ہیں۔ درحقیقت اس میں اطاعت گذار قوم کے لیئے ایک اہم پیغام ہے۔ اور اے محمد ہم نے بلا شبہ تم کو سارے جہان کے لیئے رحمت بنا کر بھیجا ہے تاکہ انہیں قیام و بقا کے نشیب و فراز سے مطلع کر دو۔† (۶: ۴۸)

وَمَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ○
فَأَعْرِضْ عَن مَّن تَوَلَّىٰ عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ○ ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم
مِّنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ ○
وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ
أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى ○‡ (۵۳: ۲۸-۳۱)

---

† صفحہ ۸۱ کی آیات (۶: ۴۷-۴۸) کے تحت المتن میں پیغمبران خدا کی مبشر و نذیر کی نوعیت واضح کر دی تھی۔ (۶: ۴۸) میں ہے وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ۔ علی ہذا القیاس یہاں پر وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ہے۔ اس نقطہ نظر سے پیغمبر خدا کے رحمۃ للعالمین ہونے کی کیفیت بھی واضح ہے یعنی یہ کہ دنیا کو اجتماعی ہلاکت کی راہ سے ہٹا کر حفظ و بقا کی راہ پر چلانا ہی وہ پیغام رحمت اور بشارت تھی جو وہ لائے تھے۔ اس بنا پر ہم نے یہ توجیہ ترجمے میں داخل کر دی ہے۔ پیغام رسول کو رحمۃ للعالمین ثابت کرنے میں ابھی دیر ہے۔ یہ تمام کتاب اسکی شہادت میں ہے۔

‡ ان آیات الٰہی کے مطالب اور 'علم' و 'ظن' کے صحیح مفہوم کے متعلق صفحہ ۴۰، ۴۲ کا تحت المتن پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ یہاں پر دو ایک اہم باتوں کا فیصلہ کر دیا ہے، اولاً یہ کہ 'علم' کے بالمقابل 'ظن' اس دنیا میں کچھ بکار آمد نہیں ہو سکتا (وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا)۔ یہ حقیقت اسقدر جلیل القدر ہے کہ مسلمانان عالم نے چند صدیوں سے اسپر کافی غور نہیں کیا، اور ظنیات میں پڑ کر قوم کی عملی قوتوں کو بیکار کر رہے ہیں۔ ثانیاً یہ کہ 'علم' کا تتبع کرنا، یا بعبارت اُخریٰ اپنی تمام معلومات کی بنا تجربے اور مشاہدے پر قائم کرنا درحقیقت سبیل خدا پر چلنا ہے۔ اور یہی 'ہدایت' کی ایک اہم شق ہے (ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ)۔ ثالثاً یہ کہ تمام انسانی مساعی میں یقینیات کو پیش نظر رکھنا اور علم کو رہنما بنانا گویا 'حسن عمل' کرنا ہے۔ اسی حسن عمل کا نتیجہ زمین و آسمان کے بہترین انعام ہیں جو مسلمانوں کو کئی قرنوں تک بالالتزام ملتے رہے اور جو آج غنی عن العالمین خدا نے ان سے چھین کر ان اقوام کے سپرد کر دیئے ہیں جن کا سعی و عمل ان کو 'علم' کے راہ راست پر لیجا رہا ہے۔

ضمناً ان آیات الٰہی میں 'صلاح عمل' کی ایک اہم شق صاف ہو گئی جس کو آج اس چودھویں صدی کے مسلمان قطعاً بھول گئے ہیں۔

✱ 'حیاۃ دنیا' کی صحیح تعریف 'عمل' کے عنوان میں آئے گی۔ یہاں ہم نے ایک لگتے ہوئے معنے کر دیئے ہیں مگر انکی قرآنی سند سورۂ آل عمران کی اس آیت سے ظاہر ہے

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ
وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ (۳: ۱۴)

لوگو! دنیا کے اس دارالامتحان میں انسان کی نفسانی خواہشوں کو مثلاً بیٹیوں اور اولاد سے محبت کرنا، سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیروں کو جمع کرنا، اور عمدہ عمدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیتوں سے دل بستگی رکھنا، بھلا کر کے دکھلایا گیا ہے۔ لوگو یہی حیات دنیا کی متاع ہے جسکا قیام چند روزہ ہے اور خدا کے نزدیک انسان کی بہترین جائے بازگشت تو ان اشیا کی بے اندازہ محبت سے الگ تھلگ ہو کر اسکے احکام کی طرف رجوع ہونا ہی ہے۔ (وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ)۔

Marfat.com

ان کو اس کے متعلق کچھ علم تو ہے نہیں۔ وہ تو نرے ظن اور اٹکل پر چلتے ہیں، اور ظن یقین کے بالمقابل کچھ بکار آمد نہیں ہو سکتا۔ پس اے پیغمبر! جو شخص ہمارے حقیقت نما قرآن (ذکرِنا) سے روگردانی کرے، اور دنیاوی شغل و اشغال میں مگن رہنے کے سوا اسکو کسی اور بات سے غرض و مطلب نہ ہو، تم اس سے علیحدہ ہو جاؤ۔ ان کا مبلغ علم یہی کچھ ہے جو وہ ظاہر کر رہے ہیں۔ خدا ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کے دکھائے ہوئے راہِ راست سے بھٹک گئے ہیں، اور وہ ان کو بھی اچھی طرح سمجھتا ہے جو راہ ہدایت پر قائم ہیں۔ اور جو کچھ آسمان و زمین میں ہے وہ تو اللہ ہی کا ہے تاکہ اس میں سے بہترین شے حسنِ عمل کرنے والوں کو، اور بدترین عذاب برے عمل کرنے والوں کو دے۔ (یہاں ذکرِنا سے مراد خدا کی یاد قطعاً نہیں بلکہ کتاب خدا ہے والا مطالب مربوط نہیں ہوتے کیونکہ پہلے اور بعد کی آیتوں میں علم کا ذکر ہو اور قرآن کا مجسمہ علم ہونا ثابت ہو (دیکھو صفحہ ۶۴-۶۷) ذکر بمعنی قرآن کئی جگہ آیا ہے۔ (دیکھو (۴۴:۱۶) و (۹:۱۵) صفحہ ۸۹ و ۹۲ میں)

کیا کلام الٰہی کے یہ ظاہر پرست اور وہم زدہ شارحین اسکی آیات میں استدلال کرتے وقت اس حقیقت کو بھول گئے تھے کہ اسلام کی دنیا میں آنے کی تنہا غرض ساکنانِ عالم کو خدا کی عبودیت اور قانون احکم الحاکمین کی اطاعت کی طرف منتقل کرنا ہے، اور اس بنا پر اسکی تشریحوں میں زمانہ جاہلیت کے ان خناسی ساوس اور ظنی واہیات کو پھر دخیل کر دینا اسلامی تعلیم کے سراسر منافی، اور کتاب خدا کی صریح توہین ہے؟: قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ۝ مُسْتَكْبِرِيْنَ[۵۱] بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۝ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ۝ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ[۵۱] ۝ (۲۳: ۶۶-۷۰)۔ کیا قرآن حکیم کو اہل عرب کی سخن فہمی، ظاہر آرائی، اور باطل طرازی کی شرم انگیز داستان بناتے وقت انہوں نے یہ خیال نہ کیا کہ جب خود قرآن شعر و فصاحت کا مدعی ہی نہیں بلکہ منکر ہے: بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ[†] ۚ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ[۵۲] ۝ (۲۱: ۵)، اور اور اہل کتاب بھی اپنی آسمانی

---

[۵۱] میری آیتیں تم پر وضع کیجاتی تھیں مگر تم ازروئے غرور قرآن کو قصے کہانیاں اور لغو سمجھکر اپنے گذشتہ اعتقادات کی طرف رجعت قہقری کر جاتے تھے۔ تو کیا ان لوگوں نے ہمارے اس قول عظیم پر غور ہی نہیں کیا، یا کیا انکے پاس کوئی طرفہ شے آئی تھی جو ان کے باپ دادا کے پاس نہیں آئی تھی؟ کیا یہ لوگ اپنے رسولؐ کی راستبازی، حق پژوہی و یقین گوئی سے واقف نہ تھے کہ اب اسکی ان خصائص سے منکر ہیں؟ کیا اب آیات خدا کو یوں تو زمزمہ ذکر اور قصے کہانیاں سمجھکر گویا یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ مجنون ہے! وہ تو دنیا کے پاس جو کچھ لایا ہے، حق لایا ہے۔ لیکن افسوس کہ ان میں سے اکثر حق بات ہی سے متنفر ہیں!

[۵۲] ان عرب نے تو قرآن کو سحر کہنے پر ہی بس کیا بلکہ لگے کہنے کہ یہ تو پریشان خیالات ہیں جو رسول نے ادھر ادھر سے اکٹھے کر لیے ہیں، بلکہ اس نے یہ جھوٹی جھوٹی باتیں اپنے دل سے بنالی ہیں، بلکہ درحقیقت وہ تو ایک شاعر ہے جو قافیہ بندی و خیال آرائی میں ماہر ہے! اگر وہ فرستادہ خدا ہے تو ہمارے پاس اگلے نبیوں کی سی کوئی نشانی لا دے۔

[†] یہ چوتھا موقع ہے کہ قرآن نے بصراحت شعر ہونے سے انکار کیا ہے۔ پہلے موقعے صفحہ ۶۴، ۷۱، ۷۲ پر گذر چکے ہیں۔

Marfat.com

کتابوں کے بارے میں جو اُسی خدائے واحد کی طرف سے ہیں، اور لامحالہ اُسیکا کلام ہیں، فصاحت کا اِدعا حتماً پیش نہیں کرتے، جب خود اہل اسلام خدا کے تورات کو "مُستبین" کہنے کے باوجود، اُسکے فصیح ہونے کا گمان تک نہیں کرتے: وَاٰتَیْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ ۚ[1] (۳۷: ۱۱۷)، جب خود خدائے عظیم کا آسمانی کتابوں کے بارے میں دعوے اُن کی بے مثال ہدایت میں ہے: قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ[2] (۲۸: ۴۹)، تو قرآن کے سطحی محاسن کو اس اعتنا و اہتمام سے دیکھنا اور باطن کو یکسر نظر انداز کر دینا، اُس کی

---

[1] اور ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو مشرح اور بلیغ فی البیان کتاب دی۔

[2] اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر قرآن اور تورات دونوں کتابیں جھوٹی ہیں اور تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو تم بھی خدا کے ہاں سے کوئی اور کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے ہدایت میں بہتر ہو۔ پھر میں بھی اسکی پیروی کرنے کو تیار ہوں۔

---

† تورات کے متعلق جو دعاوی قرآن کریم نے کیے ہیں مفصلہ ذیل حوالوں سے ظاہر ہیں:۔

سورۂ مائدہ میں ہے: اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِیْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ (۵: ۴۴)۔ "ہم ہی نے توراۃ کو اتارا، اُسمیں ہدایت اور نور ہے"۔ سورۂ انعام میں ہے: قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ (۶: ۹۲) "ان سے پوچھو کہ وہ کتاب کس نے اتاری تھی جسکو موسیٰ لایا تھا اور جو ساکنانِ عالم کے لیے نور اور ہدایت تھی"۔ اِسی سورۃ میں توراۃ کے متعلق ہے: تَمَامًا عَلَى الَّذِیْۤ اَحْسَنَ وَ تَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً (۶: ۱۵۵)۔ "تمام خوبیوں پر مشتمل ہے اور تمام اشیا کی تفصیل ہے اور ہدایت اور رحمت ہے"۔ اگر ان خوبیوں میں ادبی بلاغت اور شاعرانہ فصاحت بھی شامل ہے تو مسلمان کیوں آج اسکو فصیح و بلیغ نہیں کہتے۔ سورۂ اعراف میں الواحِ موسیٰؑ کے بارے میں ہے: وَ فِیْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ (۷: ۱۵۴)۔ "اور اُن الواح کے متن میں اُن لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ہدایت اور رحمت تھی"۔ سورۂ بنی اسرائیل میں علیٰ ہذا القیاس، وَ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ (۱۷: ۲) "یعنی ہم نے کتاب موسیٰ کو بنی اسرائیل کیلئے ہدایت بنا دیا ہے"۔ سورۂ قصص میں اسی تورات کے بارے میں بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ (۲۸: ۴۳) آیا ہے: یعنی تمام عالم کے لیے بصیرت اور تدبر کی باتیں ہیں اور ہدایت اور رحمت ہے تاکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں"۔ سورۂ سجدہ میں پھر وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۚ (۳۲: ۲۳) آیا ہے۔ سورۂ مومن میں هُدًى وَّ ذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ (۴۰: ۵۴) فرمایا ہے، یعنی "دانا اور صاحب عقل لوگوں کے لیے ہدایت اور عبرت ہے"۔ سورۂ احقاف میں "امام" کا عزیز القدر لقب بھی اسی کتاب کے بارے میں آیا ہے وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ (۴۶: ۱۲) ۔ سورۂ انبیاء میں ضِیَآءً وَّ ذِكْرًا لِّلْمُتَّقِیْنَ ۙ (۲۱: ۴۸) "یعنی ڈرنے والوں کیلئے نور اور عبرت ہے"۔

انجیل کا تعارف ربِ زمین و آسمان نے اِن الفاظ میں کرایا ہے:۔

سورۂ آل عمران میں ہے: وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ ۙ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ (۳: ۳)۔ "یعنی اُسی نے توراۃ اور انجیل کی الہامی کتابیں بھیجیں جو قرآن سے پیشتر ساکنانِ زمین کے لیے ہدایت تھیں"۔ سورۂ مائدہ میں ہے: وَ اٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ فِیْهِ هُدًى وَّ نُوْرٌ ۙ (۵: ۴۶) یعنی "اس میں نور اور ہدایت ہے"۔ اور اسی آیت میں وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ ؕ (۵: ۴۶) کے الفاظ ہیں یعنی "خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے"۔

قرآن کے متعلق بعض دعاوی اس سے پیشتر اصل کتاب میں آ چکے ہیں مگر تقابل کے خیال سے تمام آیات کو یہاں پر جمع کر دیا جاتا ہے۔ سورۂ آل عمران میں ہے: هٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ (۳: ۱۳۸)۔ یعنی "یہ قرآن ساکنانِ زمین کے لیے ان کے دستورالعمل کی تشریح ہے اور خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت اور عبرت ہے"۔ سورۂ انعام میں ہے: اَنْزَلَ اِلَیْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ (۶: ۱۱۵)۔ یعنی "اسی خدا نے پاک نے تمہاری طرف مفصل کتاب اتاری جسکے بعد کسی شرح کی گنجائش نہیں ہے"۔ اسی سورۃ میں کچھ آگے چلکر ہے، وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ (۶: ۱۵۶)

Marfat.com

قدر و قیمت کو بے انتہا کم کرنا اور اسکی حقانیت سے انکار کرنا ہے؟ کیا قرآن میں فلسفیانہ اور فقیہانہ، لغوی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۸۹) یعنی "اور یہ بھی ایک کتاب ہے جسکو ہم ہی نے اُتارا۔ یہ بھی بڑی برکت پیدا کرنے والی شے ہے، پس اسکے قدم بقدم چلو۔" اسی آیت سے ذرا آگے ہے: فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ (۶: ۱۵۸)۔ یعنی "تو جان لو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلیل آچکی ہے جو تمہارے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔" سورہ اعراف میں ہے: وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (۷: ۵۲)۔ "اور ہم اُن کے پاس ایک ایسی کتاب لائے ہیں جسکی تفصیل ہم نے اپنے علم سے کر دی ہے۔ جو قوم اس پر عمل پیرا ہے اس کے حق میں ہدایت اور رحمت ہے۔" سورہ یونس میں اسی کتاب کو ھُدًی اور رَحْمَۃٌ کے سوا "مَوْعِظَۃٌ" اور "شِفَآءٌ" کہا گیا ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۱۰: ۵۷)۔ یعنی "اے ساکنانِ زمین! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کیطرف سے آخری دستور العمل (مَوْعِظَۃٌ) پہنچ چکا ہے، وہ دراصل تمہاری بد باطنیوں اور نفسانی امراض کی شفا ہے، اور جو قوم اسکی صداقت پر ایمان لا کر اسکے احکام پر عمل پیرا ہے اسکے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔" سورہ ہود میں کتاب خدا کی صداقت، موعظت اور عبرت پر زور دیا گیا ہے: وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۱۱: ۱۲۰) صفحہ ۲۷ کے تحت المتن میں اس کا ترجمہ گذر چکا ہے۔ سورہ یوسف میں اسی قرآن عظیم کو تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (۱۲: ۱۱۱) کہا گیا ہے جسکی تشریح صفحہ ۸۶ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ سورہ رعد میں اسکو قانونِ خدا کی قطعی سند (حُکْم) منشائے احکم الحاکمین کی آخری شہادت (حُکْم)، اور "الْعِلْم" کا خطاب دیا گیا ہے: وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝ (۱۳: ۳۷)۔ یعنی "اور اسیطرح ہم نے اس قرآن عظیم کو عربی زبان میں منشائے ایزدی کی سند بنا کر اتارا ہے اور اگر اے محمدؐ! تو نے اس علم کے ہوتے ہوئے لوگوں کی خواہشات کا تتبع کیا تو یاد رکھنا کہ خدا کی دردناک سزا سے بچانے والا تیرا کوئی حامی نہ ہوگا۔" سورہ نحل میں پھر وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (۱۶: ۶۴) کے الفاظ آئے ہیں۔ اسی سورہ شریفہ میں قرآن کو تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (۱۶: ۸۹) فرمایا ہے جس کے معانی صفحہ ۸۶ کے متن میں گذر چکے ہیں۔ ذرا آگے بڑھ کر پھر اسی کے متعلق هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (۱۶: ۱۰۲) ہے۔ سورہ انبیاء میں ہے: وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۭ (۲۱: ۵۰)۔ "یہ بہت برکت پیدا کرنے والی کتاب ہے جسکو ہم نے اُتارا۔" سورہ نمل میں دو جگہ بوضاحت تمام یہی مضمون ہے: هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۲۷: ۲)، وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۲۷: ۷۷)۔ سورہ عنکبوت میں کتاب خدا کو ایمان والوں کے لیے رحمت اور عبرت فرمایا ہے: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (۲۹: ۵۱)۔ سورہ لقمان میں هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝ (۳۱: ۳) ہے، یعنی "حُسنِ عمل کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔" هُدًى وَّشِفَآءٌ کے الفاظ سورہ حٰم السجدہ میں پھر آئے ہیں: قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۭ (۴۱: ۴۴)، یعنی "اے پیغمبر کہہ دو کہ قرآن عظیم اُن لوگوں کے لیے جو اسکو کتاب خدا تسلیم کر کے اس پر عمل پیرا ہیں ہدایت اور شفا ہے۔" اور سورہ جاثیہ میں تو قرآن کو تمام عالم کے لیے بصیرت اور تدبر کا مجسمہ کہکر، عمل پیرا قوم کے لیے ہدایت کا لازوال مصدر، اور رحمت خدا کا بے مثال ذریعہ قرار دیا گیا ہے: هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ (۴۵: ۲۰)۔ اور سورہ احقاف میں اسکو حُسنِ عمل کرنے والی قوموں کے لیے قیام و بقا کی بشارت بتا کر ایک عالم کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دی گئی ہے: وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ۝ (۴۶: ۱۲)۔ یعنی "حسنِ عمل کرنے والی قوم کیلئے قیام و بقا کی بشارت ہے۔" اسی بشارت کی نوعیت کیلئے دیکھو تحت المتن صفحہ ۹۸۔

یہ تمام آیات قرآنی جو قرآن کے طول و عرض میں مختلف مواقع پر آئی ہیں اور جن کے حیرت انگیز تطابق اور توافق کو دیکھکر کتابِ خدا کا طالب العلم اس کے استقلال کا از خود قائل ہو جاتا ہے، اس امر کی صریح شہادت ہیں کہ خدا کی نظروں میں تورات، انجیل اور قرآن کی مشترک خوبی اُن کی بے مثال ہدایت میں ہے۔ یہی اُن کا جزو اعظم ہے۔ کسی ادبی یا لغوی، سطحی یا رسمی تفوق کا ان آیات میں ذکر تک نہیں۔ جس شے پر بجا فخر ہے وہ اُن کے نفس موضوع پر ہے، ہدایت اور نور پر ہے: رحمت اور بشارت پر ہے، عبرت اور موعظت پر ہے، برکت اور شفا پر ہے، علم اور بصیرت پر ہے، حکمت اور امامت، تفصیل اور جامعیت پر ہے، استقلال اور کمال پر ہے۔ اسکے ماسوا کسی دوسری شے پر نہیں۔ اور جب توراۃ و انجیل کو قریب قریب اُنہی اوصاف کے ساتھ موصوف

Marfat.com

اور منطقی اجتہاد کرتے وقت اُنہوں نے اِس امر پر غور نہیں کیا کہ اسلام ایک کامل مذہب عمل اور کلام الٰہی ایک کامل کتاب شریعت ہے، اور اِس لحاظ سے اِسکے نکات کو حل کرنے یا تکمیل درس کیلئے کسی ناقص فلسفہ، کسی جاہلی نقل و روایت، کسی مصنوعی لُغت†، حتیٰ کہ کسی یقینی اور غیر یقینی حدیث کی بھی

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۹۰) کیا ہے جو قرآن حکیم کے حق میں آئے ہیں اور تمام عالم کو صلائے عام دیدی کہ توراۃ اور قرآن سے بہتر کتاب تو لے آؤ! قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا (۲۸: ۴۹)، تو قرآن کی فصاحت کا وہ مخصوص اوعاء جو عرب نے صرف اپنی زبان کی برتری جتلانے کے لیے اپنے دل سے گھڑ لیا ہے اُس وقت تک محض باطل اور بے معنی ہے جبتک کہ توراۃ کی عجمی زبان (یعنی عبرانی) کو بھی اسیقدر فصیح نہ مان لیا جائے لیکن مغرور عرب کو گنگ عجم کے ساتھ یہ ناقابل برداشت رقابت اور شرکت کب گوارا ہو سکتی ہے۔ اور جب یہ منظور نہیں تو اس مہلک تخیل کی تنہا قرآن تک نشر و اشاعت کر کے باقی دنیائے اسلام کو کیوں دھوکہ دے رکھا ہو کہ قرآن کی بڑی سے بڑی فضیلت اسکی شاعرانہ بلاغت ہی ہے، اسی پر ایک دنیا مرمٹی تھی، اسی کے جوش اعتقاد میں عرب سرنگوں ہو گیا تھا، عمر جیسا شاعری سے بیزار انسان دم بخود ہو کر اسلام لے آیا تھا، ایک ایک آیت کی فصاحت پر سب عرب و عجم سر دُھنتے تھے، اُندلس کی چوٹیاں فرش جبیں ہو گئی تھیں، کسریٰ کا تخت ہل گیا تھا۔ اگر حال یہی تھا تو قرآن آج بھی موجود ہے۔ اسمیں ایک حرف کے برابر تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ آج اسکی بلاغت کو دیکھکر ان اہل عرب کے کانوں پر جوں تک کیوں نہیں رینگتی۔ آج وہ کیوں اپنی بے حمیتی کے جوش میں مکے اور مدینے کو، قرآن اور اسلام کو غیر کے ہاتھوں بیچ رہے ہیں اور ٹس سے مس تک نہیں ہوتے!

قرآن کی کل کائنات میں سے دیکھا گر کوئی آیت ہی جس کی بنا پر اسکی شاعرانہ فصاحت کا دعوےٰ چند لمحوں کیلئے کھڑا ہو سکتا ہے تو وہ ذیل کے الفاظ ہیں جنکو توڑ مروڑ کر حسب حال کر لینا نسبتاً آسان ہے: وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ ۗ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ۝ (۱۶: ۱۰۳)، "اور ہم خوب جانتے ہیں کہ کٹ حجتی لوگ افواہیں اڑاتے پھرتے ہیں کہ محمدؐ کو یہ قرآن عظیم ایک چلتا پرزہ انسان سکھلا جاتا ہے۔ عجیب احمقیت ہے کہ جس شخص کیطرف سکھلانے کی نسبت کرتے ہیں اُسکی زبان تو عجمی ہوا اور یہ قرآن شستہ اور سلیس عربی زبان ہو" یہاں یادہ سے زیادہ نتیجہ جو ایک سلیم العقل شخص نکال سکتا ہے یہ ہے کہ قرآن کی زبان اسقدر صاف اور ستھری ہے کم از کم کوئی عجمی یا غیر عرب شخص اسکی نقل نہیں کر سکتا۔ اس سے زیادہ نتیجہ نکالنا حماقت آمیز روا ہے۔ نہیں بلکہ اس آیت سے صاف اس امر کا امکان باقی رہتا ہے کہ کوئی عرب اہل زبان قرآن کی عبارت کی نقل اُسی سلاست سے کر سکے۔ اگر عجمی کے حیز امکان سے یہ بات قطعاً خارج ہے جب ایسی سلیس عبارت کا مثیل پیدا کر لینا عجمی کی استطاعت سے باہر ہے تو یہ ایک عربی الاصل شخص کی استطاعت سے بھی باہر سمجھنا بیجا اور غلط ہے۔ اگر یہی بات تھی تو عجمی اور عربی میں تفریق کرنیکی کیا ضرورت تھی صرف کہدیا ہوتا کہ وہ تو محض ایک انسان ہے اور یہ قرآن ایسی شستہ زبان ہے کہ ابن آدم سے اسکا مثل پیدا ہونا محال ہے۔ میرے خیال میں یہ آیت بجائے خود اس امر کی روشن دلیل ہے کہ قرآن کی بے مثال فضیلت کم از کم اسکی عبارت آرائی اور لفظی فصاحت نہیں۔

† علم لغت پر پہلی کتاب جیسا کہ صفحہ ۲۴ کے تحت المتن میں ظاہر کر دیا گیا ہے تیسری صدی ہجری کے اوائل میں تیار ہوئی۔ یہ خصوصیت صرف عربی زبان تک محدود نہیں بلکہ ہر زبان کا یہی رویہ رہا ہے کہ اسکی لغت صدیوں اور قرنوں بعد میں مدوّن ہوتی رہی ہے۔ جب جب کسی زبان کو روئے زمین پر استقلال حاصل ہوتا گیا، لوگوں نے اُسکے الفاظ کو لیکر رائج الوقت معانی کو مرتب کر دیا۔ اور اُس خاص زمانے کو مدنظر رکھکر ایک لغت تیار کر لی۔ لیکن کسی زبان کے معانی الفاظ کی تاریخ بجائے خود ایک انقلابی داستان ہے اور حیات قومی کے ارتقا، بقا و فنا سے اسکا ایک نہایت گہرا تعلق ہے۔ لوگ زمانے کی چلن کے مطابق الفاظ کو لیکر اُسکے حسب مطلب معانی وضع کر لیتے ہیں، پھر جوں جوں محسوسات اور اعمال میں تغیر ہوتا جاتا ہے، معانی بدلتے جاتے ہیں۔ اِس مقام نظر سے کسی زمانے کی بنائی ہوئی لغت صرف اُسی زمانے کے مروّجہ معانی کی سند ہو سکتی ہے، ماقبل اور مابعد کے مطالب میں اسکو چنداں محکم نہیں ٹھیرایا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زبان میں الفاظ کی ایک تعداد کثیر ہر زمانے میں موجود رہتی ہے جن کے مفہوم کی اصلیت بگڑ بگڑ کر زائل ہو چکی ہے کچھ نامکمل تشریح سے، کچھ غلط رواج سے، کچھ عادت کے انجمادی اثر سے، کچھ صورت کے معنوی فساد سے الفاظ کا صحیح اور اساسی مفہوم محرف

Marfat.com

ضرورت نہیں: اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿۵: ۵۰﴾ کیا وہ اس قانون جلیل کو

---

۵۱ تو کیا یہ لوگ زمانۂ جاہلیت کا حکم (یعنی سند) چاہتے ہیں لیکن اس قوم کے لیے جسکو قرآن کی حقانیت پر کامل یقین ہو اللہ سے بہتر حکم (سند) کسکا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹۱) ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ بسا اوقات مرور وقت کے باعث اسکا اعتراف کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ ہر زبان میں اس قسم کے الفاظ کی صدہا مثالیں موجود ہیں جنکے اعادے کی یہاں پر ضرورت نہیں۔ لیکن خاص قرآن کی لغت کے اندر جو معنوی انقلاب امتداد عہد کے باعث وقتاً فوقتاً ہوتا رہا ہے مسلمانوں کی حیات کے ہبوط کی بہترین مثال ہے۔ ایمان، شرک، عبادت، کفر، صلاح، تقویٰ، ہدایت، ظلم، فسق وغیرہ وغیرہ بیسیوں الفاظ قرآن میں موجود ہیں جنکے مطالب جزئیۃً یا کلیۃً مسخ ہو چکے ہیں۔ اُن کا اصلی لطیف دل حتماً محو ہو گیا ہے۔ ایمان آج کسی رسمی کلموں کو دُہرانے کا نام بنا ہوا ہے، عبادت دو چار رسمی سجدوں تک محدود ہو گئی ہے، اصلاح کے کوئی مستقل معانی نہیں رہے، تقویٰ پرہیزگاری کی بے معنی اصطلاح کے مرادف بن گیا ہے، ہدایت کا صحیح مفہوم ذہنوں سے قطعاً نکل چکا ہے وغیرہ وغیرہ۔ کوئی انسان کی بنائی ہوئی لغت ان الٰہی اصطلاحات کے صحیح مفہوم کو ادا نہیں کر سکتی۔ قرآن حکیم نے اول مرتبہ ان الفاظ کو زبان عرب سے لیا، اور ہر لفظ کے متعلق ایک مستقل مفہوم مدنظر رکھکر اپنی لغت وضع کی، پھر اس مفہوم کی تلقین رسول خدا سے تئیس برس میں براہ راست کرا کر ایک خاص ماحول پیدا کیا۔ جوں جوں اس ماحول کا اثر ناپید ہوتا گیا معانی بدلتے گئے۔ مگر ان الفاظ کا الٰہی اور نبوی مفہوم اب تک قرآن کے اندر موجود ہے بشرطیکہ انسان اُسکے دریافت کرنے کی سعی گوارا کر سکے۔ اسی معانی میں کتاب جِئْنٰهُمْ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴿۱۶: ۸۹﴾ اور تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ ﴿۱۲: ۱۱۱﴾، اور فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ ﴿۷: ۵۲﴾، اور الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ﴿۶: ۱۱۵﴾† ہے، اور اسی نقطۂ نظر سے وہ سب تغیر پذیر اور موضوعی لغات سے بے نیاز ہے۔ اس حقیقت کبریٰ کا ناقابل انکار ثبوت کتاب کی آیندہ مجلدات میں پیش کر دیا جائے گا۔ یہاں پر مدعا صرف نفس دعوے کی تعیین ہے۔ یہ معانی کے لحاظ سے سب انسانی لغات سے بے نیاز ہونا، اور اپنے دائرے کے اندر ایک محکم اور مبسوط، مفصل اور مکمل، مشرح اور ناتغیر پذیر کتاب ہونا ہی قرآن کے انسانی تصرف سے محفوظ ہونے کی دلیل ہے اور اسی لیئے اس کی شان میں کہا ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ ﴿۱۵: ۹﴾

لوگو! ہم ہی نے اس قرآن عظیم کو تم پر اتارا اور ہم ہی باوجود تمہاری سب جدت پسندی اور تغیر آرائی کے اس کے ظاہر اور باطن کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور اسکے مطالب کو روئے زمین پر سے نابود ہونے سے محفوظ رکھیں گے۔

لوگ قرآن کے متعلق جو تشریح چاہیں بنا لیں، اس کی آیات کو توڑ مروڑ کر جو مطلب چاہیں نکال لیں، تاویل کے انبار کے انبار لگا دیں یا مکر کے طومار بکھیر دیں، مگر ان کے صحیح اور واحد معانی خود قرآن کے اندر موجود اور محفوظ ہیں، ایک ایک لفظ کی مکمل اور مفصل شرح انہی اوراق کے اندر ہے۔ قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصے کی اور ایک جز دوسرے جز کی نمایاں تائید اور کامل تفسیر کر رہا ہے۔ نہ اس کو کسی فلسفے کی ضرورت ہے، نہ حکمت کی، نہ لغت اور نہ حدیث کی۔ وقت، حالت، موقع، زمانہ، مصلحت وغیرہ وغیرہ کا اسکے مطالب پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اسکے کلمات صدق اور عدل پر ختم ہو چکے ہیں: وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ﴿۶: ۱۱۶﴾‡، اب ان کے معانی کو، ان کے الٰہی مقاصد کو کوئی خارجی طاقت بدل نہیں سکتی کیونکہ خدا خود اس کا محافظ ہے۔ اُسی نے اسکو اسقدر مفصل اور مکمل کر دیا ہے کہ اب اس کے الفاظ کے علاوہ مطالب بھی ابدالآباد تک محفوظ ہیں۔ انسان کا یارا نہیں کہ مکر و تاویل سے یا قیاس و رائے سے ان میں تبدیلی پیدا کر کے خدا کو اپنا ہم آہنگ کر سکے!

اللہ اللہ! کتاب خدا کے جامع اور مکمل ہونے پر ایک وقت وہ کاشف غطا یقین تھا کہ روئے زمین کا ہادیٔ اعظم اور سالار انبیاء وفات سے چار دن پہلے بیہوشی کے عالم میں قلم دوات اور کاغذ طلب فرماتا ہے کہ ایک تحریر لکھدے جسکے بعد اُمت گمراہ نہ ہونے پائے، لیکن عرب کی اُس بہترین اُمت کا وہ اولوالعزم اُمتی عمرؓ اس فرمایش کو سنکر ذرا نہیں گھبراتا اور اطمینان قلب کے ساتھ کہدیتا ہے کہ ختم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو درد کی شدت ہے جس کی وجہ سے بے ربط باتیں کر رہے ہیں ورنہ کتاب خدا تو ہمارے لیئے ابدالآباد تک کافی ہے، اب ہمیں کچھ شے بڑھانے کی نہیں رہی!

---

† ان آیات کے مطالب اور سلسلے کیلئے دیکھو بالترتیب صفحہ ۵۶ و صفحہ ۲۰ و صفحہ ۵۸ و صفحہ ۹۳۔ ‡ دیکھو صفحہ ۹۳ آیہ (۶: ۱۱۶)

Marfat.com

منجانب اللہ اور مکمل یقین کرتے ہوئے اس نتیجے پر نہیں پونہچ سکتے تھے کہ اسلام کے حقیقی محافظ نے قرآن کی آیاتِ بینات میں مسلمانوں کی حالتِ ضعف کا ان کے عہدِ قوت کا، اُن کے وقت جنگ کا، اُنکے خوف و حُزن کا، ان کے دَورِ امن کا، ان کے انفرادی مقام اور اجتماعی حیثیات کا، الغرض ان کی دائمی بہبودی کا کامل دستور العمل جمع کر دیا ہے؟ کیا امن اور تہذیب، اجتماعی تقدم اور علم، تغلب اور تمکن، قضا اور قانون کا لائحہ عمل ڈھونڈتے وقت وہ اُن قطعی اور عام احکام کو پیش نظر نہیں رکھتے تھے جو مسلمانوں کو ہر ممکن حالت میں صراط مستقیم دکھانے کیلئے کافی تھے، اور جن میں شارع اسلام نے صاف صاف فرما دیا تھا کہ اللہ کا طریقہ معلوم کرنے کے لیئے کلام الٓہی کی حکمت اور موعظت یکسر کافی ہے، بلکہ دینی اور دنیاوی سب معاملات کی بہترین حَکم خدائے عظیم کی یہی مفصل اور جامع و مانع کتاب ہے!

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِىْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ
الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ
رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ
فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝
اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝† (۶: ۱۱۵ - ۱۱۸)

---

† ان آیاتِ الٓہی کے مطالب کی تشریح کا ایک حصہ صفحہ ۹۲ کے تحت المتن میں گذر چکا ہے۔ یہاں پر ایک دو باتیں جو نہایت قابل غور ہیں بیان کر دیجاتی ہیں۔ اولاً 'یَعْلَمُوْنَ' (۶: ۱۱۵) اور 'السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ' (۶: ۱۱۶) اور 'اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ' (۶: ۱۱۷) اور 'اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ' (۶: ۱۱۸) کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہاں پر قرآن حکیم کی فضیلت 'علم' بتلائی گئی ہے اور دعویٰ کیا گیا ہے کہ جو لوگ فی الحقیقت اس کتاب عظیم کا 'علم' رکھتے ہیں انکو یقین ہو چکا ہے کہ یہ کتاب اُس 'السَّمِيْعُ' اور 'الْعَلِيْمُ' یعنی بڑے سمع رکھنے والے اور بڑے علم والے کے ہاں سے اُتری ہے۔ (۶: ۱۱۵) میں قرآن کے مفصل اور مصدرِ علم ہونیکا دعویٰ تو (۶: ۱۱۶) میں اسکے مکمل اور ناقابل بدل، صادق اور عادل ہونے کا ادعا ہے۔ (۶: ۱۱۷) میں کہا گیا ہے کہ اس کتاب کا بتایا ہوا دستور العمل ہی 'سبیل خدا' ہے اسلیئے کہ صحیح 'علم' پر مبنی ہے۔ اور جو شئے اس علم کے مخالف یا ماسوا ہے 'ظن' ہے۔ گمراہی یہی ہے کہ اس لائحہ عمل سے پرے ہٹا جائے اور اس علم کو نظر انداز کر دیا جائے۔ 'ہدایت' یہ ہے کہ اس خزینۂ علم کو مستقل دستور العمل بنا لیا جائے۔

اِن نکات کو پیش نظر رکھکر (۶: ۱۱۷) اور (۶: ۱۱۸) کے مطالب کا تطابق صفحہ ۸۰ کے متن کی آیات (۵۳: ۲۸) اور (۵۳: ۳۰) سے ظاہر ہے اور 'سبیل' کے معانی عیاں ہو جاتے ہیں۔ گویا 'سبیل خدا' وہ ہے جو 'علم' سے حاصل ہو اور چونکہ 'علم' سمع و بصر اور فواد سے حاصل ہوتا ہے اس لیئے جو شئے مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہو وہ سبیل خدا ہے۔ 'السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ' خدا کا بھیجا ہوا کلام بھی علیٰ ہذا القیاس 'علم' ہے۔ اور اس پر چلنا بھی سبیل خدا پر چلنا ہے۔

Marfat.com

تو کیا یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ میں (یعنی رسولؐ) ماسوا خدا کے کوئی اور حَکَم تلاش کروں، اور تمہارے معاملات کا قرآن کے ماسوا کسی اور کتاب کے مطابق فیصلہ کیا کروں، حالانکہ اُس خدا نے تمہاری طرف مشرح اور مبسوط کتاب بھیجی جسمیں ہر طرح کی تفصیل موجود ہے۔ اور جن لوگوں کے لیئے درحقیقت ہم نے یہ کتاب بھیجی ہے وہ تو خوب جانتے ہیں کہ یہ خدا ہی کی طرف سے ہے، اور حقائق عالیہ سے پُر ہے۔ تو اے پیغمبر! ان کے لغو اعتراضات کو سُن کر اس کتاب کے مفصل اور کامل ہونے میں کہیں شک کرنا۔ تمہارے پروردگار کے سب کلمات اس کتاب میں صدق و عدل پر ختم ہو گئے ہیں، اب کچھ بات کہنے کے لائق نہیں رہی، اور نہ اس کے کلمات کے صدق و عدل کو کوئی خارجی طاقت ہی بدل سکتی ہے، اور وہ خدائے عظیم انسانی ضروریات کو بڑا سمجھنے والا اور آئندہ احوال کا بڑا علم رکھنے والا ہے۔ اور اے پیغمبر! اگر تو اس کتاب خدا کو چھوڑ کر اکثر ان کی جو زمین میں بستے ہیں، پیروی کرے گا تو وہ تم کو خدا کے راہ راست سے بھٹکا دیں گے، یہ لوگ تو محض ظنیات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں، علم و یقین کا ان میں نام تک نہیں۔ تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اسکے دکھائے ہوئے رستے سے بھٹکتا ہے اور کون صراط مستقیم پر ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ[†] ۝ (۲۹: ۵۰-۵۲)

† ان آیات الٰہی میں معترضین کی اس فرمایش کو کہ رسولِ خدا پر نشانیاں (یعنی معجزے) اُترنے چاہیئے تھے، مسترد کر دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ معجزے خدا کے پاس ہیں، اور رسولؐ تو تم کو اجتماعی ہلاکت سے ڈرانے کیلئے آئے ہیں۔ تماشہ دکھلانے کے لیئے نہیں آئے۔ آگے چلکر فرمایا ہے کہ یہ قرآن عظیم بذات خود ایک آیت الٰہی (معجزہ) ہے کیونکہ لوگوں کے پاس اجتماعی بقا اور امن کی بشارت (رَحْمَةً) لیکر آیا ہے اور اسکے ذریعے سے مستقل عبرت (ذِکْرٰی) حاصل ہوتی ہے۔ کیا یہ معجزہ کم ہے کہ تمہارے پاس ایک شخص ایسی جلیل القدر ذات کا کلام لائے جو آسمان و زمین کا کامل علم رکھتا ہو! (یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) گویا یہاں پر بھی قرآن کی فضیلت علم بتلائی گئی ہے اور اسی لحاظ سے اسکو تمام معجزوں سے برتر قرار دیا گیا ہے۔ جو نادان قرآن کو معجزہ اسلیئے قرار دیتے ہیں کہ اسکی شاعری اور فصاحت بیمثال ہے ان کے لیئے یہ آیات ازبس قابل غور ہیں۔ یہ نکتہ اور بھی واضح اسوقت ہو جاتا ہے جب ان آیات سے پیشتر کی آیت یعنی بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ (۲۹: ۴۹) کو پیش نظر رکھا جائے۔ جہاں صاف طور پر فرمایا گیا ہے کہ "یہ قرآن عظیم صاحب علم لوگوں کے سینوں میں روشن اور ناقابل انکار آیات (احکام) کا مجموعہ ہے"۔

ان آیات کا آخری حصہ یعنی وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۲۹: ۵۲) بھی نہایت قابل غور ہے۔ یہاں پر معجزات پر ایک نہایت خفیف اور معنی خیز چوٹ کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ معجزات کو دیکھ سُنکر کسی کو رسولِ خدا ماننا فی الحقیقت ایک ناپائدار اور غیر قائم ظنی اور وہمی باتوں پر ایمان لانا ہے۔ اسمیں کلام نہیں کہ بڑے سے بڑے معجزے کا اثر بھی مقامی اور وقتی ہی ہوتا ہے اور کچھ مدت کے بعد زائل اور باطل ہو جاتا ہے۔ یہاں پر

Marfat.com

اور یہ جو عرب لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اس شخص پر اپنے پروردگار کیطرف سے عجیب غریب نشانیاں کیوں نہیں اُتریں تو اے پیغمبر! ان سے کہدو کہ معجزے تو خدا ہی کے پاس، اور اُسی کے دست قدرت میں ہیں، اور میں تو صرف ایک عذاب خدا سے ڈرانے والا اور احکام کو کھلے طور پر بیان کردینے والا ہوں۔ کیا ان لوگوں کے لیئے یہ بات کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب اُتاری جو انپر واضح کردیجاتی ہے، اور جسمیں اُس قوم کے لیئے جو اسکے حقائق عالیہ پر ایمان رکھتی ہو، رحمت اور نصیحت ہو۔ ان سے کہدو کہ میرے اور تمہارے درمیان خدا گواہ بس ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کی سب باتوں کا علم رکھتا ہے، اور جو لوگ ظنی اور وہمی، باطل اور غیر یقینی باتوں پر اعتقاد رکھتے ہیں اور خدا کے نافرمان ہیں وہی بالآخر گھاٹے میں رہیں گے۔

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ† الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝ (۱۶ : ۱۲۵)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹۴) معجزات کی ماہیت سے بحث کرنے کا مقام نہیں اور نہ اُن کے وجود سے انکار کرنا اس کتاب کا منتہائے نظر ہے۔ یہ بحث غالباً تیسری جلد میں نہایت شرح و بسط سے کیجائے گی اور بتایا جائے گا کہ قرآن عظیم کسقدر کم از کم اپنے عہد نزول میں، معجزوں کو غیر ضروری گردانتا ہے اور اپنی صداقت کا تمام ادعا اپنے علم اور حکمت کو قرار دیتا ہے۔ مگر سردست یہ ظاہر ہے کہ خدا کو جو رسول اور عوام کے درمیان گواہ ٹھیرایا گیا ہے: (قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا) اس سے مقصود یہی ہے کہ یہ کتاب جو اُن کے سامنے ہے مخزن علم ہے اور اُس ذات پاک کی اتاری ہوئی ہے جو آسمانوں اور زمین کا علم رکھتا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ ہے: قُلْ أَنزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (۲۵: ۶) یعنی اے پیغمبر! اعلان کردو کہ اس کتاب کو اس پاک ذات اور عالی تبار خدا نے اُتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کے بھید کا علم رکھتا ہے!" گویا کہا گیا ہے کہ اس کتاب کو بطور خود جانچ تول کر دیکھ لو اگر اس میں وہ علم اور حکمت موجود ہے جو تم کسی خدا کی بنائی ہوئی کتاب میں ہونے کے متوقع ہو تو اسکو مان لو، ورنہ رد کردو۔ یہی میری صداقت کی دلیل ہے۔ میں معجزوں سے اپنے آپ کو منوانا نہیں چاہتا۔ اور جو لوگ صرف معجزوں کے ذریعے سے کسی کی سچائی کو آزمانا چاہتے ہیں اور نفس پیغام کو نہیں دیکھتے، یا جو سرے سے خدا کے منکر ہیں اُنہی کو نقصان پہنچتا ہے کیونکہ ہر کس و ناکس کچھ نہ کچھ خرق عادت باتیں دکھلا سکتا ہے یا ادعا کر سکتا ہے کہ یہ بجلی میری وجہ سے گری، یہ قحط میری بددعا سے پڑا وغیرہ وغیرہ۔

آج چونکہ مسلمانان عالم نے قرآن کو اس نظر سے دیکھنا چھوڑ دیا ہے اور علم و مشاہدے کو چھوڑ کر باطل اور بے حقیقت باتوں پر ایمان لائے ہوئے ہیں اسی وجہ سے وہ گھاٹے میں ہیں (أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ) اور اسوقت تک رہیں گے جبتک حقیقت کو اپنا رہنما نہ بنائینگے۔

† کلام خدا کو بار بار 'الحکمۃ' کہا گیا ہے جیسا کہ صفحہ ۵۴ کے تحت المتن کی آیات (۲: ۱۶۲)، (۲: ۱۵۱)، (۲: ۱۲۹) اور (۴: ۱۱۳) سے ظاہر ہے قرآن کے لیئے 'مَوْعِظَةٌ' کا لقب بھی تین بار آیا ہے جیسا کہ صفحہ ۱۰۰ و ۹۰ کے تحت المتن کی آیات (۳: ۱۳۸)، (۱۰: ۵۷) اور (۱۱: ۱۲۰) سے ظاہر ہے۔ اس بنا پر آیت کے مطالب صاف ہیں یعنی لوگوں کو اس قرآن ہی کے دستور العمل کی طرف بلاؤ۔ کیونکہ خزینہ علم و حکمت ہونیکے باعث سبیل رب یہی ہے۔ ماقبل کی آیات (۱۶: ۱۰۳ و ۱۰۴) سے اس مطلب کا تطابق بھی ظاہر ہے۔ جن لوگوں نے اس آیۂ شریفہ کے یہ معانی سمجھے ہیں کہ عوام کو حکمت (یعنی دانشمندی) سے، اور اچھی اچھی نصیحتیں کر کے اپنے پروردگار کی طرف بلایا کرو، وہ ایک سطحی لایعنی اور غیر متعین بات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اور اصلیت کو پہنچنے کی سعی نہیں کرتے۔ ان کا مقصود صرف جَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ کے الفاظ سے پورا ہو سکتا تھا۔ پھر تکرار کی ضرورت کیا تھی۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن مصدر علم و یقین ہے۔ بس اسی کو بنیاد قرار دیکر سبیل خدا کی طرف لوگوں کو بلاؤ۔ یہ علم و یقین کیطرف رہنمائی کرنا ہی سبیل خدا پر چلانا ہے۔ دیکھو تحت المتن ‡ صفحہ ۸۰ و ۹۳۔

Marfat.com

اے پیغمبر! اپنے پروردگار کے راہِ راست کی طرف لوگوں کو اس قرآن ہی کے ذریعے سے بلایا کرو، کیونکہ یہی حکمت کاملہ اور موعظۂ حسنہ ہے۔ اور اگر ان کے ساتھ اس کے متعلق کوئی بحث چھڑ جائے تو نہایت پسندیدہ طور پر اور نرمی سے کرو۔ پھر اس کے بعد جو اُسکے دکھائے ہوئے راہِ راست سے بھٹک گیا، اور جو ہدایت پا گیا اُن سے خدا ہی بہتر واقف ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝† (۵ : ۴۵)

اور جو لوگ ہر اہم معاملے میں کلام اللہ کو حکم نہیں ٹھیراتے وہی ظالم ہیں۔ (اور ہلاکت کے مستوجب دیکھو صفحہ ۸۱۔ آیات (۲۸ : ۵۹)، (۶ : ۴۷-۴۸))

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝† (۵ : ۴۷)

اور جو لوگ ہر دور رس معاملے میں قرآن سے اخذِ نتائج نہیں کرتے وہی فاسق ہیں۔ (اور ہلاکت کے اہل (۴۶ : ۳۵) دیکھو صفحہ ۸۱۔ اور تحت المتن صفحہ ۸)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝† (۵ : ۴۴)

اور جو لوگ ہر معاملے کے متعلق کتابِ خدا کو حکم نہیں ٹھیراتے وہی منکرِ خدا ہیں۔ اور اجتماعی ہلاکت کے اہل

آج قانونِ اُمم کی یہ مُفَصَّل کتاب، یہ سُنّتِ خدا کا نا ممکن التبدل مرقع، یہ الٰہی محکمۂ قضا و قدر، یہ علمی معجزات کا سحرستان جلال‡ انسان کی قرنہا قرن کی باطل آرائی، طرفہ اندیشی، اور عجائب نوازی کے بعد

---

† ان تینوں آیتوں میں 'کفر'، 'ظلم'، اور 'فسق' کے الفاظ ایک ہی موضوع کے متعلق استعمال کیے گئے ہیں۔ قرآن کی لغت میں یہ تینوں اصطلاحیں اسقدر خوفناک اور لرزہ انگیز ہیں کہ کسی قوم پر ان کا خدائی اطلاق اسکو انتہائی سزا کا مستوجب یکسر قرار دیتا ہے۔ صفحہ ۸۱ کے متن میں کتابِ خدا کا محاکمہ 'ظالم' اور 'فاسق' اقوام کے بارے میں پیش کر دیا گیا تھا، اور وہ یہ تھا کہ ایسی قوموں کی ہلاکت روئے زمین پر یقینی ہے، دیکھو آیات (۲۸ : ۵۹)، (۶ : ۴۷)، (۴۶ : ۳۵)۔ یہی بات آیات لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۝ (۱۴ : ۱۳-۱۴) سے بھی ظاہر ہے جو صفحہ ۴۳ کے متن میں آچکی ہیں۔ کافر قوم کے متعلق بھی محاکمہ قرآن میں جا بجا موجود ہے؛ سورۂ مومن میں ہے: فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۝ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (۴۰ : ۲۲)، "یعنی پھر انہوں نے کفر کیا تو خدا نے بھی اُن کو دھر پکڑا اور یکسر ہلاک کر دیا۔ اس میں شک نہیں کہ خدا بڑا طاقتور اور شدید العقاب ہے"۔ گویا کفر اور اجتماعی ہلاکت آپس میں توام ہیں۔

سورۂ سبا میں سیلِ عرم کی ہلاکت کے بعد ہے: ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۝ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝ (۳۴ : ۱۷) "یہ تھی سزا جو ہم نے اُن کو کفر کی پاداش میں دی، اور کیا سوائے کافر قوموں کے ہم کسی اور کو بھی ایسا بدلہ دیتے ہیں" یعنی نہیں دیتے، گویا ظاہر ہے کہ کافر قوم کی ہلاکت بھی روئے زمین پر یقینی ہے۔ اس نصی شہادت کی بنا پر ہم نے متذکرہ متن آیات کے ترجموں میں "ہلاکت کے اہل" کے الفاظ زیادہ کر دیئے ہیں۔ رہا یہ امر کہ 'ظالم' اور 'فاسق' اور 'کافر' کی کیا تعریف ہے، یہ بحث نہایت طول طویل ہے۔ اور آئندہ مجلدات میں بتدریج اس عظیم الشان راز کو کھول دیا جائے گا۔ کتابِ خدا کو حکم ٹھیرانے کے معنی یہی ہیں کہ تمام اعمال میں قانونِ خدا کی عملی متابعت ہو جو آجکل کے نام نہاد مسلمانوں میں قطعاً نہیں رہی

‡ وادین کے درمیان گھرے ہوئے ان چاروں الفاظ میں بالترتیب آیہ (۶ : ۱۱۵) صفحہ ۹۳ (مُفَصَّلًا)، آیہ (۶ : ۱۱۶) صفحہ ۹۳ (لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ)، آیات (۵ : ۴۴، ۴۵، ۴۷) صفحہ ۹۶۔ اور آیات (۲۹ : ۵۰-۵۲) صفحہ ۹۴ کی طرف اشارہ ہے۔

Marfat.com

طاقِ نسیان وریا کا وہ ناقابلِ فہم اور ناکار برآر دفتر بن چکا ہے کہ اُس کے بارے میں اُمتِ حاضرہ کی غلط رَوی کو دیکھکر عقل کانپ اُٹھتی ہے۔ اُسکی تعلیم و تعظیم کے اکثر مدعی آج کشور کشائی اور جہانبانی، قوت اور امن، تمکن اور تغلب کے سب اگلے اور شکر انگیز ارمانوں کو پاؤں سے ٹھکرا کر خوف و مسکنت، ذُلّ و امساک، اور عجز و خمول کے عبرت انگیز ماحول میں، حجروں کے اندر بیٹھے، کبر موت میں مگن ہیں۔ اُسکی رَواں تلاوت کو دارِ آخرت کی طلسمی کلید سمجھتے ہیں، اُسکو اکثر تجھارت اور چیستاں بنائے بیٹھے ہیں، کہیں اُسکو پُڑیوں میں لپیٹ کر بیچا جا رہا ہے، کہیں اُسکے تعویذ بنکر گلے کا ہار ہو رہے ہیں، کہیں اُسکی خوب خوانی پیٹ کا ایندھن بن رہی ہے، کہیں خوش اعتقاد اسکو گھول گھول کر پی رہے ہیں، کہیں ستم ظریف پھونکیں مار مار کر اڑا رہے ہیں، کہیں اُسکے اوراق میں کسی اسمِ اعظم کی تلاش ہے، کہیں اسکو رَٹ رَٹ کر بے اثر کیا جا رہا ہے، کہیں اُس سے مُردے کو ثواب پونہچ رہا ہے، کہیں خدا کو دادِ سخن مل رہی ہے، کہیں تحسین ناشناس اور جاہل کی واہ واہ ہے! نہ غرض و مطلب سے بحث ہے، نہ مقصود سے سروکار ہے، نہ تعمیل پیشِ نظر ہے۔ اس کتابِ جلیل سے لے دیکر اگر کچھ اخذ ہو رہا ہی تو یہی استخارے اور فالنامے† ہیں، تمائم اور ٹوٹکے ہیں، فسوں اور سحری اعمال ہیں، اور اگر کوئی طبقہ ان مُہلک اثرات سے

---

† ایک استخارہ نامہ اسی قطع کا حال میں میری نظر سے گذرا ہے جسکو طابع اور ناشر نے اپنی تجارت کو فروغ دینے کی غرض سے علامہ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۳۸ھ سنہ ۱۲۴۰ء) اندلس کے مشہور فقیہ اور محدّث، اور صاحبِ الفتوحات المکیۃ، کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس طومار نویس متکلم کے بارے میں، جس نے اپنی عمر میں ۲۸۹ کتابیں لکھیں، اور جو ظاہریہ فرقے کا رکن رکین شمار کیا جاتا تھا، وثوق سے معلوم نہ ہوسکا کہ کہاں تک یہ مختصر رسالہ اُنکے قلم سے نکلا ہی، گو جرمن مستشرق بروکلمین نے اسکی ایک سو پچاس موجودہ تصانیف کی جو فہرست دی ہے، اُسمیں اسکا کہیں مذکور نہیں۔ تاہم اسکی بعض تصانیف کے مذاق کو پاکر جنمیں سے اکثر جفر لور مل، اور اعتقاداتِ واہیہ پر ہیں، عجب معلوم نہیں ہوتا کہ یہ استخارہ نامہ بھی اسی عجب ایجاد شخص کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہو۔ لیکن مصنف کی ذات سے قطع نظر، جس مکر و فریب سے طابع صاحب نے اس رسالے کو عوام کی نظروں میں عجیب و غریب ثابت کرنے کی سعی کی ہے جس دریدہ دہنی سے اسکی طلسمی جداول کو قرآن کا زندہ معجزہ بتایا ہے، اور جو ادّعا مصنف کی اسرار دانی خدا اور رسالے کی حقانیت کے بارے میں کیا ہے، اُسکا پول کھول دینا لازمی ہے۔ مصنف نے اس رسالے میں ۲۳ جدولیں تیار کی ہیں۔ ہر ایک جدول میں ۱۰ خانے شرقاً غرباً اور ۱۶ خانے شمالاً جنوباً کھینچے ہیں۔ پھر قرآن کی پانچ حسبِ حال آیتوں کے ٹکڑے لیکر (یعنی وہ ٹکڑے جن سے سائل کے مطلوبہ سوال کے جواب کا ہاں یا نا، سعد یا نحس، مخالف یا موافق ہونے کا اندازہ ہوسکے) ہر جدول کے ۱۶۰ خانے اس انداز سے پُر کر دیئے ہیں کہ ہر ٹکڑے کا ایک ایک حرف علی الترتیب چار متصل خانے چھوڑ کر پانچویں خانے میں سما جائے۔ مثال کے طور پر پہلی آیت کے حرف خانہ نمبر ۱، ۶، ۱۱، ۱۶ وغیرہ میں، دوسری آیت کے حروف خانہ نمبر

Marfat.com

نسبتہً محفوظ ہے تو اسمیں مقاصدِ قرآن کے بارے میں ہولناک افتراق ہے۔ ذہنی ویرانیاں اور غوغائے قیامت ہے، سطحی حیص بیص اور لفظی تنازعے ہیں، تفریقِ آرا ہے، انتشارِ نظر ہے، تشتتِ عمل ہے! ایسا تختۂ مشقِ اختلاف قرآن، ایسا مجموعۂ شعر و سخن قرآن، ایسا سحری اور طلسماتی جدول، ایسا کاہنی لٹبا عمل، اُمت کے افراد میں کیا امتثال امر اور کیا اتحادِ کار پیدا کر سکتا ہے۔ اُنکی نظروں میں یہ اختلاف و شکست ہی قرآن کی اکثر ہدایت ہے، بشارت اور رحمت ہے، نور و شفا ہے! عرب کی جاہلی عادتوں اور وہمی عقیدوں کا پُرانا خمیر مسلمانوں کی اعتقادی زندگی میں اِس تیزی سے سرایت کر چکا ہے کہ اب اُن کے طرزِ تخیل سے اِس اثر کو دور کرنا گوشت کو ناخن سے جدا کرنا ہے۔ آج دینِ متین کے باقی عَلَم بردار اہلِ عجم بھی عرب کی اِن روایات کے اعلاء اور آیاتِ خدا کی تکذیب کے جرم میں تیرہ سو برس کی خوابِ آور مُہلت کے بعد رفتہ رفتہ اُسی موت و فنا کے گھاٹ اُتر چکے ہیں جس پر اُن کے پیشوا اہلِ عرب کئی سو برس پہلے اُترے تھے!

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا† بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ○ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ○ (۷: ۱۸۲-۱۸۳)

لوگو! سُن رکھو کہ جس قوم نے ہماری آیات کی تکذیب کی، جسنے انکی حقیقت کے بلند مرتبے سے گرا کر جھوٹ بنا دکھایا ہم انکو نامعلوم طور پر آہستہ آہستہ ہلاکت کیطرف گھسیٹ لیجائینگے اور کچھ مدت تک اُنکو ڈھیل بھی دینگے کہ خوب نیند کرلیں کیونکہ میرا داؤ بیشک بڑا پکا داؤ ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹۷) ۲، ۷، ۱۲، ۱۷ وغیرہ میں، تیسری آیت خانہ نمبر ۳، ۸، ۱۳، ۱۸ میں علیٰ ہذا القیاس باقی دو آیتیں بھی باقی خانوں میں اسی ترتیب سے بھری گئی ہیں۔ پھر اِس جدول کو خوش اعتقاد سائل کے سامنے رکھکر حکم دیا گیا ہے کہ وہ آنکھیں میچ کر اسکے کسی خانے پر انگلی رکھے۔ اور اُس حرف سے شروع کرکے آگے اور پیچھے کے چار خانوں کو علی التواتر چھوڑ کر سب حرف لکھتا جائے یہ سب حرف ظاہر ہے کہ اُن پانچ آیتوں میں سے کسی ایک آیت کے ہونگے۔ اِس لایعنی عمل کو دیکھکر بیوقوف شخص حیران رہجاتا ہے کہ یہ کیا کرامت ہے جس حرف پر انگلی رکھتے ہیں ایک قرآنی آیت بنجاتی ہے اور ہمارے سوال کا جواب خود بخود دیدیتی ہے۔ استخارہ نامہ میں کل ۲۳ جدولیں موجود ہیں مگر طابع صاحب کو واضح رہے کہ تیئیس کیا ایسی تیئیس ہزار طلسمی جدولیں چشم زدن میں تیار ہو سکتی ہیں اور نہ صرف قرآن کی آیتوں سے بلکہ کوک شاستر کے ہر اشلوک سے بھی! رہا مصنف کی اسرار دانی اور تقرب کا عقیدہ، سو اسکی نسبت اسیقدر کہدینا کافی ہے کہ جس شخص نے اپنی عمر کے ۷۵ برس میں بالاوسط ہر برس چار کتابیں لکھی ہوں اُسکے زود نویس قلم سے بعض اوقات ایسی لایعنی تصنیف کا نکل جانا کچھ تعجب خیز نہیں۔

† یہاں ترجمے میں ہم نے "تکذیب آیات" کے صحیح مفہوم کی ایک ادنیٰ صورت پیش کردی ہے اور اشارہ کردیا ہے کہ کسی حقیقت پر جھوٹ کا لباس اوڑھ دینا بھی "تکذیب" ہی ہے۔ اس تکذیب کا نتیجہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اُس حقیقت کے متعلق تذبذب یقین و ایمان پیدا ہوجاتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اسکی تعمیل متعذر ہوجاتی ہے۔ یہ فقدانِ عمل ہی صحیح معنوں میں تکذیب ہے جیساکہ کچھ دیر بعد چل کر ظاہر ہوگا۔

Marfat.com

مگر یونانی فلسفے اور عرب تخیل کے اِن تمام ضعفِ ایمان، اور مخربِ عمل اثرات کے علاوہ دنیائے اسلام کو دائرہ عبودیت اور حلقۂ صلاحیت† سے حقیقی اور معنوی طور پر خارج کرنے، اور آج وراثتِ زمین سے یکسر محروم کر دینے کا سب سے بڑا باعث وہ طریق اجتہاد تھا جو صاحبِ شریعت (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی وفات کے کچھ دیر بعد ہی اسلام میں شروع ہو گیا تھا۔ اِس سمت تخیل نے جس سرد مہری، ناآشنائی اور بے دردی سے اسلام کے آباد آشیان کو بے رونق کیا، جس رعونت اور استغنا سے اُسکی خانہ برانداز ی کی، جو نقصان عظیم رفتہ رفتہ اور نامحسوس طور پر مسلمانانِ عالم کی علمی اور تمدنی، ذہنی اور اقتصادی زندگی کو پہنچایا، تاریخ عالم میں تخیل کی حیرت انگیز انقلاب آفرینی کی واحد مثال ہے! مگر اس اہم موضوع کے مطالب دلنشین کرنے کیلئے ایک مستقل اور طول وطویل بحث‡ کی ضرورت ہے جو قرونِ اولیٰ

---

† صفحہ ۷۰ کی آیات (۲۱: ۱۰۵-۱۰۷) کی طرف اشارہ ہے۔

‡ یہ بحث اسقدر طول طویل ہے کہ غالباً آیندہ تین یا چار مجلدات سے پیشتر ختم نہ ہو سکے گی۔ اسمیں بتدریج تمام اُس مہلک اور جمود انگیز تخیل کی تکذیب کر دی گئی ہے جسکے باعث اسلام آج محض اعتقادی اور نظری، لفظی اور رسمی شئے کا نام بن گیا ہے، اسی عمل سے اسکا خاتمہ کچھ واسطہ نہیں رہا۔ سب اعتقادات اور معاملات عالم قول وخیال میں منتقل ہو گئے ہیں یا اُن کے مقاصد واغراض قطعاً بدل چکے ہیں اور فعل وعمل کے لائق کوئی شئے نہیں رہی۔ یہ معرکۃ الآرا بحث دراصل آیۂ استخلاف (۲۴: ۵۵) (صفحہ ۷) کے الفاظ 'اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ' کی تشریح ہی ہے اور اسی ضمن میں کلام الٰہی کے ایک معتدبہ حصے کے مطالب بھی عیاں ہو گئے ہیں صفحہ ۲-۳ کے اُس عبرت آموز سوال کا جواب کہ آج تیرہ سو برس کے بعد مسلمانانِ عالم کیوں وراثت زمین سے محروم کر دیئے گئے، اور مغرب کی بیدار قومیں کیوں انکی مستخلف بن چکی ہیں۔ نیز اس اثنا میں نظر انداز نہیں کیا گیا۔ جہاں جہاں موقع ملا ہے جواب کی مختلف شقیں ظاہر ہوتی گئی ہیں حتیٰ کہ عنوان عمل کے اخیر میں (جو غالباً پانچویں مجلد ہوگی) اس جواب کو خاتمہ طے کر دیا ہے۔ اس مجلد میں باقی بحث صرف لفظ 'ایمان' اور اسکے تکیف پر ہے۔ پھر اسکی اہم شرائط کو پیش نظر رکھکر ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام کا واحد منتہائے نظر کیا تھا۔ اسکا تمام دستور العمل کس مستقل نصب العین کے درپے تھا۔ وہ مطمع نظر کیونکر حاصل ہوا تھا اور آج کیوں نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے وغیرہ۔ مجلد کا آخری حصہ 'عبادات' کی اساسی حکمت عملی پر مشتمل ہے۔ اسلام کے موجودہ ماحول میں یہی وہ اہم اوامر ہیں جو دین اسلام کے ارکان خیال کیے جاتے ہیں اور انہی پر 'اعمال صالحہ' کے الفاظ کا اکثر اطلاق آجکل ہوتا ہے۔ اس بنا پر کتاب کے ابتدائی حصوں میں 'عبادات' کے صحیح مفہوم کو واضح کر دینا انسب معلوم ہوتا ہے۔

کتاب کا مستقل حصہ دراصل اسی عنوان سے شروع ہوتا ہے جو آیندہ اوراق میں قائم کیا گیا ہے۔ مقدمۂ کتاب میں صرف اُن دعاوی کو پیش کیا گیا تھا جو قرآن حکیم نے اپنے بارے میں کیے۔ قرآن کی تعلیم یا تجویز و تدبیر سے اُس حصے کو چنداں سروکار نہ تھا۔ آیندہ اوراق میں قریباً پانچ جلدوں کے اندر کتاب الٰہی کی 'تعلیم' پیش کر دیجائے گی، اور ثابت ہو جائے گا کہ تاسیس جماعت کے متعلق قرآن کی تجویز و تدبیر کس قدر حکمت کاملہ سے پُر ہے اور کس صحت و استقلال سے اُن دعاوی کی تائید کرتی ہے جو اس حیرت انگیز کتاب نے اپنے بارے میں علی الاعلان کیے۔ اس مجلد میں بالخصوص 'عبادات' کی حکمت اور تاسیس جماعت کے چند اساسی اصول پر بحث کی جائے گی جیسا کہ گذر چکا ہے۔ باقی اصولوں اور بالخصوص 'معاملات' اور 'عملیات' پر

Marfat.com

کی اعتقادی اور سیاسی زندگی، اور قرآن حکیم کے اجتماعی دستور العمل کے متعلق ہے:-

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹۹) بحث بعد کی چار جلدوں میں ہوگی۔ انہی مجلدات میں ضمناً **معتقدات** کی حقیقت کا انکشاف کر دیا جائیگا۔ تین یا چار جلدیں علم القرآن (**معلومات**)، تاریخ القرآن (**ماجریات**) اور طریق عمل کے متعلق ہونگی جو اس کتاب کا آخری حصّہ ہے۔ معاملات کی بحث کے ضمن میں اسلام کی موجود فرقہ آرائیت کا پول کھول دیا جائے گا، اور ثابت کر دیا جائے گا کہ **ایک خدا، ایک رسول، اور ایک قرآن کے ہوتے ہوئے صراط مستقیم بھی صرف ایک ہی ہے**۔ سب فرقہ بندی اور تشیع، رہبانیت اور غلط تخیل زہد، غلو فی الدین اور مُلّائی افراط و تفریط وغیرہ وغیرہ کتاب الٰہی کے منشا کے نقیض اکثر عیاں کر دیجائے گی۔ دین اسلام کے وجود پر سے عارضی اور اکتسابی غلاف اُلٹ کر اسکو صحیح معنوں میں **فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا** ((۳۰: ۳۰) صفحہ ۴) کا مصداق ثابت کر دیا جائیگا؛ یہ حقیقت کہ ازسر نو منکشف کر دیجائے گی کہ اسلام وہ راہ عمل)، وہ **مذہب سعی و کار**، اور وہ **فطرۃ کاملہ ہے جس پر سطح زمین کا ہر فرد بشر بلا لحاظ ملک و ملّت مجبول بلکہ مجبور ہے**[1]۔ اُسی پر چلکر سر تا سر **امن** ہے، دنیوی اور اجتماعی امن ہے، فردی اور شخصی امن ہے، اُخروی اور دائمی امن ہے۔ اُس سے ذرا ہٹ کر **ضعف و شکست** ہے، قوموں اور اُمّتوں کی شکست ہے، قبیلوں اور گھروں کا انتشار ہے؛ الغرض دین الٰہی کو اُمّت مرحومہ کے مختلف گروہوں اور بھیڑوں کے اعتقادی رنگ سے یکسر آزاد کر کے خدائے واحد کی **وحدت انگیز یکرنگی** میں رنگ دیا جائے گا۔ اِس نازک موضوع کی بحث و تمحیص سے مفید نتائج برآمد کرنیکے لیے اِس امر کا عمداً خیال رکھا گیا ہے کہ کتاب خدا کے طالب العلم کے اُن ذاتی جذبات کو جو وہ کسی فرقے سے متعلق ہونے کی حیثیت میں کسی عقیدے یا شخص یا طرز عمل کے متعلق اِس کتاب کے کامل مطالعے سے پیشتر رکھتا ہو حتی الوسع کم سے کم ٹھیس لگے؛ حقیقت کی طرف بتدریج اور بالدلیل رہنمائی ہو، جو بات کہی جائے اُسکی سند موجود ہو، محض سفلی جذبات کو بھڑکا کر راہ راست پر لانے کی بے سود سعی نہ کی جائے۔ اِس مدعا کو پیش نظر رکھکر کتاب کی طوالت کا باعث ظاہر ہے۔ میرا مقصود ایک فرقے کو سراہنا، یا دوسرے کی توہین کرنا نہیں بلکہ حتی الامکان اسلام کے سب رسمی ماننے والوں کو ایک مشترک اور صحیح راہ کی طرف انگشت نمائی کرنا ہے۔ اگر جو کچھ میں نے کہا ہے **حقیقت** ہے تو ذہن خود بخود اس طرف مائل ہوگا، اُسکے لیے کسی ناروا ترغیب یا غیر ضروری تشویق کی ضرورت نہیں۔

قارئین کتاب سے صرف اسقدر استدعا ہے کہ آیندہ مجلّدات کے **ربط** اور **تسلسل** کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ کیونکہ ہر دعوے کی بنا پیشتر کے ثابت کیے ہوئے دعوے پر ہے اور کتاب کے سب آیندہ مباحث ایک سلسلے کی مختلف اور مرتّب کڑیاں ہیں۔ اور ایک ہی نتیجے کی طرف استقلال سے جارہی ہیں۔ اگر تمام کتاب کے سب گذشتہ مطالب درس و تدریس کے کسی مرحلے میں پیش نظر نہ رہے تو قرآن حکیم سے کوئی مدلّل نتیجہ اخذ کرنا محال ہو جائے گا۔ اس تصنیف کا سب سے اہم حصّہ آخری مجلّدات ہیں جنمیں قرآن حکیم کی تمام تعلیم سے کامل تفتیش و تلاش کے بعد مستقل نتائج اخذ کیے گئے ہیں پھر اجل زدہ اُمتوں کے تحفظ و بقا کیلئے ایک اٹل **طریق عمل** مستنبط کر کے مسلمانانِ عالم کو **اُنکی حیات و موت کا آخری پیغام دیدیا گیا ہے!**

---

[1] **فطرت** لامحالہ وہ شئے ہے جس سے کسی فرد متنفس کو کسی حال میں مفر نہیں۔ اگر دین اسلام فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ہے جیسا کہ صفحہ ۴ پر دعوے کیا گیا ہے تو وہ بھی بلاشبہ وہ شئے ہے جسکی تعمیل پر سطح زمین کا ہر شخص اُسیطرح مجبور ہے جس طرح کہ اپنی کسی اور فطرت پر، اور جسکے برخلاف چلنے کی فوری سزا بھی اُسیطرح ملنی چاہیئے جس طرح کسی اور فطرت سے باغی شخص کو اس دنیا میں ملتی ہے۔ ایک شخص اگر کھانا نہیں کھاتا یا کئی دن مسلسل نہیں سوتا تو اُسکا جلد مرجانا لازمی امر ہے۔ اِس لیے کہ کھانا اور سونا اس کی فطرت میں داخل ہیں، اور فطرت سے باغی ہونے کی انتہائی سزا ہلاکت ہے۔ پس اِس مقام سے نظر سے دین اسلام بھی وہ **طریق عمل ہے جس پر چل کر اس دنیا میں ہر جا امن مل رہا ہے** جیسا کہ آیندہ اوراق میں چلکر واضح ہوگا۔ وہ کسی رسمی کلمہ شہادت کا پڑھ لینا نہیں جیسا کہ اکثر مسلمان سمجھے بیٹھے ہیں!

مقدّمہ ختم ہُوا

Marfat.com

تکیّفِ ایمان و مُنتہائے اسلام†

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۳:۱۳۸)

اور تم ہی سب سے برتر ہو اگر ایمان والے ہو

متذکرہ صدر صحبت کے اُس حصے سے جو تبلیغ دین اور اعلان نبوت کے متعلق ہے، یہ امر واضح ہے کہ داعیٔ اسلام کی بعثت ائتلاف ملل کے حق میں ایک منبعِ رحمت تھی۔ اعلائے کلمۃ الحق نے اعتقادات کے علاوہ، عرب کی ہیئتِ اجتماعی میں ایک ناقابلِ یقین انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ نعرۂ توحید نے، اور اللہ کے برگزیدہ رسولؐ کے خُلقِ عظیم نے اہلِ عرب کے سینوں کو چاک کر کے، اُنکے دلوں کو چیر چیر کر، عداوتیں اور کینے نکال لیئے تھے! پیغمبرِ برحق کی بے لوث ریا، اور وقفِ عمل زندگی نے بخل و حسد کے تنگ و تاریک قلوب میں ایمان کا نور، اور اعمالِ صالحہ کی وسعت دیدی تھی! خدائے واحد کی ہستی پر محمّد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی ناقابلِ انکار شہادت نے ہر متنفّس کو اللہ کی حمایت میں آمادہ عمل کر دیا تھا! خدا کی حقیقت، اُسکی رحمتوں کے دریا، اُسکی حکمت اور علم کے سمندر، اُسکی لاانتہا بخششیں، اُسکی قدرت کاملہ ساتھ ہی اسکے عذاب کے طوفان، اُسکے زلزلے، اسکی تہس نہس کر دینے

† صحبت حاضرہ کے مطالب خاص طور پر قابلِ غور ہیں۔ آئندہ مباحث، بلکہ ایک رو سے کتاب اللہ کی حکمت کو کما حقہ سمجھنے کا اکثر دارو مدار اسی صحبت پر ہے۔ تیرہ سو برس کے انقلاب تخیل کے بعد ایمان کی حقیقت کو از سر نو پالینا، یا دل پر اس کا صحیح کیف حال پیدا کر کے پیکرِ ایمان اور شاہدِ خدا بن جانا آسان کام نہیں۔ مگر اس فقدان حال اور صورت اشکال کے باوجود قرآن حکیم کے اندر ایمان کی صحیح تصویر اور منتہائے اسلام کی ناقابلِ انکار دلیل موجود ہے۔ اسی بات کو پیش نظر رکھکر جہاں جہاں اس صحبت کے اندر آیات الٰہی میں ایمان کا لفظ آیا ہے الفاظ کو جلی حروف میں لکھدیا ہے کہ اس ناقابلِ تشریح اصطلاح کی صحیح ماہیت سمجھنے میں آسانی ہو۔ اسکی اہم قرآنی شرائط اور لوازم واضح ہوں اور بہر رفتہ رفتہ انسان کے ذہن میں اسکا تکیف بیٹھتا جائے۔ یہ امر کہ کلام خدا کا طالب العلم بطور خود اس حقیقت کے ماننے کا قائل ہو کہ سعی و عمل ایمان کا جزو لاینفک کس انتہائی حد تک ہے۔ منتہائے اسلام کی حقیقت صفحہ ۱۰۸ پر عیاں ہوگی

والی چیخیں، اسکی بجلیاں، آنکھوں کے سامنے صاف نظر آگئی تھیں! اُس رب لم یزل کو جسکی عجیب شخصیت وہم کے محیط سے باہر، اور امکان کے نقص سے بری ہے، احمد مرسل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی حیرت انگیز شناسائی نے ہر شخص کے روبرو عیاں کر دیا تھا! مومنوں کے کانوں میں اسکی صدائیں برملا آگئی تھیں! اُنکی آنکھیں، اُنکے دل، اُنکے ہاتھ، اُس لامکان ذات کو اپنے گھروں کے اندر، میدانوں اور حجروں میں، سجدوں اور دعاؤں میں آشکارا محسوس کر رہے تھے! وہی آسمان و زمین، وہی چاند اور ستارے، وہی زرع و نخیل، جو عرب کی ہموار اور غیر دلچسپ سرزمین میں ہر دم اُن کے پیش نظر رہتے تھے، اِس جویائے حق نبیؐ کی دیدۂ عبرت نگاہ کے باعث **معرفت خدا** کے بیکران دفتر اور حقانیت کے بے پایان مظاہر بن گئے تھے!

اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَاَنۡزَلَ لَكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهۡجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمۡ اَنۡ تُنۡۢبِتُوۡا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ يَّعۡدِلُوۡنَ ؕ (۲۷: ۶۰)

لوگو! ذرا اِسپر تو غور کرو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا؟ اور آسمان سے تم لوگوں کے لیئے پانی کس نے برسایا؟ پھر اُسی پانی کے ذریعے سے ہم نے خوشنما باغ لگائے! لوگو! کیا تم میں طاقت ہے کہ اُنکے درختوں کو اُگا سکو؟ اور کیا پھر اِس حقیقت کے عیاں ہو جانے کے بعد سوا خدا کے کوئی اَور قابلِ اطاعت اور لائق عبودیت رہجاتا ہے؟ آہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں کہ ناحق دوسری طرف جھکے ہوئے ہیں!

پھولوں کی پنکھڑیوں میں، پرندوں کے پروں اور درختوں کے خوشوں میں صناع بے مثال کا ہاتھ کام کرتا ہوا صاف نظر دلا دیا تھا!

اَلَمۡ يَرَوۡا اِلَى الطَّيۡرِ مُسَخَّرٰتٍ فِىۡ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمۡسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ † (۱۶: ۷۹)

کیا لوگوں نے پرندوں کے حال پر نظر نہیں کی جو فضائے آسمانی میں مسخر ہیں، اُن کو اُڑتے وقت کون سنبھال رہا ہے اور کون سنبھلنے کی قوت دے رہا ہے؟ جن لوگوں میں ایمان موجود ہے اُنکے لیئے اس حقیقت میں بھی غور و فکر کی کئی علامتیں ہیں۔

فطرت کے بدیع الخلق ظواہر اور محیر العقول صنائع کی طرف، کلام الٰہی کی انتھک ترغیب و تحریص نے عرب کی طبائع پر گہرا اور ناقابل انحکاک اثر پیدا کر دیا تھا!

† اس کا حاشیہ اگلے صفحے پر دیکھو۔

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ† ○ (۶ : ۱۰۰)

وہی قادر مطلق تو ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم ہی نے اُس پانی کے ذریعے سے ہر اُگنے والی چیز کی بُوٹیاں نکالیں، پھر اُن بوٹیوں سے ہم ہی نے ہری ہری ٹہنیاں نکالیں۔ اُن سے ہم گُتھے ہوئے دانے نکالتے ہیں، اور کھجور کے گابھے میں گچھوں کے گچھے خوشے جو مارے بوجھ کے جھکے پڑتے ہیں۔ اور انگور کے باغ اور زیتون اور انار، ظاہر اُنکی مشابہت میں ایک دوسرے سے ملتے جُلتے ہیں، مگر مزے اور تاثیر میں جُدا جُدا ہیں۔ تم اُنکے پھل کی طرف بغور دیکھو جب نکل رہا ہو اور پک رہا ہو بے شک جن میں ایمان ہے اُن کے لیے اِس مشاہدے میں عجیب غریب نشانیاں خدا کی قدرت کی موجود ہیں!

صدیوں کے باطل عقیدوں، خوف انگیز وسوسوں، اور مذبذب قلوب واہموں کے بعد حقیقت کے اس دلنشین انکشاف، اور خدا ہونے کے اس قطعی ثبوت نے بالآخر عرب کے دلوں میں ایمان کا آسمان تاب نور، اور یقین کا عالم افروز شعلہ پیدا کر دیا۔ صداقت کا روح پرور اثر اُنکے بدنوں اور طبیعتوں دلوں اور ذہنوں میں اسقدر جاری وساری ہوگیا تھا کہ بمجرد اللہ کا ذکر آنے پر اُن کے دل کپکپا جاتے تھے‡!

---

† ضمناً اِن آیات الٰہی سے ظاہر ہے کہ اعمال خدا کا مشاہدہ، اُسمیں استقصا اور تفکر، خدا کی عطا کی ہوئی بصر کا استعمال (اَلَمْ يَرَوْا (۱۶ : ۷۹)، اُنْظُرُوْٓا (۶ : ۱۰۰)) اور کارگاہ فطرت سے طلب علم (دیکھو صفحہ ۸۳) ایمان کے اہم لازمات میں سے ہیں، ان کے بغیر ایمان ناقص اور معرفت خدا محال ہے؟ اس بحث کو یہاں طول دینا ضروری نہیں مگر مسلمانوں کو غور کرنا چاہیئے کہ آج وہ قَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ کے صحیح مصداق ہیں یا مغربی قومیں جنھوں نے فطرت کا پتا پتا دیکھ مارا ہے!

‡ سورۂ انفال میں ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ (۸ : ۲)

لوگو! ایمان والے تو وہی بندے ہیں کہ جب خدا کی یاد اُن کو آجاتی ہے تو اُنکے دل ہل جاتے ہیں، اور جب اُسکے احکام (اٰيٰتُهٗ) اُنپر واضح کر دیئے جاتے ہیں تو اُنکی تعمیل کا یقین (اِيْمَانًا) اور بھی بڑھتا ہے، اور وہ وہ لوگ ہیں جو حتی الوسع سعی وعمل کے بعد نتائج کے بارے میں اپنے خدا پر بھروسہ کرتے ہیں (يَتَوَكَّلُوْنَ) (توکل کے اِن معانی کی توضیح آگے چلکر آئے گی)۔

یہ ایمان والوں کی لرزش کوئی مصنوعی لرزش نہیں جو آجکل لوگ رسماً پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں، اور باوجود مشق کے صحیح معنوں میں پیدا نہیں کر سکتے یہ فی الحقیقت خدا کی عظمت، ہیبت، اور طاقت کا ہول انگیز یقین ہے جو اسکے اعمال کے برای العین مشاہدے اور اس کارگاہ فطرت کی براہ راست بصیرت سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ وہ کیفیت قلب ہے جو آج ان قوموں کو حاصل ہے جو قانون خدا سے ہر دم خوفزدہ رہ کر سعی وعمل میں مصروف ہیں، جو حکم حاکم کو مرگ مفاجات کے برابر سمجھکر طوعاً و کرہاً اُسکی تعمیل میں لگی ہیں، جو قانون فطرت کے ایک ایک حرف کو بغور سمجھنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ یہ لرزش ہمہ تن حاکم کے مقتدر ہونے کی لرزش ہے، اُسکے قانون کو اٹل ماننے کی لرزش ہے، اُسکی سزا کے شدید ہونے کی لرزش ہے اُحکم کے اٹنٹ اور حاکم کے بے پروا ہونیکی لرزش ہے۔ اسی لرزش کا اٹل نتیجہ عمل ہے، احساس فرض ہے، تگ ودو ہے، تکلیف دہی ہے، یہ کوئی دوستی کے باہمی ناز و نیاز، یا عشق کی لطف آمیز جھڑکیں نہیں جو مسلمانوں نے رسماً بلا خطر خدا سے پیدا کر لی ہیں اور جسکا نتیجہ نادانی خدا کے سوا کچھ نہیں۔

دلوں نے اللہ سے وہ سچا لگاؤ پیدا کر لیا تھا کہ اُٹھتے بیٹھتے ایک دنیاوی حاکم کی طرح اُسکے حضور میں سراپا ادب اُسکی رحمتوں اور بندہ نوازیوں کے چشم براہ، اور اُسکے قہر سے خوف زدہ رہتے۔ حضوریٔ قلب کی حیات افروز نے اور قرب رسولؐ کے جرأت آموز اثر نے اُن کو اللہ کی رضا میں مصیبت سے قطعی بے خوف، اور جان سے قطعی بے نیاز کر دیا تھا۔ اُن کے فلک شگاف حوصلے اور کوہ فگن جرأتیں، اُس احکم الحاکمین کی خوشنودی اور حمایت میں ہر وقت پا بہ رکاب رہتیں! وہ ایک اہل الغرض اور مشاہرہ دار نوکر کی طرح، اُس آنکھوں سے اوجھل اور جلیل القدر ذات کی خوشنودی کی خاطر، اُسکے ادنیٰ اشاروں اور حکموں پر چونک اُٹھتے، اور دوڑ دوڑ کر تے! وہ اللہ کے رعب و وقار اور اُسکے جاہ و جلال کے آگے ہر انسانی منزلت کو بیقدر و قیمت، اور دنیاوی رعب داب کو ہیچ سمجھتے! وہ اپنے سچے مخدومؐ، اور مقتدر منعمؐ کا بول بالا کرنیکے ولولے میں جانوں کو ہتیلیوں پر رکھکر قیصر و کسریٰ کے دربار میں، اپنے خرقہ پوش اور اُمّی پیغمبرؐ کا تنبیہی پروانہ بے دھڑک لیجاتے! وہ اپنے حقیقی آقا کا آوازہ بلند کرنے کی غرض سے جان، مال، اور تعلقات دنیوی کے انقطاع[†] سے ایک لمحے کے لیئے دریغ نہ کرتے! وہ ایک مزدور خوشدل کی طرح اللہ کے اس نیک بندے کی حمایت میں تلواروں سے کٹ، اور تیروں سے چھن جاتے مگر ہمت نہ ہارتے! وہ اُس کالی کملی والے رسولؐ کی جانفروشانہ اطاعت میں موت کی آرزوئیں، اور قتل کی منتیں مانتے! وہ اللہ کی کبریائی اور جبروت کے بالمقابل ہر سرکش کا غرور توڑنے کے لیئے پہاڑ سے لڑ جاتے اور آسمان سے ہاتھا پائی کرتے! اُن کی مودبانہ خدمت اور فدایانہ عبودیت خدائے ذوالجلال کے وجود، اُسکی عالم آرا حکومت، اُسکی عالی مقامی

---

† سورہ مجادلہ میں ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ ۖ (۲۲:۵۸)

اے مخاطب! جو لوگ خدا کے خدا ہونے پر ایمان لاتے ہیں، اور جو روز آخرت کی جزا و سزا پر یقین رکھتے ہیں، اُن کو تم ہرگز نہ دیکھو گے کہ خدا اور اسکے رسول کے مخالفوں اور نافرماں برداروں کے ساتھ میل جول رکھیں گو وہ انکے باپ، یا انکے بیٹے یا انکے بھائی بند، یا ازواج ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکے دلوں کے اندر خدا نے ایمان کا گھر ا نقش کر دیا ہے اور جنکو اپنی ناپیدا کنار طاقت اور ہمت کا ایک حصہ عطا فرما کر انکی مدد کی ہے (روح منہ)۔

Marfat.com

اُسکی استقامت عہد، اُسکی سطوت وجبروت، اُسکے جبر و قہر کی وہ زندہ اور زبردست **شہادت** تھی جو ہر منکر کو قائل کر دیتی! اُن کی سرتاپا سعی اور رہینِ عمل زندگی اللہ کی غلامی کو بہترین غلامی، اور اُسکی چاکری کو مفید تر چاکری بنانے کی وہ بانگِ دُہل اور وہ صیت ناقوس تھی جسنے اقل قلیل مُدت میں ایک بیکار اور بے حس عالم کو اللہ کی عبودیّت پر متفق العمل کر دیا تھا!

وَكَذٰلِكَ† جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ‡ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (۲: ۱۴۳)

اور اس تسلیم کی خو اور اللہ کے رنگ میں رنگے جانیکے باعث (دیکھو آیہ (۲: ۱۳۸)) ہم نے تم سب کا ایک مرکز (یعنی قبلہ) قرار دیکر تم عرب کو روئے زمین کی امتوں کا مرجع و مرکز بھی بنا دیا ہے تاکہ تم اپنے حسنِ عمل سے تمام دنیا کے سامنے خدا کے وجود کی گواہی دو، اور رسولِ خدا تمہیں اللہ کی گواہی دیتے رہیں!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا‡ رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ۝ وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَفِىْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ‡ عَلَى النَّاسِ ۖۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ (۲۲: ۷۷-۷۸)

---

† 'کَذٰلِکَ' کا ربط پہلے مضمون کے تسلسل سے ظاہر ہوتا ہے جو آیہ (۲: ۱۲۲) سے شروع ہوا ہے۔ اس ربط کو ثابت کرنے کا یہ موقع نہیں مگر سورہ بقرہ کے ربط کا اظہار غالبًا پانچویں مجلد سے پہلے نہ ہوسکیگا۔

‡ "شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ" ہونے کے یہی معانی ہیں کہ لوگوں کو تمہارے اعمال افعال سے، تمہاری تگ و دو اور تکلیف برداری سے، تمہاری خدمت گذاری اور ملازمت سے خدا کے خدا اور حاکم اعلیٰ ہونے کی سچّی گواہی ملجائے، وہ بچشم خود دیکھ لیں کہ تم کسی ایسی جلیل القدر ہستی کے ملازم اور پابند ہو جو گو نظروں سے اوجھل ہے مگر اُسکے ہونے اور مقتدر ہونے میں گمان نہیں یہی سعی و عمل آج کسی دنیاوی حاکم کی ملازمت اور اُسکے موجود ہونے کی صریح بلکہ عینی شہادت ہے، خواہ وہ حاکم ہر دم لوگوں کی نظروں سے چھپا رہے اور عوام نے اسکو ایک لمحے کے لیے بھی بچشم خود نہ دیکھا ہو۔ جبتک ایک ملازم کسی آقا کے حکموں کی تعمیل میں مصروف ہے، اسکی خاطر اپنی جان کو تکلیف میں ڈال رہا ہے، اور کسی دوسرے کے ہاں سے امیدوار مزد نہیں ہوتا، تب تک اُس آقا کے ہونے کی عینی گواہی موجود ہے۔ کیونکہ کوئی متنفس اپنے آپ کو بلا مزد رنج و محن میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ 'شہادت' یہ نہیں کہ مُنہ سے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، یا کوئی اور ایسا کلمہ پڑھ لیا جائے جیساکہ آجکل کے مسلمان سمجھ بیٹھے ہیں! جبتک ملازمت اور عبادت عملًا نہ ہو گواہی یعنی شہادت جسکا تعلق لامحالہ مشاہدے سے ہے، قائم نہیں ہوسکتی۔ رہی یہ بات کہ عمل کی نوعیت کیا ہو اسکی تشریح آگے چلکر خود کتاب خدا کریگی۔ اس امر کا ثبوت کہ شہادت خدا ہی کی ہے آیہ (۴: ۱۳۵) صفحہ ۲۰۲ کے الفاظ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ سے ملتا ہے۔

‡ 'عبادت' کے قرآنی معانی آج صدیوں کے انقلاب تخیّل کے بعد قطعًا مسخ ہو چکے ہیں۔ عامۃ الناس نے بلا استثنا اسکے معانی نماز پڑھنا'

Marfat.com

اے وہ لوگو جو ایمان لے آئے ہو! اپنے خدا کے حضور میں عملاً جھکتے رہو، (ارْكَعُوْا)، اُس کے سب احکام کے آگے سرِ تسلیم خم کرو، (وَاسْجُدُوْا)، اس کے سچے غلام بنے رہو، (وَاعْبُدُوْا)، اور بھلے اور پسندیدہ خدا کاموں میں لگے رہو تاکہ تم بالآخر کامیاب ہو جاؤ اور اپنی مراد کو پونہچو۔ اور اعلائے خدا میں کوشش کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے۔ اُس نے تم ہی کو اس مطلب کے لیئے دنیا جہان کی امتوں سے انتخاب فرمایا ہے، اور تم ہی وہ لوگ ہو جن پر (تمہارے اپنے زعم میں) خدا نے اعمال و فرائض کے متعلق کچھ ناروا سختی نہیں کی۔ یہی دستور العمل تمہارے باپ ابراہیم کا تھا، اور اس خدا کی عملی غلامی، اور تسلیم کے نصاب عمل کو مدِ نظر رکھکر ہی اُس نے اس سے پہلے بھی تم جیسے حکم بردار اور کارکن آدمیوں کا نام مسلم رکھا تھا! اور اب بھی تمہیں اُسی نام سے پکارتا ہے۔ اور یہ سب اس لیئے کہ رسولؐ تو خدا کے آقائے نامدار ہونے کی تمہیں گواہی دیتے رہیں، اور تم تمام جہان کے سامنے اپنے اعمال کے ذریعے سے خدا کے وجود کی زندہ شہادت بنو! پس ان سب باتوں کو مدِ نظر رکھکر نماز پر قائم رہو، ہماری بارگاہ عالیہ میں پنجوقتہ حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب دو، اور ہمارے وجود کو دنیا پر ثابت کر دینے کی خاطر قربانی مال (الزَّكٰوة) بھی کیا کرو۔ اور اللہ کو مضبوط پکڑے رہو! وہی تمہارا آقا ہے، پر کیا ہی اچھا آقا! اور کیا ہی اچھا مددگار ہے!

قبولیت اثر، اور محسوسات قلب کے تہیج واحیا کا وُہ عہد سعید اور وُہ نکو کار زمانہ تھا جب کہ خدا کو خدا تسلیم کر لینا، اہل عرب کی نگاہوں میں آفتاب کی کرنوں اور مہتاب کی شعاعوں سے بھی عیاں تر

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۵) لے لیئے ہیں، اور ہر شخص چند بار ماتھے کو زمین پر رگڑ کر بے غل وغش اپنے آپ کو 'عابد' قرار دیتا ہے۔ شارحین، واعظین علما، فقہا، جہلا سب کا غالب خیال عبادت سے نماز یا تسبیح گردانی ہی ہے، اور اگر کوئی شخص ذرا زیادہ وسیع النظری سے کام لیتا ہے تو باقی ارکان اسلام کو بھی داخل عبادت کر دیتا ہے یا حد سے حد علی الحساب اور احساناً کہہ دیتا ہے کہ "خدا کے لیئے اُٹھنا اور بیٹھنا بھی شامل عبادت ہے"۔ یہی نہیں بلکہ قریب قریب ہر مذہب کی لغت میں یہ اصطلاح صرف دعا یا نماز تک محدود ہو گئی ہے۔ پرانی الہامی کتابوں کے متعلق تحقیق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اُن کے الفاظ کے استقلال کی کوئی سند موجود نہیں اور ترجموں میں الہامی الفاظ کی صورت، روح، اور مطالب سب بگڑ چکے ہیں مگر قرآن حکیم کے اندر 'عبادت' کا اصلی اور صحیح مفہوم ابتک موجود ہے بشرطیکہ اسکی آیات میں صحیح تدبر کیا جائے۔ ان آیات الٰہی میں جو زیر بحث ہیں، 'ارْكَعُوْا' اور 'اسْجُدُوْا' اور 'اعْبُدُوْا' کے تین الفاظ آئے ہیں اور اگر، جیسا کہ کم از کم مجھے یقین ہو چکا ہے، خدائے زمین و آسمان کا کلام ہر قسم کے حشو و زوائد بے نتیجہ تکرار، یا شاعرانہ فصاحت سے قطعاً مبرا ہے: اور اس کا ایک جملہ، ایک لفظ اور ایک حرف بھی اول بدل، پس و پیش، یا حذف نہیں کیا جا سکتا، تو اس نتیجے پر پونہچنا کچھ مشکل نہیں کہ 'ارْكَعُوْا' اور 'اسْجُدُوْا' اور 'اعْبُدُوْا' کے الفاظ کے تین مختلف اور مستقل معانی ہیں جو شارعِ قرآن کے ذہن میں اسوقت تھے جب یہ آیت وحی کی گئی۔ اُن کو نماز کا رکوع و سجود سمجھکر قریب المطالب یا مترادف المعانی قرار دینا، یا زور بلاغت کا تکرار فرض کر لینا کلام خدا کی توہین ہے۔ کتاب خدا کے اس ابتدائی حصے میں اس حقیقت کبری پر

Marfat.com

واسطۂ عمل بن گیا تھا؛ تعبد کی یہ شانِ اضطراری ('وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ')[^1] اور اعتصام خدا کا یہ الحافی رنگ تھا

سلہ دیکھو (۲۲: ۷۷) صفحہ ۱۰۵۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۶) چنداں زور نہیں دیا جا سکتا کیونکہ کلام الٰہی کے الفاظ کے استقلال مطالب اور وحدت معانی کی مثالیں کثرت سے پیش نہیں ہوئیں، لیکن آگے چلکر جوں جوں اور شہادتیں ملتی جائیں گی یہ نکتہ عیاں ہوتا جائیگا۔ 'مسخ حقیقت' کے عنوان میں اس بات کا کافی ثبوت دے دیا جائے گا کہ نص قرآن کے رُو سے 'سجدہ' اور 'عبادت' ایک تکیف دل کی دو مختلف حالتیں ہیں اور اسی لیئے بالالتزام علیحدہ علیحدہ بیان کی گئی ہیں۔ 'سجود' کے معانی بھی قرآن کریم میں ماتھا رگڑنے یا سر جھکا دینے کے نہیں، بلکہ اس سے مقصود تکیف اطاعت اور صرف اطاعت ہی۔ اگرچہ ماتھا رگڑنا اُس کا ایک جُز ہو سکتا ہے۔ مطیع شخص ممکن ہے اپنی اطاعت کے جوش میں ماتھا بھی رگڑے مگر برسمی ماتھا رگڑنے والا لازماً مطیع نہیں ہوتا! سورۂ الرحمٰن میں ہے: وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝ (۵۵: ۶)، "اور ستارے اور درخت سجدہ کر رہے ہیں"۔ یعنی احکام خدا کی اطاعت میں مصروف ہیں۔ ظاہری سجدہ مراد نہیں اور نہ ہو رہا ہے۔ سورۂ نحل میں ہے: وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ... (۱۶: ۴۹) "اور جو کچھ آسمان و زمین میں چلنے والی شئے ہو خدا کے آگے سجدہ کر رہی ہے"۔ یعنی اسکے قانون کی مطیع ہے۔ علیٰ ہذا القیاس (۱۳: ۱۵) اور (۲۲: ۱۸) میں یہی مضمون ہے۔ سورۂ آل عمران میں اہل کتاب کے متعلق کہا ہے: يَتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝ (۳: ۱۱۳)، "یعنی رات کے اوقات میں احکام خدا کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں"۔ حالانکہ زمین پر ماتھا رگڑنا اُن کا طریق نہ تھا اور آج بھی نہیں۔ سورۂ اعراف کے اخیر میں ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۝ (۷: ۲۰۶)۔ یہاں 'عبادت' اور 'تسبیح' اور 'سجدے' کا وہی لغوی تکرار ہے، اور لفظوں میں تفریق کر دی ہے مگر ظاہر ہے کہ اُنکے یہ معانی نہیں ہو سکتے جو آجکل لوگوں نے ان الفاظ سے لیئے ہیں۔ کیونکہ مذکور اُن کا ہے جو اس روئے زمین پر نہیں ہیں اور عالم ارواح میں بس رہے ہیں۔ سورۂ نجم میں ہے: فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ۝ (۵۳: ۶۲)، یہاں بھی 'سجدہ' اور 'عبادت' کو لفظوں میں الگ کر دیا ہے اگرچہ تکیف وہی اطاعت ہی کا ہے۔ 'سجدے' کا لفظ کلام الٰہی میں صرف دو جگہ ظاہری ماتھا رگڑنے کے معنوں میں آیا ہے۔ ایک سورۂ نمل میں ملکہ سبا کے متعلق: وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۲۷: ۲۴)، "یعنی وہ اور اسکی قوم خدا کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے تھے"۔ اور دوسری سورۂ حٰم السجدہ میں: لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ (۴۱: ۳۷)، مگر ان دونوں موقعوں پر صرف ایک واقع الامر کا اظہار ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں یعنی لوگ سورج کے آگے ماتھا رگڑتے تھے یا یہ عبث فعل جو تم کرتے ہو نہ کیا کرو۔ آیہ (۴۱: ۳۷) سے 'تَسْجُدُوْا' اور 'تَعْبُدُوْنَ' کا الفاظ میں الگ ہونا بھی ظاہر ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ "اگر تم فی الحقیقت خدا ہی کے غلام ہو (اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ) اگر اسی کے احکام کی تعمیل کر رہے ہو (اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ) اگر اسی کے مطیع اور اُسی کے حلقہ بگوش بنے ہو (اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ)، تو اس ظاہری سجدے کو بھی جو شمس و قمر کے آگے کرتے ہو، چھوڑ دو، کہ یہ بھی کیف عبودیت کے منافی ہے۔ یہ رسم بھی خدا ہی کے آگے ادا کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے"۔ گویا خدائے عزوجل کے نزدیک ملازمت ایک آقا کی اختیار کرنا اور سلام سلام دوسرے کو کرنا ایک لایعنی سی بات ہے۔ اگرچہ ایک شخص کے ظاہرا سورج کو سجدہ کرنے اور درپردہ عابدِ خدا ہونے کے استثنائی امکان کو یہاں پر پیش ہی نہیں کیا گیا بلکہ اسکو اشارۃً تسلیم کیا گیا ہے۔

'رکوع' کا لفظ بھی جسکے معانی اصطلاحاً آج نماز میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھکر جھکنے کے ہیں، قرآن میں ان معنوں میں نہیں آیا۔ اس کا قرآنی مقصود بھی اطاعت اور تعمیل احکام الٰہی ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے: اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ (۵: ۵۵) یعنی "اے ایمان والو! تمہارا دوست اور مددگار تو خدا ہی ہے (جو تمہیں قوت افزا احکام دے رہا ہے) اور اسکا رسول (جو تمہیں راہ راست پر لیے جا رہا ہے) اور باقی ایمان والے (جو عملاً ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں)، اور یہ وہ لوگ ہیں جو نماز پر قائم رہتے ہیں، اور قربانی مال کرتے ہیں، اور قانون خدا کے آگے عملاً سر تسلیم خم کرتے ہیں (رٰكِعُوْنَ)"۔ یہ آخری الفاظ قافیے کی ضرورت کے لیئے استعمال...

Marfat.com

[^1]: سلہ

(وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ)† کہ ربّ العرش کی مقتدر **حکومت** دلوں کی زمینوں، عزائم کے رہگذروں، اور اعمال کی شاہراہوں پر یکسر قائم ہوگئی تھی! سب عمل اُسی کے لیئے وقف تھے، سب جدّ وجہد اُسی کی خاطر

† وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ کے یہی معانی ہیں کہ بیم وامید کا پیدا کیا ہوا سب عملی تعلق خدا سے قائم کرو۔ یعنی جس طرح کسی دنیاوی آقا سے غرضمندی اعتصام پیدا کر دیتی ہے اُسی طرح بلکہ اس سے زیادہ اس احکم الحاکمین سے اعتصام پیدا کرو۔ اسی کیف عبودیت کو متن کتاب میں "الحانی رنگ" کے الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۷) نہیں بڑھائے، اور نہ یہ ایک بیہودہ تکرار ہے جو اَلصَّلٰوۃَ کے بعد کر دی ہے اور جس میں رکوع لامحالہ شامل ہے بلکہ رَاکِعُوْنَ کے اصلی معنی بھی اطاعت احکام خداہی تھے یا کم از کم کلام الٰہی کی اصطلاح میں یہ تھے۔ رکوع بمعنی رکن نماز بعد میں لوگوں نے وضع کر لیا اور زبان زد عوام اس قدر ہوا کہ اصلی معانی مسخ ہوگئے۔ **اب انسانی لُغت اُس حقیقت کو منکشف کرنے سے عاجز ہے** جیسا کہ ہم نے صفحہ ۹۱-۹۲ کے تحت المتن میں دعویٰ کیا ہے یہی بات: وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۝ (۲: ۴۳) سے ظاہر ہے۔ یعنی الصَّلٰوۃَ پر قائم رہو اور الزَّکٰوۃَ کو دیا کرو، اور سب سے اہم یہ امر کہ) قانون خدا کو تسلیم کرنے والوں کے ساتھ تم بھی سر تسلیم خم کر دو۔ سورۂ مرسلٰت میں ذرا زیادہ وضاحت کے ساتھ ہے: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ۝ (۷۷: ۴۸-۴۹)۔ "اور یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان کو کہا جاتا ہے کہ قانون خدا کے آگے جھک جاؤ تو اس کی تعمیل کرنے سے کتراتے ہیں۔ تو لوگو! اُس دن ان جھٹلانے والوں کے حال پر افسوس ہے"۔ گویا رکوع (تسلیم) نہ کرنا **تکذیب پیغام رُسل ہے**۔

ان تمام آیات الٰہی سے جو قرآن سے جستہ جستہ لے لی گئی ہیں، ثابت ہے کہ قرآن کی لُغت میں رکوع، سجود، عبادت، تسبیح وغیرہ وغیرہ اطاعت خدا کے قلبی تکیف کے مختلف مراحل اور مظاہر ہیں جن کا نتیجہ احکام الٰہی کی تعمیل ہی ہے، اس سے کمتر کچھ نہیں، کوئی شخص صرف نماز کی رکعتوں کو رسماً ادا کرکے یا تسبیح کے منکوں کو پھیر کر عبدِ خدا نہیں بن سکتا، اگرچہ جو شخص **فی الحقیقت** اطاعت گذار ہے اُس کے لیئے ان عبادات کو کیفیت دل اور رقت قلب کے ساتھ ادا کرنا اُسی طرح طبعی ہے جس طرح کہ ایک غلام کا آقا کی شبانہ روز خدمت کے ساتھ ساتھ سلام کرنا، یا اچانک اُسکی حمد وستائش کرنا بھی ایک لازمی فعل ہے۔ پس یہ **احکام خدا کی شبانہ روز تعمیل کرنا ہی سچی عبادت ہے، اور اسی نقطۂ نظر سے کسی کی عبادت کرنا فی الحقیقت اُس کی ملازمت اور تعبّد اختیار کرنا ہی ہے**۔ اسکے ماسوا کچھ نہیں، عبادت کے یہ معانی کلام الٰہی کے قریب قریب ہر ورق پر ثبت ہیں اور اصل کتاب میں اسکی بیسیوں مثالیں آگے چلکر ملینگی۔ سر دست دو تین مثالیں اور پیش کر دی جاتی ہیں جن سے یہ حقیقت اور بھی عیاں ہو جاتی ہے۔ سورۂ انبیا میں ہے:

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ۝ (۲۱: ۷۳)

اور لوگو! ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو لوگوں کا سردار اور پیشوا بنایا، وہ ان کی رہنمائی ہمارے قانون (بِاَمْرِنَا) سے کرتے رہے، اور ہم نے اُن کی طرف نیک اور مفید جماعت کاموں (الْخَيْرٰتِ) کے کرنے کی وحی بھیجی، اُن کو حکم دیا کہ الصَّلٰوۃ پر قائم رہیں، الزَّکٰوۃ کو دیتے رہیں۔ اور وہ لوگ نو نماز گذار یا پابند زکوٰۃ ہی نہ تھے بلکہ جبتک رہے ہمارے اطاعت گذار بندے اور غلام بنے رہے (وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ)۔ (باقی)

ع۵ اکثر شارحین کلام الٰہی نے 'ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ' کے الفاظ سے باجماعت نماز کا حکم مستنبط کیا ہے اور اس لحاظ سے رکوع کے معنی اسلامی نماز کے متعارف رکن کے لیئے ہیں۔ نماز کے باجماعت ادا کرنیکے وجوب لزوم سے کسی شخص کو انکار نہیں ہو سکتا جیسا کہ آگے چلکر صفحہ ۲۰۸، ۲۱۱، ۲۲۵، پر واضح کر دیا جائیگا لیکن ان الفاظ کو باجماعت نماز ادا کرنے کی سند گردانا حتماً ناروا ہے کیونکہ 'رکوع' کا لفظ رکن نماز کے معنوں میں قرآن میں کہیں نہیں آیا چنانچہ حضرت مریمؑ کے بارے میں یہ آیت اس امر کا قطعی فیصلہ کر دیتی ہے: يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۝ (۳: ۴۳) یعنی اے مریم! تم اپنے پروردگار کی کامل حکمبرداری کرتی رہو اُسکے احکام کے سر تسلیم خم کر دو (وَاسْجُدِيْ) اور قانون خدا کو تسلیم کرنیوالوں کے ساتھ تم بھی کامل طور پر مطیع بنجاؤ۔ حضرت مریمؑ کو یہاں نماز باجماعت ادا کرنیکا حکم نہیں دیا گیا، اور نہ اسلامی رکوع یہودیوں یا عیسائیوں کا جزو نماز کبھی ہوا ہے۔ اس طرح یہ عورتوں کے لیئے نماز باجماعت ادا کرنا اسلام میں بھی فرض نہیں اگرچہ رسول خدا کی امامت میں مستورات کا مردوں کے پیچھے صف باندھکر نماز ادا کرنا مذکور ہے۔ اس آیۂ شریفہ سے بہر نوع ظاہر ہے کہ قنوت اور سجود اور رکوع سے مراد احکام خدا کی تعمیل، اور کیف اطاعت کا پیدا کرنا ہی ہے اسکے ماسوا کچھ نہیں۔

اور اسی کی راہ میں تھی، (وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ[۵۱])، سب طاعت و تسلیم اُسی کی **گواہی** کے لیے تھی، (لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ[۵۲])، داعیِ اسلام کی جاذب القلوب صحبت اور حقیقت کشا شہادت (لِيَكُوْنَ

---

۵۱ دیکھو (۲۲: ۷۷) صفحہ ۱۰۵۔ ۵۲ دیکھو (۲: ۱۴۳) صفحہ ۱۰۵۔

بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۸) یہاں پر پھر 'عبادت' اور 'الصّلوٰۃ' اور 'الزّکوٰۃ' کا لفظی تفرق ظاہر ہے۔ گویا 'عبادت' وہ شے ہے جو نماز اور زکوٰۃ سے علیحدہ بلکہ بڑھکر ہے۔ اور یہ وُہ عملی ملازمت، وُہ امتثالِ امر، اور وُہ شبانہ روز چاکری ہے جسکے لیے کسی وقت یا عدت کی تعیین نہیں۔ ایک اور جگہ موسیٰ علیہ السلام کے مکالمے میں 'عبادت' اور 'الصّلوٰۃ' کے فرق کو اور بھی نمایاں کر دیا ہے: اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ○ (۲۰: ۱۴)۔ یعنی اُے موسیٰ! اسمیں شک نہیں کہ میں ہی مالک زمین و آسمان ہوں، میرے سوا کوئی حاکم اعلیٰ نہیں، تو تم میری ہی عبادت اور ملازمت اختیار کرو، اور میری یاد، اور غائبانہ خوف دل میں رکھنے کے لیے (لِذِكْرِيْ) 'الصّلوٰۃ' پر قائم رہو یعنی اچانا میرے حضور میں حاضر بھی ہوا کرو۔" گویا 'عبادت' ایک **غائبانہ تعمیل احکام** ہے اور 'الصّلوٰۃ' اس غائبانہ خدمت کے جذبے کو محترک رکھنے کے لیے بالمشافہ سلام **سلام اور حاضری** ہے۔ لیکن سورۂ مومن میں 'عبادت' کا قرآنی مفہوم اِن سے بھی عیاں تر ہے:

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۥ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ○ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ○ (۲۳: ۴۵-۴۷)

پھر ہم نے موسیٰ اور ہارون اُنکے بھائی کو اپنے احکام (بِاٰيٰتِنَا) اور اُنکے منجانب اللہ ہونے کی روشن شہادت (سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ) اپنی طرف سے دیکر فرعون اور اُسکے حاشیہ نشینوں کی طرف بھیجا۔ وہ لوگ اُنکو دیکھکر اکڑ گئے، اور درحقیقت وہ تھے بھی سرکش اور مغرور لوگ جوشیخی میں آکر کہنے لگے کہ کیا ہم اِن اپنے جیسے دو آدمیوں کو اپنا رہنما مان لیں حالانکہ انکی حیثیت یہ ہے کہ انکی قوم ساری کی ساری ہماری غلام ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہماری چاکری اور خدمتگذاری میں دن رات لگی ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہمہ تن ہمارے زیر اثر ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہماری محتاج اور دست نگر ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہماری نظروں میں خوار و ذلیل ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہمارے آگے ہاتھ جوڑتی اور پاؤں پڑتی ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہمارے دست شفقت کی آرزو مند ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہماری دی ہوئی روٹیوں پر گذارہ کرتی ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، وغیرہ وغیرہ۔

گویا از روئے قرآن 'عابد' وہ شخص ہے جسکی ہیئت کذائی بعینہ وہ ہو جو خروج سے پیشتر بنی اسرائیل کی فرعون کے ماتحت رہ کر تھی یا جو کہ **مشرقی اقوام کی یورپ کے دست تظلم سے آجکل** ہے۔ بنی اسرائیل کے مظلوم فرعون کے محلات کی تعمیر کے ضمن میں ہزاروں من پتھر لدے ہوئے چھکڑوں میں ہانکے جاتے تھے، اُمرا کی اقفریچی گاڑیاں میلوں تک ہانپ ہانپ کر کھینچتے تھے، اُن کی بیگمات کو پالکیوں میں اٹھائے پھرتے تھے، اُن کے سروں پر چھتریاں لگائے دم بخود چلے جاتے تھے، اُن کی سواریوں کے ساتھ ساتھ دوڑتے تھے، ہزاروں میں شبانہ روز خشت سازی اور جنگلوں میں بھوسہ جمع کرنا اُن کا آبائی پیشہ تھا، چمڑے کے گندھے ہوئے کوڑے اُن کے بدنوں کو لہولہان کر دیتے تھے، وہ اُن کی ضرب سے سڑکوں اور چوراہوں پر بے ہوش و حواس گر پڑتے، لیکن بادشاہت کے رعب جلال کے آگے اُف تک نہ کر سکتے تھے۔ اُن کے چیتھڑوں سے پیوند کیے ہوئے تہمد اور مسکنت کے سیاہ کیے ہوئے بدن، فرعون کی **عبادت** اور طاغوت کی غلامی، تحکم شاہ اور تعبد گدا، تعلّی بشر اور **قہر خدا** کی وہ عبرت انگیز شہادتیں تھیں جو ہر صاحب نظر کو کپکپا دیتی تھیں۔ وہ اس تعبد میں صدیوں کی عادت اور رواج کے باعث اسقدر محو و منہمک رہتے تھے کہ اس مغرور قوم کی خدمت میں دن رات لگے رہنا اُنکی نظروں میں عین سعادت تھا۔ فرعون مصر اُن کو بلا بلا کر کچھ اپنے آگے ماتھا نہیں رگڑوا تا تھا[۵۳]۔ اور نہ مُنہ سے رسمًا اپنے آپ کو خدا کہا کرتا تھا بلکہ یہی تعلق اور تعبد وہ جبری عبادت تھی جو ہزار رسمی سجدوں اور زبانی دعووں سے بڑھکر تھی۔ اِسی کے ضمن میں حسب موقع ماتھے بھی رگڑے جایا کرتے تھے۔ منتیں اور خوشامدیں بھی ہوا کرتی تھیں، جبینیں فرش زمین بن جاتی تھیں، آرام کی پروا نہ رہتی تھی، جان کو جوکھوں میں ڈالکر آقاؤں کو خوش کیا جاتا تھا۔ یہی طرز عمل بعینہ آج ہر مشرقی قوم کا

---

۵۳ لَنَا عٰبِدُوْنَ کی جمع متکلم کی ضمیر سے بھی یہی ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل صرف فرعون کے عابد نہ تھے بلکہ تمام مصری قوم کی خدمت میں لگے رہتے تھے سجدہ کرنا مراد نہیں۔

Marfat.com

الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ[۵۱]، نے عالمِ ارواح کے شاہد لم یزل پر سے نقاب اُلٹ کر، خدا اور بندوں کے درمیان آقائی اور غلامی، حاکمی اور محکومی، حُسن و عشق کے انداز پیدا کر دیئے تھے! (هُوَ مَوْلٰكُمْ[۵۲]

---

۵۱ دیکھو (۲۲: ۷۸) صفحہ ۱۰۵۔ ۵۲ ایضاً صفحہ ۱۰۵۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۹) شیوۂ عبادت ہے، اور جس فرد یا قوم کے طریق عمل میں خدائے زمین و آسمان کے بارے میں یہی شیوۂ عبادت اور یہی انداز عشق ظاہر ہو وہ "اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ" (۲۲: ۷۷) صفحہ ۱۰۵) کے الفاظ کا صحیح مصداق ہو سکتی ہے۔ عبادت کے اسی انداز عمل کو پیش نظر رکھکر اصل کتاب کی زیر بحث آیت (یعنی ۲۲: ۷۷) کے بعد "وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ" کے الفاظ آئے ہیں یعنی "اس رب زمین و آسمان کی خدمت اور اعلا میں وہ وہ کوششیں، وہ وہ حکم برداریاں، وہ وہ ایثار اور تکلیفیں اٹھاؤ جو اتنے بڑے آقا کے شایانِ شان ہوں!" عبادت کا یہی مفہوم آیہ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ (۲۶: ۲۱) میں ہی جو ہر صاحب نظر پر عیاں ہے۔

اب سوال صرف یہ رہجاتا ہے کہ اگر عبادت "یہ" ہے تو رکوع و سجود یعنی اِرْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا (۲۲: ۷۷) کے الفاظ کا صحیح مفہوم کیا ہے۔ اسکی تشریح بھی بنی اسرائیل کی عبادت کی محولہ بالا تفصیل میں ضمناً ہو گئی ہے مگر ذرا زیادہ وضاحت پیش نظر ہے۔ غرضمندی اور احتیاج، شوق انعام اور خوف سزا ہی وہ چیزیں ہیں جو ہر عبادت کی محرک اول ہیں۔ انہی کے ہوتے اطاعت خود بخود پیدا ہو جاتی ہے، پھر اطاعت کے ساتھ ساتھ رکوع و سجود کا پیدا ہونا بھی لازمی امر ہے۔ جبتک کسی منعم کے انعام کی امید لگی ہے یا اسکی سزا کا خوف باقی ہے، اسکے آگے جھکتے رہنا، اس کے پاؤں پڑنا، اسکی خوشامد اور اطاعت کرنا قطعی ہے۔ یہی رکوع و سجود کا سچا کیف حال ہے۔ اور اسی نقطۂ نظر سے رکوع و سجود اسلامی نماز کا جزو لاینفک بھی ہے۔ بیم و امید کا وجود عبادت، یعنی تعلق اور ملازمت از خود پیدا کر دیتا ہے۔ اور اسی عبادت کا ایک ادنیٰ جزو رکوع و سجود ہے۔ لیکن نماز میں رسماً ہاتھ باندھ لینا یا گھٹنوں کے بل گر پڑنا نہ عبادت ہے نہ رکوع۔ جبتک خوف و رجا کا قلبی تعلق اصالتاً موجود نہ ہو اور گردنیں رسماً نہیں بلکہ عملاً بلکہ جبراً خدا کے آگے جھکیں۔ اسی کیف کو پیش نظر رکھکر سورۂ انبیا میں ہے: وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝ (۲۱: ۹۰) یعنی "وہ لوگ ہمیں بیم و رجا سے بلایا کرتے تھے اور اسی لیئے ہماری درگاہ میں عاجز بن کر آتے تھے" قرون اولیٰ کے عرب کی یہی کیفیت دل ہم نے اصل کتاب میں ظاہر کی ہے (دیکھو صفحہ ۱۰۴) اور یہی ایمان کا جزو لاینفک ہے جو يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب سے ظاہر ہے۔ کتاب کے عربی دیباچے میں ہیں نے لفظ عبادت سے جا بجا اسکا یہی عملی مفہوم مراد لیا ہے۔

عبادت خدا کے صحیح معانی آج یہانتک مسخ ہو چکے ہیں کہ دنیا کا کوئی ایک مذہب بھی اس کے اصلی یا خدائی مفہوم پر عمل کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔ نہیں بلکہ جسقدر کوئی مذہب قدیم تر ہے اسیقدر اسکی عبادت ایک لفظی اور رسمی، بے نتیجہ اور بے معنی شے بن گئی ہے حتیٰ کہ اسکی نماز کے بقیہ آثار بھی مرور مدت کے باعث قطعاً بے حقیقت اور مضحکہ خیز بن گئے ہیں۔ وحشی اقوام میں جنکے مذہبی محسوسات متمدن اقوام کے معتقدات باقیہ سے نسبتہً قدیم تر ہیں، نماز یا عبادت کا کوئی مستقل تخیل حتماً باقی نہیں رہا۔ افریقہ اور آسٹریلیا کی بعض وحشی قومیں بظاہر اس کلیے سے مستثنیٰ نظر آتی ہیں مگر ان میں بھی نماز کا تخیل کسی مٹی کے بت کے گرداگرد ناچنے یا بآواز بلند نام پکارنے تک محدود ہے اگرچہ خدمت جن (عبادت) کے خیال سے قبروں کے اندر آگ جلانا اور پانی، میوے، اور ہتیاروں کے چڑھاوے چڑھانا بھی کہیں کہیں مروج ہے۔ ہندوؤں میں عبادت خدا کسی دیوی کی مورتی پر پھول چڑھانے یا خوراک اور مال کی قربانیاں کرنیکے مترادف ہے۔ نماز کا تخیل انکے ہاں بگڑتے بگڑتے صرف اشنان کرنے، قشقہ لگانے، ماتھا ٹیکنے، ہاتھ جوڑنے اور مندروں کے اندر گھنٹے بجانے تک رہ گیا ہے۔ بدھ مذہب جسکی عبادت اور صلوٰۃ کے تخیل میں آج کوئی مابہ الامتیاز قائم نہیں رہا۔ اور جو خود کسی زمانے میں آریہ مت کی اصلاح کے لیئے آیا تھا، اسی انقلاب کا شکار ہو چکا ہے۔ اسکی نماز آج صرف ایک چرخ کے گھمانے پر ختم ہے! جسقدر چکر چرخ کو دیئے جاتے ہیں اسیقدر زیادہ موثر یا بہتر نماز ہو جاتی ہے حتیٰ کہ بڑے بڑے ہیکلوں میں اس چرخ عظیم کو گھمانے کے لیئے آبی کلیں اور بن چکیاں استعمال ہوتی ہیں! خود عرب اور اہالی مکہ کا قدیم

Marfat.com

دِلوں میں ارادت کے اُسی کارکن جوشش کی خوش آیند خلش، اور سینوں میں تعلّق کے اُسی غرضمند شوق کی دل آویز لگن رہا کرتی تھی۔ مومنوں کے توجّہ طلب اور رشک آشنا قلوب میں، شاہدِ معنیٰ کی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۰) اب ایسی مذہب خدائے ذوالجلال کی عملی عبودیّت اور اس کے احکام کی سرفروشانہ اطاعت سے ہٹتے ہٹتے اسقدر لغو اور بے معنی شئے بن گیا تھا کہ خانہ کعبہ کی نماز صرف سیٹیاں اور تالیاں بجانا ہو گئی تھی۔ سورۃ انفال میں وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ (۸: ۳۵) کا اشارہ اسی لایعنی 'نماز' کی طرف ہے اور بصراحت تمام کہہ دیا ہے کہ نماز کی ایسی کیفیت کو مسخ کر دینا کفر اور ہلاکت کے مترادف تھا۔ یہود و نصاریٰ کے مذہبی حلقوں میں عبادت اور نماز اصلاً اور عملاً ایک ہی شئے سمجھی جاتی ہیں، اور زیادہ تر گیت گانے، ارغنون بجانے، یا حد سے حد وعظ سننے اور تسبیح پھیرنے' یا توراۃ و انجیل کے ترجموں کی رواں تلاوت کرنے پر مشتمل ہیں۔ اگرچہ عبادت 'یعنی خدمتِ خدا کا اظہار ہیکلوں اور کلیساؤں میں خوشبودار چیزیں جلا جلا کر، شمعوں کو قربانگاہ کے گرداگرد روشن کرکے، یا اسقفوں کی مقرر کردہ رسوم کو بصحت تمام ادا کرکے کر دیا جاتا ہے۔ اسلام کے اندر اگرچہ نماز کی ظاہری شکل و صورت میں اسکے جدید ترین مذہب ہونے کے باعث (فرقہ بند لوگوں کے جزوی اختلاف سے قطع نظر) قابلِ ذکر تبدیلی پیدا نہیں ہوئی مگر اسکے مقاصد و اغراض اسقدر نسیاً منسیّاً ہو چکے ہیں کہ 'الصّلوٰۃ' اب صرف ایک رسمی اُٹھک بیٹھک کا نام رہ گیا ہے جو ہر نماز گذار نہایت صحت اور التزام سے ادا کر دیتا ہے اور اسی کو 'خدمتِ خدا' کا جزوِ اعظم شمار کرتا ہے۔ گویا جہاں خدمتِ نفس اور عبادتِ حکام، تعلقِ اولاد اور تعبّدِ مال و جاہ میں دن رات ایک کر دیئے جاتے ہیں وہاں خدمتِ خدا کے لیئے یہی دو ایک سجدے کر دینا 'کارِ عظیم اور بارِ گراں' بن چکا ہے۔ بیم و رجا کا کثیف دلوں سے محو ہو کر خدا پر احسان و امتنان کی صورت پیدا کر گیا ہے۔ ارضی حاکموں اور نفسانی بتوں کی عملی عبادت دلگاہِ خدا میں خشوع کو حتماً بیدخل کر چکی ہے، اور اسی لیئے یہ پنجوقتہ بیگار طبعاً بڑی معلوم ہو رہی ہے۔ لیکن جب خوف کے مستحق، اور رجا کے سزاوار ارضی خدا بن چکے ہوں تو ربِّ زمین و آسمان سے استعانت کی ضرورت کیوں باقی رہے اور سچا خشوع و خضوع کیونکر پیدا ہو! سورۂ بقرہ میں ہے

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ۝ (۲: ۴۵)

اے لوگو! اپنی مشکلات اور مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیئے استقلال سے طلبِ اعانت کیا کرو اور ساتھ ساتھ نماز میں کھڑے ہو کر خدا کے حضور میں بھی گڑگڑاؤ کہ اصلی حلّالِ مشکلات اور مسبب الاسباب وہی ہے اور یہ نماز تو ان لوگوں کے سوا جن کا تمام تعلق ہم سے وابستہ ہو چکا ہے (الخٰشعین) جن کا سب بیم و رجا ہم ہی سے ہے (الخٰشعین' دیکھو آیہ (۱۲: ۹۰) جو اوپر گذر چکی ہے) جو ہم ہی کو منعم اور ہم ہی کو مذل قرار دیتے ہیں اور اسی لیئے ہمارے ہی آگے عاجزیاں کرتے ہیں (الخٰشعین)، باقی سب کے نزدیک ایک بیگار ہی بیگار ہے!

اسلامی مذہبی حلقوں میں 'نماز' اب صرف الفاظ کو صحت اور خوش الحانی سے دہرانے کا نام رہ گیا ہے، مطالب سے کوئی غرض یا بحث باقی نہیں رہی، پیش امام کی ساری توجہ اسی میں ہے کہ قرأت درست ہو، صفیں سیدھی ہوں، ارکان صحیح طور پر ادا ہوں، قرآن کا کوئی ٹکڑا حسبِ حال یا نا حسبِ حال ہر قومے میں چلا دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ مقتدی کا اکثر اہتمام بھی انہی سطحی باتوں میں صرف ہوتا ہے۔ اسی لیئے نماز کے ادا کرنے میں ایک تکلّف اور آورد پیدا ہو گئی ہے جو اسکی اصلی غایت بلکہ صورت کو بھی آہستہ آہستہ مسخ کر رہی ہے۔ اور کچھ عجب نہیں کہ آیندہ ہزار دو ہزار برس بلکہ اس سے بھی کم مدت میں اسلامی نماز اہلِ چین کے چرخ کی مانند مضحکہ انگیز بنجائے۔ اور جس طرح آج کسی سے قرآن اور درود پڑھوا کر یا بالوساطت رقعہ رکھوا کر ثواب حاصل کرنا مرسوم ہو گیا ہے اسی طرح رفتہ رفتہ نماز کو ادا کرنے والے پیشہ ور اصحاب بھی مقرر ہو جائیں جو اجر کے خیال سے اسکو کسی منجنیقی ترکیب سے جلد جلد ادا کرنے کی کوئی آسان سبیل نکال لیں۔ اب بھی موسیقی عنصر اور قطرتی اسلوب نماز میں اسقدر نمایاں ہو چکا ہے کہ جہاں کسی ادنیٰ سے ادنیٰ دنیاوی حاکم کے روبرو جا کر دم خشک ہو جاتا ہے، ملاقات سے پہلے ہونٹوں پر پپڑیاں جم جاتی ہیں، بدن میں کپکپیاں اور چہروں پر زردی چھا جاتی ہے، اور فرطِ رعب کے مارے منہ سے الفاظ تک نہیں نکلتے، وہاں مالکِ زمین و آسمان

Marfat.com

نگاہوں کی غلط اندازیاں، اور لب جاں بخش کے تبسم کی غیر نوازیاں خلجان عظیم پیدا کر دیتی تھیں! وہ خدا کی دامن درازی کے بالمقابل اپنے دست نارسا کو دیکھکر اور بھی سعی و عمل کرتے اور انتخاب خدا کا

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۱) اور خالق شمس و قمر کے حضور میں جاکر ترنم پیدا ہو جاتا ہے! پروا تک نہیں رہتی کہ کس کی جناب میں کھڑے ہیں، کیا مانگ رہے ہیں، کیوں مانگ رہے ہیں، کیوں گھٹنوں کے بل گر رہے ہیں، کیوں سجدے کر رہے ہیں، کیوں ٹھوڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ پیش امام کا سارا زور اسمیں صرف ہوتا ہے کہ نماز بلند سے بلند آواز میں ادا ہو، مقتدی سب کے سب اس کے ترنم کو سن سکیں اور مسجد سے بے اختیار واہ واہ کرتے نکل جائیں۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ایک الٰہی ارشاد ہی جو بجائے خود اس امر کی دلیل ہی کہ آجکل کی ترنم والی نماز قرون اولی کی نماز نہیں ہے!

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۚ وَ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا وَ ابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ۝ (۱۷: ۱۱۰)

اے محمدؐ! ان مجاز بیںنوں کو کہہ دو کہ خدا کو "اللہ" کہہ کر گڑگڑاؤ، یا "رحمٰن" کہکر بلبلا اٹھو جس نام سے بھی پکارو گے تو اسکے سب نام اچھے ہی ہیں (مقصود صرف تکیف دل ہے، باطنی خوف ہی، اسکی جناب میں سچی عاجزی ہے، دل کو ہلا دینے والا خشوع و خضوع ہے، اور پھر اس خشوع و خضوع کے بعد باقی اوقات میں کیف طاعت ہی)۔ اسکے لیئے نام کی کوئی تخصیص نہیں اور نہ نام لے کر پکارنے سے تمہارے حال دل کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ ہاں البتہ اپنی نماز میں اتنا ظاہری ادب ضرور ملحوظ رکھو کہ اسکو چلا چلا کر مت پڑھو اور بالکل چپکے ہو کر پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ ان دونوں کے بیچ بیچ ایک متوسط طریقہ اختیار کر لو (جانتے رہو کہ تم کس کے حضور میں کھڑے ہو، اور وہ کتنا بڑا بادشاہ ہے۔ یہ ظاہری ادب بھی کیف دل پیدا کرنے کے لیئے ازبس ضروری ہے۔ اگرچہ خدا سب باتوں سے بے نیاز ہے)۔

نماز کے موجودہ رنگ سے صرف نظر کر کے پھر اگر دوسری مرسوم عبادات کی کنہ و ماہیت کیطرف نظر دوڑائی جائے تو لامحالہ کہنا پڑتا ہی کہ انکی غرض و غایت میں بھی مرور مدت کے باعث بے انتہا تصرف ہو چکا ہے۔ صوم، زکوٰۃ، حج وغیرہ وغیرہ سب کے سب معما ہل چکے ہیں۔ تسبیح کا تخیل مسلمانوں نے قطعًا نصرانیوں اور یہودی راہبوں سے لیا ہے۔ اگرچہ تسبیح ہندوؤں اور بدھ کے معتقدوں میں بھی مدت مدید سے جاری ہے۔ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تمام عمر میں تسبیح کا استعمال کا "یتہً" نہیں کیا۔ اور اگرچہ عبادت خدا کا یہ مضحکہ انگیز ہتھیار آپنے ضرور کہیں نہ کہیں دیکھا ہوگا مگر اسکے استعمال کے متعلق آپکے ارشاد کا ایک حرف کہیں موجود نہیں۔ اسوۂ حسنہ پر چلنے والے مسلمانوں نے آج زہد و اتقا کا تمام ساز و سامان اسی چار گرہ دھاگے کے اندر دیکھ لیا ہی، اور اس خدائے عظیم کے کپکپا دینے والے اسماء کو ادھر ادھر کر کے نتیجہ اور بے اثر کر دینا اس قدر آسان سمجھ لیا ہے کہ ہر کس و ناکس اسکو ہاتھ میں لیکر مسلمان ہونے کی سند حاصل کر لیتا ہے اگرچہ در پردہ وہ قوم کی بیخ کنی کے منصوبے سوچ سوچ کر امت کو تباہی کے کنارے پر لگا رہا ہو۔ مگر یہ نازک موضوع اس قابل نہیں کہ کتاب کے ابتدائی حصے میں اسکے مالہٗ و ما علیہ پر مدلل بحث کی جا سکے۔

محولہ بالا بحث و تمحیص سے کم از کم یہ ظاہر ہے کہ اسلام میں عبادت کے معانی احکام خدا کی پیہم تعمیل کرنا ہی ہے کوئی انسان کی بنائی ہوئی لغت اسکے صحیح مفہوم کو حتمًا ادا نہیں کر سکتی۔ اور جسطرح کسی آقا کی ملازمت میں وقت کی تخصیص نہیں ہوتی اسیطرح عبادت بھی وقت سے حتمًا بے نیاز ہی۔ "الصلوٰۃ" صرف ایک پنجوقتہ حاضری اور سلام سلام ہے جو ہر وفادار اور حکمبردار، مسلم اور مطیع غلام کے لیئے روزانہ خدمت کے بعد ضروری ہی لیکن بجائے خود عبادت نہیں۔ اسی لیئے قرآن میں بارہا "صلوٰۃ" کے لفظ کو عبادت سے علیحدہ کر دکھایا ہے۔ اور اسی تعبد کا اقرار نماز میں ہاتھ باندھکر ہوتا ہی: اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝ (۱: ۴) یعنی "اے خدا! ہم تیرے ہی غلام بنیں گے اور تجھ ہی سے مشکلات میں مدد مانگیں گے" ورنہ "نعبد" کے معانی "ہم تیری ہی نماز پڑھتے ہیں" لے لینا بے معنی ہے کیونکہ نماز تو اسی کی پڑھی جا رہی ہے پھر اسکا اقرار لغو ہے۔ خدا کی "خدمت" صرف یہی ہے کہ اسکے بتائے ہوئے احکام عملًا مانے جائیں۔ اس سے زیادہ یا کم کچھ نہیں۔ آگے چلکر اصل کتاب میں بتایا جائیگا کہ یہ فرمان برداری بھی انسان کے اپنے ہی نفع کے لیئے ہے، خدا اس خدمت سے قطعًا بے نیاز ہے۔ گویا یہ خدمت بھی عجب خدمت ہی جو غلام کی اپنی ہی بہتری کے لیئے ہے۔

(باقی)

حق ادا کرنے میں کچھ کسر اُٹھا نہ رکھتے (ھُوَ اجْتَبٰكُمْ[۷۵])۔ تسلیم اُن کا واحد شیوۂ عمل، اور اطاعت اُن کا اہم طریق کار تھا (ھُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ[۷۶])۔ بڑی سے بڑی مصیبت، اور مشکل سے مشکل خدمت اُن کے چہروں پر ملال اور ماتھوں پر بل نہ آنے دیتی (وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ[۷۷])۔ منعم بے مثال کے یہ خوشدل مزدور، اور ملّتِ ابراھیم کے یہ سچے پیرو، اپنی بہتری اور فلاح کی خاطر پسندیدۂ خدا کاموں کیطرف لپک لپک کر پہونچتے اور ایک عالم کو محوِ وسرشار کر دیتے (وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ[۷۸])۔ خدائے بے نیاز کی جناب میں اُنکے رکوع وسجود کسی غمزدہ اور بے نوا انسان کی نگاہ عاطفت کی پیہم دعا، اور بے محابا کرم کے سوال بن بن کر ظاہر ہوتے تھے نمازوں اور دعاؤں میں اُنکے قومے اور قعدے ہولِ جاہ اور رعبِ جلال کی مضطربانہ حرکات، اور عجز و بے بسی کے ترحم انگیز اور اضطراری اعمال بن گئے تھے! بارگاہ خدا میں اُنکا دست بستہ

---

[۷۵] دیکھو (۲۲: ۷۸) صفحہ ۱۰۵۔ [۷۶] ایضاً صفحہ ۱۰۵۔ [۷۷] ایضاً صفحہ ۱۰۵۔ [۷۸] دیکھو (۲۲: ۷۷) صفحہ ۱۰۵۔

(تتمۂ حاشیہ ملحقہ صفحہ ۱۱۲) عبادت کا یہ اصلی اور نتیجہ خیز مفہوم سنسکرت کے مشہور لفظ سیوا (خدمت) اور انگریزی کی کلیسائی اصطلاح سروس (ملازمت) سے ظاہر ہے گرچہ آج کوئی شخص انکو ان معانی میں نہیں لیتا۔

مذکورۂ صدر بحث وتمحیص سے بہر نوع یہ ظاہر ہے کہ ارْكَعُوْا، اور اسْجُدُوْا، اور اعْبُدُوْا، کے الفاظ قرآن حکیم میں اپنے اصلی معانی استعمال ہوئے ہیں، ان سے مقصود خدا کی ملازمت بعینہٖ انہی معنوں میں اختیار کرنا ہے جن معنوں میں کسی نیاوی حاکم کا تعبّد اختیار کیا جاتا ہے، رسمی سلام سلام اور پنجوقتہ نماز اُس ملازمت کا صرف ایک جزو خفیف ہے۔ اس چاکری کا حصۂ عظمیٰ عمل ہے، اطاعتِ احکامِ خدا ہے، تسلیم و انقیاد ہے، جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ہے۔ اسکے سوا اسکا کچھ نہیں ہے جو سطحی غلاف عبادت کے صحیح مفہوم پر انسان کی سہل پسندی اور کاہلی کی مجبوری کے باعث پڑگیا ہے خود لوگوں نے ڈالا ہے، قرآن کے محفوظ اور ناقابلِ بدل کلام کو اُس سے کچھ واسطہ نہیں عبادت کے معانی خود کلام کے اندر موجود مضمون میں کوئی لغت انکو ابدالآباد تک بدل نہیں سکتی قرآن میں جہاں عبادت کا لفظ واقع ہوا ہے اسکی آخری غرض و غایت یہی ہے جیسا کہ آئندہ اوراق میں ظاہر ہوگا۔

✠ اگرچہ شارحین قرآن نے عام طور پر اس خاص مطلب فقرے کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ "خدا نے مسلمانوں پر دین کے بارے میں کوئی تنگی روا نہیں رکھی" اور اپنے حسب مطلب معانی پیدا کر کے مسلمانوں کیلئے (اور سب سے پہلے اپنے نفس کیلئے) سعی وعمل سے گریز کرنے کی ایک عمدہ سبیل نکال لی ہے لیکن اگر ذرا تامل سے کام لیا جائے تو ان الفاظ کے یہ معانی ہرگز نہیں ہو سکتے۔ خود انہی آیات (یعنی (۲۲: ۷۷، ۷۸)) اور اُنسے جو آگے چلکر پیش کر دی گئی ظاہر ہے کہ ایمان کی شرط خدا کی راہ میں سخت سے سخت مصائب کا سامنا کرنا ہے۔ یہی بات وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (۲۲: ۷۸) سے ظاہر ہے۔ پھر خدا کیونکر کہہ سکتا ہے کہ تمہارے لئے دین اسلام میں ہم نے کوئی مذہبی تنگی بھی نہیں رکھی حالانکہ ایمان کی شرط وحید یہ ہے کہ اُسکی راہ میں جان تک سے دریغ نہ کرو۔ دراصل تمام خطاب اُن اہل عرب کیطرف ہے جو رسولؐ کے زمانے میں اپنی انتہائی سعی وعمل سے شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ بن چکے تھے، اور انہی کارکن لوگوں کی بابت خدا نے فرمایا کہ تم ہی صحیح معنوں میں مسلم ہو، تم ہی خدا کو درحقیقت خدا تسلیم کرتے ہو، تم ہی ابراہیم کے سچے پیرو ہو، تم ہی میری منتخب اُمت ہو، اور تم ہی خدا کے وہ سچے غلام ہو کہ خدا کا مشکل سے مشکل اور صبر آزما سے صبر آزما حکم تم کو تنگ نہیں کرتا، تم ہی مستقل مزاج اور تکلیف بردار، وہ اولوالعزم اور صابر لوگ ہو کہ خدا کی کوئی خدمت بھی تمہارے ماتھوں پر شکن نہیں پڑنے دیتی (عَلَيْكُمْ پر اور ان آیات میں جہاں جہاں لفظ کُمْ ہے ان سب پر غور کرو۔ روئے خطاب صرف قرون اولیٰ کے مسلمانوں کیطرف ہے یا اُن کیطرف جو اُن جیسے کارکن ہیں۔ اُنہی کے لئے خدا نِعْمَ الْمَوْلٰى اور نِعْمَ النَّصِيْرُ بھی ہے نہ آجکل کے برائے نام مسلمانوں کا جن کو وہ دردناک سزائیں دے رہا ہے!

Marfat.com

قیام کسی نیازمند دل کے طبعی اضطراب کی سکوت افزا دھڑک، اور غرضمند انسان کی بے تابیٔ دل کی ادب آموز دبک بن بن کر ظاہر ہوتا تھا (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا۱ھ)۔ اُن کا ایمان اُنکے اعمال کا صحیح عکس، اور اُن کے سجدے اُنکی **اطاعت** کی صحیح تصویر تھے! خداوندِ عالم کی یہی وہ سچّی عبادت اور وہ ناقابلِ انکار شہادت تھی جسنے ایک اقل قلیل مدّت میں اہل عرب کو روئے زمین کی اُمّتوں کا مرکز بنا دیا تھا! (۲: ۱۴۳ ۲ھ)۔ عشق و عمل کے اِسی نقطۂ وحید سے خدائے واحد کی محبّت کے آتش افشاں فوّارے، اور نورِ ایمان کے آسمان سپر شعلے پھوٹ پھوٹ کر اکناف عالم میں پھیل گئے تھے! یہی وہ برگزیدہ اور منتخب اُمّت تھی جسکے دعوئے محبّت کو آزمانیکے لیے شاہدِ امتحان طلب نے قوم کے ہر فرد پر **جہاد بالسیف** فرض کر کے مُدّعیٔ ایمان کی جان کو عشقِ خدا کے بیباکانہ جُرم کا خونبہا تجویز کیا تھا، اور پھر وہ اس نعم المولےٰ اور مُنعم لم یزل کی حیرت انگیز حیلہ جوئی اور حکمت آمیز بہانہ طلبی تھی جو اس سر فروشانہ تہوّر کے انعام میں مومنوں کو ہر موقع پر عطا فرما کر چند برسوں کے اندر ہی اندر روئے زمین کے بڑے سے بڑے حصّے کی بادشاہت بخش دی تھی! (فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ۳ھ)

به تمنائے تو ترکِ دو جہاں کردو لی
مہربانیِ تو ہم درخورِ آں می بایست

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ۝ (۸: ۷۴)

۱ھ دیکھو (۲۲: ۷۷) صفحہ ۱۰۵ ۲ھ دیکھو صفحہ ۱۰۵۔ ۳ھ دیکھو (۲۲: ۷۸) صفحہ ۱۰۵۔

† "الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا" کی شرائط جو اس آیۂ شریفہ میں بیان کی گئی ہیں نہایت غور طلب ہیں۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے مقابلہ ہجرت اور جہاد اور نصرت باہمی کی شرائط پیش کردینے کا مطلب یہی ہے کہ ایمان کا مُنہ سے اقرار کرلینا محض کچھ شے نہیں جبتک کہ اُس زبانی اقرار کی تصدیق عمل سے نہ ہو۔ چنانچہ سورۂ عنکبوت کے شروع میں یہی تو کید ہے (بلکہ یہی بات آیہ (۴۹: ۱۵) سے ظاہر ہے جو صفحہ ۱۱۵ کے متن میں ہے):

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ

کیا لوگوں نے اپنے دل میں یہ سمجھ رکھا ہے کہ زبان سے صرف اتنا کہنے پر چھوٹ جائینگے کہ ایمان لے آئے اور اُن کا امتحان نہ لیا جائیگا۔ حالانکہ اُنکو اس بات کا خوب علم ہو کہ ہم نے اُن لوگوں کی آزمایش بھی ازروئے عمل کی تھی جو اِن سے پہلے ہو گذرے ہیں۔ تو یاد رکھو کہ خدا ان لوگوں کو ضرور معلوم کر کے رہیگا جو اپنے یقین کی بذریعہ عمل تصدیق کرنے والے ہیں (الَّذِیْنَ صَدَقُوْا) اور اُن کا بھی پول کھول دیگا جو منہ سے بکواس کرتے ہیں اور دل سے جھٹلاتے ہیں (الْكٰذِبِیْنَ)۔ صَدَقُوْا کے دیکھو...

اور جن لوگوں نے خدا کو مولا مان کر اسکا آوازہ بلند کرنے کی خاطر ہجرتِ وطن اختیار کی، اور اُس کی راہ میں دشمنوں سے لڑے، اور جنہوں نے ہجرت کرنے والوں کو پناہ دی، اور حصولِ مقصد میں اُن کی حتی الامکان مدد کی، تو یہی لوگ سچے ایمان والے ہیں! ان کے لیئے میرے ہاں سے اُنکی تقصیروں اور گذشتہ واماندگیوں پر پردہ پوشی ہے، اور علاوہ ازیں بالآخر عزّت و آبرو کی روزی۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ○ (۴۹ : ۱۵)

سچے ایمان والے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے خدا کو فی الحقیقت اپنا آقا سمجھا (اٰمَنُوا بِاللّٰهِ)، اور رسول کو صدقِ دل سے اُسکا بھیجا ہوا پیغامبر جانا، اور پھر اسکے بعد خدا کی آقائی اور رسول کی صداقت میں کسی طرح کا شک و شبہ نہ کیا۔ اور اس قلبی ایمان کی تائید میں اپنے جان و مال سے خدا کا بول بالا کرنے کی خاطر دشمنوں سے لڑے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے یقین کی بذریعہ عمل تصدیق کرنے والے، اور اپنے ایمان کو سچ کر دکھانے والے ہیں۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِندَ اللَّهِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ○ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ[٭] لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ○ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ○ (۹ : ۲۰ - ۲۲)

٭ 'جنّٰت' کا ترجمہ ہم نے باغات اور سرسبز زمینیں کر دیا ہے۔ یہاں اس بحث کو طول دینا مناسب نہیں۔ قرآن حکیم میں 'جنّٰت' اور 'الجنّة' دو مختلف اصطلاحیں ہیں جنکا مفہوم بھی لامحالہ مختلف ہونا چاہیئے۔ 'جنّٰت' اور 'الجنّة' میں فرق، اور اول الذکر کا قرآنی مفہوم تیسری مجلد میں عیاں کر دیا جائیگا۔ اگرچہ 'الجنّة' کی حقیقت پر بحث چھٹی مجلد سے پہلے مکمل نہ ہو سکے گی۔ یہاں صرف اسقدر لکھ دینا کافی ہے کہ قرآن کریم میں 'جنّٰت' کا لفظ کئی موقعوں پر بصراحت تمام زمینی باغات کے لیئے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً سورہ رعد میں ہے: وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ (۱۳ : ۴)۔ "اور زمین میں پاس پاس کئی قطعے ہوتے ہیں اور انگور کے باغات اور کھیتی اور کھجور کے درخت"۔ سورہ ق میں ہے: وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا فَأَنبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ (۵۰ : ۹)۔ "اور ہم نے ہی آسمان سے برکت دینے والا مینہ اتارا پھر اُسکے ذریعے سے باغ اگائے اور کھیتی کا اناج"۔ سورہ مومنون میں پھر اسی بارِ مبارک کے بارے میں ہے: فَأَنشَأْنَا لَكُم بِهِ جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ (۲۳ : ۱۹) یعنی "ہم نے اس پانی کے ذریعے سے تمہارے لیئے کھجور اور انگور کے باغ اگائے"۔ سورہ یٰس میں علیٰ ہذا القیاس یہی مضمون ہے: وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ (۳۶ : ۳۴)۔ "اور ہم نے اس زمین میں کھجور اور انگور کے باغات پیدا کیئے اور اُس میں پانی کے چشمے بہائے"۔ سورہ انعام میں ہے: وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ (۶ : ۱۴۲)۔ "اور وہی قادرِ مطلق تو ہے جس نے باغ پیدا کیئے جن میں سے بعض کی بیلیں منڈھے چڑھتی ہیں اور بعض سطح زمین پر رینگتی رہتی ہیں اور کھجور کے درخت اور کھیتی"۔ اسی سورۃ میں ہے: وَجَنَّاتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ (۶ : ۱۰۰)۔ "اور انگور اور زیتون اور انار کے باغات"۔

ان مثالوں کے علاوہ جن سے 'جنّٰت' کا زمینی باغات ہونا اظہر من الشمس ہے قرآن میں ایک اور قطع کی مثالیں موجود ہیں جنمیں 'جنّٰت' کا

جو لوگ خدا کے خدا ہونے پر ایمان لے آئے، اور جنہوں نے اس کی حمایت میں اپنے دیس چھوڑے اور اپنے مال و جان سے اسکی لڑائیاں لڑیں، اُن کا اللہ کے ہاں سب سے بڑا درجہ ہے! اور یہی وہ لوگ ہیں جو اس دنیا میں بھی فائز المرام ہوں گے۔ انکا پروردگار انہیں اپنی رحمت اور خوشنودی کی بشارت دیتا ہے اور نیز اُن باغوں (جنّت) اور سرسبز سینوں کی حکومت کی جن میں اُنکو دائمی نعمتیں اور آسائشیں حاصل ہونگی۔ وہ ہمیں سدا سدا رہیں گے۔ اے لوگو! بیشک ایسے لوگوں کیلئے خدا کے پاس اجرِ عظیم ہے۔

الغرض اللہ العالمین کی نگاہ میں ایمان اور محبت خدا کا صحیح معیار انسان کا اُسکی راہ میں مصائب کا پیہم مقابلہ کرنا، اور دشمن کے بالمقابل جان و مال پر کھیل جانا ہی تھا۔ ترک اقربا، ترک اولاد، ترک خان و مان، ترک وطن، ایثار مال، ایثار نفس، ایثار جان ہی وہ انتہائی پیشکش تھے جو ربّ بے نیاز نے ایمان کی متاع بے بہا کے بدلے بطور قیمت مقرر کر دیئے تھے۔ (اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا[۱]) - انہی کی موجودگی میں محبت خدا

---

[۱] دیکھو (۸ : ۴، ۷) صفحہ ۱۱۴۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۵) مطلب بادشاہت زمین ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً سورۃ الشعراء میں فرعون کو بادشاہت مصر سے محروم کرنے کے متعلق ہے: فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ كَذٰلِكَ ۚ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ (۲۶: ۵۷-۵۹) یعنی پھر ہم نے فرعون کی قوم کو باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عزت کی جگہ سے نکال باہر کیا، اُن کی عظمت یوں خاک میں ملا دی اور بالآخر بنی اسرائیل کو ان نعمہائے الٰہی کا وارث بنایا" سورۃ دخان میں پھر انہی فرعونیوں کی بابت ہے: كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ ۚ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ (۴۴: ۲۵-۲۸) یعنی ان لوگوں کو کتنے ہی عالیشان باغات اور نہریں اور کھیتیاں اور عمدہ مقامات چھوڑنے پڑے، اور کیسی کیسی آرام دہ نعمتوں کو خیرباد کہنا پڑا جن میں مزے اُڑایا کرتے تھے۔ ہاں ان نا اہلوں کی سزا یہی ہونی تھی۔ اور ہم نے یہ بدلہ لیا کہ اس تمام ساز و سامان کا دوسروں کو وارث بنا دیا" سورۂ شعراء میں موت و شکست کو دعوت دینے والی قوم ثمود کے بارے میں ہے: اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ (۲۶: ۱۴۶-۱۴۸) "تو کیا تم لوگ اس زعم باطل میں ہو کہ ان باغات اور نہروں میں بے روک ٹوک امن و امان سے چھوڑ دیئے جاؤ گے"۔ اسی سورۃ میں قوم عاد کی طرف خطاب ہے: وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ (۲۶: ۱۳۲-۱۳۴) "اور لوگو! اس احکم الحاکمین کی سزا سے بچو اور اس سے خوف کھاؤ جس نے تمہاری مدد ان چیزوں سے کی جو تم کو خوب معلوم ہیں۔ تم کو مال مویشی اور اولاد کی کثرت سے مدد دی، باغوں اور نہروں کا تم کو حکمران کیا وغیرہ وغیرہ"۔

تعجب ہے کہ ان حیرت انگیز شہادتوں کے باوجود شارحین قرآن اور عام مسلمانوں نے جنّت کے معانی آخرت کے جنّت کے لیئے ہیں اور بادشاہت زمین کے نصب العین کو جو اسلام اس دنیا پر لایا تھا آنکھوں سے یکسر اُچک لیا ہے مگر مسلمانوں کی نیت بدل جانے سے کلام الٰہی کے معانی نہیں بدل سکتے، وہ وہی ہیں جو قادر مطلق کے علم میں اُس وقت تھے جس وقت قرآن حکیم وحی کیا گیا تھا، امت کے اتفاق اور مفسرین کے اجماع کا اُن پر ہرگز کچھ اثر نہیں۔ اگرچہ بحث جستہ جستہ کتاب کے متن میں آگے چلکر آئے گی۔ آیات زیر بحث (یعنی (۹: ۲۰-۲۲) صفحہ ۱۱۵) میں خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا کے الفاظ بظاہر جنّت کے ان معانی کے مخالف نظر آتے ہیں مگر جب مومن کی دنیا اور دین دونوں درست ہیں (جیسا کہ آگے چلکر واضح ہوگا) اور اُخروی انعام دنیاوی نعمتوں کے تسلسل ہی میں ہے تو خٰلِدِيْنَ اور اَبَدًا کے الفاظ نہ صرف موافق بلکہ نہایت موزوں ہیں ورنہ مطالب کے مبہم ہو جانے کا امکان ہے۔

Marfat.com

کی وہ عملی تثبیت، یقینِ رب کا وہ علمی ثبوت، اور عبودیت کی وہ ناقابلِ انکار تصدیق ہوتی تھی جس سے بڑھکر کم نوا اور فرومایہ انسان کے پاس کوئی تصدیق نہیں، کوئی ثبوت ممکن نہیں، (اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ†)۔ یہی وہ قربانیاں تھیں جو اس حاکمِ اعلیٰ کی ملازمت میں کر دینا سچی ارادت، سچے تعبّد اور سچے ایمان کی قطعی دلیل تھا، وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط (۲: ۱۶۵)[1]۔ یہی عبادت کا صحیح مفہوم، بلکہ رکوع و سجود کی صحیح منطق تھی۔ خدا کی بندگی یہی تھی کہ کسی کمتر اور کہتر خواجہ کی غلامی نہ ہو، اُسکی محبت کے بالمقابل کسی شئے کو ترجیح نہ ہو، وطن کا غم نہ ہو، اولاد کی عبادت نہ ہو، مال کی غلامی نہ ہو، نفس کا تعبّد اور جان کی پروا نہ ہو، نماز میں سچی شانِ اطاعت، اور اعمال میں رنگِ سجود کا ظہور ہو۔ یہی شدتِ محبت اور غلبۂ عشق قرنِ اول کا اصل ایمان تھا، اور یہی ہر دنیاوی حاکم کی عبادت کا صحیح پیش نہاد آج بھی ہے۔ اسی سبیلِ خدا، اور ایمان کے صلے میں مغفرت تھی، رزقِ کریم تھا (۸: ۷۴) رحمت کی نوید امن اور رضائے ربُّ العرش کی بشارت تھی، جنّتں تھے، قائم اور دائم نعمتیں تھیں، اجرِ عظیم تھا، فوزِ جلیل تھا، (اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۞)۔ خدائے بے نیاز کی خدائی پر سچا ایمان، اور رضائے احکم الحاکمین کا سچا عشق آجکل کے لفظی اور نظری، سطحی اور ناکارہ ایمان کی غیر ثابت کسی بے روح و بے حقیقت "اقرار باللسان" یا کسی بے نتیجہ اور غیر مرئی "تصدیق بالقلب" سے ہی کسطرح رو براہ ہو سکتا تھا، اس سے عہدہ برآ ہونیکے لیۓ سعی و عمل کی مستقل خلش، رنج و محن کی صبر گسل ابتلا، تکلیف و مصائب کی پیہم برداشت، اور ظلالِ سیوف کی عمل پرور آزمایش لازم تھی! وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰھِدِیْنَ

---

[1] دیکھو (۴۹: ۱۵) صفحہ ۱۱۵ سطر ۵ اور جن لوگوں نے خدا کو حاکمِ اعلیٰ مان لیا اُن کی محبت اور ارادت خدا سے بہت شدید ہے۔ اور سب سے پہلے یاد ہے (گویا ایمان کی شرط یہ ہے کہ سب سے گہرا تعلق خدا سے ہو۔ سب سے زیادہ ملازمت اُسیکی ہو، اُسی کے حکموں کی اطاعت ہو وغیرہ وغیرہ) ص۳ دیکھو (۲: ۱۹) صفحہ ۱۱۵

† 'صٰدِق' کا لفظ بالالتزام قرآن کریم میں اُس شخص کے لیۓ استعمال ہوا ہے جو اپنے قول و ایمان کو فعل و عمل سے سچ کر دکھائے۔ آجکل 'صادق' کے معانی میں کچھ تحریف واقع ہو چکی ہے، اور معمولی سچ بولنے والے کو بھی صادق ہی کہتے ہیں۔ 'صدیق' مبالغے کا صیغہ ہے اور یہ لقب حضرت ابوبکرؓ کو لا محالہ اسی بنا پر ملا تھا کہ وہ اپنے قول کو عمل سے سچ کر دکھاتے تھے۔ 'صدقۃ' کی اصطلاح کا قربانیٔ مال کے معنوں میں ہونیکی بھی یہی وجہ ہے کہ مال کا ایثار معطی کے معاون اور مؤید ہونے کی تصدیق ہے۔ 'مُصدِّق' بمعنی 'صادق' بھی قرآن کریم میں کئی جگہ آیا ہے۔ 'صادق' یا 'مُصدِّق' کی ضد 'کاذب' یا 'مُکذّب' ہے۔ جس کا ذکر صفحہ ۱۴۱ کے تحت المتن میں آیہ (۳: ۲۹) کے اندر آچکا ہے اور وقتاً فوقتاً آگے چل کر آئے گا۔ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ کے معانی صفحہ ۱۱۵ پر ہم نے اسی بنا پر کیے ہیں۔

Marfat.com

مِنكُمْ وَالصّٰبِرِينَ† وَنَبْلُوَا۟ أَخْبَارَكُمْ ۝ (۴۷ : ۳۱)۵۱ رب زمین و آسمان کی عبادت کا ادعا کسی رسمی اور دو رکعتی نماز یا پنجوقتہ رکوع و سجود کی مقابلۃً آسان، بے اثر اور بے ضرر مشق کر لینے سے ہی کیونکر قابل تسلیم ہو سکتا تھا اسکی صادقانہ تکمیل کے لیئے ہر آن اور ہر وقت اطاعت کا رنگ لازمی تھا، تسلیم کے اعمال، اور تعبّد کی شان چاہیے تھی، ماسوا کا حجود لابُدی تھا، نفس پر کامل تحکّم اور غیر پر کامل قدرت ناگزیر تھی۔ گویا سب کا انکار اور ایک کا اقرار، سب سے سرکشی اور ایک کی ماتحتی ضروری تھی! عالم آرائے کون و مکان اور وجہ طراز زمین و آسمان کی عبودیّت وہ بے ریا محبّت اور وہ بے لاگ خدمت تھی جسمیں غیر سے تعلّق اور ماسوا کی اطاعت کو حتماً دخل نہ تھا۔ اسی عالم آرا اصول پر تکوین عالم کی اساس قائم تھی، اسی پر کون و فساد کا سب انحصار تھا، اسی پر چل کر رزق کریم تھا اسی سے ہٹ کر عذاب الیم تھا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ‡ ۝ مَا أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ ۝ (۵۱ : ۵۶-۵۷)۵۲۔ اس تمام ہنگامۂ کائنات کی وجہ بنا یہی تھی کہ زمین و آسمان کی سب کہ وہمہ مخلوق،

---

۵۱ اور اے مسلمانو! ہم تمہارے ایمان کو ضرور آزمایا کریں گے، یہاں تک کہ تم میں سے جو لوگ ہماری حمایت میں دشمنوں سے لڑنے والے اور مصائب کو برداشت کرنے والے ہیں اُن کو ہم اچھی طرح معلوم کر لیں اور تاکہ تمہاری اصلی اور اندرونی حالت کو جانچ لیں۔ ۵۲ اور اے لوگو! ہم نے اس کائنات فطرت کے جنّ و انس کو صرف اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ وہ ماسوا سے قطع نظر کر کے ہمارے ہی چاکر، اور ہمارے ہی حکمبردار بنے رہیں۔ ہم اُنسے کچھ روزی کے تو خواہاں نہیں ہیں اور نہ اسکے کہ ہم کو کھلائیں پلائیں۔

---

† یہاں عیاں ہے کہ 'صبر' کے معنی ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھنے کے نہیں جیساکہ عافیت پسند اُمّت نے لے لیئے ہیں، بلکہ مصائب اور حوادث کا استقلال اور عزم سے مقابلہ کر کے اُنپر فتح پانا ہے۔

‡ یہاں ظاہر ہے کہ 'عبادت' کے معانی وہ نہیں ہو سکتے جو لوگوں نے بنا لیئے ہیں۔ خدائے زمین و آسمان معاذاللہ اس بات کا محتاج نہیں کہ لوگ اسکی نمازیں پڑھتے اور خوشامد کرتے رہیں۔ بلکہ مقصود تعمیل احکام ہی ہے یہی دنیا کا ہر حاکم اپنی رعیت سے چاہتا ہے، اگرچہ زمین و آسمان کا مالک اس صورت احتیاج سے بھی بے نیاز ہے۔ اور جیسا آگے چلکر ثابت ہوگا، انسان سے تعمیل احکام کی آرزو رکھنا کچھ خواہش اختیار کے باعث نہیں بلکہ انسان کی اپنی ہی بہتری کیلئے ہے۔ اس نقطۂ نظر سے آیۂ 'وَمَا خَلَقْتُ' سے مقصود یہی ہے کہ "ہم نے دنیا کے جنّ و انس کو پیدا ہی نہیں کیا مگر اس جبلّت پر کہ وہ ہمارے احکام کی تعمیل میں لگے رہیں"۔ یعنی انکی فطرت اور طینت میں یہ بات پہلے سے رکھدی ہے کہ ہمارے احکام (یعنی قانون فطرت) کی تعمیل کے بدون انکی اس دنیا میں دال نہیں گل سکتی۔ گویا جب وہ اطاعت سے منحرف ہونگے سزا اُنکو لامحالہ ملکر رہیگی۔ اور تکوین عالم کا اصل اصول ہی ملازمت قانون خدا (یعنی 'عبادت') ہے۔ یہ اصول ہر صاحب نظر کیلئے اسقدر اظہر من الشمس ہے کہ اسکو اور عیاں کرنیکی ضرورت نہیں۔ ہر جگہ اُسی پر عملدرآمد ہو رہا ہے۔ چھوٹے یا بڑے کسی امر میں جسوقت انسان نے قانون خدا کی متابعت یا مخالفت کی، اُسیوقت یا بدیر وہ اُسکو اُسکا نفع یا نقصان ملجاتا ہے۔ حتی کہ ایک رات ضرورت سے کم نیند کرنیکا مزا اُسکو اگلے دن ہی دردِ سر یا اور مرض کی صورت میں مل رہتا ہے۔ اس حقیقت کشا آیت (۵۱ : ۵۶) کی مکمل تشریح و تصدیق آئندہ مجلدات میں ہوگی جبکہ قانون خدا اور آئین فطرت کو عیاں کر دیا جائیگا، اور جب ہر سالک زمین کو اس قانون سے مفر اور اس 'عبادت' سے گریز کرنے کی کوئی سبیل نظر نہ آئے گی۔ یہاں پر مقصود صرف 'عبادت' کے معانی کی توضیح ہے۔

Marfat.com

سب جن و انس اُس شارع کائنات ہی کے تابع فرمان ہو کر رہے، اُسی کے حلقۂ عبودیت میں داخل ہو، اُسی کے سکھائے یا بتائے ہوئے قانون پر چلے، گویا اُسی کی عبادت میں لگی رہے۔ وہ خدائے عظیم و جلیل انسان کے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے فعل کو ہر آن اپنی ہی مرضی، اور اپنے ہی قانون کے مطابق دیکھنا چاہتا تھا۔ اُسکی غیور ذات رحم و مغفرت کی ناپیداکنار وسعت کے باوجود، انسان کی ہر صغیرہ و کبیرہ خطا کو معاف کر سکتی تھی مگر اپنی اطاعت، اپنی محبت، اور اپنی عبادت میں شرکتِ غیر کو قطعًا ناقابلِ عفو جرم قرار دیتی تھی: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ[1] لِمَنْ يَّشَآءُ، وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا[2] (۴: ۱۱۶) صاحبِ ایمان بشر کے ہاں سے یہ دلبرِ امتحان پسند فرماو کی سی تمکین قلب کا خواہشمند اور

---

[1] بیشک اللہ اس بات سے چشم پوشی ہرگز نہیں کرسکتا کہ اُسکے مقام و منصب میں کسی دوسرے کو شریکِ طاعت اور شریکِ محبت کیا جائے۔ اسکے ماسوا جو تقصیر بھی انسان کرے اُنکو اگر مناسب سمجھے تو نظر انداز کر سکتا ہے، اور جس شخص نے اپنی محبت میں غیر اللہ کو شریک کیا وہ فی الحقیقت اپنی بہتری کی راہ سے بہت دور بھٹک گیا۔ (یَغْفِرُ کے معنی ہم نے مناسب سمجھنا کیئے ہیں۔ اِسکا ثبوت تیسری جلد میں فلسفۂ عمل کے عنوان میں آئے گا)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۸) اس آیۂ شریفہ میں 'جن' کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ 'جن' کی حقیقت سے یہاں پر بحث نہیں ہو سکتی، اسکے لیئے ابھی بہت دیر ہے مگر 'خلقت' کے لفظ سے اسقدر ضرور ثابت ہے کہ 'جن' خدا کی پیدا کی ہوئی ایک مخلوق ہے، اور ان سے قانون فطرت کی تعمیل کا متوقع خدا اسیقدر ہے جسقدر انسانوں سے ہے۔ مزید غور کرنیوالے شاید اس نتیجے پر بھی پہنچ سکیں کہ 'جن' بھی 'انس' کی طرح ایک سرکش خدا مخلوق ہے جس کی بغاوت کو دور کرنے کیلئے خدا نے 'عبادت' کا تریاق تجویز کیا ہے۔

[2] 'غفر' کے معانی دراصل پردہ پوشی کرنیکے ہیں۔ اسی سے 'مغفار' بمعنی زرہ کے ہے۔ لوگوں نے مجازًا 'بخشش' کے لے لیئے ہیں اور فرض کر لیا ہے کہ یہ تمام بخشش قیامت کے دن ہو گی۔ اس سے پہلے نہیں ہو سکتی۔ اور علی ہذا القیاس سزا بھی شرک کرنے والوں کو اُسیدن ہو گی مگر اس فرضی داستان کی کوئی سند نہیں۔ 'یغفر' کا صیغہ حال اور مستقبل دونوں کے لیئے استعمال ہوتا ہے۔ اِسلیئے کوئی وجہ نہیں کہ بخشش اور سزا، یا انعام اور عذاب کسی شخص یا قوم کو یوم آخرت سے پہلے نہ مل سکیں۔ بلکہ تعجب ہوتا ہے کہ جب گناہ اسقدر ناقابلِ معافی ہے تو سزا میں کیوں اتنی ڈھیل دے دیجائے کہ لاکھوں برس کا فرق پڑ جائے اور ہر شخص کو خواہ مخواہ شرک کرنے پر جرأت ہو! دراصل یہ تمام ناروا اور بے سند تاویل 'شرک' کے صحیح معانی نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ اور جب آج مسلمانوں کے بنائے ہوئے اصطلاحی مشرکوں کو اس دنیا میں سزا کی بجائے پے در پے انعام مل رہے ہیں تو اُنکے لیئے روزِ قیامت کے متعلق یہ دل خوش کن داستان گھڑ لینا بھی ازبس ضروری ہو چکا ہے گویا اُنکے نزدیک خدا کی حکومت (العیاذ باللہ) اس دنیا پر قائم نہیں ہے اور وہ اگرچہ مشرکین سے بیحد ناراض ہے مگر اُنکو مفا سزا دینا اُسکے بس کی بات نہیں ہے۔ اگلی مجلدات میں رفتہ رفتہ ہم اس تخیل کو غلط ثابت کریں گے، اور بتائینگے کہ مشرک کو کیونکر سزا اس دنیا میں ہی ملتی ہے۔ وہ خدائے عظیم کسقدر سریع الحساب اور شدید العقاب ہے۔ اور شرک کا بدلہ کس بیدردی، کس بے نیازی، کس شدت اور سرعت سے لے لیتا ہے۔ اور آخرت کا عذاب تو دنیاوی عذاب سے کہیں بڑھکر ہے: وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ[3] (۱۳: ۳۴)۔

'شرک' کی تعریف ازروئے قرآن بے حد جامع و مانع ہے جیسا کہ پیشتر کہا گیا ہے۔ یہاں پر اسکی صرف ایک شق کی سرسری تصریح کر دی گئی ہے یعنی یہ کہ کسی شے کو محبت اور اطاعت میں خدا کے ہم پلہ اور برابر نہ کر دیا جائے۔ مسلمانانِ عالم کو غور کرنا چاہیئے کہ آیۂ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ[4] (۲: ۱۶۵)

---

[3] اور آخرت کی سزا تو دنیاوی سزا سے سخت تر ہے۔ [4] ترجمے کے لیئے دیکھو صفحہ ۱۱۰۔

بیستون کی جوئے شیر کے سے تاب گسل اور صبر پاش اعمال کا اُمیدوار تھا! اُسکی نظروں میں ایمان وہ کیفیت قلب تھی جسکا اٹل نتیجہ سعی و عمل تھا! وہ ہجرت اور جہاد کی آڑ میں ایمان کے دعویداروں سے نقد جان کا طالب تھا! اور انہی سرفروشان حکم آلٰہ کو عشق خدا کے سچے "شہید"، رب العزۃ کی حکومت کے سچے گواہ، اور رزق کریم کے قطعی اہل قرار دیتا تھا۔

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ (۳: ۱۳۹-۱۴۲)

اگر تمہیں اس لڑائی میں شکست کا زخم لگا ہی تو اس سے پہلے فریق مخالف کو بھی ایسا ہی زخم لگ چکا ہے اور یہ فتح و شکست کے دن تو ہم بقدر مناسب کبھی ادھر اور کبھی اُدھر پھیرتے ہی رہتے ہیں، اور یہ اسواسطے بھی کہ ہم جان لیں کہ خدا پر سچا ایمان رکھنے والا کون ہے، اور نیز اسلیئے کہ اللہ تم میں سے اپنے سچے گواہوں کو منتخب کرے ورنہ وہ کچے ایمان والوں کو تو محبت ہی نہیں کرتا۔ اللہ اس طریق عمل سے ایمان والوں کو اپنے متعلق شک و شبہ کی میل کچیل سے نکھار دینا چاہتا ہے، اور پھر اپنے اصلی محب پیدا کر کے منکرین کے زور کو توڑ دینا، اور تمہاری جماعت میں سے شائبۂ شک کفر کو دور کر دینا چاہتا ہے۔ کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ (خدا کو منہ سے خدا کہکر) جنت میں جا داخل ہوگے حالانکہ ابھی تک تو اللہ نے اُن لوگوں کو جانچا ہی نہیں جو تم میں سے اسکی حمایت میں ثابت قدم ہو کر لڑنیوالے، اور مصیبتوں کو برداشت کرنیوالے ہیں۔ اور تم تو موت کے آنیسے پہلے ہی (میری محبت کے جوش میں) مرنے کی آرزوئیں کیا کرتے تھے تو آج تم نے اسکو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، اور پھر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے انتظار کر رہے ہو!

Marfat.com

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِىْ سَبِيْلِىْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۰) ٹکڑے استعمال ہوتے ہیں کہ غالباً کوئی دوسرے الفاظ نہ ہوتے ہونگے۔ ہر مسلمان اپنی بے ہمتی، اپنی کاہچوری، اپنے ناکارہ پن کو معلم الملکوت کی آستین میں چھپا کر قرآن حکیم کے اس سیاق و سباق سے علٰحدہ کیئے ہوئے ٹکڑے کو جا و بے جا استعمال کرتا ہے اور اپنی نامرادی اپنی شکست و ریخت، اپنی موت پسندی کا سارا الزام بے دھڑک خدا پر تھوپ دیتا ہے اور اس صریح افترا کے بعد رب زمین و آسمان کے غیظ و غضب سے قطعاً نہیں ڈرتا۔ حالانکہ ان آیات الٰہی (یعنی (۳: ۱۳۹ - ۱۴۲)) کے استدلال سے ظاہر ہے کہ مداولت ایام کا قطعی باعث سعی و عمل کی کمی ہی ہے اور لوگوں کے اپنے ہی کرتوت سے ہے۔ خدائے بے نیاز صرف اقوام کی سعی و عمل کا امتحان لیتا ہے اور بے رُو و رعایت جس کی سعی زیادہ ہو اُسی کو کامیاب کر دیتا ہے۔ قرآن میں جا بجا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ (۱۰: ۴۴) کا مضمون اِس امر کی تائید میں ہے۔ یعنی "خدا ساکنانِ زمین پر کسی حالت میں قطعاً ظلم نہیں کرتا لیکن یہ لوگ ہی ہیں جو اپنی جانوں پر آپ ظلم روا رکھتے ہیں"۔

ان آیاتِ الٰہی سے پہلے کی آیت ہے: وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (۳: ۱۳۸) جس سے ظاہر ہے کہ ایماندار وہی قوم ہے جو 'اعلون' بنکر رہے۔ جنگِ اُحد میں جس کا ذکر ان آیات میں ہو رہا ہے مسلمان بھلے چنگے خاصی تعداد میں تھے، دشمن کی تعداد کچھ ایسی زیادہ نہ تھی جیسی کہ نسبتاً غزوۂ بدر میں تھی۔ اُس غزوے میں باوجودیکہ ایک مسلمان کے بالمقابل تین اہل مکہ لڑ رہے تھے مگر فتح مسلمانوں ہی کو نصیب ہوئی تھی، لیکن اُحد کے موقع پر بعض مسلمانوں نے ہمت ہار دی۔ ایک جماعت نے جسکو خود رسولِ خدا نے ایک مقام پر متعین کیا تھا کہ اپنی جگہ سے نہ ہلیں، مالِ غنیمت کے لالچ میں آکر اپنا مورچہ چھوڑ دیا۔ اہلِ مکہ اُسی مورچے پر پل پڑے، اور دفعتاً لشکر میں بھاگڑ مچ گئی۔ پیغمبرِ خدا چند رفیقوں کے ساتھ تن تنہا رہ گئے اور زخمی ہوئے۔ فرقِ مبارک پر چوٹ آئی، دانت ٹوٹ گیا، سب طرف مشہور ہو گیا کہ شہید ہو گئے، وغیرہ وغیرہ۔ خدائے عظیم فرماتا ہے کہ وہ تم ہی مٹھی بھر مسلمان تھے جنہوں نے بدر میں ایک جرار لشکر کو شکست فاش دی تھی اور اب یہ بے ہمتی دکھلائی کہ اپنے سپہ سالار کو چھوڑ کر چلتے بنے۔ تم بددل نہ ہو اور غم نہ کھاؤ اگر تم میں ایمان فی الواقع موجود ہے تو فتح خود بخود تمہارے قدم آن کر چوم لے گی۔ اور ہماری ذرہ پروری اور بے نیازی تو ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ جو قوم جسقدر سعی و عمل کرتی ہے اُتنا ہی اجر ہم سے لامحالہ لے لیتی ہے۔ کسی کی بے جا رعایت کرنا ہمارا شیوہ نہیں۔ اور اسی لیئے اگر آج فتح اِس قوم کے شامل حال ہے تو کل دوسرے کی قدمبوسی کر رہی ہے: (وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ)۔ ہمارا مقصود اس جنگِ اُحد سے صرف اس بات کا دریافت کرنا (اور دریافت کرنا بھی کیا، صرف تمہیں ہی جتا دینا) تھا کہ تم میں سے حقیقی ایمان والے کون ہیں؟ کن کا ایمان ناقص ہے؟ کون ہمارے وجود کے سچے گواہ ہیں، کون ہمارے حاکمِ اعلےٰ ہونے کی آخری دم تک شہادت دیتے رہے، ہم کو آخری وقت تک قاہر مان کر ہماری خدمت میں لگے رہے: (وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاۤءَ)۔ اور بھگوڑوں اور کچے ایمان والوں کو تو خدا پسند ہی نہیں کرتا کیونکہ وہ تھوڑی سی تن آسانی کی خاطر اپنی قوم پر ظلم کر رہے ہیں، اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں: (وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝)۔ خدا صرف اتنا چاہتا تھا کہ سچے ایمان والوں کو چھانٹ کر الگ کر دے (وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا) اور منکروں اور دل میں خدا کو نہ ماننے والے منافقوں یعنی کافروں کو الگ کر دکھلائے، اُنکو بالآخر نیست و نابود کر دے (وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ)۔ اگلی عبارت بالکل صاف ہے: الجنّۃ اتنی آسانی سے نہیں ملتا جتنا تم سمجھے بیٹھے ہو وہ تو صرف سعی و عمل کرنے والوں (جٰهَدُوْا مِنْكُمْ) اور استقلال والوں (الصّٰبِرِيْنَ) کو ہی ملتا ہے۔ تم تو اس جنگِ اُحد سے پہلے موت کی منتیں مانا کرتے تھے، شیخی میں آکر کہا کرتے تھے کہ ہم خدا کی 'عبادت' میں جان تک دینے کیلئے تیار ہیں تو اُحد کے دن کیا موت آگئی تھی کہ موت تمہارے سامنے تھی اور اُس سے جی چُرا کر بھاگے بھاگے پھرتے تھے!

ان آیات الٰہی میں منشا **ایمان** کی تشریح ہو گئی کہ اسکا اصل نتیجہ فتح قوم ہے۔ **شُهَدَاۤء** کے معنی معلوم ہو گئے۔ **ظالمین** کا پتہ لگ گیا کہ کچے ایمان والے لوگ ظالم ہیں۔ اور اسی لیئے ہلاکت اور شکست کے اہل صفحہ ۱۸ آیات (۴:۷۶، ۶:۷۵) 'کفر' کی ایک حد تک وضاحت ہو گئی کہ میدان جنگ میں

لے مطالب کے لیے دیکھو صفحہ

Marfat.com

عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ
وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ† ○ (۳: ۱۹۴)

پھر پروردگار عالم نے انکی دعا قبول کرلی اور فرمایا کہ ہم تم میں سے کسی کام کرنیوالے کے کام کو ضائع نہیں ہونے دیتے۔ مرد ہو یا عورت ہماری نظروں میں سب برابر ہیں۔ تم سب ایک دوسرے کی جنس ہو تو جن لوگوں نے ہماری خاطر ہجرت وطن کی، اور ہماری ہی وجہ سے اپنے گھروں سے نکالے گئے، اور ستائے گئے، اور دشمنوں سے لڑے، اور مارے گئے، ہم اُنکی سب اجتماعی بدحالیوں، خانہ بربادیوں، اور واماندگیوں (سَیِّاٰتِہِمْ) کو اُنسے دور کردینگے، اور اُنکو ایسے عمدہ باغوں میں لیجا داخل کرینگے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہونگی۔ یہ اللہ کے ہاں سے اُنکے اعمال کا بدلہ ہوگا اور اچھا بدلہ تو اللہ ہی کے ہاں ہے۔

آہ! لیکن اُس مالک الملک اور پروردگار عالم خدا کو، جسکی طاقت اور حکومت، جسکی عزت اور عظمت صحیفۂ فطرت کے ہر ذرے میں نمایاں ہے، جس کی بے نیازی کی شان صفحۂ عالم پر روز روشن کی طرح ثبت ہے، ایک ذلیل، بے حیثیت، اور ہیچمیرز انسان کی پیہم عبادت، سچی محبت اور لاشریک اطاعت کی کیا حاجت تھی؟ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ○ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ○ (۵۹: ۲۳-۲۴)[۱] وہ جانوں کا خالق، دنیا کے امن و آسایش کا کفیل (اَلْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ) موجد اور مصور خدا جسکی تسبیح و تقدیس میں اُس کے

---

[۱] وہ اللہ ایسا پاک ذات ہے کہ اُسکے سوا کوئی آقا ہونے کے لائق نہیں۔ بادشاہ جہان ہے، پاک ہے، تمام عیوب سے مبرا ہے، امن دینے والا نگہبان ہے، زبردست اور بڑا دباؤ والا ہے، صاحب عظمت ہے۔ جس جس کو یہ لوگ اُس کی عظمت میں شریک کرتے ہیں وہ ان سب سے بالا ہے۔ وہی ہر شے کا خالق، بلکہ موجد اور مصور ہے، اُسکے بڑے بڑے اوصاف ہیں (الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی) جو کچھ زمین و آسمان میں ہے اُسکے احکام کی تعمیل میں سرنگوں ہے (یُسَبِّحُ)، اور وہ بڑا غالب اور حکمت والا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۱) خدا کی لڑائیاں آخری دم تک استقلال سے نہ لڑنا 'کفر' اور انکار خدا ہے۔ 'صبر' کے مطالب صاف ہوگئے کہ وہ صرف استقلال ہی ہے، 'جہاد' کی حقیقت کھل گئی کہ وہ صرف قتال بالسیف ہی ہے۔ جو لوگ جہاد کے معنی تسبیحوں پر زور دینے کے لیتے ہیں اُن کے لیئے یہ آیات ازبس عبرت انگیز ہیں۔ اور بالآخر یہ کہ 'تمنائے موت' کے معنی سمجھ میں آگئے کہ اس سے مراد لڑائی میں کٹ مرنے کے ہیں کہ یہی سب سے بڑی عبادت کسی آقائے نامدار کی ہوسکتی ہے۔ یہی ہر بادشاہ اپنے سپاہی سے چاہتا ہے اور اس کے عوض میں تمغے اور انعام، جاگیریں اور زمینیں تقسیم کردیتا ہے۔ 'تمنائے موت' کا ذکر تیسری مجلد میں عنقریب آئیگا۔

† اس آیۂ کریمہ میں "لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ" کے الفاظ تشریح طلب ہیں۔ لیکن ان کی تشریح صفحہ ۱۳۱ کے تحت المتن میں مصیبت کے عنوان میں آئے گی۔

اپنے قول کے مطابق آسمان وزمین ہروقت مصروف رہتے ہیں، اِس ذرہ مقدار انسان سے اپنی محبت کے ولولے میں، تحمل آلام، نقصِ امن، اورخرج مال وجان کا کیوں طالب تھا؟ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ؁ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ؂ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ١ (۲: ۱۵۵-۱۵۷)

---

۱ اور ایمان والو! اسمیں شک نہیں کہ ہم تمکو ذرا اچھی طرح (بِشَيْءٍ) دشمن کا خوف دلا دلاکر، میدان جنگ میں بھوکوں مار مارکر، مال اور جانوں میں کمی کرکرکے پیداوار کا قحط ڈالکر (الثَّمَرَاتِ) نتائج کو خلاف امید کرکرکے (نَقْصٍ مِّنَ ..... الثَّمَرَاتِ) آزماکریں گے اور تمہارے ایمان کی قدر وقیمت، اور سعی وعمل کی حد کا اندازہ لگائیں گے، لیکن اگر تم فی الحقیقت صاحب ایمان ہوئے تو تم بھی اِن آزمائشوں میں پورے اُترکر رہوگے اور اپنے سعی وعمل کو ہرگز کم نہ ہونے دوگے۔ اور اے محمدؐ! مصائب کا استقلال سے مقابلہ کرنے والوں کو ہماری خوشنودی اور کامیابی کی بشارت دیدو، (وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ) اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان پر کوئی اجتماعی مصیبت آپڑتی ہے تو مقابل اُٹھتے ہیں کہ ہم تو فی الحقیقت خدا ہی کے اطاعت گذار ہیں۔ (إِنَّا لِلَّهِ)، اسی کے بتائے ہوئے حکموں پر چلیں گے (وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ)، اُسی کی طرف اپنا تمام تر رجوع کردینگے (وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ)، اور اپنے سعی وعمل سے خدا کو پھر خوش کریں گے (یہ مصیبت جو ہمیں پہونچی ہے لامحالہ ہماری سعی میں کسر کے باعث ہی ہے۔ دیکھو قرآن کریم وَمَا أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ (۴: ۷۹)) اور سعی وعمل کو دوبالا کردینا ہی خدا کی طرف رجوع کرنا ہے) یہی وہ لوگ ہیں جن پر اپنے پروردگار کے بیشمار افضال ہیں، تحسین وآفرین کے نعرے (صَلَوَاتٌ) ہیں، رحمت اور عنایت ہے، اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو مصائب کے دور کرنیکے متعلق صحیح راہِ عمل مِل چکی ہے، (وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ)۔

؁ یہاں الصَّابِرِينَ کا لفظ پھر آیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ صابر وہی لوگ ہیں جو ہر اجتماعی مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں، اسکے دور کرنے کے لیے ہمہ تن مستعد رہتے ہیں۔ نہ وہ جو ہاتھ پر ہاتھ دھرکر اپنی بربادی کا تماشہ کرتے اور ٹس سے مس تک نہیں ہوتے کبھی کبھار آہیں نکالکر یا عورتوں کی طرح آنسو بہاکر اپنے نفس کو دہوکہ دیتے ہیں کہ صابر ہیں!

؂ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ کے الفاظ مسلمانانِ جہان جس حیرت انگیز نادانی، جہالت اور نافہمی سے نہ معلوم کتنی قرنوں سے کسی عزیز کی موت یا دُنی سی ادنی خانگی اذیت پر استعمال کرتے آئے ہیں، اور اِس محض زبانی عبادت کے صلے میں اپنے آپ کو رحمت خدا کا مستقل حقدار گننے ہیں، اُس سے کم ازکم یہ مترشح ہوتا ہے کہ کلامِ الٰہی کا صحیح علم کس قدر جلد رسم ورواج کی لکیر میں پڑکر بے اثر ہوگیا تھا، اور آیاتِ خدا کے مطالب یقینیات کے بلند مرتبے سے گرکر ظن واعتقاد کی ادنے سطح پر کس سرعت سے پونہچ گئے تھے۔ اوپر کی عبارت میں ہم نے اِن آیات (یعنی (۲: ۱۵۵-۱۵۷)) کا مربوط اور مسلسل ترجمہ کردیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ اِن میں نہ کسی خانگی مصیبت کا ذکر ہے اور نہ یہ ترغیب دی گئی ہے کہ جب تمہارا کوئی رشتہ دار مرجائے تو إِنَّا لِلَّهِ کے الفاظ مُنہ سے بڑبڑاؤ، پھر جب کہہ لوگے تو خدا کی طرف سے تم پر "صَلَوَاتٌ" اُتریں گی، رحمتِ رب نازل ہوگی، اور تم اِن الفاظ کے دُہراتے ہی "مُهْتَدُونَ" یعنی ہدایت پانے والوں میں سے بن جاؤگے (۲: ۱۵۷)۔ یہ سب تشریح نہایت لچر اور شرمناک ہے۔ کوئی ذہن سلیم اسکو ایک لمحے کے لیے بھی قبول کرنے پر تیار نہیں۔ سیاقِ کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر صرف اجتماعی مصائب کا ذکر ہے۔ جسکی تائید جمع کے صیغے سے ہوتی ہے جو اِن آیات میں برابر چلا جارہا ہے۔ "مُصِيبَةٌ" جس کا ذکر آیہ (۲: ۱۵۶) میں ہوا ہے لامحالہ: خوف کا ماحول ہے جو ہر شکست زدہ اُمت پر ہر آن حاوی رہتا ہے (بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ)، وہ فقر وافلاس ہے جو محکومیت اور ضعف کی حالت میں غلام قوموں کا پیچھا نہیں چھوڑتا (وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ)، وہ قلت تعداد ہے جو دشمن کی اکثریت، اُبہت، اور ہجوم کے بالمقابل عجز وبیچارگی پیدا کردیتی ہے (وَالْأَنفُسِ)، وہ قہر خدا ہی جس سے

Marfat.com

وہ کیوں ہجرتِ وطن اور قتال بالسیف کو ہی ایمان کا صحیح معیار قرار دے کر مہاجرین و انصار کو سچے مومنوں کی فہرست میں شمار کرتا تھا: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۳) اُنھیں قحط اور وبا، فاقوں اور بیماریوں کا شکار رہ جاتی ہیں، جس کے باعث دنیاوی انعام سب اُچک لیے جاتے ہیں (وَالثَّمَرٰتِ)، دشمن ہر وقت تاک میں لگا رہتا ہے، اور کمزور کی کمزوری کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ گویا یہاں پر بعینہٖ اُس قطع کی مصیبت کے امتحان و ابتلا کا ذکر ہے جو اَعْلَوْنَ نہ رہنے کے باعث قوموں پر طاری ہو جاتی ہے اور جس کا مصداق آج تمام عالم اسلام ہے۔ قرآن حکیم نے اس قلت تعداد اور ضعف قوت، اس خوفِ عدو اور بیم موت کی تصریح ایک دوسرے موقع پر بھی کی ہے جس میں بوضاحت تمام جتلا دیا ہے کہ کسی قوم کا آزاد ہونا اور دنیوی نعمتوں اور طیبات رزق سے متمتع ہونا ہی نصرت الٰہی ہے:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (۸: ۲۶)

اور مسلمانو! وہ وقت یاد کرو جب تم دنیا میں تعداد میں تھوڑے سے تھے، کمزور اور بے بس گنے جاتے تھے، اور ہر آن اس خوف کے باعث سہمے رہتے تھے کہ دشمن تمہیں اُچک نہ لیجائیں۔ پھر خدائے ذوالجلال نے (تمہارے اعمال کو پسند فرما کر) تم کو اپنی پناہ میں لے لیا، اپنی مدد سے تم کو قوی بنایا، اور دشمن پر فتح و دیگر عمدہ قسم کی دنیاوی نعمتیں بخشیں، اور یہ سب اس لیے کہ تم قوت اور امن، انعامِ الٰہی اور تائید خدا کی دل سے قدر کرو، اور اُسکے قوت انگیز احکام پر بدستور عمل کرتے رہو (لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ)۔ (شکر کے ان معانی کی تصریح کے لیے دیکھو صفحہ ۱۳۸)

یہ آیت مسئلہ ارتقا کی بحث کے ضمن میں صفحہ ۱۲ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ آیات اِنَّا لِلّٰہِ (یعنی ۲: ۱۵۵–۱۵۷) میں خوف، یہی يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ کا خوف ہی، اور نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ، یہی قَلِيْلٌ اور مُسْتَضْعَفٌ فِى الْاَرْضِ ہونا ہے، اور یہی وہ مصائب کبریٰ ہیں جن کا ابتلا مقصود ہے۔ کسی عزیز کا مرجانا نَقْصٍ مِّنَ… الْاَنْفُسِ نہیں ہو سکتا۔ مزید برآں تعجب ہی کہ جہاں کسی شخص کی طبعی یا ناگہانی موت پر اِنَّا لِلّٰہِ کا غیر متعلق فقرہ نہایت التزام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے وہاں خوف اور بھوک اور نقصان مال کے موقع پر زوا جا نہیں بولا جاتا! یہ دلیل بجائے خود اس امر کی شہادت ہی کہ اخلاف مسلمین نے کلمہ استرجاع کو قطعاً غلط سمجھا ہے اور اسکے خدائی مفہوم سے یکسر الگ ہو گئے ہیں۔

لیکن اس استدلال سے قطع نظر ایک اور صورت نظر بھی ہے جو اس دعوے کی یکسر تغلیط کر دیتی ہے کہ کسی مسلمان کی طبعی یا ناگہانی موت وہ مُصِيْبَةٌ ہی جس پر اِنَّا لِلّٰہِ کہنے کی ضرورت یا اجازت از روئے قرآن ثابت ہی۔ مُصِيْبَةٌ کا لفظ کلام الٰہی کے اندر بالالتزام اس خدائی انتقام یا اجتماعی سزا کے معنوں میں آیا ہے جو قومیں یا افراد اپنی غفلت یا نافرمانی کے باعث اپنے ہاتھوں مول لے لیتے ہیں۔ انفرادی اموات اس جدول میں داخل نہیں کیونکہ نیک و بد سب نے ایک نہ ایک دن مرنا ہے اور ہر شخص کا مرنا از روئے سزا یا انتقام واقع نہیں ہوتا۔ اگرچہ ایک ملک میں عام وبا کا پھیل جانا یا طوفان سے بستیوں کا ہلاک ہو جانا مُصِيْبَةٌ میں داخل ہو سکتا ہے۔ یہ نکتہ اس حیرت انگیز صحت اور تطابق کے ساتھ قرآن حکیم میں جا بجا بیان ہوا ہے کہ مُصِيْبَةٌ کے الحال مسخ شدہ معانی کی صحیح تصویر پیش کرنے کی غرض سے اس شہادت کا تمام و کمال یہاں پر لکھ دینا ضروری ہے۔

سورہ آل عمران میں غزوہ اُحد کے متعلق ہے:

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا (۳: ۱۶۴–۱۶۶)

مسلمانو! تم بھی عجیب لوگ ہو کہ جب تم پر جنگ اُحد میں شکست کی مصیبت آپڑی، حالانکہ تم ہی جنگ بدر میں دشمنوں پر اس سے دُگنی مصیبت ڈال چکے تھے، تو تمہارے چھکے چھوٹ گئے اور بے دل ہو کر لگے کہنے کہ ہیں! یہ آفت کہاں سے آگئی۔ اے محمدؐ! ان سے کہدو کہ یہ مصیبت آئی تو تمہارے اپنے کیے سے آئی، اپنی نامردی اور بزدلی سے آئی، اور خدا تو اسقدر باحوصلہ اور بے نیاز ہے کہ اپنے بندوں کے کسی گروہ پر بے جا رعایت نہیں کرتا۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ

ملہ مطالب کے لیے دیکھو صفحہ ۱۱۴–۱۱۵۔

Marfat.com

نصروا اولٰئک ھم المؤمنون حقًا لھم مغفرۃ ورزق کریم (۸: ۷۴)؛ وہ کیا سمجھ کر اور کیا مد نظر رکھ کر اپنی راہ میں قتل ہو جانے والوں کو زندہ اور بقید حیات کہا کرتا تھا: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ط

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۴) شَیْءٍ قَدِیْرٌ) اور وہ اس پر بھی قادر ہے کہ تمہارے اعمال کو دیکھ کر تمہیں شکست دے۔ اور یاد کرو کہ جس دن مقام اُحد میں دونوں فریق بھڑ گئے اور تم کو شکست کی مصیبت پہنچی تو یہ بھی خدا ہی کے حکم سے تھا اور غرض یہ تھی کہ خدا ایمان والوں کو الگ معلوم کر لے اور ظاہری مسلمان بنے والوں، لیکن دل میں نفاق رکھنے والوں کو الگ پہچان لے۔

یہاں پر ظاہر ہے کہ قرآنی اصطلاح میں مُصِیْبَۃ وہ شے ہے جو اپنے ہی کرتوت سے آتی ہے اور بطور سزا کے ہو۔ سورۂ نساء میں ہے: فَکَیْفَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ ثُمَّ جَآءُوْکَ یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِیْقًا (۴: ۶۲)، یعنی "تو پھر ان منافقوں کی کیا ہی بُری حالت ہوگی جب ان ہی کے اپنے کرتوت کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت نازل ہو تو تمہارے پاس قسمیں کھاتے ہوئے دوڑے آئیں کہ بخدا ہماری غرض تو یہی تھی کہ میل ملاپ اور اتحاد پیدا ہو"۔ اسی سورۃ میں انہی منافقین کے متعلق ہے: وَاِنَّ مِنْکُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ اَکُنْ مَّعَھُمْ شَھِیْدًا (۴: ۷۲)، یعنی "مسلمانو! تم میں ضرور ایسے لوگ بھی ہیں جو ارادہ کر بیٹھتے ہیں کہ ہم ضرور کسی نہ کسی طرح جہاد سے پیچھے ہٹے رہیں گے، پھر اگر لڑائی میں تم پر شکست کی مصیبت آ پڑتی ہے تو دل ہی دل میں کہتے ہیں کہ خدا نے مجھ پر بڑا ہی احسان کیا جو میں ان لوگوں کے ساتھ لڑائی میں موجود نہ تھا"۔ یہاں پر مصیبت صاف اجتماعی مصیبت ہے۔ سورۂ توبہ میں پھر انہی مسلمان نما منافقوں کے ذکر میں ہے: اِنْ تُصِبْکَ حَسَنَۃٌ تَسُؤْھُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْکَ مُصِیْبَۃٌ یَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَیَتَوَلَّوْا وَّھُمْ فَرِحُوْنَ (۹: ۵۰)، یعنی "اے محمد اگر تم کو جنگ میں فائدہ پہنچتا ہے یا غلبہ حاصل ہو رہتا ہے تو ان لوگوں کو بُرا لگتا ہے، اور اگر تم پر شکست کی مصیبت آ نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنا کام پہلے ہی سے ٹھیک ٹھاک کر لیا تھا، اور تمہارے پاس سے اٹھ کر واپس جاتے ہیں تو ان کی باچھیں کھلی ہوتی ہیں"۔ یہاں بھی مصیبت صاف لڑائی میں شکست کھانے کی مصیبت ہے، انفرادی مصیبت سے بحث نہیں۔ سورۂ قصص میں پھر 'مصیبت' کو اپنے اعمال کی سزا کہا گیا ہے: وَلَوْلَآ اَنْ تُصِیْبَھُمْ مُّصِیْبَۃٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ (۲۸: ۴۷)، یعنی "اور یہ اتمام حجت اس لیے ہے کہ مبادا ان پر ان کے اپنے ہی کرتوتوں کے بدلے میں مصیبت نازل ہو......"۔ سورۂ شوریٰ میں 'مصیبت' کے مفہوم کو یہ کہہ کر قطعاً عیاں کر دیا ہے کہ اقوام عالم پر کوئی مصیبت نہیں آتی مگر یہ کہ ان کے اپنے ہی کرتوت سے ہو، گو یہ خدا اکثر واماندگیوں پر گرفت نہیں کرتا: وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ (۴۲: ۳۰)۔ سورۂ حدید میں اجتماعی مصیبت کے باعث نزول کو یہ کہہ کر اور بھی واضح کر دیا ہے کہ دنیا کی سب 'مصیبتیں' نہایت سوچ بچار کے بعد نازل ہوتی ہیں:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَھَا ۭ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ ۚ لِّکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ ۭ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (۵۷: ۲۲-۲۳)

اے لوگو! جو جو مصیبتیں روئے زمین پر نازل ہوتی ہیں، یا جو تمہارے اپنے ہاتھوں تم پر آتی ہیں، سب کی سب پیشتر اس کے کہ ہم ان کو پیدا کریں ایک مسل میں درج ہوتی ہیں (جو علم الٰہی ہے) (اس کے اندر اس 'مصیبت' کے مالہٗ اور ماعلیہ پر پوری بحث ہوتی ہے، اس کے سب وجوہ کامل طور پر بیان ہوتے ہیں، واقعات اور حالات سلسلہ وار قلمبند ہوتے ہیں) اور پھر کامل غور و خوض کے بعد اس مصیبت کے اجرا کا فیصلہ کیا جاتا ہے (اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَھَا)، اور لوگو! اس بادشاہ کون و مکان کی حکومت اس قدر منظم، اس قدر قوی، اس قدر دقیقہ رس اور عادل ہے کہ یہ سب بظاہر ناممکن باتیں خدا کے لیے بیحد آسان ہیں۔ اور اے ناعاقبت اندیش انسانو! تمہاری جزا و سزا میں یہ عظیم الشان اہتمام اس لیے مدنظر رکھا گیا ہے کہ تم لوگ جو شے تمہارے ہاتھ سے چلی گئی ہے اس کو اپنی ہی بداعمالی کا نتیجہ سمجھو، اور ناحق خدائی فیصلوں کو اتنا استبدادی اور بے اصول سمجھ کر اپنی قسمت پر پشیمان نہ ہوتے پھرو (تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ)، یا جو انعام تم کو دیا گیا ہے اس کو بلا سبب اور بے وجہ سمجھ کر اتراتے اکڑتے پھرو اور سعی و عمل سے غافل ہو جاؤ، اور جانتے رہو کہ خدا اترانے والے کا اور اکڑ اکڑ کر شیخی بگھارنے والے کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ (خدا کے سعی و عمل کو پسند کرنے کے متعلق اب تک اس کتاب میں اتنی شہادتیں مل چکی ہیں کہ ان آیات الٰہی کا اس کے سوا کوئی اور مفہوم ہو نہیں سکتا)۔

(باقی)

Marfat.com

بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (۲: ۱۵۴)، وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ
(۳: ۱۶۹)؛ وہ کس حکمت عملی کی بنا پر انکو مغفرت عامہ کے بے تحاشا انعام، اور جنت کی دلفریب نہروں کے

۵۱ اے لوگو! جو شخص خدا کی راہ میں اور اُسکا اعلا کرتے کرتے قتل ہو گیا، اُسکو مرا ہوا نہ کہو، وہ فی الحقیقت زندہ ہے، وہ ابدالآباد تک اپنا نام چھوڑ گیا، اپنے کارنامے چھوڑ گیا، وہ ہر وقت دوسروں کو شجاعت کی ترغیب دے رہا ہے، حوصلے بڑھا رہا ہے۔ لیکن تم نہیں سمجھتے کہ وہ کیونکر زندہ ہے۔

۵۲ اے لوگو! جو شخص راہ خدا میں قتل کیے گئے اُن کو مُردہ شمار نہ کرو، وہ تو فی الحقیقت زندہ ہیں اور خدا کے پاس بیٹھے ہوئے اُسکی نعمتوں اور رحمتوں سے مالا مال ہو رہے ہیں!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۵) ان آیات سے ظاہر ہے کہ مصیبت یہاں پر بھی وہ اجتماعی سزا ہے جو خدا قوموں کو اُن کی مجموعی بداعمالیوں کے باعث نہایت غور و خوض کے بعد دیتا ہے۔ انفرادی اور خانگی مصائب اسمیں شامل نہیں اور نہ کسی عزیز کی موت اس قانون کے ماتحت ہو سکتی ہے۔ قوموں کی پشتینی غفلتیں اور کا مچوریاں ایک اقل قلیل مدت کے اندر خدا کے وبال کو دعوت دیتی ہیں، پھر جب انکی بدکاریوں کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو پورے تامل کے بعد خدا کا اٹل حکم نافذ ہو جاتا ہے جیساکہ سورۂ تغابن میں ہے: مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (۶۴: ۱۱) اور جہیں کافروں کے اجتماعی عذاب ہی کا ذکر ہوا ہے۔ تمام قرآن کے طول و عرض میں صرف ایک جگہ (یعنی سورۂ مائدہ میں) 'مصیبت' کا لفظ انفرادی معنوں میں استعمال ہوا ہے مگر وہاں پر موت کے لفظ سے اسکی تصریح کر کے متذکرہ صدر کلیے کو برقرار رکھا ہے: اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ (۵: ۱۰۶)؛ یعنی اگر سفر میں ہو اور تم پر موت کی مصیبت آپڑے تو وصیت کرتے وقت کوئی دو غیر مسلم گواہ بھی پیدا کر لو تو کچھ مضائقہ نہیں۔

الغرض 'مُصِيْبَة' کی قرآنی اصطلاح کے متعلق اس تمام استدلال سے ظاہر ہے کہ اصل کتاب کی آیاتِ زیر بحث میں خدائے عظیم نے اس امر کی تلقین نہیں کی کہ جب تم پر کسی ہمسائے کا خوف طاری ہو، یا غریب اور نادار ہو جاؤ، یا کوئی عزیز مسلمان مر جائے، یا تمہاری تجارت کا جہاز ڈوب جائے تو فوراً "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ" کا طلسمی منتر دُہراؤ! بلکہ یہ کہا ہے کہ اے مسلمانو! اسمیں شک نہیں کہ ہم وقتاً فوقتاً تم کو تمہاری مجموعی بداعمالیوں اور غفلتوں کے باعث محکومیت، الفقر و افلاس، بیچارگی، اور شکست و ریخت کی مصیبتوں میں ڈالتے رہیں گے، لیکن اگر تم سچے معنوں میں مسلمان ہوئے تو تم اپنی آبائی غفلتوں، اور ذاتی واماندگیوں کو خیرباد کہکر صبر و استقلال سے ان مصائب کا مقابلہ کرو گے، اور اپنے سروں پر سے یہ آسمانی بلائیں ٹال کر رہو گے۔ اور صحیح معنوں میں مستقل مزاج اور صابر لوگ تو وہی ہوتے ہیں جو مصیبت کو سر پر سوار دیکھکر قانون خدا کیطرف از سرِ نو رجوع کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں (قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ) اور جان لیتے ہیں کہ یہ مصیبت ہمارے اپنے ہی کرتوت کی وجہ سے ہی اور خدا سے منحرف ہونے کا نتیجہ ہے۔ ہر سزا یافتہ مجرم یا عتاب زدہ ملازم اپنے آقا کو خوش کرنیکے لیے آئے دن بعینہ اسی قطع کا رجوع اختیار کرتا ہے، وہ سزا کے بعد پھر اپنے ناراض حاکم کے حکموں کی تعمیل شروع کر دیتا ہے، اُسکے قانون کی طرف لوٹ آتا ہے، اپنی بداعمالیوں اور غفلتوں سے تائب ہو کر اُسکی صحیح معنوں میں ملازمت اختیار کر لیتا ہے۔ نہ یہ کہ زبان سے کوئی فسون دُہراتا پھرے، اور آقا اُس کی خوش الحانی پر فریفتہ ہو کر اُس کو معاف کرے بلکہ شاباش بھی دے! 'قَالَ' کا لفظ قرآن حکیم میں ایسے موقعوں پر محض مُنہ سے کہنے کے معنوں میں نہیں آتا بلکہ اپنے قول کو فعل سے ثابت کرنا مراد ہوتا ہے۔ سورۂ حٰمٓ السجدہ میں ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ..... (۴۱: ۳۰)، یعنی جن لوگوں نے خدا کو اپنا رب کہہ دیا، پھر استقامت سے اس قول پر جمے رہے اُن پر فرشتے اُترتے ہیں۔" یہاں محض مُنہ سے کہنا ہرگز مراد نہیں بلکہ جن لوگوں نے از روئے عمل خدا کو اپنا حاکم اور رازق مان لیا، اُن کا ذکر ہے۔

تشریح سَیِّئَۃ و حَسَنَۃ

'مُصِيْبَة' کی قرآنی اصطلاح کے معانی اب قریب قریب مسخ ہو چکے ہیں اور ظاہر ہے کہ کوئی انسانی لغت اب اُسکے خدائی مفہوم کو ادا نہیں کر سکتی۔ قرآن بذاتِ خود اپنے معانی کا محافظ ہے اور اسی نقطۂ نظر سے سب انسانی لغات سے بے نیاز ہے۔ ایک اور قرآنی اصطلاح جو قریب قریب

Marfat.com

دائمی وعدے دے دیا کرتا تھا؟ وہ کیوں اپنی سُرمہ گیں آنکھ کی الفت سے بھری ہوئی نظر میں اُن غازیانِ ملت، اور فدائیانِ دین پر ہی ڈالتا تھا جو اسکی راہ محبت میں دیوار آہن کی طرح ثابت قدم

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۶) مُصِیْبَۃٌ یعنی اجتماعی بدحالی کے معنوں میں استعمال ہوئی ہے سَیِّئَۃٌ ہے اور جس کی ضد حَسَنَۃٌ ہے۔ یہاں اِس تقریب پر ان اہم اصطلاحات کی توضیح بھی کردیجاتی ہے اگرچہ اسکی ضرورت آگے چل کر واضح ہوگی **سالف** سورہ نساء میں ہے: مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (۴: ۷۹) یعنی اے لوگو! جو بھلائی تم کو اس دنیا میں پہنچتی ہے وہ تمہارے خدا کے بتائے ہوئے راہ پر چلنے کی وجہ سے ہے، اور جو سزا تم کو اس دنیا میں ملتی ہے وہ تمہارے اپنے کرتوت سے ہے۔ علی ہذا القیاس سورہ شوریٰ میں ہے: وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَۃٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ (۴۲: ۴۸) یعنی "اگر ان کو انکے اپنے کرتوت سے کوئی بُرائی پونہچے"۔ جس سے مقصود افراد اُمت کی غفلت کی وجہ سے اجتماعی سزا کا ملنا ہے۔ سورہ اعراف میں اقوام کو سزا ملنے کے ابتدائی مراحل کے ذکر میں ہے: ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَۃِ الْحَسَنَۃَ حَتّٰى عَفَوْا (۷: ۹۵) "پھر ہم اس قوم کی ظاہری بدحالی کو خوشحالی اور فارغ البالی سے بدل دیتے ہیں یہانتک کہ وہ لوگ اسکے زعم میں حد سے تجاوز کرجاتے ہیں"۔ اسی سورہ میں آگے چلکر ہے: وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَۃُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَۃٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ (۷: ۱۳۰) "اور ہم نے تو فرعون کی قوم کو برسوں کی خشک سالیوں اور کمی پیداوار کی سزا اسی لیئے دی تھی کہ وہ لوگ عبرت پکڑیں اور اپنی بداعمالیوں سے باز آئیں۔ پھر جب اُنپر کوئی اجتماعی راحت نازل ہوتی تھی تو کہتے کہ خدا کی طرف سے خوشنودی مزاج کا یہ پروانہ ہمارے ہی نیک اعمال کیوجہ سے ہے، اور اگر اُنپر کوئی مجموعی آفت آتی تو موسیٰ اور اُنکے ساتھیوں کے بدافعال کا نتیجہ گردان کر اُن کے سر تھوپتے"۔ یہاں نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ کے متذکرہ صدر معانی (صفحہ ۱۲۴ تحت المتن) کی تائید بھی ہوگئی اور سَیِّئَۃٌ کے مطالب بھی صاف ہوگئے۔ سورہ رعد میں ہے: وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَۃِ قَبْلَ الْحَسَنَۃِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ (۱۳: ۶) "اور اے پیغمبر! یہ لوگ تم سے خوشحالی اور اجتماعی عافیت مانگنے کی بجائے عذاب کی جلدی مچارہے ہیں حالانکہ انکو خوب معلوم ہے کہ ان سے پہلے ہمارے ہاں سے وہ وہ دردناک عذاب آئے ہیں کہ اُن کی کہاوتیں چلی آتی ہیں"۔ علی ہذا القیاس سورہ نمل میں حضرت صالح کا قول ہے: قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَۃِ قَبْلَ الْحَسَنَۃِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰہَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (۲۷: ۴۶) یعنی حضرت نے کہا کہ اے قوم! تم کیوں خوشحالی اور امن (الْحَسَنَۃ) کو چھوڑ کر ذل و مسکنت کے عذاب (السَّيِّئَۃ) کے لیے جلدی مچارہے ہو، تم کیوں خدائے ذوالجلال سے اپنی گذشتہ واماندگیوں پر پردہ پوشی کی درخواست (تَسْتَغْفِرُوْنَ) نہیں کرتے تاکہ تم مستحق انعام و اکرام ہوجاؤ"۔ یہاں بھی سَیِّئَۃٌ سے مراد صاف طور پر وہ اجتماعی بدحالی ہے جو احکام خدا کی عدم تعمیل کے باعث ہر قوم پر دفعۃً یا رفتہ رفتہ نازل ہوجاتی ہے۔ سورہ آل عمران میں ہے: اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَۃٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَۃٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا (۳: ۱۱۹) یعنی "مسلمانو! اگر تم کو کوئی اجتماعی فائدہ پونہچتا ہے تو انکو بُرا لگتا ہے، اور اگر تم پر کوئی قومی آفت نازل ہوتی ہے تو یہ منافق خوش ہوجاتے ہیں"۔ یہاں سَیِّئَۃٌ کی کوئی دوسری تاویل غیر ممکن ہے اور مطالب بالالتزام وہی ہیں جو پہلے بیان ہوئے۔ سورہ اعراف میں بنی اسرائیل کے بارے میں ہے: وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۖ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ (۷: ۱۶۸) "اور ہم نے بنی اسرائیل کو بالآخر گروہوں میں تقسیم کرکے سطح زمین پر پھیلا دیا، ان میں سے بعض اُمتیں صالح بنی رہیں (اور مدت مدید تک ہمارے انعاموں سے بہرہ ور ہوتی رہیں) اور بعض بہت جلد غیر صالح ہوگئیں (اور جلد صفحہ زمین سے محو کردی گئیں)، اور ہم نے ان غیر صالح اُمتوں کی آزمائش طرح طرح کی اجتماعی خوشحالیوں (الْحَسَنٰت) اور قسم قسم کی جماعتی بدحالیوں (السَّيِّاٰت) سے کی کہ شاید وہ انعاموں کے ملنے کی لِم کو سمجھکر اور سزاؤں کے آنے کی حقیقت کو پاکر ہمارے قانون کی طرف لوٹ آئیں (لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ)"۔ گویا یہاں مراد یہ ہے کہ جہاں کچھ مدت کے لیئے راہ راست پر آجاتے تھے تو ہم اپنی نعمتوں کا دروازہ یکسر کھول دیتے تھے تاکہ انکو معلوم ہوجائے کہ انعام یکسر ہماری متابعت کی وجہ سے ملتا ہے، اور جہاں ہمارے قانون سے سرکش ہو بیٹھتے تھے تو ان کو بدحال کردیتے تھے کہ سمجھ لیں کہ یہ بدحالی اُنکے اپنے کرتوت ہی سے ہے۔ سورہ زمر میں سَیِّئَات کا یہی مفہوم ذرا اور بھی واضح طور پر ہے: فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۚ وَالَّذِيْنَ

Marfat.com

رہ کر لڑا کرتے تھے: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ صَفًّا کَاَنَّہُمۡ بُنۡیَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ ﴿۶۱ : ۴﴾ لہ نہیں! وہ زمین و آسمان کے خزانوں اور ملاءِ اعلیٰ کے گنجینوں کا مالک خدا، جس کے قبضے میں کائنات عالم کی مقالید

لہ بیشک خدا انہی لوگوں کو پیار کرتا ہے جو اسکی حمایت اور محبت میں صف باندھ کر لڑتے ہیں اور ایسے جمے رہتے ہیں کہ گویا ایک دیوار ہیں جسیں سیسہ پلا دیا گیا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۷) ظَلَمُوۡا مِنۡ ہٰۤؤُلَآءِ سَیُصِیۡبُہُمۡ سَیِّاٰتُ مَا کَسَبُوۡا ۙ وَ مَا ہُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ ﴿۳۹ : ۵۱﴾ یعنی تو اُن لوگوں کو اُن کی بداعمالی کے بُرے نتائج اجتماعی بدحالیوں (السَّیِّاٰتُ) کی صورت میں پہنچے، اور ان اہل مکہ میں سے بھی جو لوگ حدود سے تجاوز کر رہے ہیں (ظَلَمُوۡا) اُن کو بھی اُن کے اعمال کے بُرے نتائج قومی زبوں حالی کی صورت میں عنقریب پہنچنے والے ہیں، اور یہ لوگ ایسے طاقتور تو ہیں نہیں کہ ہم کو عاجز کر دیں۔" اس موقع سے ذرا پہلے سَیِّاٰتُ کو پھر اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے: وَ بَدَا لَہُمۡ سَیِّاٰتُ مَا کَسَبُوۡا وَ حَاقَ بِہِمۡ مَّا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۳۹ : ۴۸﴾ یعنی "پھر ان لوگوں کو اپنے کرتوت کے بُرے نتیجے اجتماعی شکست و ریخت (سَیِّاٰتُ) کی صورت میں ظاہر ہو گئے، اور جس سزا کو یہ لوگ ہنسی مخول سمجھ رہے تھے اُن پر آ نازل ہوئی۔" یہاں بھی سَیِّاٰت سے مراد بصراحت تمام وہ فقر و افلاس، خوف کا ماحول، اور ذلّ و مسکنت ہی جو اقوام عالم کو اُن کی غفلتوں اور بداعمالیوں کی پاداش میں ملتا ہے۔ اس سے مقصود گناہ، نہیں جس کا عملی مفہوم آج شرعی اصطلاح بن کر کچھ بے معنی سا ہو گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ ہود میں سَیِّاٰت کا یہ حالی مفہوم اور بھی واضح ہے: وَ لَئِنۡ اَذَقۡنٰہُ نَعۡمَآءَ بَعۡدَ ضَرَّآءَ مَسَّتۡہُ لَیَقُوۡلَنَّ ذَہَبَ السَّیِّاٰتُ عَنِّیۡ ؕ ﴿۱۱ : ۱۰﴾ یعنی اگر انسان کو کسی تکلیف کے پہنچنے کے بعد ہم نعمائے الٰہی کا تھوڑا سا مزا چکھا دیں تو فوراً اپنے دل میں یقین کر لیتا ہے (لَیَقُوۡلَنَّ) کہ اب (ہمیشہ کے لیے) میری سب خستہ حالیاں مجھ سے دور ہو گئیں۔"

(ب) اِن مثالوں سے قطع نظر قرآن حکیم میں 'کَسَبُوا السَّیِّاٰتُ' اور 'عَمِلُوا السَّیِّاٰتُ' کے معنی خیز جملے بھی استعمال ہوئے ہیں جن کا صحیح مفہوم قوم کے افراد کا اُن مجموعی گناہوں اور بداعمالیوں میں مبتلا ہونا ہے جسکا نتیجہ اجتماعی شکست و ریخت ہی۔ یہاں پر صرف دو مثالیں پیش کر دیجاتی ہیں۔ سورۂ یونس میں ہے: وَ الَّذِیۡنَ کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ جَزَآءُ سَیِّئَۃٍۭ بِمِثۡلِہَا ۙ وَ تَرۡہَقُہُمۡ ذِلَّۃٌ ؕ ﴿۱۰ : ۲۷﴾ یعنی "جس قوم نے بداعمالیاں کمائیں تو یاد رکھو کہ بُرے عمل کا ویسا ہی بُرا نتیجہ ہے، اور وہ نتیجہ یہ ہے کہ اُس قوم پر ذلت چھا رہی ہو گی۔" گویا از روئے قرآن 'سَیِّاٰت' وہ اجتماعی بداعمالیاں (مثلاً تفرقہ اندازی، بدنظمی، بددیانتی وغیرہ وغیرہ) ہیں جن کا نتیجہ قوم کی بدحالی ہے۔ رہی یہ بات کہ اس آیت میں اس دنیا کی جزا و ذلت کا ذکر ہے، آخرت کی سزا کا مذکور نہیں، اس کا ثبوت تیسری مجلد میں آئے گا جہاں تمام رکوع کا مربوط ترجمہ کر دیا ہے۔ سورۂ قصص کے آخری رکوع میں آخرت کی جزا و سزا کے بارے میں ہے: مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَۃِ فَلَہٗ خَیۡرٌ مِّنۡہَا ۚ وَ مَنۡ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَلَا یُجۡزَی الَّذِیۡنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ اِلَّا مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۸ : ۸۴﴾ یعنی "جس شخص نے اپنی جماعت کے حق میں ایک بھلائی کی تو اُسکو اس بھلائی سے بہتر اجر دیا جائے گا، اور جس نے اپنی قوم کو کوئی گزند پہنچایا تو بداعمالیاں کرنے والے لوگوں کو تو ان کے اعمال کے مطابق ہی سزا ملیگی۔" گویا 'کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ' کے قرآنی معانی قومی بدحالی کو اپنے ہاتھوں خریدنا، اور 'عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ' کا صحیح مفہوم اس بدحالی اور ذلت کے لیے عمل کرنا ہے جیسا کہ آج قریب قریب ہر مسلمان اپنی قوم کے لیے اصالتاً اور سعیاً کر رہا ہے۔ ایک اسی قطع کی قرآنی اصطلاح 'مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ' ہے جو سورۂ نحل میں واقع ہوئی ہے: اَفَاَمِنَ الَّذِیۡنَ مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنۡ یَّخۡسِفَ اللّٰہُ بِہِمُ الۡاَرۡضَ اَوۡ یَاۡتِیَہُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۶ : ۴۵﴾ یعنی "تو کیا وہ لوگ جنہوں نے اس کارگاہ سعی و عمل میں بداعمالیوں اور غفلتوں کا جال بچھا رکھا ہے (مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ) فی الحقیقت اس امر سے بےخوف و بےخطر ہو گئے ہیں کہ خدا کسی دن اُن کو زمین میں دھنسا مارے یا اُن پر کوئی اور عذاب اُدھر سے آ نازل ہو جدھر سے اُن کو سان گمان تک نہ ہو۔" گویا مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ سے مراد اجتماعی غفلتوں کا پے در پے مجرم بننا، لیکن مکر و ریا سے یہ سمجھنا کہ درحقیقت کسی جرم کا ارتکاب نہیں ہو رہا جیسا کہ آجکل عالم اسلام میں ہر جگہ ہو رہا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ قرآن حکیم میں بعض اوقات 'حَسَنَۃٌ' اور 'سَیِّئَۃٌ' کے الفاظ بادی النظر میں انفرادی نیکیوں اور ذاتی بُرائیوں کے لیے مستعمل نظر آتے ہیں۔ معاشری خصوصیات

Marfat.com

اور جمیع مخلوق کا رزق ہے : لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ[۱۳] (۳۹ : ۶۳)، وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ[۱۴] (۱۵ : ۲۱)،

---

[۱۳] زمین و آسمان کے خزانوں کی کنجیاں اُسی کے پاس ہیں، جسکو خوش ہوکر جو چاہے اُن میں سے بخش دے۔ تو جو لوگ احکام خدا سے منکر ہیں اور اُسکے مطابق نہیں چلتے وہی گھاٹے میں ہیں۔

[۱۴] اور اس زمین و آسمان کے اندر کوئی ایسی شے نہیں جسکے ہمارے ہاں خزانے نہ بھرے پڑے ہوں، اور ہم اُنکو اس دنیا میں بھیجتے بھی ہیں تو ایک مناسب اندازے کے ساتھ جو ہمارے علم میں ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۸) سے بظاہر ان کا کچھ تعلق نظر نہیں آتا لیکن اگر بہ امعانِ نظر دیکھا جائے تو سیاق و سباق کلام سے عیاں ہو جائے گا کہ ان کا اصلی مفہوم بھی اجتماعی ہی ہے۔ قرآن حکیم اپنے کسی امر و نہی میں اجتماعیت کے گرانقدر اصل اصول کو نظرانداز نہیں کرتا، اور انہی اعمال کو حسنات یا سیئات قرار دیتا ہے جن کی تہ میں اجتماعی ترقی یا تنزل کے جراثیم مخفی ہوں، نہیں بلکہ ازروئے قرآن 'حَسَنَۃٌ' انسان کا وہ انفرادی عمل ہے جو خالصتہً اس ارادے کو پیش نظر رکھکر کیا جائے کہ اُسکے کرنے میں اجتماعی فائدہ ہے، اور علی ہذا القیاس 'سَیِّئَۃٌ' وہ فعل ہے جسکا تعلق اور استمرار من حیث الجماعۃ نقصان دہ ہے' اور اسی لیئے اسکے عامل کی نیت اپنی جماعت کے بارے میں درست نہیں۔ **اعمال کا نیات کے ساتھ لازم ملزوم ہونا** اسلامی فلسفۂ عمل کا وہ جزو لاینفک ہے جو ہر صاحب نظر پر ظاہر ہے۔ دنیا کی بیدار اقوام کے سب افراد ہمیشہ سے تمام حسنات ایسی ہی مستقل پیش نہاد کو سامنے رکھکر کرتے آئے ہیں، اور یہی مطمح نظر جب رفتہ رفتہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے تو قوم میں بلاتجسس نتائج 'سیئات' شروع ہو جاتی ہیں، حتی کہ اکثر 'حَسَنَات' بھی 'سَیِّئَات' بن جاتی ہیں جیسا کہ آجکل زکوٰۃ ہے کہ بیہودہ اور منتشر طور پر خرچ کرنے سے مسلمانوں کو قوت دینے کی بجائے ان میں گداگروں کی جماعت پیدا کرکے ضعف پونہچا رہی ہے۔ اس اہم موضوع کے متعلق اسلامی فلسفۂ عمل کے تحت میں مستقل بحث کی گئی ہے جو تیسری مجلد کے شروع میں آئے گی۔ سردست صرف اسقدر دکھلانا مقصود ہے کہ **'حَسَنَۃٌ' کی صحیح تعریف ازروئے قرآن یہ ہے کہ اس سے کسی مستقل اجتماعی زبون حالی (یعنی السَّیِّئَۃ) کا دفعیہ ہو۔** مثال کے طور پر اگر ایک قوم کے افراد دیانت داری کے اصول پر اسلیئے عمل پیرا ہیں کہ بددیانتی سے اُن کی تجارت کو فروغ نہیں ہو سکتا، اُنکی دنیا میں ساکھ نہیں بیٹھ سکتی، اُن کا کاروبار عالمگیر نہیں ہو سکتا، وغیرہ وغیرہ، تو وہ قوم بلاشبہ ایک 'سَیِّئَۃ' کا دفعیہ ایک 'حَسَنَۃٌ' سے کر رہی ہے، اور اسی لیئے فطرت کے خزانۂ عامرہ سے انعام پا رہی ہے۔ برخلاف اسکے جس قوم کا کوئی مستقل پیش نہاد نہیں رہا، اور اُس کے افراد فرداً فرداً نیک عمل **بلانیت** کر رہے ہیں یا سرے سے قوم کے بدانجام سے غافل ہوکر بدیاں کر رہے ہیں تو قرآن کے رو سے یہ حالت کچھ داخل حسنات نہیں۔ سورۂ رعد میں ہے :

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ (۱۳ : ۲۲)

لوگو! صاحب علم و نظر تو وہ لوگ ہیں ('اُولُوا الْاَلْبَاب' کا ترجمہ جو آیہ (۱۳ : ۱۹) میں ہے) جو اپنے پروردگار کی خوشنودی کی خاطر استقلال کو اپنا دستور العمل بنا لیتے ہیں (صَبَرُوا) جو 'الصَّلٰوۃ' کو قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے انکو دے رکھا ہے اُسمیں سے ایثار مال در پردہ اور علی الاعلان کرتے ہیں اور اپنی اجتماعی بدحالی کا دفعیہ مناسب اعمال کے ذریعے سے کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی دنیا یعنی دنیاوی معاشرت (الدَّار) کا انجام (عُقْبٰی) اچھا ہی اچھا ہے۔

'اَلصَّلٰوۃ' کی اجتماعی خوبیوں، اور ایثار مال کے اجتماعی فوائد کے متعلق اصل کتاب میں بحث ہو رہی ہے، اور آیندہ کئی ورق انہی اہم موضوعوں کے لیئے وقف ہیں، تاہم اس آیۂ کریمہ سے ظاہر ہے کہ 'صبر'، 'اقامت الصلوٰۃ'، 'انفاق مال'، 'ادفاع سیئات'، سب کے سب **اجتماعی اعمال** ہیں جنکا اجتماعی حالت کو درست کرنے کی نیت سے کیئے جانا مقصود ہے۔ یہی مضمون قریب قریب سورۂ قصص[۱۵] (۲۸ : ۵۴) میں ہے، اور وہاں بھی یہی مجموعی

---

[۱۵] اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (۲۸ : ۵۴)۔

Marfat.com

اِن فاقہ مست اور گدیہ گر عرب کے مال و متاع کا محتاج اور قرض حسنہ کا امیدوار کیوں

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۹) جدو جہد مراد ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں یہود کے سیاسی مدو جزر اور اجتماعی عروج و زوال کی توجیہ کے بارے میں خدائی ارشاد ہے:

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ۝ إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ (۱۷: ۶-۷)

پھر اے بنی اسرائیل کے نافرمانبردار لوگو! ہم نے زبردست حکمرانوں کو تم پر حاکم بنا دینے کی سزا کے بعد (دیکھو آیہ (۱۷: ۵)) تم کو اُن پر غلبہ دیکر تمہیں باری دی، مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی، اور تم کو بڑے جتھے والے بنا دیا۔ اور ہم نے بار دگر تم پر عیاں کر دیا کہ اگر تم نے حُسن عمل سے اپنی اجتماعی حالت درست کر لی (اِنْ اَحْسَنْتُمْ)، تو اس کا فائدہ تمہی کو پہنچا (اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ)، اور اگر اس سے بیشتر تم نے بُرے عمل کر کے اپنے آپ کو غیر کا محکوم بنا لیا تھا (اِنْ اَسَأْتُمْ) تو اس کا نقصان بھی تمہی کو ملا تھا (فَلَهَا)۔

یہاں صاف طور پر رب زمین و آسمان کی لغت میں حُسنِ عمل (الحسنات) سے مراد اجتماعی بیداری اور قومی احیا کے وہ متعارف اعمال ہیں جنکا اٹل نتیجہ غلبۂ قوم ہے، اور سُوءِ عمل (السیئات) قومی اخلاق کا وہ انحطاط عمیم ہے جس کا نتیجہ محکومیت اور غلامی ہے۔ جن لوگوں نے حسن عمل سے مراد نہاں خانوں میں بیٹھکر تسبیحیں چلانا سمجھ رکھا ہو اُن کے لیئے یہ آیات از بس سبق آموز ہیں! بنی اسرائیل کی قوم نے اپنے ظالم حاکموں (نہیں بلکہ خدا کے سخت گیر اور بارُعب بندوں عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ (دیکھو آیہ (۱۷: ۵)) سے نجات اعتکاف خانوں کے اندر تسبیحیں پھیر پھیر کر حاصل نہیں کی تھی، وہ لامحالہ تیغ و تفنگ لیکر باہر نکلے ہونگے، ایمان کی اٹل قوتیں اُنکے دلوں میں موجزن ہوئی ہونگی، اتحاد، صبر، ایثار مال وغیرہ ان کا مذہب عمل بن گیا ہوگا، پھر رب غفور و رحیم نے انکے اِس حُسنِ عمل کو دیکھکر اُن کے گذشتہ گناہ، معاف کر دیئے ہوں گے، اور یہ بادشاہت کے حاصل ہونا ہی خوشنودیٔ خدا کی علامت تھی! مال و اولاد کی کثرت (اَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ)، اور اُن کا جم غفیر ہو جانا (وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا)، بھی کچھ تسبیحوں کے زور سے نہ تھا، یہ سب افضال الٰہی عروس سلطنت کی وہ ادنےٰ کنیزکیں ہیں جو ہاتھ باندھے ہوئے اس کے جلو میں ہر وقت حاضر رہتی ہیں! اور ہر اُس قوم کے گھر کا اُجالا بن جاتی ہیں جسکی میہمانی عروس بادشاہت قبول کرے! جو قوم اِس کارگاہ عمل میں اپنی بہتری کے لیئے حتی الامکان ہاتھ پیر مار رہی ہے، جو سعی و عمل کی دوست ہے، آزاد اور زور آور ہے، جو اُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ ہے، وہی اَحْسَنْتُمْ کی مصداق ہے، وہی قانون خدا کی پابند ہے، وہی خدا کی عملاً غلام ہے، وہی عبادت، کا حق ادا کر رہی ہے، وہی عِبَادًا لَّنَا ہے! منکوں کو ہاتھ میں پھیر پھیر کر رواں کرنے سے خدا کی بندگی ہرگز نہیں ہو سکتی! اسکے لیئے ملازم ہونا شرط ہے، کام کرنا شرط ہے، متفق اور متحد ہو کر ہاتھ پیر مارنا شرط ہے! لیکن اس موضوع کو یہاں پر طول دینا بہت کچھ پیش از وقت ہے۔

ج) سَيِّئَةٌ، اور حَسَنَةٌ کے متعلق متذکرہ صدر بحث سے جو (الف) اور (ب) کے ماتحت ہوئی اسقدر ظاہر ہے کہ جہاں آیاتِ مشمولہ (الف) میں ان اصطلاحوں سے مقصود اجتماعی بدحالی اور قومی خوشحالی ہے، وہاں آیات مذکورہ (ب) میں ان سے مراد وہ اعمال ہیں جو اجتماعی بدحالی اور خوشحالی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں اور جن کا انجام بادشاہت اور تسلط فی الارض یا محکومیت اور غلامی ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے کلام الٰہی میں جہاں جہاں یہ الفاظ آئے ہیں وہاں مراد یہی طاقت اندوز یا شکست انگیز اعمال ہیں اس سے کمتر قطعاً کچھ نہیں۔ سورہ انعام کے آخری رکوع میں ہے: مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ۖ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ (۶: ۱۶۱)، یعنی "جو متنفس اِس کارگاہ سعی و عمل سے ایک حَسَنَہ کما لایا تو اُسکو اُس جیسی دس حَسَنَات انعام میں ملیں گی اور جس نے اپنی جماعت کے حق میں کوئی شکست انگیز عمل کیا تو اسکو صرف اسیقدر ملے گی جسقدر اُس نے شکست و ریخت کی تھی، اور اُن پر زیادتی تو کسی صورت میں نہ ہوگی" یہاں بادی النظر میں محاکمہ عام معلوم ہوتا ہے اور خیال میں آتا ہے کہ کسی خاص نیکی کی تخصیص نہیں کی لیکن اس سے پہلے کی آیت: إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا

Marfat.com

رہا کرتا تھا، اور اِس بروقت مالی امداد کے صلے میں چند سکوں کے بدلے، جنت کے نظر فریب

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۰) اَمْرُهُمْ إِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ٥ (۶: ۱۶۰) یعنی اے پیغمبر! جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی فرقے بن گئے، تمہارا اُن سے کچھ تعلق نہیں ہے، اُن کا معاملہ خدا کے حوالے ہے وہ خود ہی انکو دردناک سزائیں دے گا اور اس وقت اُن کے بداعمال کا نتیجہ موبہو بتلا دے گا جبکہ شکست وریخت اُن کے سروں پر چھا رہی ہوگی۔" سے فیصلہ کر دیتی ہے کہ حَسَنَةٌ اور سَيِّئَةٌ کے الفاظ بالتخصیص اِسی اتحاد اور فرقہ بندی کے متعلق استعمال ہوئے ہیں جو ایک اجتماعی عمل ہے، اور ایسے ہی دور رس اور نتیجہ خیز اجتماعی نیکیوں کے متعلق خدائے زمین و آسمان نے دس گنے ثواب مقرر کیا ہے۔ نہ یہ کہ اگر کسی راہ چلتے گدیہ گر کو دو پیسے دیدیئے جائیں تو خدا سے بیس پیسوں کا امیدوار انسان ہوجائے۔ علیٰ ہذا القیاس سورہ نمل کے اخیر میں الْحَسَنَةَ کو اِسقدر جلیل القدر اور لائق الطاف و اکرام عمل قرار دیا گیا ہے کہ قیامت کی نفسا نفسی اور کس مپرسی کے دن اُس ایک الحسنۃ کا عامل سب جزع و فزع سے امن میں ہوگا، اور ایک السیئۃ کا کرنے والا اوندھے مُنہ جہنم میں جھکیل دیا جائے گا:

مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا، وَهُم مِّن فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُونَ ٥ وَمَن جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ٥ (۲۷: ۸۹-۹۰) یعنی "جس شخص نے قیامت کے دن الْحَسَنَةَ کو اپنی شفاعت میں پیش کیا تو اسکو اُسکے عمل سے بہتر اجر دیا جائے گا اور ایسے لوگ اُس دن قیامت کی تمام جزع و فزع سے امن میں ہونگے، اور جو السَّيِّئَةَ کو اپنے ساتھ لایا تو ایسے لوگ اوندھے مُنہ دوزخ میں دھکیل دیے جائینگے اور اُن سے پوچھا جائے گا کہ کیا یہ دردناک سزا تم لوگوں کو ماسوا تمہارے اعمال کے کسی اور جرم کی پاداش میں مل رہی ہے"۔ اِن آیاتِ الٰہی سے ظاہر ہے کہ الْحَسَنَةَ کا معیار از روئے قرآن کسقدر بلند ہے۔ آج لوگوں نے نیکی کا معیار اِسقدر پست متصور کر لیا ہے کہ ادنیٰ سی اور بے نتیجہ نیکیاں کر کے دس گنے ثواب کے منتظر رہتے ہیں اور اس نا روا زعم میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہتے ہیں۔ قریب قریب یہی بات سورۃ المومن (۴۰: ۴۰) میں ہی مگر اسکے اعادے کی یہاں پر ضرورت نہیں۔ قرآن حکیم کی کل کائنات میں صرف دو یا تین موقعے (۴۲: ۴۰)، (۴۱: ۳۴)، (۲۳: ۹۶) ہیں جہاں بادی النظر میں سَيِّئَةٌ یا حَسَنَةٌ کے الفاظ انفرادی معانی میں استعمال ہوئے ہیں مگر جس وقت اُن آیاتِ الٰہی کا ربط اصل کتاب میں ظاہر کر دیا جائے گا تو عیاں ہو جائے گا کہ اُن موقعوں پر بھی اِن قرآنی مصطلحات کا بلند معیار بدستور قائم ہے۔

اِس تمام طول و طویل بحث و تمحیص سے جو ان اوراق میں سَيِّئَةٌ اور حَسَنَةٌ کے الٰہی مفہوم کے متعلق ہوئی بہر نوع یہ ظاہر ہے کہ سَيِّئَةٌ کے معانی بھی مُصِيبَةٌ کی قرآنی اصطلاح کی مانند دنیاوی اور اجتماعی بدحالی کے ہیں۔ جو جو سزائیں اقوامِ عالم کو اس دنیا میں قانونِ خدا سے منحرف ہونے، اور ذاتی غلطیوں کے تسلسل میں ملتی ہیں، اُن کے لیئے قرآن نے لفظ 'سَيِّئَات' تجویز کیا ہے۔ اِسی لحاظ سے جہاں جہاں قرآن میں "نُكَفِّرْ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ" یا "لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ" وغیرہ کے الفاظ ہیں، انکا صحیح مفہوم یہ ہے کہ "ہم اُن کی تمام اجتماعی بدحالیوں اور خانہ بربادیوں کو دُور کر دینگے"۔ نہ یہ کہ "ہم اُن کے گناہوں کو معاف کر دینگے"۔ جس کے معنی عملاً غیر محدود ہیں کیونکہ کسی شخص یا قوم کو پتہ نہیں لگ سکتا کہ اسکے گناہ درحقیقت معاف ہوئے ہیں یا نہیں۔ اکثر شارحین قرآن نے اِن الفاظ کا یہ بے معنی اور بے نتیجہ سا ترجمہ کر دیا ہے اور حقیقت سے دور جا پڑے ہیں۔

'سَيِّئَةٌ' کے لفظ پر طول و طویل بحث آیہ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ٥ (۲: ۱۵۶) صفحہ ۱۲۲) کے تحت میں اِس لیئے کی گئی ہے کہ صفحہ ۱۲۲ کے متن کی آیہ (۳: ۱۹۴) میں لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ کے الفاظ آ چکے ہیں اور سَيِّئَةٌ کی تشریح نہیں ہو سکتی تھی جبتک کہ مُصِيبَةٌ کی تشریح نہ کر دی جاتی۔ بہر نوع ظاہر ہے کہ اس آیت میں مراد یہ ہے کہ جن لوگوں اور قوموں نے میری راہ میں قتال کیا اور قتال کرتے کرتے ترکِ وطن پر مجبور ہوئے، میں اُن کی اجتماعی بدحالیوں کو دور کر دونگا، اور اُنکو ایسے باغوں اور سرسبز زمینوں (جنّٰت) کا بادشاہ بنا دونگا جن کے تلے نہریں بہتی ہونگی۔ ضمناً یہاں 'جنّٰت' کے معانی کی بھی تشریح ہو گئی۔ اگرچہ جنّٰت کے متعلق مکمل بحث تیسری مجلد پر چھوڑ دی گئی ہے۔ جو شخص اس قتال میں بچے رہتے اُن کے لیئے زمین کے جنّات کی بادشاہت، اور جو مارے گئے اُنکے لیئے آخرت کے

Marfat.com

باغات اور نہریں کیوں فروخت کردیا کرتا تھا، اور پھر ان نعمائے الٰہی کے باوجود اِس

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۱) **باغ بہشت** - یہی "ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ" کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ 'مِنْ' کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ ثواب دنیاوی ہے اور سود النقد - آخرت کا اُدھار مقصود نہیں جیساکہ شارحین نے بالعموم فرض کرلیا ہے اور اس ناروا فرض کے باعث مسلمانوں کے آگے سے بادشاہت زمین کا وہ اہم نصب العین اور بہترین انعام دور کردیا ہے جس پر سعی و عمل کا تمام حصر تھا۔

صلوٰت کے مفہوم کی تشریح

آیہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (۲: ۱۵۶) کے مطالب کی صحیح تعیین کے بعد جو غور طلب بات لائق شرح و بیان رہجاتی ہے یہ ہے کہ آیہ (۲: ۱۵۷) صفحہ ۱۲۳ کے الفاظ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ میں صَلَوٰتٌ کا مفہوم بعینہ کیا ہے، نہیں بلکہ مروجہ طریق درود خوانی میں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ کے کیا معانی ہیں۔ اہل اسلام کی شرعی مجالس میں اور دوسرے موقعوں پر نبی کریمؐ کے نام پر درود بھیجنے، کا طریقہ ابتدا سے رائج ہے، اسمیں ہر مسلمان روز اول سے نہایت شد و مد سے حصہ لیتا چلا آیا ہے؛ اور اس درود کا بار بار پڑھنا داخل ثواب سمجھتا ہے۔ صدر اسلام میں بلا اسکے کچھ دیر بعد تک جب کہ نبی آخر الزمانؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پڑھایا ہوا سبق ابھی تازہ ہی تھا، اور اسلامی اوامر و نواہی کی حکمت بالغہ ہر مسلمان کے ذہن نشین اسقدر ہوگئی تھی کہ اسکی تعمیل کیلئے عند الضرورت ہزاروں میل چلنا بھی اُسکے لیئے ناگوار نہ تھا، ممکن ہے کہ کم و بیش ہر مسلمان درود پڑھتے وقت اُسکے صحیح مفہوم سے واقف ہو؛ بلکہ اسکو صحیح لہجے اور تکیف دل کے ساتھ ادا کرتا ہو۔ لیکن آج جبکہ مسلمانان عالم اسلام کا اکثر درس بھول گئے ہیں، 'درود' کا صحیح مفہوم اور اُسکا سچا کیف حال ذہنوں سے قاطبۃً نکل چکا ہے، اور باقی ملفوظات شرعی کی طرح یہ عمل بھی محض رسمی اور بے نتیجہ رہ گیا ہے۔ آج جب کسی اوسط مسلمان کو درود کے متعلق سوال کیا جاتا ہو کہ وہ کیا ہے، کیوں اور کس لیئے بھیجا جاتا ہے، اسکی الٰہی حکمت کیا تھی، تو وہ آئیں بائیں شائیں کرتا نظر آتا ہے، اور بالآخر جب تہ تک نہیں پونہچ سکتا تو سب ہتیار ڈالکر کہہ دیتا ہے کہ خدا کے احکام میں عقل کو کچھ دخل نہیں! اسمیں کلام نہیں کہ یہ طریق تخیل کسی حق طلب قوم کے لیئے ازبس مہلک ہے، اور فقدان عمل کا راز بھی اسی دم مزن اور لب کشا حالت کے قیام میں ہے۔ آیہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کی متذکرہ صدر توضیح کے بعد کم از کم یہ ظاہر ہے کہ خدا نے اپنی جناب سے اُن لوگوں کو تحسین و آفرین کہنے کا وعدہ کیا ہے جو کسی اجتماعی مصیبت کو دفع کرنے کی غرض سے قانون خدا کی طرف لوٹ آتے ہیں، اور ایسے ہی کارکن لوگوں کے بارے میں اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ کے الفاظ استعمال کیئے ہیں۔ گویا صَلَوٰتٌ سے مراد وہ شاباش اور تحسین و آفرین ہے جو کسی شخص کو کسی پسندیدہ کام کے سرانجام کرنیکے بعد دیجاتی ہے۔ قرآن حکیم میں سرور کائنات پر 'صلوٰت' اور 'سلام' بھیجنے کا حکم سورۂ احزاب کے ان الفاظ سے ظاہر ہے؛

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (۳۳: ۵۶)

(لوگو! تم کس ناروا زعم میں ہو اور کیوں آئے دن نئے نئے بہتان باندھکر اور خوابیدہ فتنے جگا جگا کر رسول خدا کو تنگ کرتے ہو حالانکہ اس جلیل القدر نبی کی شان و منزلت ہے کہ) وہ زمین و آسمان کا مالک خدا، اور اسکی عالم آرا قوتوں کے علمبردار فرشتے سب کے سب اُسکی حیرت انگیز طاقت عمل، اُسکی صحبت کے دیرپا اثر، اُسکے انقلاب انگیز زور برداشت، اُسکی مقلب القلوب روحانیت پر تحسین و آفرین کے نعرے لگاتے رہتے ہیں (يُصَلُّوْنَ) اور ہر دم اُسکے خیر الورٰی اور سید کائنات ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی اپنے اس رہنمائے جلیل پر آفرین کے نعرے لگاؤ (صَلُّوْا عَلَيْهِ)، اور اُسپر اپنی تمام اُمت کا سلام بھیجا کرو (سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا) اُسکے احکام کے آگے سر تسلیم خم کردیا کرو (سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا)۔

ملٰٓئکہ کی حقیقت سے یہاں پر بحث نہیں، نہ اسپر کہ رسول خدا کا وہ کیا زور عمل تھا جس نے ایک عالم کو انگشت بدنداں کردیا تھا؛ اسکی حقیقت اصل کتاب میں بتدریج عیاں کردیجائے گی۔ لیکن یہاں ظاہر ہے کہ نبی پر درود بھیجنے سے مراد کیف دل کے ساتھ اُسکے جلیل القدر کارناموں پر تحیر ہونا، اُس کا نام بر لب آنے پر تحسین و آفرین کے نعرے لگانا، اسکو زندہ باد اسلام! کہنا وغیرہ وغیرہ ہے جیساکہ آج ہر قوم اپنے رہنماؤں کے دیدار سے مشرف ہوکر کیا کرتی ہے۔ اس عقیدت کیشی کا نتیجہ اکثر یہی ہوا کرتا ہے کہ دل میں اُن کاموں کی عظمت برقرار رہتی ہے، اور ہر شخص کے دل میں کچھ نہ کچھ ان ہی کاموں کے

قرضِ حسنہ کی چند در چند واپسی کا کیوں اقرار کرتا تھا؟

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۲) قدم بقدم چلنے کی اُمنگ پیدا ہوتی ہے۔ یہی مقصود نبی کریمؐ پر 'درود' بھیجنے سے تھا! اور یہی اسکا ثواب، (فائدہ) ہے مگر واحسرتا کہ یہ رسم بھی اب بے اثر ہو چکی ہے!

رہی یہ بات کہ صلوٰۃ سے مقصود بعینہٖ یہی تھا جو اوپر بیان ہوا، اور صلوٰۃ کا عمل صرف پیغمبر خدا ہی سے مخصوص نہیں بلکہ ہر درخورِ تحسین شخص اس کا مستحق ہے، اور اس زمانے میں تھا جب کہ قرآن وحی کیا جا رہا تھا، اس کا ثبوت سورۂ توبہ کی ایک آیت سے ہوتا ہے جس میں منافقین عرب پر درود بھیجنے کا حکم رسولؐ خدا کو دیا گیا ہے!!

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۹: ۱۰۳)

اے پیغمبر! ان مشکین اور منافقین عرب سے اُنکے مال میں سے کچھ شئے بطور صدقہ لے لیا کرو (کہ یہ 'صدقہ' بادی النظر میں اُنکی مزعومہ قلبی کیفیت کی تصدیق کرتا ہے (دیکھو 'صدقہ' کی تعریف تحت المتن صفحہ ۱۱۷))، تم یہ طریقہ اختیار کرکے فی الحقیقت اُن کے دلوں کو محبتِ ماسویٰ سے پاک صاف کر دو گے (تُطَهِّرُهُمْ) اور اُن کے نفسوں کو آلائشِ حُبِّ زر سے مبرا کر دو گے (تُزَكِّيْهِمْ) مادری نہیں بلکہ اُن کا شکریہ ادا کرو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) انکو اس ایثارِ مال کے عوض میں تحسین و آفرین کہو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) انکو دعائے خیر دو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) کیونکہ تمہاری شاباش (صَلٰوتَكَ) اُنکے لیے موجبِ اطمینان ہوتی ہے! اور انکو ان سے بھی اچھے کاموں کے کرنے پر آمادہ کرتی ہے' اور یوں تو خدا ہر شخص کے ظاہر و باطن کو سمجھنے والا! اور دل کی کیفیات کو خوب جاننے والا!

اسی سورہ میں جہاد سے جی چرانے والے منافقین کے بارے میں: وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا (۹: ۸۴) ہے یعنی اگر انمیں سے مر جائے تو انکو ہرگز شاباش نہ کہو! اور پھر آگے چلکر اعراب کے

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۹: ۹۹)

اور لوگو! ان بدو اعراب میں سے ایک طبقہ ان لوگوں کا ہے جو خدا کو حاکم اعلیٰ مانتے ہیں اور اُسکے حضور میں روزِ قیامت کو جواب دہی کرنے پر یقین کرتے ہیں، اور جو ایثارِ مال وہ کرتے ہیں اُسکو خدا کے تقرب اور رسول کی شاباش (صَلَوٰت) کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اے پیغمبر! ان کے ذہن نشین کر دو کہ یہ مال خرچ کرنا بیشک ان کے لیئے باعثِ تقرب ہے! اور اگر وہ اسیطرح اپنی اجتماعی بہتری کے لیے مال خرچ کرتے رہے تو عنقریب خدا انکو اپنی رحمت میں لے لیگا۔ اسمیں شک نہیں کہ وہ کارکن لوگوں کے حق میں گذشتہ واماندگیوں پر بڑا پردہ ڈالنے والا، اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

یہاں صاف طور پر 'صَلَوٰت' کا مطلب وہ شاباش اور دعائے خیر ہے جو رسولؐ خدا ایسے مفید کارکنوں کو دیا کرتے تھے اور جو اُن کے لیے باعثِ ازدیادِ اطمینان ہوا کرتی تھی۔ سورۂ احزاب میں قرونِ اولیٰ کے کارکن اور شہدائے خدا مومنوں پر خدا اور اُسکے فرشتوں کا درود بھیجکر 'صلوٰت' کی حقیقت کو اور بھی عیاں کر دیا ہے! (اس آیت میں 'الظُّلُمٰت' اور 'النُّوْر' کے صحیح مفہوم پر بحث نہیں! آئندہ ترجمے میں ان اصطلاحوں کا قرآنی مفہوم ادا کر دیا ہے لیکن اسکا ثبوت بعد میں کسی موقع پر آئیگا)

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ○ (۳۳: ۴۳)

مسلمانو! اُس ربِ ذوالمنن کے احسان و اکرام کی یہ شان ہے کہ وہ اور اسکی عالم آرا قوتوں کے علمبردار ملائکہ آج تم خستہ حال اور پیہم زخم اجل زدہ اور نابکار اہل عرب کو اپنی تمام مستعدی کے ساتھ تحسین و آفرین کہہ کہہ کر اس بات پر آمادہ کر رہے ہیں (يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ) کہ تم کو جہالت، غفلت اور ناانجام شناسی کی ظلمتوں سے (مِنَ الظُّلُمٰتِ) نکالکر علم و عمل اور حقیقت کی روشنی کی طرف (اِلَى النُّوْرِ) نکال لائیں، اور اسمیں شک نہیں کہ وہ بادشاہِ زمین و زمان! ایمان لوگوں کے ساتھ بڑا ہی صاحبِ لطف و کرم رہا ہے۔ (مَلٰٓئِكَة کی حقیقت اور انکے درود کی کیفیت سے یہاں پر بحث نہیں، لیکن ظاہر ہے کہ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ سے مراد یہاں پر وہ تحسین و آفرین ہے جو ایک صاحبِ رحم اور ہوشمند، ایک عادل اور محسن شخص کسی مصیبت زدہ اور غافل شخص کو اس نیت سے دیتا ہے کہ اسمیں اپنے آپ کو اُس تکلیف سے نجات حاصل کرنے کا حوصلہ اور استعداد پیدا ہو) مومنین عرب کے حق میں خدا نے بیمثال کے اسی بے اندازہ کرم کو مدنظر رکھکر اس سے پیشتر کی آیت میں فرمایا ہے، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ○ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ○ (۳۳: ۴۱-۴۲)

Marfat.com

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (۹: ۸۸-۸۹)

لیکن رسولؐ اور جو لوگ اسکی تائید میں ایمان لاکر اپنے مال و جان سے جہاد کرتے رہے، یہی ہیں جنکو بہتر سے بہتر چیزیں دیجائیں گی، اور یہی کامیاب لوگ ہیں۔ اللہ نے اُن کیلئے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ اُنمیں ایک مدت مدید تک رہیں گے، اور یہ بڑی ہی کامیابی ہے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۳۳) یعنی اے ایمان والو! خدا کا اپنے دلمیں احساس کثرت سے کیا کرو، اور صبح و شام اسکی تسبیح و تقدیس کرتے رہو گویا ایسا محسن، ایسا رحیم، ایسا صاحب لطف و کرم خدا جو تم کو شاباش دے دے کر ظلمت سے نور کی طرف نکالتا ہے اور تمہارے حوصلے بڑھا بڑھا کر تم کو حقیقت اور امن، تمکن فی الارض اور بقا کی طرف لاتا ہے اسی کے شایاں ہے کہ ہر دم اس کا کھٹکا اور اسکی یاد دل میں لگی رہے)۔

ان تمام مثالوں سے ظاہر ہے کہ وہ شرعی ماحول جو لفظ 'صلِّ علیٰ' کے گرداگرد پیدا ہوگیا ہے خود لوگوں کا پیدا کیا ہوا ہے۔ قرآن کو اس سے کچھ سروکار نہیں۔ قرآن حسب موقع عام مومنوں بلکہ منافقوں پر درود بھیجنے سے بھی نہیں جھجکتا! ضمناً یہ بھی ثابت ہوگیا کہ الصلوٰۃ، تحمید و تحسین رب العٰلمین ہے۔ اس تمام تصریح کے بعد ضمناً اُس عظیم الشان حکایت کے صحیح مطالب بھی صاف ہوجاتے ہیں جو ہر مسلمان پانچ وقت خدائے جل شانہٗ کے حضور میں سلام پھیرنے سے پہلے بیٹھکر کرتا ہے۔ یعنی 'التحیات' اور 'اللّٰھم صلِّ علیٰ محمد' اور 'اللّٰھم بارک علیٰ محمد' کے مطالب۔ آج فیصدی ایک متنفس بھی ان تینوں قرأتوں کے مقاصد کی تہ تک نہیں پونہچتا، اور علی الحساب بڑبڑا کر سلام پھیر دیتا ہے۔ الصّلوٰۃ کے صحیح مقاصد کے متعلق مفصل بحث اصل کتاب میں آگے آرہی ہے لیکن ظاہر ہے کہ نماز میں حضوریٔ دل نہ ہونیکا بڑا باعث اُسکے صحیح مطالب کو نہ سمجھنا ہے۔ جب ایک شخص نہیں سمجھتا کہ وہ مخاطب کو کیا کہہ رہا ہے اور کس غرض و مطلب کے لیئے کہہ رہا ہے تو اسکا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ وہ اسکو طوطے کی طرح پڑھکر چھٹکارا اُتار دے اور بس۔ 'التحیات' خدا کے حضور میں ہر مسلمان عالم اور عامل کا وہ خراج تحسین و آفرین ہے جو وہ نبی کریمؐ کے حیرت انگیز اور جلیل القدر کارناموں کو ذہن میں لاکر دن میں پانچ وقت ادا کرتا ہے، وہ رب ذوالجلال کی جناب میں اطمینان سے بیٹھکر سب سے پہلے اس آقائے ذوالمنن کی نعمتوں کا مُقِر ہوتا ہے (اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ)، پھر اس رسول اعظمؐ کے اعمال کو جسنے تیئیس برس کی اقل قلیل مدت میں ایک جاہل اور اُجڈ قوم کا باوا آدم بدلکر انکو روئے زمین کے اکثر حصے کا بادشاہ بنا دیا تھا، سراہتا ہے، اُسپر رحمت اور برکت بھیجنے کی سفارش کرتا ہے، اُسکو اعظم الناس سمجھتا ہے (اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ)، پھر اپنے آپ کو اُسی جلیل القدر رہنما کا ایک پیرو، اور اُمت وسطیٰ کا ایک کارکن شمار کرکے اُس شہداء علی الناس اُمت[۱] اور اُسکے صالح العمل ارکان پر سلام بھیجتا ہے (اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ)، بعد ازاں خود اپنے دن بھر کے کارناموں اور اعمال کو نہایت عاجزی سے خدائے زمین و آسمان کے حضور میں پیشکش کرکے اپنے آپکے شاہد خدا ہونے اور اُس رسول کے اُمتی ہونے کا مُقِر ہوتا ہے (اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ) اسکے بعد اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ اور بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ ہے۔ پھر خدا کے ساتھ کئی لمحوں کی حضوریٔ دل، اور خلق خدا سے قطع تعلق کے بعد باشندگان زمین کو اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ کا نعرہ دائیں بائیں ہے، اور نہایت ادب سے اُسکے حضور سے اُٹھ جانا ہے۔ یہ نماز ہے! اگر اسی کیف دل کیساتھ ادا ہو تو کچھ معنی رکھتی ہے، نتیجہ خیز ہے، ورنہ ایک بے اثر اور بے ثواب رسم ہے جسکو لاکھ بار کرنے سے کچھ نتیجہ مترتب نہیں ہوسکتا۔ انسان جو چاہے فرض کرے مگر اس کارخانہ قدرت کے اندر وہی شئے نتیجہ خیز ہے جو واقع الامر ہے۔ فرض اور ظن کو اسکے اندر کچھ دخل نہیں!

٭۲ 'الحسنات' کی تشریح صفحہ ۱۲۶ کے تحت المتن میں سَيِّئَةٌ اور سیّئات کی شرح و بسط کے ضمن میں ہوچکی ہے اور وہاں پر ثابت کردیا ہے کہ 'حسنات' کا اصلی مفہوم وہ اجتماعی برکتیں اور خوشحالیاں ہیں جو اُمتوں کو اُن کے حسن عمل کے انعام میں ملا کرتی ہیں، نیز یہ کہ بعض موقعوں پر حَسَنَةٌ سے

---

[۱] دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۰۵۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً ؕ وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ ۪ وَ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۴) مقصود بذات خود وہ اجتماعی اعمال ہیں جن کا نتیجہ قوم کی خوشحالی ہوا کرتا ہے۔ اس آیۂ شریفہ میں 'الخیرٰت' کا لفظ استعمال ہوا ہے، اور سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر بھی 'مومن' اور مجاہد بالمال والانفس قوم کو اجتماعی خوشحالی کی بشارت دی گئی ہے (اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْخَیْرٰتُ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ)۔ شارحین نے جو 'خیرٰت' سے مراد نیکیاں، اور فلاح کا مطلب 'اُخروی نجات' لے لیا ہے۔ بے معنی ہے، کیونکہ نیک عل (یعنی جہاد مال و جان) کے بدلے 'نیک عمل' ملنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ اور 'فلاح' بھی دنیوی اور اخروی دونوں مقصود ہے اصرف اُخروی نہیں جو نظروں سے تا حال نہاں ہے اور اسقدر محرک سعی و عمل نہیں ہوسکتی جسقدر کہ فوری اجر۔ نہیں بلکہ اجتماعی فلاح کا حاصل ہوجانا، یا اسکی جستجو میں اپنی جان اور مال کو قربان کردینا ہی کسی متنفس کی اخروی نجات کا پیش خیمہ ہے، اور یہی اُس آیندہ اور ابدی نجات کے حاصل کرنے کا صحیح معیار ہے۔ اس موضوع پر مدلل بحث اصل کتاب میں کچھ دیر بعد آئے گی، سر دست لفظ 'خیرٰت' سے سروکار ہے جسکے معنی ہم نے دنیا کی بہترین اشیاء اور نعمتہائے الٰہی کیے ہیں۔ اس مفہوم کی تائید قرآن حکیم میں کئی موقعوں پر بالصراحت موجود ہے۔ سورۂ مومنون میں فرقہ بند، مشرک، اور منتشر الاعمال قوموں کے بارے میں ہے: اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّھُمْ بِہٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ ۝ نُسَارِعُ لَھُمْ فِی الْخَیْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ۝ (۲۳: ۵۵-۵۶) "کیا یہ لوگ اس زعم میں ہیں کہ ہم جو فی الحال مال اور اولاد کی کثرت سے انکی مدد کررہے ہیں، اس سے یہ مترتب ہوتا ہے کہ ہم انکو اچھی اچھی اشیاء (الخیرٰت) اور نعمتہائے الٰہی (الخیرٰت) کے عطا کرنے میں جلد بازی کررہے ہیں۔ نہیں بلکہ یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ہم ان کو کچھ اپنے پاس سے دے نہیں رہے، بلکہ لگے دیئے ہوئے انعام بھی رفتہ رفتہ چھین رہے ہیں۔" آگے چلکر ایمان والی قوم کے بارے میں ہے: اُولٰٓئِکَ یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَھُمْ لَھَا سٰبِقُوْنَ ۝ (۲۳: ۶۱) "یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقت انعامات خدا (الخیرٰت) کے حاصل کرنے میں جلدی کررہے ہیں (نہ وہ لوگ جن کا ذکر اوپر ہوا (۲۳: ۵۵-۵۶)، اور یہی اُن کو لپک لپک کر پکڑ رہے ہیں۔" ان دونوں موقعوں پر 'الخیرٰت' کے کوئی دوسرے معانی ہو نہیں سکتے، اور مراد صاف طور پر اجتماعی انعام ہیں، انفرادی نہیں۔ سورۂ مائدہ میں علی ہذا القیاس اختلاف کی برائیوں کے ضمن میں ہے:

وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّلٰکِنْ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰکُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ (۵: ۴۸)

اور اے ساکنان زمین اگر خدا اپنی مرضی کرتا (لَوْ شَآءَ اللّٰہُ) تو ضرور تم انسانوں کو ایک اُمت بنا دیتا۔ لیکن یہ صورت اختلاف جو تم نے اپنی خود رائی اور خدا سے برگشتگی کے باعث پیدا کرلی ہے اس سے شارع کائنات کی غرض یہ ہے کہ وہ تم مختلف شدہ امتوں کا امتحان اُن اہلیتوں اور نعمتوں کے بارے میں لے جو اُسنے تم کو دیں (لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰکُمْ) تو اے انسانی امتو! تم اپنے آپ کو اس آزمائش میں کامیاب ثابت کرنے کے لیے خداوند عالم کے بہترین اجتماعی انعامات کی طرف لپکو (فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ)۔ جانے رہو کہ تم سب نے ایک ایکدن خدا کی طرف لوٹنا، اور اسکے حضور میں اپنے سعی و عمل کی جوابدہی کرنی ہے۔ پھر اُسدن وہ بنی نوع انسان کا خالق خدا تم کو اُس حقیقت حال سے مطلع کردے گا جسکے بارے میں تم آپس میں اختلاف پیدا کرکے ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہوگئے تھے۔

اس آیۂ شریفہ کے مطالب کے متعلق مکمل بحث صفحہ ۱۰۳ کے تحت المتن میں آئے گی۔ وہاں پر 'لَوْ شَآءَ اللّٰہُ' کا متذکرۂ صدر مفہوم ثابت کردیا جائے گا لیکن ادنیٰ تامل کے بعد صاف ظاہر ہے کہ 'الخیرٰت' سے مراد یہاں پر وہ اجتماعی انعامات ہی ہیں جو اقوام عالم کو اُن کے سعی و عمل کے بدلے میں خدا کی جانب سے ملتے ہیں؛ اور انہی انعامات پر قبضہ کرنیکے لیے 'اِسْتَبِقُوْا' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ 'نیکیوں کی طرف لپکنا'، جیسا کہ اکثر شارحین نے سمجھ لیا ہے محض بے نتیجہ اور بے کار ہے کیونکہ سعی و عمل کے متعلق تمام ترغیب و تحریص کسی مستقل انعام کو پیش نظر رکھکر ہوسکتی ہے، سعی بے حاصل کو فی نفسہٖ مآل سعی سمجھنا محض ایک شاعرانہ تخیل ہے، جس کی حقیقت از روئے عمل کچھ نہیں۔ یہی مفہوم 'الخیرٰت' کا سورۂ فاطر کی اس معنی خیز آیت میں ہے: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ

Marfat.com

إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ○ (۲: ۱۴۴-۱۴۵)

اور خدا کا بول بالا کرنے کے ضمن میں اگر دشمن سے لڑائی کی نوبت بھی آپہنچے تو قتال کرو، اور خوب جان لو کہ خدا تمہارے ارادوں کو بڑا سمجھنے والا، اور تمہارے اعمال کو بڑا جاننے والا ہے۔ کون ہے جو اللہ کو خوش دلی کے ساتھ قرض دے، اور پھر خدا اُس قرض کو اسی کے لیے کئی گنا بڑھا دے۔ تنگ دست کرنا یا کشائش دینا بالآخر خدا ہی کے اختیار میں ہے، اور اُسی کی طرف تم بالآخر رجوع کرتے ہو۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۵) الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ○ (۳۵: ۳۲)، یعنی "اے لوگو! پھر ہم نے اپنے بندوں میں سے جس قوم کو اہل سمجھا (یعنی مسلمانانِ قرونِ اولیٰ) اُسکو قانونِ خدا (الْكِتَابَ) کا وارث ٹھیرایا، تو اُن (کی آیندہ نسلوں) میں سے کوئی اُمت ایسی ناخلف ہو گی کہ بداعمالیوں سے اپنے آپ کو ہلاک کرے گی (ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ) اور کوئی ایسی بھی ہو گی کہ اپنے اوسط درجے کے سعی و عمل سے ہلاکت اور عروج کے بین بین رہے گی (مُقْتَصِدٌ) اور کوئی ایسی بھی ہو گی جو اپنے انتہائی جہد و عمل سے خدائے عظیم کے عطا کردہ انعاموں کی طرف لپک لپک کر پہنچے گی (سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ)، اور یہ آخری حالت کا قائم ہو جانا انتہائی فضل و کرم ہے۔" یہاں 'سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ' کے ساتھ 'بِإِذْنِ اللَّهِ' کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ وہ اجتماعی انعام خدا کے حکم سے ملیں گے۔ خدا کے حکم سے نیکیوں کی طرف لپکنا' کچھ بے معنی سا ہے، اور یہاں استعارہ بظاہر اُس حالت کو پیش نظر رکھکر لیا گیا ہے جب منعم کسی انعام کی بخشش کے لیے اذن دیتا ہے اور منعم علیہ اسکے لینے آگے کو لپکتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ صاحب القرآن تعالیٰ کے بہشت کی حوروں کو لفظ "خَيْرَات" سے یاد فرمانے کی وجہ بھی انکی یہی انعامی حیثیت ہو جو اوپر بیان ہوئی۔ سورۂ الرحمٰن میں ہے: فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ ○ (۵۵: ۷۰)، یعنی "ان باغات کے اندر یہ عزیز القدر انعامات الٰہی یعنی خوبصورت بیبیاں ہونگی"!

'خَيْرَات' کے اِس مفہوم سے قطع نظر قرآن حکیم میں چند مواقع ایسے ہیں جہاں پر اس اصطلاح سے مراد (حَسَنَات کے مفہوم کی طرح) وہ اعمال ہیں جنکا نتیجہ افضال و اکرام ہے۔ ایک آیت (۲۱: ۷۳) صفحہ ۱۰۸ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ مگر یہاں پر اُسکا اعادہ کیا جاتا ہے:

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ ۖ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ ○ (۲۱: ۷۳)

اور لوگو! ہم نے اسحٰق اور یعقوب علیہما السلام کو بھی اُن کے باپ ابراہیم علیہ السلام کی طرح اُن کی قوم کا پیشوا بنایا، وہ اپنی قوم کی رہنمائی ہمارے قانون کے ذریعے سے کرتے رہے، اور ہم نے ان کی طرف مفید جماعت اور مصلح قوم کاموں (الْخَيْرَات) کے کرنے کی وحی بھیجی، اُنکو حکم دیا کہ الصَّلَاة کو قائم کریں، الزَّكَاة کو دیتے رہیں، اور وہ لوگ تو نماز گذار اور پابند زکوٰۃ ہی نہ تھے بلکہ فی الحقیقت ہمارے بندے اور غلام بنکر رہتے تھے۔

الصَّلَاة اور الزَّكَاة کی اجتماعی حیثیت کے متعلق مکمل بحث اصل کتاب میں آنے والی ہے تاہم سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر اُن قومی اور اجتماعی اعمال کا ذکر ہو رہا ہے جن کا نتیجہ فلاح قوم ہے اور جو ائمۂ اقوام کا پیش نہاد ہمیشہ سے رہا ہے۔ گوشہ نشین بن کر رام رام جپنے کا یہاں مذکور نہیں۔ عامۃ الناس نے نیک بننے (یعنی فِعْلَ الْخَيْرَات) کو اکثر یہی سمجھ لیا ہے۔ بعینہٖ اسی قطع کے اعمال کا ذکر اسی سورۃ میں زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کے بارے میں ہے: إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۖ وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ ○ (۲۱: ۹۰) یعنی "ہم نے اُن پر یہ احسان بدیں وجہ کیے کہ اسمیں شک نہیں یہ لوگ مفید قوم اور مصلح اُمت اعمال طرف لپک لپک کر پہنچتے تھے، اور ہم کو اجتماعی انعام کی رغبت، اور اجتماعی سزا کے خوف سے پکارا کرتے تھے، اور اسی بیم و رجا کے باعث ہماری جناب میں سچا خضوع و خشوع کیا کرتے تھے۔" رغب و رہب اور خوف اُمید کا تکیف دل میں تبھی پیدا ہو سکتا ہے جب انعام دنیاوی ہو، اور یہی خشوع کا سچا باعث اکثر ہوتا ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے ادنیٰ تأمل بھی اِس نتیجے پر پہنچا دیتا ہے کہ یہاں بھی الْخَيْرَات سے مراد خدمت عباد ہے، تسبیح گردانی قطعاً نہیں۔ سورۂ آل عمران میں جو خدائی محاکمہ بعض صالح اہل اہل کتاب کے بارے میں ہے اِس مفہوم کا صریح طور مؤید ہے: يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ

Marfat.com

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ وَلَہٗٓ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ○ (۵۷ : ۱۱)

کون ہے جو اپنے مال کا بہترین حصّہ خدا کا نام بلند کرنے کی خاطر صرف کرے، اور پھر خدا بھی اسکے واسطے اسکو چند در چند کردے، اور ساتھ ہی اُسکو اُسکی خدمت کا باعزت اجر دے۔

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعِفْہُ لَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ وَاللّٰہُ شَکُوْرٌ حَلِیْمٌ ○ (۶۴ : ۱۷)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۶) مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ○ وَمَا یَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلَنْ یُّکْفَرُوْہُ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِالْمُتَّقِیْنَ ○ (۳ : ۱۱۳-۱۱۴)۔ یعنی "یہ یہود نصاریٰ استقدر باایمان لوگ ہیں کہ 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' کی دعوت میں مصروف رہتے ہیں، اور مفید جماعت اعمال کی طرف لپک لپک کر پونہچتے ہیں، اور یہی وہ لوگ ہیں جو دراصل 'صالح' کہلائے جانیکے مستحق ہیں۔ اور یہ لوگ کوئی بھی مصلح قوم عمل (مِنْ خَیْرٍ) کریں ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ اُن کے اُس عمل کی قدر نہ کی جائے گی، اور خدا تو اپنے قانون سے ڈرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔" یہاں 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر'، 'صالحین' 'متقین' وغیرہ اصطلاحات قرآنی کے صحیح مفہوم سے بحث نہیں لیکن ظاہر ہے کہ 'الخیرٰت' سے مراد اجتماعی جد و جہد ہی ہے 'اعتکافی عمل' نہیں کیونکہ 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' کی دعوت خانہ نشین رہ کر نہیں ہو سکتی، اور 'یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ' کا عمل بھی اسی ضمن میں ہے۔ سورہ بقرہ میں تحویل شدہ قبلہ کو مرکز اُمّت گرداننے کی بحث کے بعد الٰہی ارشاد ہے: وَلِکُلٍّ وِّجْہَۃٌ ہُوَ مُوَلِّیْہَا فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یَاْتِ بِکُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۲ : ۱۴۸) "اور مسلمانو! تمہیں یاد رہے کہ اِس کارگاہ اتحاد و اتفاق میں ہر قوم اور ہر اُمّت اپنے لیے کوئی نہ کوئی سمتِ اتحاد تلاش کرتی ہے (وَلِکُلٍّ وِّجْہَۃٌ) اور پھر جب وہ لوگ کسی ایک مرکز کو مقرر کر لیتے ہیں تو سب کے سب طبعاً اُسکی طرف رجوع ہو جاتے ہیں (ہُوَ مُوَلِّیْہَا)، تو اے مسلمانو! تم بھی اِس کلیّے کو پیش نظر رکھکر قوّت افزا اور طاقت اندوز اعمال کی طرف لپک لپک کر پونہچو (فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ) اور تقرر قبلہ کے متعلق جو بات سب سے اہم اور نتیجہ خیز ہے یہ ہے کہ تم روئے زمین کے کسی گوشے میں ہو، اور کسی طرح پر بکھرے ہوئے ہو خدا تم کو اِس ترکیب سے مجتمع کر دیا کریگا، اور دوسری قوموں کے بالمقابل تمہارے مجموعی رعب و وقار کو برقرار رکھیگا، جانے رہو کہ خدا ہر شئے پر قادر ہے۔" 'الخیرٰت' کا مفہوم یہاں پر اسقدر اظہر من الشمس ہے کہ اِسکے لیے کسی مزید بحث کی ضرورت نہیں۔

الغرض اِن تمام آیات الٰہی کے غائر مطالعے کے بعد یہ مستنبط ہو جاتا ہے کہ 'خیرٰت' کی جامع و مانع اصطلاح کا الٰہی مفہوم بھی 'حسنٰت' کی طرح وہ اجتماعی انعامات ہیں جو منعم حقیقی اقوام عالم کو اُنکے حسن عمل کے صلے میں عطا فرماتا ہے، جو اعمال اِن انعامات ملنے کا پیش خیمہ ہیں وہ بھی از روئے قرآن 'الخیرٰت' میں داخل ہیں خواہ اُنکی جزا اجتماعی انعام کی صورت میں عامل کی عین حیات میں ملے یا نہ ملے۔ اسلام کے رو سے سب سعی و عمل جماعت کی بہتری اور تقویت کیلئے ہی ہے۔ جو عمل اِس دنیا میں اِسطرح پر نتیجہ خیز نہیں وہ داخل خیرات و حسنات نہیں، جو بہبودی قوم کی نیّت سے کیا نہیں گیا وہ داخل سعی و عمل ہرگز نہیں۔ انفرادی جد و جہد اور اجتماعی حسن عمل کا یہ وہ عالم انگیز فلسفہ تھا جسکی صحیح تعلیم نے قرون اولیٰ کی اسلامی جماعت کے ہر فرد میں اضطراب عمل اس حد تک پیدا کر دیا تھا کہ لوگ برسوں اور عمروں تک ایک امیر اور ایک نظام، ایک جماعت اور ایک مرکز کے ماتحت سر بکف اور تیغ بدست پھر کر بھی اپنے آپکو 'اِسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ' کا مصداق نہیں سمجھتے تھے، اور آج جبکہ وہ نبوی اور الٰہی درس ذہنوں سے قطعاً نکل چکا ہے، انحطاط عمل کی یہ حالت ہے کہ کسی بھک منگے کو دو پیسے دیکر، یا تسبیح پر چند بار نام خدا رٹ کر 'اِسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ' کے مصداق اور جنّت کے حقدار بنے بیٹھے ہیں، مگر ہوشمند نظروں میں آج نیکی کے اِس پست تخیّل کا نتیجہ عالم اسلام کے حق میں یہ پست کن ثابت ہوا ہے کہ جہاں قرون اولیٰ کے نکوکار مسلمانوں کو روئے زمین کی بادشاہت انعام میں ملی تھی وہاں زمانہ حال کے نسیہ پسند تسبیح برداروں اور صالح العمل "پاکبازوں" سے سلطنتیں چھینی جا رہی ہیں اور ذلت و مسکنت سب طرف سے یلغار بول رہی ہے کہ پیٹ بھر کر کھانے کو نہیں ملتا! فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ۔

• اِس آیہ کریمہ، اور بیشتر کی آیات (۵۷ : ۱۱) اور (۲ : ۲۴۵) میں "قَرْضًا حَسَنًا" کے الفاظ آئے ہیں، عوام نے اِس سے مراد خدا کے نام پر زکوٰۃ بطور 'قرض حسنہ' دینے کے لے لیئے ہیں۔ ہم نے ترجمے میں ایک حد تک یہی صورت برقرار رکھی ہے لیکن اگر تامل سے دیکھا جائے تو یہاں پر ثبات بال کی

Marfat.com

اگر تم خدا کے لیئے اپنے مال کا بہترین حصہ کاٹ کر الگ کر دو گے تو تمہارے ہی لیئے وہ اسکو چند در چند کر دے گا، تمہارے عیوب کی پردہ پوشی کرے گا، اور اللہ تو بڑا قدر شناس اور فراخ حوصلہ خدا ہے جو کسی کی اُجرت روک کر نہیں رکھتا۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۷) کچھ خصوصیت نہیں، اگرچہ "قرض" کا لفظ بگڑتے بگڑتے یہی معانی اختیار کر چکا ہے۔ "قرض" کے اصل معنی کاٹنے کے ہیں، اور اس لحاظ سے "اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا" کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ "اگر تم لوگ خدا کے لیئے اور اُسکی آقائی کو مدنظر رکھکر بہترین ٹکڑا کاٹکر الگ کر دو گے" تو خدا بھی اس حصے کو چند در چند کر دے گا۔ گویا اس احکم الحاکمین کی خاطر اگر انسان اپنے آرام کا، اپنی جان کا، اپنے مال و جائداد کا، اپنی محبوب اشیا کا بہتر سے بہتر ٹکڑا وقف کر دے، اور اپنے پر تکلیف گوارا کرکے اسکی لڑائیاں لڑے تو یہ اسکی نوکری کی بہترین شہادت ہے۔ یہی بات سورۂ مزمل کے مفصلۂ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے جہاں "زکوٰۃ" اور "قرض حسنہ" کو الگ الگ بیان کرکے اُنکے مطالب میں تفریق نمایاں کر دی ہے:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (۷۳: ۲۰)

تو ان وجوہ کی بنا پر (وجوہ کی تفصیل پھر کسی موقع پر آئے گی)، جو حصہ اس قرآن عظیم کا تم آسانی سے مطالعہ کر سکو، پڑھ لیا کرو۔ اور الصّلوٰۃ پر قائم رہو، اور ایثار مال کیا کرو، بلکہ خدا کے لیئے اپنی ہر مملوکہ شے کا بہترین حصہ کاٹ کر الگ کر دیا کرو۔

آیۂ زیر بحث میں "وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ" کے الفاظ بھی غور طلب ہیں۔ "شکر" کے معانی آج قطعاً مسخ ہو چکے ہیں۔ ہر شخص دونوں ہاتھ اٹھا کر اس رسم کو ادا کر دیتا ہے اور چند الفاظ منہ سے بڑبڑا کر سمجھ لیتا ہے کہ ایک اہم فرض ادا ہو لیا۔ حالانکہ عام انسانی تعامل میں کیفیت قلب کا وجود ہی سچا شکر ہے۔ جو شخص دل سے اپنے منعم کی عطا کی ہوئی نعمت کی قدر کرے وہی شاکر ہے، اور منعم کا "شاکر" ہونا یہی ہے کہ وہ اپنے خادم کی خدمت کی دل سے قدر کرے۔ اس کیفیت قلب کے لیئے ظاہر ہے کہ کسی وقت کی تعیین، یا رسم کی پابندی ضروری نہیں، بلکہ پیہم قدر دانی کرنا ہی سچا شکر ہے۔ ایک شخص اگر خدا کی دی ہوئی نعمت کا صحیح استعمال کر رہا ہے، اُسکو برقرار رکھنے کے لیئے مسلسل سعی و عمل کرتا ہے، اُس سے متمتع ہونے میں کفایت کو ہر وقت مدنظر رکھتا ہے، اور دل سے خدا کی منعمیت کا مقر ہے، تو وہ صحیح معنوں میں شاکر ہے۔ خواہ وہ تمام عمر میں ایک بار بھی رسمًا ہاتھ نہ اٹھائے۔ برخلاف اس کے جو شخص خدا کی نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے، اُن کو برقرار رکھنے کے لیئے حتی الامکان سعی نہیں کرتا، اُن کو حقیر سمجھکر پاؤں سے ٹھکرا دیتا ہے، کفایت کو پیش نظر نہیں رکھتا، یا ایک بیہودہ سا استغنا اختیار کرکے اُن کی بے قدری کرتا ہے، وہ اگر تمام عمر بھی ہاتھ اٹھائے رکھے، اور منہ سے نعتیہ الفاظ بڑبڑاتا رہے تو شاکر کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ مسلمانان عالم نے آج شکر کا مفہوم اسقدر غلط سمجھ لیا ہے کہ صرف الفاظ باقی رہ گئے ہیں اور خدائی مقصود باطل کر دیا ہے۔ "وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ" کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ خدا بھی اپنے بندوں کا "شکر" ادا کر سکتا ہے مگر ہاتھ اٹھا کر نہیں بلکہ اُن کی خدمات کی سچی قدر دانی کرنیسے اور وقتاً فوقتاً ان کا صلہ دینے سے۔ شکر کے ان معانی کا قرآنی ثبوت جا بجا آگے چلکر (اور بالخصوص تیسری مجلد میں) آئے گا۔

❋ یہ آیات شریفہ اگرچہ رسولؐ خدا کے زمانے میں احبار اور رہبان کے خلق خدا کو لوٹ لوٹ کر بے اندازہ مال جمع کرنیکے متعلق آئی ہیں، مگر میں نے اُن کا اطلاق اسلیئے عام کر دیا ہے کہ آج مسلمانان عالم کے دلوں میں، اور قوموں کے بالمقابل، مال کی محبت اسقدر بڑھ گئی ہے کہ ہر شخص کم و بیش اسکا مصداق ہو رہا ہے۔ خود دین اسلام کے اندر اہل کتاب کے احبار اور رہبان کے بالمقابل لاتعداد ایسے سرگروہ پیدا ہو گئے ہیں جو اپنی نفسانی خواہشوں کو مدنظر رکھکر لوگوں سے روپیہ بٹورتے ہیں اور پھر اسکو خدا کی لڑائیاں لڑنے میں صرف نہیں کرتے۔ انہی لوگوں کی شان میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں جیسا کہ غالبًا تیسری مجلد میں عیاں کر دیا جائیگا۔

Marfat.com

اور جو لوگ سونے اور چاندی کے ڈھیر لگائے رکھتے ہیں اور خدا کا نام بلند کرنے کی خاطر کچھ صرف نہیں کرتے، اُنہیں میری طرف سے دردناک عذاب کی خوش خبری سُنا دو۔ روزِ قیامت کو وہی دولت جہنم کی آگ میں رکھکر تپائی جائے گی، اور پھر اس سے اُن کے ماتھے، اُنکی کروٹیں، اور اُنکی پیٹھیں داغی جائیں گی، اور اُنسے کہا جائے گا کہ یہ ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھا تھا تو آج اپنے ڈھیروں کے ڈھیر جمع کر رکھنے کا مزہ چکھو!

کیا مخالفین اسلام کی نظروں میں خلدِ بریں کی یہ ارزاں فروشی، اور ادائے قرض کے یہ دل خوش کن وعید، اُس خدائے غنی کے کامل غنا اور کمالِ تنعم کے نقیض نہیں ہو سکتے تھے؟ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ[1] (۳: ۱۸۰) کیا خود سید البشر اور سرورِ کائنات کے بارے میں زکوٰۃ و صدقات کے اِن نازک اور شکوک انگیز تقاضاؤں کے باعث، معاندین اُمت کی طرف سے طماع و حریص ہونے کا گمان نہیں ہو سکتا تھا؟ کیا "راہ خدا" کی بظاہر بے معنی اصطلاح کی آڑ میں انفاقِ مال، جُرمِ عشق کا کوئی خدائی تاوان، یا مذہبی کاروبار کا کوئی آلہ محصول تھا جو (العیاذ باللہ) کسی بُت پرست مجاور کی طرح، خدا کا گودڑی میں یہ مست رسولؐ ہر مسلمان سے وصول کر لیا کرتا تھا؟ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ[2] (۹: ۱۰۴) کیا خدا کی عبودیت کے اعتراف میں قربانی مال کا یہ وجوب و لزوم بنارس کے کسی مندر کے چڑھاوے یا نذر و نیاز قبور کی کوئی رسم تھی جو خدائے پاک نے اسلام میں گداگروں اور مفت خوروں کی اُمت کو ترقی دینے کی نیت سے وضع کی تھی؟ کیا دینِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طالب جان و مال خدا (العیاذ باللہ) کسی برہمن کی جبینِ نیاز کیش کی غضب آلود دیوی، یا متھرا کے قشقہ نما اور زنار پوش مشرک کا کوئی

---

[1] اللہ نے ان لوگوں کی بکواس سُن لی ہے جو تمہیں طنزاً کہتے ہیں کہ تمہارا اللہ تو محتاج ہے جو قرض مانگتا رہتا ہے اور ہم مالدار ہیں۔ ہم انکی ان گستاخیوں کو لکھ رکھیں گے، اور اُنکے پیغمبروں کے ناحق قتل کو بھی۔ پھر جس دن ہمارے غضب کا دریا جوش مارے گا ہم کہیں گے کہ اس بھسم کر دینے والے عذاب کا مزا چکھو۔

[2] کیا ان لوگوں کو اس بات کی خبر نہیں کہ اللہ اپنے غلاموں کی توبہ بھی ہر وقت قبول کرنے کے لیے تیار ہے اور اس توبہ کی تائید و تصدیق میں خیرات کا مال بھی لے لیتا ہے، اور وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم دل ہے۔

Marfat.com

مہیب دیوتا تھا جو انسانی جان کی خوں چکاں قربانی، اور مال وزر کے ہلاکت آفرین جرمانوں کے بغیر مطمئن اور مُسکن نہیں ہو سکتا تھا، اور جسکے نائرہ حرص وغضب کے تنور میں قیامت کے روز مسلمان عاصیوں کی پیشانیاں اور بدن داغے جانے کا وعدہ تھا! اور کیا یہ اسلام کے جابر اور قاہر خدا کا تحکمانہ ظلم وستم یا محض ایک بے سبب اور بے نتیجہ دراز دستی تھی جسکے رو سے وہ جنت کے پیش پا افتادہ وعدے کر کے، مومنوں کے جان و مال پر قابض ہو گیا تھا؟

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ† أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ (۹: ۱۱۱)

بیشک اللہ نے ایمان والوں سے اُنکی جانیں اور اُنکے مال اس وعدے پر خرید لیے ہیں کہ انکے بدلے اُنہیں آخر میں جنت دیگا۔ یہ لوگ اب خدا کے نام کا ڈنکا بجانے کی خاطر دشمنوں سے لڑتے ہیں، ان کو قتل کرتے ہیں اور آپ بھی قتل ہوتے ہیں۔ یہ خدا کا پکا وعدہ ہے جو تورات اور انجیل اور قرآن میں ہر مومن کے ساتھ برابر چلا آیا ہے، اور خدا سے بڑھکر اپنے قول کا پورا اور کون ہو سکتا ہے۔ تو اے ایمان والو! اپنے اس سودے کی جو تم نے خدا کے ساتھ کیا ہے خوشیاں مناؤ، آہیں تمہاری بڑی کامیابی ہے۔ اس میں تم کو فلاح دارین ہے۔

آہ معاذاللہ نہیں! اس تمام عجیب وغریب لین دین، اور محیرالعقول ترغیب وتحریص سے خدائے بے نیاز کا مقصدِ وحید ساکنانِ عالم کو اپنی ناپید امثال ذات کا شیدا و مفتون بنا کر، اُنکے دلوں میں

---

† 'مُؤمِن' کی صحیح تعریف، اور 'الجَنّة' کے حقدار بننے کی کامل شرائط اس آیۂ کریمہ سے واضح ہیں۔ یہی شرائط بعینہٖ صفحہ ۱۱۴ کی آیات (۹: ۴۷ اور ۴۹ ۱۵۱) اور صفحہ ۱۲۰ کی آیہ (۳: ۱۴۱) میں مندرج ہیں۔ اگر آج مسلمانانِ عالم نے اپنے نفس کو دھوکہ دے کر کوئی اور شرطیں وضع کرلی ہیں تو اس سے قانونِ خدا میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی؛ اور نہ اس خوش اعتقادی کے بدلے میں 'الجنّة' مل سکتا ہے، خواہ لوگ ہزاروں برس تک یہ سبز باغ اور خوش کن خواب پڑے دیکھا کریں۔ شرط پوری جان اور سارے مال کے ایثار کی ہے نہ یہ کہ تھوڑی سی تکلیف برداشت کر کے، یا چند پیسے نارواطور پر خیرات کر کے ایک مکر سا بنا لیا جائے۔ جیسا کہ بالعموم ہر مسلمان نہایت التزام سے کر رہا ہے۔ ضمناً فی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ ان دونوں کتابوں پر عمل کرنے والی مجاہد اقوام بھی صحیح معنوں میں مومن اور جنت کی حقدار ہو سکتی ہیں۔

Marfat.com

درد پیدا کرنا تھا! اپنی محبت اور اپنے تعلق سے وہ دارائے عالمیان، انسان کے غرض مند اور انعام طلب قلوب میں ایک اولوالامر کا خوف، اور ایک منعم اعلیٰ کا ڈر بٹھلانا چاہتا تھا: اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ؀ (۷:۵۴)؛ وہ باشندگانِ روئے زمین کا ایک حاکم کل اور ایک بادشاہ حقیقی سے لگاؤ پیدا کر کے، اُن کے اعتقادات اور معاملات میں، اُن کے اعمال و افعال میں مشترک عبودیت کا تذلل اور عام نیازمندی کا عجز دیکھنا چاہتا تھا؛ اور پھر اس عجز و نیاز کی حوصلہ افزائیں، اور حیات انگیز تڑپ سے چار دانگ عالم میں، اِس گنبدِ افلاک کے نیچے، توحید کا نغمۂ مستطیر، اور حقانیت کا ہنگامۂ عظیم پیدا کرنا چاہتا تھا!

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کرو بیاں

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ؀ (۶۳:۷)

یہی منافق تو وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو بہکایا کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی تائید و تقویت میں جو رسول خدا کے گرد جمع ہو گئے ہیں اپنا مال نہ خرچ کیا کرو۔ جب روپیہ پیسہ ان لوگوں کے پاس نہ ہوگا تو عاجز آ کر آپ ہی تتر بتر ہو جائیں گے۔ یہی انکی قوت کا راز ہے۔ آہ لیکن منافقین نہیں سمجھتے کہ مال انکی قوت اور اجتماع کا راز نہیں، اور نہ خدا کو اسکی ضرورت ہی ہے، کیونکہ زمین و آسمان کے خزانے اسی کے ہیں۔

آہ یہ بھی نہیں! اُس صاحب جلال خدا کو جسکی سطوت اور جبروت میں، جسکے حاکمانہ رعب و وقار میں، جسکی طاقت اور حکومت میں، روئے زمین کے تمام انسانوں کی سرکشی اور متفقہ انکار بھی یک سرِمو فرق نہیں لا سکتی؛ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ حَمِيْدٌ؀ (۱۴:۸) فی الحقیقت یہ منظور تھا کہ درد دل کے اِس نائرۂ عمل میں، اور مشکلات و محن کی صبر آزما جمر میں، وہ ہر مومن کے قلب کو دنیا کی

سلہ لوگو! سن رکھو کہ تمام کائنات جہان اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور اسکا حکم جسکے ذریعے سے سب کچھ ہو رہا ہے نیز اسی کا ہے۔ پروردگار عالمین درحقیقت بڑا صاحب برکت ہے۔

سلہ اور موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ اگر تم اور جتنے لوگ روئے زمین پر ہیں سب کے سب ملکر بھی خدا کی نافرمانی کریں تو خدا کو ذرا بھی پرواہ نہیں وہ بے نیاز ہے اور ویسا ہی سزاوار حمد رہیگا۔

Marfat.com

خطرات اور بدنی مصائب کے خوف سے پاک کرکے اُن میں صبر انگیز کا کشور کشا نور اور قوت کی جلا پیدا کردے:
وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (۳: ۱۴۰)، وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ (۳: ۱۵۴)؛ وہ ہر مسلمان کے دل کو توحید کے مشترک مرکز پر لاکر ان کی جماعت میں وحدت و استحکام کا دستور العمل پیدا کرنا چاہتا تھا: وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝ (۸: ۱۱)؛ وہ اپنی ذات پر کامل ایمان، اور اپنے جاہ و منصب کے سچے خوف سے اُمت کے ہر فرد میں استقلال کا نظم و نسق، اور اتحادِ عمل کا طریق کار دیکھنا چاہتا تھا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (۳: ۱۹۹)؛ وہ ایمان کے جرأت انگیز ولولوں، اور مقام خدا کے ہمت آفرین تذکروں سے اسلام کے ہر متنفس میں مقابلے کی ناقابل تسخیر روح اور ثبات کا ناقابل شکست

---

۵۱ اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو خالص بنا دے اور خدا کے وجود میں شک و شبہ کرنے والوں کو ملیامیٹ کردے۔

۵۲ اور اس غزوۂ اُحد میں تم کو ہرا دینے میں یہ مصلحت تھی کہ خدا اُس ایمان کو جو تمہارے سینوں کے اندر چھپا بیٹھا ہے آزمائے، اور دیکھے کہ باوجود ہزیمت کے خدا پر یقین رکھنے والا کون ہے، اور تمہارے دلوں کو ڈر اور وسوسوں، خوف مصائب اور خطرات سے پاک صاف کردے، اور جانتے رہو کہ خدا سینوں کے حالات سے موبمو واقف ہے، جبتک تمہارے دلوں میں یہ وساوس اور خدا کے متعلق شکوک ہیں فتح تمہارے قدموں کو نہیں چوم سکتی۔

۵۳ اور خدا یہ چاہتا ہے کہ تائید غیبی کے وصلہ افزا، اور جامع القلوب اثر سے شیطان کی آلائش (یعنی نفاق) کو تم سے دور کردے، اور تاکہ تمہارے دلوں کو آپس میں جوڑ کر مضبوط کردے، اور پھر اس اتحاد کے ذریعے سے تمہارے پاؤں میدان جنگ میں جمائے رکھے۔

۵۴ اے ایمان والو! اُن اجتماعی تکالیف کا جو تمہیں پیش آئیں سختی سے مقابلہ کرو، اور ایک دوسرے کو مقابلہ کرنے کی تلقین کرتے رہو، اور ایک دوسرے میں گتھکر ایک بنجاؤ، اور خدا سے ڈرتے رہا کرو تاکہ دشمن کے بالمقابل تم کامیاب ہوجاؤ۔

✦ اس آیۂ کریمہ میں 'ایمان' کی بعض اہم شقیں بتلادی گئی ہیں۔ گویا مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرنا 'ایمان' ہے، (اصْبِرُوْا)؛ جماعت کے اعضا کے مابین استقلال کا ماحول پیدا کرنا 'ایمان' ہے، (وَصَابِرُوْا)، اور سب سے اہم یہ کہ کامل اور باہمی اتحاد پیدا کرنا بھی 'ایمان' کا جزو اعظم ہے، (وَرَابِطُوْا)۔ جس قوم کے اندر یہ عظیم الشان خاصیتیں موجود ہیں، وہ خدائے عظیم کے ایک اہم حکم کو مان رہی ہے، اور وہی ہے جو اس کے اٹل قانون کے بموجب کامیاب ہورہی ہے: (لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ)۔ گویا یہاں پر بھی 'تُفْلِحُوْنَ' سے مراد دنیاوی غلبہ ہی ہے، اُخروی فلاح کا یہاں ذکر نہیں۔ دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ اس استقلال، تلقین صبر، اور اتحاد کو 'اتقائے خدا' پر محمول کیا گیا ہے: (وَاتَّقُوا اللّٰهَ)؛ گویا وہی قوم 'متقی' ہے جو فی الحقیقت خدا سے، اُس کے قانون سے، اُس کی اٹل سزاؤں سے ڈرتی ہے جس میں استقلال، ہر ایک دوسرے کو مستقل بنانے کی اہلیت ہو، اور متحد رہنے کی صلاحیت موجود ہو۔ فرقہ بند اور ڈرپوک قوم خدا سے قطعاً نہیں ڈرتی کیونکہ وہ اس کی سزا سے بے خوف ہوچکی ہے اور اسی لیے 'متقی' کہلانے کی اہل نہیں۔

'اتقا' کے یہ معانی بالصراحت دو اور آیتوں سے جو مقدمہ کتاب میں صفحہ ۴۹ و ۹۰ پر گذر چکی ہیں ثابت ہیں۔ آج کل کے مسلمانوں کو اس خدائی محاکمے سے عبرت پکڑنی چاہیے۔

جذبہ قائم کرنا چاہتا تھا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ؕ (۸: ۴۵)؛ وہ اپنی لاشریک اطاعت اور بے ریا عبادت کے آلۂ عمل سے مسلمانوں کے ارادوں میں قوت، حوصلوں میں افزائش، نیتوں میں صداقت، اور پائے عمل میں ثبات دیکھنے کا متمنّی تھا؛ وہ اسلام کی دنیاوی شوکت واحتشام اور مادی ارتقاء عروج کو رُوحانیت کے بے امان ہتیاروں، اور اخلاق کی اٹل قوّتوں سے حاصل کرانا چاہتا تھا، اور اُمّت کے اِس اجتماعی اور اِستلافی غلبے کو ہر مدّعیٔ ایمان کا واحد منتہائے نظر، اسکی فلاح ونجات کا اٹل ضابطہ عمل، اُسکے تقوے اور عبادت کا صحیح معیار، اسکے کفر وشرک کی سچی محک، اسکی جزا وسزا کا قطعی مدار قرار دیتا تھا!

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ۚ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ۝ (۱۴: ۲۷)

اللہ ایمان والوں کو اپنے پکّے قول کے ساتھ اِس دنیا کی زندگی میں خوب جماکر رکھتا ہے اور آخرت میں بھی اُنکو خوب جماکر رہیگا۔ لیکن کچّے ایمانداروں اور بزدلوں کو جو اُسکے احکام کی متابعت نہیں کرتے وہ خطّ واحد کی راہ سے ڈگمگا دیتا ہے، اور خدا تو وہی کچھ کرتا ہے جو مناسب سمجھتا ہے۔

سلہ اے ایمان والو! جب دشمن کی کسی فوج کے بالمقابل تم صف آرا ہو جاؤ تو ثابت قدم رہا کرو، اور اُسوقت خدا کا دھیان اور بھی زیادہ دل میں رکھو تاکہ تمہارے حوصلے بڑھیں، اور بالآخر تم دشمن کے بالمقابل کامیاب ہو جاؤ۔

✣ یہاں ایمان، کو ہر دشمن کے بالمقابل ثابت قدم رہنے پر محمول کیا گیا ہے۔ "وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا" کا مقصود یہ ہے کہ جب تم دشمن کے بالمقابل ڈٹ کر کھڑے ہو جاؤ تو اُس حاکم اعلیٰ کا خیال دل میں لاؤ جس کی ماتحتی میں تم لڑ رہے ہو۔ پھر جس طرح ہر سپاہی کو اپنے سپہ سالار کی یاد، اُسکے انعاموں کی یاد، اُسکی سزاؤں کی یاد میدان جنگ میں اور بھی مستعد کر دیتی ہے اسی طرح تم بھی مالک زمین وآسمان کی یاد کر کے اپنی ہمتوں کو بڑھاؤ تاکہ تم دشمن پر فتح پاؤ (لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ)۔ گویا یہاں بھی تُفْلِحُونَ سے مراد دنیاوی فتح ہے، اُخروی فلاح مراد نہیں۔ ورنہ "وَاذْكُرُوا كَثِيرًا" سے مقصود یہ ہے کہ گھر بیٹھے تسبیحوں پر خدا کا نام بڑبڑاتے رہو تاکہ قیامت کے دن فلاح پاؤ جیسا کہ بعض نادانوں نے سمجھ کر آیات الٰہی کو بے ربط اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ۝ (۱۵: ۹۱) (صفحہ ۴۷) کے مصداق بن گئے ہیں۔

✣ جو عجیب وغریب تاویلیں شارحین قرآن نے اِس آیہ شریفہ کے مطالب میں اپنے پاس سے بنالی ہیں بجائے خود ایک تشریح۔ بعضوں نے قول ثابت کو کوئی اسم اعظم، فرض کر لیا ہے جسپر ایک زبانی سا ایمان، لانا فرض قرار دیا ہے، بعضوں نے عالم اسلام کی موجودہ زبون حالی، اور خدا کے اِس اٹل وعدے میں اختلاف دیکھکر يُثَبِّتُ کے معنی روحانی ثابت قدمی بنا لیئے ہیں، وغیرہ وغیرہ، لیکن ایمان، کی اُن کڑی شرطوں سے جو ابتک بیان ہوئیں ظاہر ہے کہ جس قوم میں وہ خصائص موجود ہوں اُسکا اِس دنیا میں جم کر رہنا، مضبوطی اور قوت سے بسر کرنا، علی الرغم عدو غالب آکر رہنا اٹل ہے یہی حقیقت بعینہٖ اِس آیۂ کریمہ میں عیاں کر دی گئی ہے، اور جتلا دیا ہے کہ صاحب ایمان قوم کا اِس دنیا میں تمکن اور استخلاف فی الارض قطعی ہے

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۳) اور آخرت میں بھی اُسی کا بول بالا ہے۔ گویا اس آیت اور آیہ " اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ " کا مضمون ایک ہی ہے جو صفحہ ، پر گذر چکی ہے۔

روحانی ثابت قدمی" جس کا ذکر آجکل کے مسلمان اس شدومد سے کرتے ہیں ایک پادر ہوا اور بے معنی سی بات ہے۔ یُثَبِّتُ ' کا لفظ قرآن کریم میں جہاں کہیں آیا ہے اسی مادّی تمکن اور دنیوی استقلال کے لیے آیا ہے۔ دو مثالیں اصل کتاب میں ابھی ابھی گذر چکی ہیں، یعنی یُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ (۸ : ۱۱)" اور اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا (۸ : ۴۵)۔ دو اور پیش کر دیجاتی ہیں۔ سورۂ انفال میں ہے:

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّىْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۭ (۸ : ۱۲)

اے محمدؐ! یہ وہ وقت تھا کہ تمہارا پروردگار، تمہارا سپہ سالار اعظم خدا ملائکہ کی فوج کو حکم دے رہا تھا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں تو تم ایمان والوں کے پاؤں میدان جنگ میں جمائے رکھو، ان کے حوصلوں کو دہ چند کر دو، اُن کے استقلال کو اور بھی مضبوط کر دو، ہم عنقریب منکرین کے دلوں میں اِنہی مٹھی بھر مسلمانوں کی وحشت ڈال دینگے، تو مارو ان کی گردنوں پر کہ چور چور ہو جائیں، اور لگاؤ ان کی پور پور پر کہ ان سب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں۔

مَلٰٓئِكَة کی ماہیت سے یہاں پر بحث نہیں لیکن ظاہر ہے کہ " فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا " سے مقصود ارضی تغلب اور تمکن ہی ہے۔ روحانی استقلال کا کچھ ذکر نہیں۔ یہی الفاظ قریب قریب زیر بحث آیت میں استعمال ہوئے ہیں۔ دوسرا موقع سورۂ نحل میں ہے:

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ○ (۱۶ : ۱۰۲)

اے محمدؐ! تم علی الاعلان کہہ دو کہ اِس قرآن عظیم کو روح القدس میرے پروردگار کے ہاں سے لیکر اِسلیئے اُترا ہے کہ جو لوگ اِسکے احکام پر ایمان لائے ہیں اُن کو اِس دنیا میں مضبوطی سے، اور جما کر رکھے اور تاکہ یہ قانون جلیل تسلیم کرنے والوں کو صحیح راہِ عمل دکھائے (هُدًى)، اور اُن کو اجتماعی سلامتی اور حفظ و امن کی بشارت دے (بُشْرٰى)۔

روح القدس ' کی حقیقت سے یہاں پر بحث نہیں۔ صفحہ ۱۵ کے تحت المتن میں پیغمبران خدا کی بشارت کی نوعیت واضح کر دی گئی ہے۔ اِس آیۂ کریمہ ظاہر ہے کہ یہاں بھی " لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا " کے الفاظ سے دنیاوی ثبوت اور استقلال ہی مراد ہے۔ ' روحانی ثابت قدمی ' کی ترغیب پیش کرنا منکر قوم کے لیئے کچھ معنی نہیں رکھتا۔ دنیاوی خوشحالی کا لالچ ہی وہ شئے ہے جو ہر مخالف کو ماننے پر مجبور کر سکتا ہے۔

' قول ثابت ' کے الفاظ جو زیر بحث آیت میں آئے ہیں، اُن سے مراد وعدہ خدا کی توثیق ہی ہے اور کچھ نہیں۔ ضمناً اِس آیت سے ' يُضِلُّ ' کے معانی بھی صاف ہو گئے کہ یہ ' يُثَبِّتُ ' کی ضد کے طور پر آئے ہیں۔ گویا اِس دنیا کی زندگی میں مضبوطی اور تمکن سے نہ رہنا ہی ضلال ہے۔ ' ظالمين ' کا لفظ پھر یہاں استعمال ہوا ہے۔ اِس سے پیشتر صفحہ ۱۲۰ کے متن کی آیت (۳ : ۱۳۹) میں ہوا تھا۔ یہاں پر بھی ظالمین ' سے مراد کچے ایمان والے ہی ہیں کیونکہ جو لوگ اپنے ایمان کی کمی کی وجہ سے دشمن سے شکست کھا جائیں وہ فی الحقیقت اپنی جانوں پر آپ ظلم کر رہے ہیں۔ آج ' ظُلْم ' کی قرآنی اصطلاح کے معانی بالکل بدل چکے ہیں لیکن آئندہ مجلدات میں وقتاً فوقتاً اسکے مختلف مفہوم بیان کر دیئے جائینگے۔ مقدمۂ کتاب میں ' ظالم ' قوم کے متعلق قرآنی محاکمہ پیش کیا گیا تھا اور وہ یہ تھا کہ ظالم قوم اجتماعی ہلاکت یقینی ہے (دیکھو صفحہ ۱۸۔ آیات (۲۸ : ۵۹)، (۶ : ۴۷)) گویا ' يُضِلُّ ' اور ' يُهْلِكُ ' کا تعلق ظاہر ہے۔

یَشَآءُ کے معنی ہم نے ' مناسب سمجھنا ' کیے ہیں لیکن اسکا ثبوت فلسفۂ عمل (غالباً تیسری جلد) میں آئے گا۔

Marfat.com

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (۳: ۱۰۱ - ۱۰۴)

اے ایمان والو! مقام خدا سے ڈرتے رہا کرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے، اُسکے احکام کے آگے ہر دم سرِ تسلیم خم رکھو؛ اور مرتے دم تک سرتاپا تسلیم بنے رہو۔ اور سب ایک دوسرے سے گُھل مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑے رہو اور تتر بتر ہرگز نہ ہو جانا۔ اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے برخلاف عداوتیں اور کینے بھرے پڑے تھے، پھر خدا کو اپنا سچا آقا ماننے کے باعث اُس نے تمہارے دل آپس میں جوڑ دیئے، پھر تم اسکی اِس نعمت کے باعث بھائی بھائی بن گئے۔ تم اِس سے پہلے اسقدر بکھر چکے تھے کہ گویا آگ کے گڑھے کے کنارے جالگے تھے، پھر اُس نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اِس طرح خدا اپنے احکام تم سے کھول کھولکر بیان کرتا ہے تاکہ تم راہِ راست پر آجاؤ۔ اور تم میں ایک ایسا گروہ بھی ہونا چاہیئے جو صرف اِسی اتحاد (الخَیْر) کی دعوت دے، اِسی عظیم القدر نیکی (المَعْرُوْف) کی تلقین بالتخصیص کرتا رہے، اور تفرقے کی مکروہات (المُنْکَر) سے باز رکھتا رہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکو ہم اس دنیا میں کامیاب کرینگے۔ اور دیکھو ہم پہلے کہے دیتے ہیں کہ اُن جیسے نہ بن جانا جو ایک دوسرے سے بچھڑ گئے، اور جنھوں نے خدا کے کُھلے کُھلے احکام آنے پیچھے بھی آپس میں فرقہ آرائیاں اور اختلاف قائم کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکو ہم دردناک عذاب دینگے۔

کیفیّتِ اتّقا

صَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۳: ۲۰۰)

(ایک دوسرے کو استقلال کی تلقین کرو، اہمایم بلکر ایک بنجاؤ، اور خدا سے ڈرتے رہو کہ کامیاب ہو جاؤ)

جامع القلوب خدا کی نظروں میں ایک مدعیٔ ایمان کا صحیح **تقوٰی** اِسی کامل **مصالحت** اور

٭ اِن آیاتِ قرآنی کے مطالب نہایت قابلِ غور ہیں۔ اصل کتاب میں سیاق کلام کو پیش نظر رکھکر ایک مربوط ترجمہ کر دیا گیا ہے مگر دو ایک باتیں خاص طور پر لائق ذکر ہیں جو یہاں بیان کر دی جاتی ہیں:-

اوّلاً:- اعتصام بحبل اللہ، اور جماعت کے کامل اتحاد کو پھر تیسری بلکہ چوتھی بار "اتّقائے خدا" پر محمول کیا گیا ہے۔ پہلی مثالیں صفحہ ۴، ۹،

Marfat.com

اتّحاد (لَا تَفَرَّقُوْا (۳: ۱۰۲)) کا مسلک عمل تھا۔ یہی وہ سچی ہدایت (لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۳: ۱۰۲)) اور یقینی فلاح (اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۳: ۱۰۳)) تھی جسکا حاصل کرنا ہر مسلمان کا منتہائے سعی اور مقصد حیات ہو سکتا تھا۔ خدائے برتر کی صحیح معنوں میں عبادت (غلامی)، اور اُسکے جاہ و منصب کے سچے خوف (تقویٰ) کا صحیح پیش نہاد یہی ہو سکتا تھا (اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (۳: ۱۰۱)) کہ ایک مقتدر حاکم کے کئی ملازموں کی مانند، اُسکے بندوں میں تالیف قلوب کے جذبات، اور اخوت و مساوات کے اصول قائم ہو جائیں (فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۵) اور ۱۴۲ پر گذر چکی ہیں۔ گویا کسی قوم کا بالاجماع قانون خدا (حَبْلِ اللّٰهِ) کو مضبوط پکڑے رکھنا اور آپس میں فرقہ بندنہ بننا ہی "اتّقائے خدا" ہے۔ وہی قوم فی الحقیقت شدید العقاب خدا کی اٹل سزاؤں سے ڈرتی ہے، وہی اسکی عالی مقامی اور طاقت انتقام سے خوفزدہ ہے جو آپس میں اختلاف پیدا کر کے اپنے آپ کو کمزور نہیں کرتی۔ کیونکہ فرقہ بندی کا اٹل نتیجہ شکست و ریخت ہے اور یہ قانون اسقدر عالم آرا ہے کہ اسکا اطلاق ہر جا اور ہر وقت ہو رہا ہے، کوئی اُمّت یا گروہ اس کُلیّے سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ جبتک ایک حاکم اعلیٰ کا ڈر دل میں بس رہا ہے، رعیّت کے افراد آپس میں لڑ بھڑ نہیں سکتے۔ جب تک کئی غلام ایک مقتدر آقا کی غلامی (عبادت) کر رہے ہیں اُن کا ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہونا محال ہے!

ثانیاً: ائتلاف قلوب کو نعمت خدا کہا گیا ہے اور "اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ" کے الفاظ نہایت قابل غور ہیں۔ اگرچہ بادی النظر میں اس جملے کے معنی یہی ہیں کہ "خدا نے تمہارے دلوں کے درمیان الفت کی راہ و رسم پیدا کر دی"، لیکن اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو اس ائتلاف کا واقع ہونا خدا کا کوئی غیبی، استبدادی یا تقدیری فعل نہ تھا جیسا آجکل کے مسلمان نہایت تن دہی سے اعتقاد رکھتے ہیں، اور بلا سعی و عمل اسکے پھر واقع ہونیکے منتظر رہتے ہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اُس ایک خدا کی عبودیّت ہی تمہارے اتحاد کا باعث ہوئی۔ تم سب نے اسکو صحیح معنوں میں آقا اور حاکم اعلیٰ مان لیا، اور پھر اُسکے سچے خوف و اتّقا کے باعث تمہارے دل آپس میں جُڑ گئے۔ گویا اتحاد کا واقع ہونا ایک مسبّب بالاسباب فعل تھا جس کا بالواسطہ محرّک خدائے عظیم کا صحیح معنوں میں ڈر تھا۔

ثالثاً۔ باہمی تفریق اور اختلاف کو "عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ" کہا گیا ہے۔ یعنی جس قوم میں باہمی عداوتیں اور کینے رونما ہیں وہ جہنّم کے کنارے پر کھڑی ہے۔ یہاں پر فرقہ آرائی کو "النَّار" سے تعبیر کرنا از بس معنی خیز ہے۔ گویا اجتماعی ضعف اور عدم اتحاد ہی دنیا کا سب سے بڑا جہنم ہے جن خوش اعتقاد مسلمانوں نے قرآن کے لفظ "النَّار" کو خالصۃً اُخروی جہنّم سمجھا ہے اُن کے لیئے یہ الفاظ نہایت غور طلب ہیں۔ لیکن ان آیاتِ الٰہی میں سب سے زیادہ غور طلب آیت آیۂ "وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ" (۳: ۱۰۳) ہے۔ جو بات لائق دریافت ہے یہ ہے کہ "دعوۃ الی الخیر"، "امر بالمعروف"، اور "نہی عن المنکر" کا صحیح مفہوم کیا ہے، اور وہ کیا شئے ہے جسکی تبلیغ و تلقین کے لیئے ایک جماعت قائم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ادنیٰ سا تامل بھی ہر صاحب نظر کو اس نتیجے پر پہنچا دیتا ہے کہ "الخیر" اور "المعروف" کا صحیح مفہوم اس آیت میں اصلاح و اتحاد اور صرف اتحاد ہی ہے، اور اسی نقطۂ نظر سے ان الفاظ پر "ال" تخصیصی واقع ہوا ہے، اور چونکہ پیشتر اور بعد کی آیات میں اتحاد کی خوبیاں اور اختلاف کی بُرائیاں ظاہر کیگئی ہیں اور یہ آیت اُن کے درمیان گھری ہوئی ہے اس لیئے خدائے عظیم نے عالم اسلام کے لیئے ایک ایسی جماعت بنانے کا حکم دیا ہے جو سب اُمّت کو اتحاد کی دعوت بالتخصیص دیتی رہے اور اُنکو تفرقے کی مکروہات (المنکر) سے دمبدم باز رکھے۔ اس مطمح نظر کے ماسوا یا اس سے کم و بیش حتماً اس آیت کا اور کچھ مطلب نہیں۔ کلام الٰہی کو مربوط اور مدلّل یقین کرنیوالوں کیلئے اسکے سوا کسی اور نتیجے پر پہنچنا ممکن نہیں۔

مسلمانان عالم اور شارحین قرآن نے اس آیت کا مفہوم قطعاً غلط سمجھا ہے، اور "الخیر" و "المعروف" کے معنی عام کر کے عالم اسلام کو ایک غلط

إِخْوَانًا (۳: ۱۰۲)؛ وہ سب کے سب یکجان و یک زبان ہو کر اُسکی حکومت کے ہر آن شاہد، اور اُسکی بارگاہ عالیہ سے بہر حال مرعوب رہیں؛ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۙ (۲۳: ۶۰)؛ وہ اللہ کو ہر وقت اپنے ذاتی مناقشات میں حاضر و ناظر، اور ہر حالت میں نگرانِ اعمال یقین کر کے اُسکے رُعب و وقار کا احترام، اور احکام کا پاس کرتے رہیں؛ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ

لہ خدا سے ڈرنے والے تو وہ لوگ ہیں جو باوجود اسکے کہ جو کچھ اُن کے پاس ہے اعلائے کلمۃ الحق میں صرف کر دیتے ہیں، مگر اُنکے دل اندر سے ہلتے رہتے ہیں کہ اُنہوں نے ایک دن خدا کے حضور میں جوابدہی کے لیئے کھڑا ہونا ہے (اور ممکن ہے کہ خدمت خدا کا حق ادا نہ ہوا ہو!)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۶) اور مہمل، نامعلوم اور نامحدود رستے پر لگئے ہیں۔ مطالب کی اِس عام افراتفری میں چنانچہ آج یہ حالت ہو گئی ہے کہ اسلامی جماعت کے ہزار در ہزار گروہ، امر بالمعروف، اور نہی عن المنکر، کے ظاہری ادعا کی آڑ میں، ہر طرف پھیلے ہوئے خلق خدا کو دھوکہ دے رہے ہیں، اور کسی مستقل پیش نہاد نہ ہونے کے باعث ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہو کر اسلام کی رہی سہی قوت کو اور بھی منتشر کر رہے ہیں۔ ہر گروہ اپنے آپ کو داعی الی الخیر، کا خطاب دیکر جماعت میں تفریق و اشتات پیدا کر رہا ہے۔ سب کے سب اپنی اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کے باعث مختلف رستوں پر نہایت کبر و تحکم سے جا رہے ہیں، اور اپنے زعم میں خدا کے ایک اہم حکم کی تعمیل کر رہے ہیں! جو حیرت انگیز فرقہ بندیاں ان گروہوں کی متخالف اور متقابل تعلیم و تلقین سے پیدا ہو رہی ہیں بجائے خود خدائے عظیم کے مقصد اصلاح و اتحاد، اور اس آیت کے منتہائے نظر کو باطل کر رہی ہیں، وہ اعتصام بحبل اللہ، اور ائتلاف قلوب، اور اخوانیت، جو امر بالمعروف، اور نہی عن المنکر، سے مطلوب تھی یک قلم مٹ رہی ہے۔ ہر گروہ اپنی اپنی دُکان سجائے سر بازار بیٹھا ہے اور حتی الوسع چرب زبانی اور لفاظی سے کام لیکر بے وقوف اُمت کے گاہکوں کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے!

اگر بنظر تعمق اِس آیۂ شریفہ کے مضمون کیطرف دیکھا جائے تو عیاں ہو جاتا ہے کہ رب کون و مکان تعالیٰ نے تمام عالم اسلام کیلئے صرف ایک گروہ اور ایک جماعت ہی کو دعوت الی الخیر، اور امر بالمعروف، کے لیئے تجویز کیا ہے نہ دس بیس مختلف گروہوں کو، جو وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ پس لامحالہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسے عالم آرا، ایسے یکتا اور منتخب گروہ کا مقصد بھی یہی ہو سکتا ہے کہ دنیا کے مختلف ممالک کے مسلمانوں کے مابین اتحاد قائم رکھے، اُن کو اعتصام خدا کی دعوت دے، اُن کے اختلافات کو وقتاً فوقتاً دور کرتا رہے، اُن میں فرقہ بندیاں نہ پیدا ہونے دے، سب دُنیائے اسلام کو جبراً ایک مقصد وحید، ایک مطمح نظر اور ایک راہ عمل کی طرف لیجائے، نہ گروہ خود کسی مقتدر نظام کے ماتحت کام کر رہا ہو، اور تمام مسلمانوں کا صحیح معنوں میں قائم مقام ہو۔ ایسا گروہ تاریخ شاہد ہے کہ قرن اول سے قطع نظر مسلمانوں نے آجتک نہیں بنایا اور اسی لیئے میرا یقین ہے کہ اُمت مرحومہ اس آیۂ کبریٰ کے خدائی مطالب کی تعمیل کرنے سے حتماً قاصر رہی ہے!

اِس گروہ کے متعلق، وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، کا ارشاد ہے۔ فلاح، کے معانی قرآن کریم میں دنیاوی کامرانی کے بھی ہیں جیسا کہ کئی ایک مثالوں سے جو پیشتر دی گئیں ظاہر ہے۔ گویا فرما دیا ہے کہ یہی وہ گروہ ہے جو فلاح دارین حاصل کرے گا اور اُمت کو صحیح معنوں میں قوت دیگا۔ آگے چلکر فرقہ بند اُمت کے لیئے، وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ، کہا گیا ہے۔ گویا یہ عذاب بھی دنیاوی ہی ہے جو ہر اختلاف زدہ اُمت کو دنیا میں ملتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ، کا تکرار بھی لامحالہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ دعوت الی الخیر، اور، امر بالمعروف، کا مفہوم دنیائے اسلام کو ایک مقصد منتہا پر قائم و متحد رکھنا ہی ہے اور وہ پیش نہاد دنیوی قوت اور تمکن ہے اسکے ماسوا حتماً کچھ نہیں۔

لیکن اِس تمام خارجی استدلال سے صرف نظر کرکے قرآن حکیم کے الفاظ میں داخلی غور و فکر بھی اسی نتیجے کی طرف راغب کرتا ہے کہ، الْخَيْرِ، الْمَعْرُوْفِ، اور، الْمُنْكَرِ، کے اصلی مطالب وہی ہیں جو اوپر بیان ہوئے۔ الْخَيْرٰتِ، کے صحیح مفہوم کے متعلق ایک مختصر بحث ابھی ابھی صفحہ ۱۴۵ کے

Marfat.com

رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ؕ[1] (۵۸ : ۷)؛ وہ اسکی محتسبانہ رقابت میں سب جزوی معاملات اور فرعی مختلفات کو بالائے طاق رکھکر اُسی کی خدمت و اعلا میں ہمہ تن مصروف ہوجائیں؛ وہ اس احکم الحاکمین کے

---

[1] اے انسان! کیا تو نے اس حقیقت پر کبھی غور نہیں کیا کہ اللہ تو جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہو رہا ہے اسکا علم رکھتا ہے جب تین شخص آپس میں صلاح مشورہ کرتے ہیں تو بہر حال چوتھا وہ ہوتا ہے، اور پانچ ہوں تو چھٹا وہ ہوتا ہے، اور اس سے کم ہوں یا زیادہ اور کہیں بھی ہوں وہ اُن کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ پھر جو جو کام یہ آج کر رہے ہیں اُن کو روز قیامت کو موبمو بتلا دے گا، لوگو! درحقیقت خدا ہر چیز سے واقف ہے!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۷) تحت المتن میں ہو چکی ہے جس سے ظاہر ہے کہ صاحب القرآن تعالیٰ نے اتحاد کے اجتماعی حسن عمل کو یہاں پر لفظ 'الخیر' سے یاد فرمایا ہے (يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ)۔ 'المعروف' اور 'معروف' کے الفاظ بھی کلام الٰہی کے اندر بالالتزام دو شخصوں یا فریقوں کے درمیان مصالحت یا صورت اصلاح و اتحاد پیدا کرنے کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ سورۂ بقرہ میں خاوند اور عورت کے باہمی تعلقات کی کشیدگی کے بارے میں ہے: وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا (۲ : ۲۳۱)، "اور جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو اور انکی عدت پوری ہونے کو ہو تو یا طلاق کا ارادہ فسخ کرکے اُنکو پوری صلح صفائی سے (بِمَعْرُوْفٍ) پھر زوجیت میں رکھ لو، یا اُن کو مصالحت سے رخصت کردو، اور دُکھ دینے کی نیت سے اُنکو نہ رکھو کہ بعد میں زیادتی کرو۔" یہی مضمون اس آیت ذرا پہلے بھی ہے: فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ (۲ : ۲۲۹)؛ یعنی "یا صلح صفائی کے ساتھ پھر زوجیت میں لے لینا، یا خوش اسلوبی سے رخصت کردینا۔" ایک آیت پہلے پھر اسی مضمون کی تصریح ہے: وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ (۲ : ۲۲۸)، یعنی "اور اگر اُنکے خاوند مصالحت کرنا چاہیں تو اُن کو پورا حق ہے کہ اس اثنا میں اپنی عورتوں کو پھر اپنی زوجیت میں واپس لے لیں، اور اُس صورت میں جس طرح پر مصالحت اور صلح صفائی سے رہنا عورتوں پر لازم ہے (عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ) اسی طرح پر مردوں کی طرف سے عورتوں کے ساتھ (لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ) مصالحت کا سلوک کیا جانا بھی لازم ہے۔" اسی رکوع میں مطلقہ عورتوں کے بارے میں ہے: فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ (۲ : ۲۳۲)، یعنی "طلاق ہوئے پیچھے تم ان عورتوں کو منع نہ کرو کہ نئے خاوندوں سے نکاح کریں اگر دو فریق آپس میں مصالحت اور اتحاد پر (بِالْمَعْرُوْفِ) راضی ہو گئے ہوں۔" آگے چلکر دودھ پلانے کی اُجرت کے بارے میں ہے: وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ (۲ : ۲۳۳)، "اور باپ پر لازم ہے کہ ایسی زیر تجویز مطلقہ ماؤں کو صلح صفائی کے ساتھ کھانا اور کپڑا دے۔" اور اگر دایہ سے دودھ پلانے کا باہمی سمجھوتہ ہو جائے تو فرمایا ہے: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ (۲ : ۲۳۳)، یعنی "اس صورت میں دایہ سے دودھ پلوا لینے میں کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ جو کچھ ماؤں کو دینا کیا تھا صلح صفائی کے ساتھ دے دو۔" رانڈ عورتوں کے دوسرے بیاہ کے بارے میں ہے: فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ (۲ : ۲۳۴)، "پھر جب وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو نیک نیتی اور صلاح روی سے (بِالْمَعْرُوْفِ) جو کچھ دوسرے بیاہ کے بارے میں اپنے دل میں ٹھان لیں اسکی پرسش تم وارثانِ میت سے کچھ نہیں، اور اسی لئے تمہیں اس فعل سے واسطہ نہیں جو چاہیں اُن کو کرنے دیں۔" اس موقع پر المعروف سے مراد رانڈ عورت کا صلاح روی کے ساتھ دوسرا بیاہ کرنا ہے، نہ یہ کہ اُٹھے اور وہ وطیرہ اختیار کرے جس سے خاندان کی ناموس برباد ہو اور خانگی فساد کی صورت پیدا ہو۔ گویا یہاں بھی مقصود اصلاح و اتحاد اور فساد کو مٹانا ہی ہے۔ شادی شدہ باکرہ عورتوں کو شبِ زفاف سے پیشتر طلاق دینے کے بارے میں ارشاد ہے کہ کچھ گناہ نہیں مگر ہاں اُن کو بطور احسان کے کچھ دے دینا چاہیے: عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا ۢ 182
بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (۲ : ۲۳۶)، "مقدور والا اپنی حیثیت کے مطابق اور بے مقدور اپنی حیثیت کے موافق۔ تم اسکو ایک نذرانہ

Marfat.com

پاس ادب اور لحاظ سے دلوں کے بُغض اور سینوں کے حسد نکال کر باہم گر متحد اور متفق ہو جائیں؛
وہ دانائے نہاں و آشکارا کی متجسسانہ دانش اور متفتشانہ بینش کا کامل یقین کر کے، دلوں کی تہ کے سرائر
و خفایا کو آلائشِ گناہ سے قطعاً پاک صاف کر دیں مخلص اور عقیدتمند خواجہ تاشوں کا اپنے آقائے
حقیقی سے یہ وہ معترفانہ خوف، اور وہ غیر متزلزل اتقا تھا جس نے ہر ناگہاں مصیبت کے وقت

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۸) سمجھو جسکی غرض و غایت یہ ہے کہ طلاق صلح صفائی کے ساتھ اور بغیر دنگے فساد کے طے پائے (مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ) اور سچ تو یہ ہے کہ مصالحت سے چلنے والے اشخاص پر یہ نذرانہ تو ایک طرح کا حق ہے۔" کچھ آگے چلکر مطلقہ عورتوں کے بارے میں بھی اسی قطع کا حکم ہے: وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ٥ (۲: ۲۴۱) یعنی "مطلقہ عورتوں کے لیے بھی کچھ نہ کچھ نذرانہ بطور احسان یا یادگار ہونا چاہیے تاکہ فریقین صلح صفائی کے ساتھ ایک دوسرے سے جدا ہوں، اور خدا سے صحیح معنوں میں ڈرنے والوں کے لیے تو یہ معمولی سی روا داری بطور ایک فرض کے ہے۔" مطلب یہ ہے کہ جو شخص صحیح معنوں میں متقی ہے اسکا منتہائے نظر دنیا میں ہمیشہ یہی رہتا ہے کہ انتہائی معاملات میں بھی کم سے کم فساد پیدا ہو۔ طلاق وہ مکروہ شے ہے جو دو فریقوں کے درمیان ایک ناقابل برداشت شقاق کا باعث ہوتی ہے۔ اگر اسکا واقع ہونا بہرنوع ضروری ہو گیا ہے تو ایک صلح پسند آدمی پر فرض ہے کہ اُس عورت کو جسکے ساتھ اس نے اتنی مدت صحبت کی ہے ایک معتدبہ رقم بطور نذرانے کے پیش کرے تاکہ مخالفت کے جذبات انتہا تک نہ پہنچنے پائیں۔ ازدواجی تعلقات کے منقطع ہونے پر فریقین ایک دوسرے کو کم از کم دشمن نہ سمجھیں، اور اسلامی جماعت کے اندر شکست انگیز تفریق پیدا نہ ہو۔

ناسمجھ اور کم عقل یتیموں کے سرپرستوں کو سورۂ نساء میں ہدایت ہے: وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (۴: ۵) یعنی "ان کے ساتھ صلح صفائی سے برتاؤ کرو۔" محتاج سرپرست کے بارے میں ہے: وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ (۴: ۶) یعنی "اگر سرپرست کم مقدرہ ہو تو اُس یتیم کے مال میں سے بقدر مناسب (بِالْمَعْرُوْفِ) اپنے گذارے کے لیے لے لے۔" یہاں بقدر مناسب سے مراد یہ ہے کہ دلمیں اس یتیم کی طرف نیکی، اصلاح اور مصالحت کا خیال ہو، اُسکو تباہ کرنے اور لوٹنے کی نیت نہ ہو، اُسکے بارے میں عداوت اور مخالفت کے جذبات موجزن نہ ہوں۔ بیبیوں کے ساتھ سلوک کے بارے میں ہے: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (۴: ۱۹) یعنی "اُنکے ساتھ حسن سلوک سے رہو۔" لونڈیوں سے نکاح کرنیکے متعلق ہے: وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ٥ (۴: ۲۵) یعنی "اُن کو اُنکی اس مستقل مصاحبت کے عوض میں اُنکے مہر منصفانہ طور پر (بِالْمَعْرُوْفِ) ادا کر دو لیکن شرط یہ ہے کہ وہ گھریلو عورتیں بنکر رہیں، بدکاری اُن کی غرض نہو، اور نہ پوشیدہ طور سے یار رکھیں۔" یہاں المعروف سے مقصود حق مہر کا اس مقدار میں ادا کرنا ہے کہ فریقین میں رضامندی پیدا ہو جائے، گویا منتہائے نظر وہی اتحاد ہے۔

سورۂ نساء میں منافقین اسلام کے بارے میں ہے: لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ (۴: ۱۱۴) "اُن لوگوں کی اکثر سرگوشیوں اور خفیہ ریشہ دوانیوں میں متحد کرنے (خَيْرٍ)، یا صلح و صلاح کی صورت (خَيْرٍ) بنانے کا تو نام نہیں، اِن کا دار و مدار ہی نفاق پر ہے، البتہ وہ شخص اس سے مستثنیٰ ہیں جس نے اوروں کو ایثار مال کرنے کی ترغیب دی (اَمَرَ بِصَدَقَةٍ)، مصالحت کا کوئی عنوان قائم کیا (اَوْ مَعْرُوْفٍ) یا لوگوں کے درمیان میل ملاپ کا بیج بویا۔" یہاں صاف مَعْرُوْف سے مقصود اتحاد بر خلاف تفرقہ اور نفاق کے ہے جو منافقوں کی اصلی غایت ہوا کرتی ہے۔ سورۂ توبہ میں انہی منافقوں کی تعریف میں ہے: اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ (۹: ۶۷) یعنی "نفاق ڈالنے والے مرد اور نفاق ڈالنے والی عورتیں سب ایک ہی تھیلی کے بٹے ہیں، لوگوں کو نفاق (الْمُنْكَرِ) کی ترغیب دیتے ہیں، اور مصالحت اور اتحاد (الْمَعْرُوْفِ) سے باز رکھتے ہیں، اور یہی نہیں بلکہ ایثار مال کے

مومنوں کے صبر میں استقامت، اور اتحاد میں استواری پیدا کردی تھی: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا قف وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۠ (۳: ۱۹۹)؛ یہی وہ ہیبت انگیز ذکر، اور ارتعاش آفریں یادِ خدا تھی جو تیروں اور تلواروں کی بارش میں بھی پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دیتی تھی: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۸: ۴۵)۔ اسی باہمی ولایت اور اتقا کا لازمی نتیجہ فلاحِ دین اور غلبۂ اسلام تھا: وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (۵: ۵۶)؛

۵۱ دیکھو صفحہ ۱۴۲ ۵۲ دیکھو صفحہ ۱۴۳ ۵۳ اور جو اللہ کا دوست اور رسول کا معاون بنا رہا، اور جس نے ایمان والوں کے ساتھ اتحاد قائم کیا، وہ اللہ کے گروہ میں سے ہے۔ اور اللہ کا گروہ ہی تو غالب گروہ ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۹) موقع پر اپنی مٹھیاں بھینچ لیتے ہیں"۔ یہاں پہلی دفعہ 'المُنْكَر' کا لفظ آیا ہے اور ہر صاحب نظر بطور خود دیکھ سکتا ہے کہ 'المَعْرُوْف' اور 'المُنْكَر' کا منتہائے نظر اس آیۂ کریمہ میں بعینہٖ وہی ہے جو آیاتِ زیر بحث یعنی (۳: ۱۰۱-۱۰۴) صفحہ ۱۴۵) میں ہم نے ظاہر کیا ہے۔ اس نقطۂ نظر کی تصدیق حیرت انگیز طور پر آیندہ آیتوں سے ہوتی ہے جو مومنوں کی تعریف میں آئی ہیں: وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (۹: ۷۱)، "اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں ایک دوسرے کے صحیح معنوں میں دوست ہیں، وہ لوگوں کو باہم گر متحد ہونے (المَعْرُوْف) کی دعوت دیتے رہتے ہیں، اور نفاق (المُنْكَر) کے مکروہ نتائج سے باز رکھنے کی سعی کرتے ہیں اور 'الصَّلٰوة' کو قائم کرتے ہیں، اور حسب موقع ایثارِ مال کرتے، اور خدا اور اُسکے رسول کی اطاعت کرتے ہیں"۔ الصَّلٰوة کی اجتماعی حیثیت، الزَّكٰوة کے اجتماعی فوائد اور اطاعت خدا و رسول کی ماہیت اور سیاسی حکمت عملی پر بحث آیندہ اوراق میں آئے گی، لیکن سیاق مضمون سے عیاں ہے کہ المَعْرُوْف کی دعوت فی الحقیقت اتحاد کی دعوت ہے، اسکے سوا قطعاً اور اصلاً کچھ نہیں۔ المُنْكَر کی آلہٰی اصطلاح تفریق اور مخالفت کے معنوں میں ایک دو اور موقعوں پر استعمال ہوئی ہے جو یہاں لکھ دیئے جاتے ہیں، باقی موقعے اصل کتاب میں عنقریب آئیں گے۔ سورۂ حج میں ہے، وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا (۲۲: ۷۲)، یعنی "اے پیغمبر! جب ان منکرین عرب کو ہمارے روشن اور نتیجہ خیز احکام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تو تم ان لوگوں کے چہروں پر مخالفت اور نفاق کے آثار اس شدت سے دیکھتے ہو کہ گویا کوئی دم میں یہ لوگ ہمارے احکام سنانیوالوں پر حملہ کر بیٹھیں گے"۔ گویا 'المُنْكَر' یہاں پر وہ قلبی انکار ہے جسکا نتیجہ تفریق اور اختلاف ہے۔ سورۂ عنکبوت میں حضرت لوط علیہ السلام کا قول اپنی قوم کے بارے میں ہے: اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۥ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ (۲۹: ۲۹)، یعنی "کیا تم لوگ عورتوں کو چھوڑ کر لڑکوں کے ساتھ بدفعلی کرتے ہو، شاہراہوں پر ڈاکے مارتے ہو، اور اپنی ٹولیوں میں دنگے مچاتے اور ناچاقیاں پیدا کرتے ہو (المُنْكَر)"۔ مفسرین نے جو 'المُنْكَر' سے مراد "بے حیائی کے کام" لیا ہے محض بے سبب اور بے سند ہے۔ جب تَاْتُوْنَ الرِّجَالَ اور تَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ کے الفاظ میں نوعیتِ جرم کی پوری تخصیص ہے تو تاتون المنکر میں بھی وہ تخصیص جاری رہنی چاہیئے اور وہ سوا اسکے نہیں جو ہم نے بیان کردی۔ رہزنوں اور لواطت پرست غنڈوں کا شیوہ ہمیشہ سے یہی چلا آیا ہے کہ بات بات پر دنگا کھڑا کردیتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے خلاف گروہ بن جاتے ہیں۔ یہی وہ جرم عظیم تھے جن کی پاداش میں قوم لوط کی تباہی ہوئی تھی۔ لواطت سے بڑھکر کیا بے حیائی ہوگی جس کا ذکر تَاْتُوْنَ الرِّجَالَ بلکہ اس سے پیشتر کی آیت (۲۹: ۲۸) میں اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ کے الفاظ میں ہو چکا ہے۔ پھر یہ تین دفعہ ایک ہی شے کو بے سبب دُہرانا کلام آلہٰی کے شایانِ شان نہیں۔

(باقی)

اسی اتفاق کے قیام اور باہمی نفاق کو دور کرنیکے لیئے قرآن آیا تھا: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا۝ (۱۹: ۹۷) اسی الخیر اور المعروف کی مسلسل تبلیغ اور پیہم تلقین کیلئے رب العلمین نے مسلمانوں میں ایک مستقل جماعت کی تاسیس ضروری سمجھی تھی، یہ تفریق بین الافراد ہی وہ المنکر، اور صحیفہ کائنات کا وہ سب سے بڑا گناہ تھا جسکے انہدام و استیصال کے لیئے مسلمانان جہان پر ایک غیر منقطع جہاد لازمی کر دیا تھا: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝ (۳: ۱۰۴) اسی صحیح تقوی کے وسیلہ عمل سے مسلمانان عالم کو ساکنان زمین پر ایک امتیازی خصوصیت اور مقام بلند ملنے کا وعدہ تھا، اور اسی تقوی کے انعام میں منعم حقیقی نے دنیا کے

سلہ اے پیغمبر! ہم نے قرآن کو تمہاری زبان کا لباس پہنا کر سہل الفہم صرف اسلیئے کر دیا تھا کہ تم اسکے ذریعے سے متقی (اور متحد) قوم کو (اجتماعی بقا) کی بشارت دو اور نفاق ارا اور جھگڑالو قوم کو اجتماعی ہلاکت اور عذاب سے ڈراؤ۔ (اس آیت کے لفظ المتقین کے متعلق ایک بحث صفحہ ۹ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے) ملا ترجمے کیلئے دیکھو صفحہ ۱۴۵۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۵۰) الغرض جس نقطہ نظر اور درجہ تعمق سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر والی آیات کو دیکھا جائے ہر صاحب نظر کو ان کا مطالعہ لامحالہ اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ کلام الٰہی کی قانونی زبان میں المعروف کی اصطلاح سے مراد اتحاد اور المنکر سے مقصود نفاق اور اختلاف ہی ہے، نیکی اور برائی کے لغوی معانی جو شارحین قرآن نے ان دو اصطلاحوں کے لیئے ہیں اسقدر غیر محدود اور بے نتیجہ ہیں کہ ان کے مان لینے کے بعد کسی ایک حکم خدا کے بارے میں مستقل نتائج پر پہنچنا از بس دشوار ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم ساکنان زمین کے لیئے ایک قانون عمل ہے۔ اور قانونی کتاب کے سزاوار یہی ہے کہ اسکا کوئی قانون قیاس یا رائے یا تاویل کے تابع نہ ہو سکے، بلکہ ایک حکم کا صرف ایک ہی مطلب اور ایک ہی طریق عمل ہو اور بس، نہیں بلکہ سب سے ضروری امر یہ ہے کہ ہر متفرع للمعانی اصطلاح کی آئینی تعریف خود اسکے اندر موجود ہو، اپنی وضع کی ہوئی مصطلحات کی شرح و بسط کے لیئے اسکو کسی دوسری کتاب کا محتاج نہ ہونا پڑے۔ بعینہ انہی معانی میں قرآن عظیم تمام انسانی لغات سے بے نیاز ہے۔ (دیکھو صفحہ ۹۱-۹۲) وہ اپنی سب مصطلحات کی آپ ہی تعریف کرتا ہے، آپ ہی اپنی لغت، اور آپ ہی اپنی تشریح ہے، اسکے کسی ایک امر و نہی یا آیت کا صرف ایک ہی پیش نہاد، ایک ہی مقصود، اور ایک ہی طرز عمل ہے۔ دستور خدا کے شارحین کا فرض ہے کہ وہ اس مقنن اعظم کے واحد عندیئے کو صاف اور روشن الفاظ میں واضح کر دیں کہ انتشار عمل کی گنجایش باقی نہ رہے، کوئی شخص یا گروہ تاویل کو دھوکے کی ٹٹی بنا کر گریز کی سبیل نہ نکال سکے، مکر و ریا کی آڑ میں نہ چھپے، جعل کو عذر نہ بنا سکے۔ جو تفسیر اس اہم مقصد کو پیش نظر نہیں رکھتی وہ فی الحقیقت کلام خدا کی شرح نہیں۔ اس کا پیش نہاد انتشار عمل ہے، تفریق قوم اور تضعیف امت ہے۔ جب تک مطالب بین اور غیر مشکوک، واحد اور محدود نہ ہو جائیں کسی حکم کی تعمیل کرنا محال ہے، جب تک آقا کا صحیح عندیہ معلوم نہ ہو غلام کی تعمیل بے معنی ہے؛ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ† (۱۶: ۴۴)۔ المعروف اور المنکر کے صحیح مفہوم کے متعلق اسی تبیین کی سعی میں نے اس تحت المتن میں کی ہے اور مبرالیقین ہو چکا ہے کہ جہاں جہاں ان الفاظ کا استعمال قرآن کریم میں ہوا ہے وہاں الٰہی مقصود یہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔ بہر نوع یہ تمام بحث تحمیس اس دعوے کا مزید اور حتمی ثبوت ہے کہ قرآن حکیم اپنی اصطلاحات کی تعیین میں تمام انسانی لغات سے بے نیاز ہے، نہیں بلکہ لغت اسکے مطالب کی تشریح کیلئے اکثر اوقات گمراہ کن ہے کیونکہ تغیر پذیر ہے اور لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (۶: ۱۱۶) صفحہ ۹۲-۹۳ کے تحت میں نہیں آ سکتی۔

† مطالب کے لیئے دیکھو اصل کتاب صفحہ ۹۵۔

Marfat.com

شاداب اور سرسبز ملکوں کی بادشاہت مومنوں کے لیئے اپنے پاس بطور امانت رکھ لی تھی!

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ یَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَیُكَفِّرْ عَنكُمْ سَیِّئَاتِكُمْ † وَیَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیمِ ○ (۸: ۲۹)

اے ایمان والو! اگر تم خدا کا سچا خوف کر کے (متحد بنے) رہو گے تو وہ تمہارے لیئے ایک امتیاز پیدا کر دے گا، تمہاری سب اجتماعی واماندگیوں اور دنیاوی خستہ حالیوں کو تم سے دور کر دے گا، تمہاری پچھلی غفلتوں سے چشم پوشی کرے گا، اور خدا تو فی الحقیقت بڑا فضل کرنیوالا ہے بشرطیکہ بندے اُسکے حکموں پر چلیں۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَا تَكُ فِی ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُونَ ○ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِینَ اتَّقَوا ‡ وَّالَّذِینَ هُم مُّحْسِنُونَ ○ (۱۶: ۱۲۷-۱۲۸)

اور اے پیغمبر! مخالفوں کی ایذاؤں کو صبر اور استقلال سے برداشت کرو۔ جہاں تمہیں تکالیف خدا کی وجہ پونہچ رہی ہیں، وہاں تمہارا تحمل بھی خدا ہی کی وجہ سے ہوگا (ورنہ یہ لوگ فی الحقیقت صبر کے اہل نہیں)۔ لیکن انکے سلوک کو دیکھکر غم بھی نہ کھاؤ اور جو چالبازیاں یہ تمہارے برخلاف کر رہے ہیں اس سے دل تنگ بھی نہ ہو جاؤ، بلکہ استقلال سے اپنے اصولوں پر جمے رہو، کیونکہ تقویٰ کا صحیح مفہوم یہی ہے۔ اللہ بیشک اُنہیں کا ساتھ دیتا ہے جو مقام خدا کا سچا خوف دل میں رکھکر اُسکی لڑائیاں استقلال سے لڑتے ہیں، اور جو اجتماعی بہبودی کو پیش نظر رکھکر حسن عمل کرتے ہیں (هُم مُّحْسِنُونَ۔ دیکھو حَسَنَات کا مفہوم تحت المتن صفحہ ۱۳۰۔ الیٰ آخرہ)۔

لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِینَ كَفَرُوا فِی الْبِلَادِ ○ مَتَاعٌ قَلِیلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ○ لَٰكِنِ الَّذِینَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِی مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِینَ

---

† یُكَفِّرْ عَنكُمْ سَیِّئَاتِكُمْ، کے الفاظ کی تشریح کافی طور پر صفحہ ۱۳۱ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے جہاں پر عیاں کر دیا ہے کہ اس جملے سے صاحب القرآن تعالیٰ کی مراد اجتماعی اور دنیاوی بدحالیوں، اور قومی واماندگیوں کا دور کرنا ہے۔ یَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا، کے الفاظ سے ان مطالب کی اور بھی تائید و تصدیق ہوتی ہے کیونکہ فُرْقَان، یعنی امتیاز باقی اقوام عالم کے بالمقابل، اور دنیاوی حیثیت ہی سے ہو سکتا ہے ورنہ بے معنی ہے، اور اگر یہ امتیاز روز قیامت ہی کو عیاں ہونا جیساکہ آجکل کے ناکارہ مسلمانوں نے فرض کر لیا ہے تو یَغْفِرْ لَكُمْ، کے الفاظ اس مطلب کو ادا کرنے کے لیئے بالکل کافی تھے۔ یہ بات 'وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیمِ' سے بھی ظاہر ہے کیونکہ جیسا آگے چلکر ثابت کیا جائے گا فَضْل، کے معنی از روئے قرآن دنیاوی افضال ہی کے ہیں۔

‡ ان آیات الٰہی سے ظاہر ہے کہ صَبْر، یعنی مصائب و نوائب کا استقلال سے مقابلہ کرنا "اتقائے الٰہی" کی ایک اہم شق ہے یہی بات آیۂ (۱۶: ۱۲۸) سے ظاہر ہے جو مقدمہ کتاب میں صفحہ ۳۹ پر آ چکی ہے۔

Marfat.com

نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ○ (۳: ۱۹۵-۱۹۸)

اے پیغمبر! دشمنانِ خدا کا اِن تمہارے شہروں میں چلنا پھرنا، اور ایمان والوں کے بالمقابل دنیا میں آرام و آسایش سے رہنا تمہیں کہیں مغالطے میں نہ ڈال دے۔ یہ سب ایک قلیل فائدہ، اور چند روزہ مہلت ہے جو انکو دی جا رہی ہے۔ پھر دیکھ لینا اِن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے۔ لیکن جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا سچا خوف کیا ہم اُنکے استقلال اور استقامت، اُنکے صبر و اتحاد کے بدلے میں انکو ایسے خوشنما باغوں میں داخل کرینگے جنکے نیچے نہریں بہ رہی ہیں وہ اسمیں ایک مُدت مدید تک رہینگے۔ یہ تو انکی مہمانی اللہ کی طرف سے اِس دنیا میں ہوگی، اور جو کچھ حسن عمل کرنیوالوں کے لیئے اللہ کے پاس رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے۔

✝ اِن آیات میں بعض باتیں نہایت غور طلب ہیں :-

اولاً۔ یہاں پر 'کُفر' اور 'اتقا' کا باہم مقابلہ کیا گیا ہے۔ کافر اقوام کی دنیوی آسایش اور بہجت کو 'مَتَاعٌ قَلِيلٌ' کہا گیا ہے، اور مراد یہ ہے کہ ایک اقل قلیل مدت کے اندر ہر کافر قوم سے دنیاوی نعمتوں کا چھینا جانا اٹل ہے، اور بعد ازاں اس دنیا کے اندر شکست و ریخت ابدالآباد تک انکا حصہ ہے (ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ○)۔ کافر قوم کے دنیاوی عذاب اور اجتماعی ہلاکت کے متعلق مقدمہ کتاب کے آخری حصے (صفحہ ۹۶) میں قرآن حکیم کا محاکمہ پیش کر دیا تھا، اور وہ یہ تھا کہ ہر کافر قوم کی اجتماعی ہلاکت قطعی ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے 'مَتَاعٌ قَلِيلٌ' کا مندرجۂ بالا مفہوم عیاں ہے۔ اکثر لوگوں نے 'مَتَاعٌ قَلِيلٌ' کا مفہوم یہ سمجھ لیا ہے کہ کافر اقوام کو جو دنیاوی نعمتیں مل رہی ہیں وہ انکو دنیا کی اس چند روزہ زندگی کیلئے ملتی ہیں اور نسلاً بعد نسل بدستور ملتی رہیں گی، پھر مرنے کے بعد یا قیامت کے دن انکو جہنم میں ڈالا جائیگا۔ وغیرہ وغیرہ، یہ سب فلسفہ نہایت لچر اور ناپاک ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب خدا اُن سے ناراض ہے تو دنیا کی چند روزہ نعمتیں بھی کیوں اُنکو ملیں، یہیں سے عذاب کیوں نہ شروع ہو جائے اور آخر دم تک ملتا رہے۔ کیا یہ بات (معاذ اللہ) خدا کے بس کی نہیں رہی کہ وہ اِس دنیا کے اندر اُن سے نعمتیں چھین سکے۔ اور سزا آخرت کے واقع ہونے سے پہلے نہ دے سکے۔ قرآن حکیم کی تمام حکمت اِس طرز تخیل کے سراسر خلاف ہے۔ اور اسی تخیل کا اُمت حاضرہ میں رواج پا جانا بھی درحقیقت 'کافر' اور 'کفر' کے صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ 'وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ' (۳: ۱۳۹) صفحہ کا مضمون 'کافر قوم کی دنیاوی خوشحالی کے حتماً نقیض ہے اور صاف اِس امر کا دعویدار ہے کہ مومن قوم کی دنیوی فلاح قطعی ہے۔ یہی بات 'فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ' (۵: ۵۶) صفحہ سے ظاہر ہے، اور اگر قرآن حکیم اختلاف کے انسانی عیب سے قطعاً مبرا ہے تو دنیاوی خوشحالی کسی کافر قوم کے شامل حال حتماً نہیں ہو سکتی۔ جو بات آیات زیر بحث (یعنی (۳: ۱۹۵-۱۹۶)) میں کہی گئی ہے یہ ہے کہ منکرین خدا کی ظاہری خوش حالی، اُن کا تغلب اور تمکن فی الارض ایمان والوں کو دھوکہ نہ دے، اُن کو متعجب نہ کر دے کہ خدا کی طرف سے ان کو انعام کیوں مل رہے ہیں، وہ دراصل انکو انعام مل نہیں رہے بلکہ رفتہ رفتہ اُن سے چھینے جا رہے ہیں۔ جو تغلب یا تمکن اُن کو اپنے آبا و اجداد کیطرف سے وراثتاً ملا ہے وہ ایک متاع قلیل ہے یعنی ایک اقل قلیل مدت میں انکے نااہل اور بے ایمان ہو جانے کے باعث چھین لیا جائے گا گویا نعمہائے الٰہی کے چھینے جانے کی تیاری ہو رہی ہے اور ہلاکت اُن کے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ پھر جب عذاب الٰہی آ پونہچے گا تو اُن کا ٹھکانا جہنم ہے! (ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ)۔

ثانیاً آیات زیر بحث (۳: ۱۹۵) میں کافر قوم کی متاع قلیل کے بالمقابل 'متقی' قوم کی دائمی آسایش کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ بتلایا ہے کہ جہاں کافر قوم کی دنیوی طاقت روز بروز زوال پر ہے اور کوئی دن جاتا ہے کہ وہ صفحۂ زمین سے نیست و نابود ہو جائے وہاں 'متقی' قوم کا یہ حال ہے کہ سرسبز زمینوں کی بادشاہت اُن کا حصہ ہے (لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ)، وہ ان زمینوں کے مالک سدا سدا کو رہیں گے

Marfat.com

آہ! یہ کیا **فرقانِ عظیم** تھا؟ یہ کیا امتیاز مقام تھا؟ یہ کیا نہروں والے باغوں کی دائمی بادشاہت تھی جو دربارِ رب العلمین سے تقویٰ کے صلے میں مہمانیٔ خدا بنکر نازل ہوئی تھی اور جلد تر ہوئی! کیا یہ 'تقویٰ'، کیا یہی تقویٰ جو آج ہماری مسخ مصطلحات، غلط محاورات، اور تحریف شدہ مطالب کے رو سے تسبیح کے دانوں کا دیوانہ وار مرتعش انگلیوں کے درمیان سے سرکاتے رہنا، لمبے لمبے جبّے، بڑے بڑے عمامے اور رنگ دار داڑھیاں بنا بنا کر اسلام کُش اور تفرقہ انگیز اعمال کرنا، خلقِ خدا کی آنکھوں میں دُھول ڈال کر پرہیزگار بنے رہنا، یا شبانہ روز بے روح وار سجدوں سے ماتھے کو زمین پر ٹھکرا کر، دنیا و ما فیہا سے الگ تھلگ رہنے، اور اللہ کی عزیز القدر نعمتوں پر نہایت بیدردی اور اصرار سے لات مارنے کا مترادف ہی: یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ یُنْكِرُوْنَهَا وَ اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ[۱۵] (۱۶: ۸۳)، کیا یہی تقویٰ وہ خوفناک اسلحہ تھا

---

[۱۵] یہ لوگ خدا کی نعمتوں کو اچھی طرح پہچانتے ہیں پھر تجاہل عارفانہ کرکے اُن سے مکرتے ہیں اور اُن میں سے اکثر ان نعمتوں ہی کے منکر نہیں، بلکہ درحقیقت خدا کے منکر ہیں۔ گویا ازروئے قرآن خدا کی دنیوی نعمتوں کی بیقدری کرنی کفر ہے۔ 'نعمت' کا قرآنی مفہوم آگے چلکر اسی جلد میں واضح کردیا جائے گا)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۵۳) (خٰلِدِیْنَ فِیْهَا)۔ گویا جبتک قرآنی اصطلاح میں مُتقی رہینگے دنیوی تغلب اُن کے حصے میں رہیگا!

'اتقا' کی مکمل تشریح ابھی تک نہیں ہوئی، اسکے لئے ابھی بہت وقت درکار ہے مگر جو کچھ ابتک حاصل ہوا ہے یہ ہے کہ ازروئے قرآن (۱) مصائب کا استقلال سے مقابلہ کرنا 'اتقا' ہے (دیکھو صفحہ ۳ - آیت (۷: ۱۲۸) اور صفحہ ۱۵۲ - آیات (۱۶: ۱۲۷ - ۱۲۸))؛ (۲) 'اُمّتِ واحدہ' بنے رہنا 'اتقا' ہے (دیکھو صفحہ ۹۴ - آیت (۲۳: ۵۲))، (۳) "قَوْمًا لُدًّا" نہ بننا 'اتقا' ہے (دیکھو صفحہ ۹۷ - آیت (۱۹: ۹۷))، (۴) 'اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ' اور 'لَا تَفَرَّقُوْا' کا مصداق بننا 'اتقا' ہے (دیکھو صفحہ ۱۴۴ - آیات (۳: ۱۰۱ - ۱۰۲))، (۵) 'اصْبِرُوْا' اور 'صَابِرُوْا' اور 'رَابِطُوْا' پر عمل کرنا 'اتقا' ہے (دیکھو صفحہ ۱۵۰ - آیت (۳: ۱۹۹))۔ جس قوم میں یہ خاصیتیں موجود ہیں وہ ازروئے قرآن مُتقی ہے، اور ایسی مستقل مزاج، اولوالعزم، متحد، نافرقہ بند، اور صاحب اخوت قوم کا روئے زمین پر تسلط قطعی ہے۔ اس مقام نظر سے ثابت ہے کہ زیر بحث آیت میں کافر قوم کا متقی قوم سے مقابلہ کرکے اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اوّل الذکر قوم کی دنیاوی نعمتیں محض چند روزہ ہیں، مگر مؤخر الذکر کے لئے جنّات زمین میں جنکے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہیں، وہ اُن میں جبتک متقی بنے رہیں گے، رہیں گے۔ یہ مہمانی اُن کی اس روئے زمین پر خدا کے ہاں سے ہے (مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ) اور جو کچھ روزِ آخرت کو اس بادشاہت زمین کے سوا خدا کے پاس (عِنْدَ اللّٰهِ) ملیگا، وہ اس سے بدرجہا بہتر (خَیْرٌ) ہے۔

'نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ' کے الفاظ کے بعد 'وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ' کہنا، اور بعد ازاں مقابلے کے لئے 'خَیْرٌ' کا لفظ استعمال کرنا صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ 'جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ' صرف بادشاہت زمین ہی ہے اسکے ماسوا اسکا کچھ نہیں، اور 'وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ' کا مفہوم 'الجنّة' کی آسائش ہے جو آخرت میں ملیگا، اور جو بادشاہت زمین کی نعمت سے بدرجہا بہتر نعمت ہے۔ 'خٰلِدِیْنَ فِیْهَا' سے شارحین قرآن نے مراد ابد تک بہرہ ور ہونا لیلیا ہے لیکن خلود کے معنی ایک مدّت مدید تک رہنے کے ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ 'مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ' اور 'مَا عِنْدَ اللّٰهِ' کا تقابل صفحہ ۱۲۲ کی آیت (۱۳: ۱۹۴) میں گذر چکا ہے، اور وہاں بھی 'تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ' کے الفاظ موجود ہیں۔ یہ دونوں آیات الٰہی جنّات کے متذکرہ صدر معانی کی زبردست دلیلیں ہیں۔

Marfat.com

جس کی آسماں ودز زد اور زمیں پاش ٹکر سے قرنوں کی مستحکم اور مقیم سلطنتوں کی بنیادیں ہل جاتی تھیں! جس کی آہنیں ضرب سے رومۃ الکبرٰی اور فارس کے بلند نشینانِ عیش و عشرت کے تخت ہلنے، اور تاج ڈگمگانے لگتے تھے! جسکے قلعہ شکن اور حوصلہ کش گھمسان کے باعث قوی سے قوی دشمن کے حواس باختہ، اور روحیں فنا ہو جاتی تھیں! جس کی خانہ برباد طاقت اور تباہ کن قوّت کا راز، دشمن سے قطع نظر، آج خود ہمارے لیئے تازیانۂ عبرت ہے:

هُوَ الَّذِيٓ أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ ۚ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَّخْرُجُوا وَظَنُّوٓا أَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُونُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَأَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يٰٓأُولِي الْأَبْصَارِ (۵۹ : ۲)

وہ خدا ہی تو تھا جسنے اپنے بہادر اور ثابت قدم مومنوں کے ذریعے سے منکرِ خدا اہل کتاب کو اُن کے گھروں سے پہلی بھاگڑ بنا کر نکال دیا! اے ایمان والو! تمہیں اپنی قوت کا صحیح اندازہ نہ ہونے کے باعث گمان بھی نہ تھا کہ یہ لوگ اپنے گھروں سے نکل جائیں گے، وہ اس خیال میں مست تھے کہ انکے قلعے اُن کو خدا کی پکڑ سے بچالیں گے، مگر اللہ کے لشکر نے انکو اُدھر سے دھر پکڑا جدھر سے اُن کو وہم وگمان بھی نہ تھا، اور اُن کے دلوں میں ایمان والوں کی ہیبت بٹھا دی! اب وہ اِن گھروں کو اپنے ہاتھوں اور ایمان والوں کے ہاتھوں سے اُجاڑ رہے ہیں، تو اے بصیرت والو! اس واقعہ سے عبرت پکڑو کہ ایمان کیا کچھ کرسکتا ہے!

کیا یہ اللہ کا محبت آمیز **ڈر**، کیا یہ اُس سب سے بڑے سپہ سالار صلعم کا **ہول** مرتبت، کیا یہ اُس قائد اعظم صلعم کا عشق انگیز **خوف**، کیا یہ اُس دلق پوش پیغمبر کا **رعب** رسالت، یورپ کی حصن پاش توپوں اور رومۃ الکبرٰی کی قلعہ نشین فوج کی منجنیقوں سے بدرجہا مدہش اور مہلک تر **ہتھیار** نہ تھا جس نے صدرِ اسلام کے متقی مومنوں کو انہی شکستہ نیزوں اور کند تلواروں کے ذریعے سے روئے زمین کے شاداب تر ملکوں کا وارث بنا دیا تھا!

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ إِنَّا هُدْنَآ إِلَيْكَ ۚ قَالَ عَذَابِيٓ أُصِيبُ بِهٖ مَنْ أَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ† وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ

† یہاں صاف ظاہر ہے کہ متقی قوم کی دنیا بھی درست ہے اور آخرت بھی بخیر گذریگی، پس دنیاوی خوشحالی کا ہونا اور نعمتہائے آلٰہی سے فیضیاب ہونے کی اہلیت رکھنا ہی اتقائے خدا کی علامت ہے، لیکن یہ بحث پانچویں مجلد سے پہلے نہ ہوسکیگی: اسلئے کہ تذکرہ صدد معانی کا ثبوت فلسفۂ عمل میں آئے گا۔

Marfat.com

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (۷: ۱۵۶)

اور اُنھوں نے کہا کہ اے پروردگار عالم! تو اِس دنیا کی بہتری اور آخرت کی فلاح ہمارے نام لکھ دے کیونکہ ہم سب سے الگ ہوکر تیری ہی طرف آگئے ہیں، تو اللہ نے فرمایا کہ ہم اپنا عذاب تو اُسی پر نازل کرتے ہیں جسکو ہم بہمہ وجوہ مستوجب سزا قرار دیتے ہیں (مَنْ اَشَاۗءُ)۔ لیکن ہماری رحمت تمام عالم پر جاری ہے تو ہم بہبودی دنیا اور فلاح آخرت عنقریب اُن لوگوں کے نام پر لکھدینگے جو ہم سے سچے طور پر ڈرتے ہیں، جو ہمارا بول بالا کرنے کی غرض سے قربانیٔ مال کرتے ہیں، اور جو ہمارے احکام کے نفع مند ہونے پر ایمان رکھکر اُن پر عمل کرتے ہیں (يُؤْمِنُوْنَ)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ† وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (۵: ۳۵)

اے ایمان والو! مقامِ خدا سے ڈرتے رہا کرو، اور پسندیدۂ خدا کاموں کے وسیلے سے اُس سے قرب حاصل کرنے کی سعی کرو۔ اور اسکی حمایت میں جانیں لڑادو تاکہ تم آخرکار اِس دنیا میں کامیابی اور آگے چلکر فلاح حاصل کرو (لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝)

---

† جس حیرت انگیز نادانی بلکہ تجاہل عارفانہ سے بعض ناعاقبت اندیش اور فرقہ بند مسلمانوں نے اِس آیت الٰہی کے مطالب میں قصداً تحریف کرکے اِبْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کے الفاظ کو اپنے اپنے انسانی کارفرماؤں اور پیروں کی تلاش، اور اُنکے توسّل سے "قرب خدا" حاصل کرنے پر محمول کیا ہی، اور جس ظاہری سکوت اور باطنی طمینان سے پیر حضرات نے بھی اس آیت کو اپنی طرف منسوب دیکھکر دنیائے اسلام کی صدرنشینی خود بخود قبول کرلی ہی، اُس سے کم از کم یہ پتہ چلتا ہے کہ جہاں مسلمانانِ عالم نے قرآن حکیم کے الفاظ کی حفاظت میں اس شدومد سے حصہ لیا کہ باقی دنیا اُنکے اِس کارنامے پر ہمیشہ رشک کرتی رہے گی، وہاں کتاب الٰہی کے مطالب کی حفاظت کی طرف سے کامل بے اعتنائی اور بے حسی اختیار کرکے دین اسلام کی روح کو نہایت سرعت سے فنا کر رہے ہیں۔ اب ہر شخص جس آیت کا جو مطلب چاہتا ہے بنالیتا ہے، اور الفاظ کے مطالب کو کھینچ تان کر اُسکے زیر سایہ ایک نہایت آباد اور پر رونق دکان سجالیتا ہے۔ آج تاویل کے محشرستان مکر و فساد میں کسی ایک آیت الٰہی کے معانی کی تعیین مشکل ہوگئی ہے، ہر شخص اپنے ٹکڑے اور من مانی تاویل کو ہاتھ میں لیئے ہوئے تفریق و انتشار کے عدم آباد کی طرف نہایت شوق سے جا رہا ہے، اور خدا سے قطعاً نہیں ڈرتا کہ جن مطالب کی نشر و تبلیغ وہ نہایت تن دہی سے کر رہا ہے، اور جس "خدمت اسلام" کے برتے پر وہ نجات آخرت کا امیدوار ہے اس خدمت اور مطلب کی کوئی خدائی سند بھی ہے۔ آج یہی آیہ "وَسِيْلَة" "(۵: ۳۵) پیر پرستی کی سند میں ہر موقع پر اس یقین اور التزام کے ساتھ پیش کردی جاتی ہے، قرآن سے دن رات سروکار رکھنے والے مسلمان اور پیروں کے پڑھائے ہوئے مرید خدا تک پہنچنے کے لیئے پیروں کے توسّل کو اسقدر ناگزیر سمجھتے ہیں کہ اُن کے طرز استدلال اور تعقّل، اُن کی قرآن فہمی اور تدبّر کو دیکھکر عقل کانپ اُٹھتی ہے لیکن یہ خدا کے اِس آخری کلام کا زندہ معجزہ ہے کہ جس جس آیت کے مطالب مسلمانوں نے اپنا مطلب نباہنے کیلئے محرّف کرلیئے ہیں اسکی تغلیط کا پورا سامان خود قرآن کے اندر حیرت انگیز استقلال کے ساتھ موجود ہے۔ قرآن حکیم کا ہر حصہ اپنے مطالب کا آپ محافظ ہے، اُسکو کسی مفسر یا شارح کسی من مانی لغت یا دل سے بنائی ہوئی حدیث کی حاجت نہیں۔ آیہ وَسِيْلَة کے اِن نارو امعانی کا پورا رد سورۂ بنی اسرائیل کے اندر موجود ہے اور یہ رد اِس درجہ مُسکت ہی کہ کسی بڑے سے بڑے پیر پرست کو اسکے آگے دم مارنے کی مجال نہیں۔ بشرطیکہ ذہن کو کام میں لانے کی توفیق اُسکو ارزانی

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○ (۹:۱۳)

اے ایمان والو! تم اُن لوگوں سے دل کھول کر کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول خدا کو وطن بدر کر دینے کا ارادہ کیا، اور ایذا دینے میں پہل بھی انہوں نے کی۔ کیا تم ان لوگوں کی طاقت اور تعداد سے ڈرتے ہو؟ پس اگر تم میں ایمان موجود ہے تو خدا ان سے کہیں بڑھکر حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۵۶) ہوجائے! انسان کے انسان کی عبادت کرنیکے متعلق کتاب خدا کا محاکمہ ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ○ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ○ (۱۷: ۵۶-۵۷)

اے محمدؐ! اِن لوگوں سے کہہ دو کہ خدا کو چھوڑ کر تم نے جن انسانوں (اَلَّذِیْنَ) کو اپنے زعم میں اپنا کارساز سمجھ رکھا ہے۔ (جن کو تم خدا کے ساتھ ساتھ طاقتور اور مشکلکشا سمجھ بیٹھے ہو) ان کو پکار دیکھو تو تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ یہ لوگ نہ تم سے تکلیف کو دور کرسکینگے اور نہ اسکو بدل ہی سکیں گے۔ یہ شخص جنکو نادان لوگ حاجت روا سمجھ کر پکارتے ہیں، (اور جنہیں اپنے مشکلکشا اور سفارشی بننے کی آس لگائے بیٹھے ہیں)، خود اس قدر محتاج ہیں کہ ان میں سے خدا کے بڑے مقرب بھی (اَیُّھُمْ اَقْرَبُ) اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنیکے وسیلے ڈھونڈتے رہتے ہیں (یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَۃَ)، اُس کی رحمت کے ہردم چشم براہ، اور اسکی سزا سے ہر آن خوفزدہ رہتے ہیں (تو وہ پھر مشکلکشا اور سفارشی آپ کیسے بن سکتے ہیں)، اور لوگو! خدا کا عذاب وہ شے ہے جس سے ڈرنے کے سوا کسی کو چارہ نہیں۔

یہاں پر انسان کو انسان کی عبادت' اور ملازمت اختیار کرنے سے منع کیا ہے، اور بصراحت تمام اس بات پر زور دیا ہے کہ خدا اور انسان کے درمیان بڑے سے بڑا انسان اور معزز سے معزز بشر بھی حاجت روائی کا وسیلہ یا نجات کا ذریعہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اُن میں سے جو سب سے زیادہ مقرب بارگاہ ہے وہ بھی اُس صاحب کبریا و جبروت کے سامنے اس قدر عاجز اور بے بس ہے کہ اسکو اپنا ہی قرب اور تقرب برقرار رکھنے کے لیئے وسائل ڈھونڈنے سے فرصت نہیں ملتی، پھر وہ کسی غیر کی سفارش یا مشکلکشائی کیا کرسکیگا۔ گویا جب بڑے سے بڑا نبیؐ بھی اپنی ہی نجات کے فکر میں ہے، اور اُسکے لیئے شب و روز سعی کر رہا ہے تو پھر کسی خودساختہ "پیر طریقت" یا "ولی" کی کیا مجال ہے کہ کارسازی کرسکے۔ جب اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی انسان کسی انسان کا 'وسیلہ' نہیں بن سکتا، اور بڑے سے بڑا انسان حتیٰ کہ نبیؐ بھی اپنی نجات کا 'وسیلہ' ڈھونڈھتا ہے تو یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَۃَ، کے 'الوسیلۃ' کا مفہوم لامحالہ پیرپرستی کے علاوہ کوئی اور شے ہے جو انبیاء جیسے مقرب بارگاہ انسان بھی تلاش کرتے ہیں، اور وہ شے سعی و عمل کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے 'اقرب' بارگاہ الٰہ ہونے میں کسی ایک مسلمان کو اعتراض نہیں ہوگا، اور یہی مسلّم ہے کہ آپنے اپنی زندگی میں کوئی پیر نہیں پکڑا تھا بلکہ تمام عمر سعی و عمل کرتے کرتے انتقال کر گئے۔ یہی بات آیت زیر بحث کے سیاق سے ظاہر ہے جہاں اِبْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ، کے مابعد وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ کہا گیا ہے جسکے واحد معنی یہی ہیں کہ خدا کی راہ میں اپنا جان، مال، آرام، گھربار سب کچھ دیدو۔ ایک سپاہی کو بادشاہ کی خوشنودی اور قرب حاصل کرنیکے لیئے بعینہ یہی سعی و عمل ضروری ہے نہ یہ کہ بادشاہ کی لڑائیاں لڑنے سے انکار کرے اور تمغے حاصل کرنے یا کرسی نشین بننے کیلئے دوسروں کی سفارش کا طلبگار رہے۔ خدائے زمین و آسمان کی حکومت اہل فرنگ کی حکومت کی طرح (معاذ اللہ) پوچ نہیں ہے کہ تمغے کسی کی سفارش پر بلا سعی و عمل مل جایا کریں۔ ان آیات کا مضمون کپکپا دینے والا مضمون ہے بشرطیکہ مسلمان غور کریں۔

؎ یہاں 'ایمان' کی شرط لاینفک قرار دی گئی ہے کہ انسان خدا کے سوا کسی کمتر ہستی سے خوفزدہ نہ ہو اور دشمن سے بیخوف و خطر قتال کرے۔

Marfat.com

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝ (۹: ۴۴-۴۵)

اے پیغمبر! جو لوگ خدا پر ایمان لاتے ہیں اور روزِ آخرت کے محاسبے کا بھی اُنکو یقین ہے، وہ تو تم سے اس بات کی رخصت مانگتے نہیں کہ اپنے مال و جان سے شریکِ جہاد ہوں اور اللہ تو سچے تقویٰ والوں کو خوب جانتا ہے۔ نہ شامل ہونیکے لیئے لنگ عذر پیش کر کے تم سے خواہانِ اجازت وہی لوگ ہوتے ہیں جو اللہ اور روزِ حساب کا یقین نہیں رکھتے۔ اُنکے دل شک میں پڑے ہیں، اور اسی شک میں پڑے تردّد کر رہے ہیں کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (۱۰: ۶۲-۶۴)

✝ یہاں 'ایمان' کی شرط جہاد بالمال والانفس ہے، اور یہی شرط تقویٰ کی ہے، (وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ)۔ گویا خدا جیسے حاکمِ اعلیٰ سے ڈرنے کے یہی معنی ہیں کہ اُسکی راہ میں جان و مال سے دریغ نہ کیا جائے۔ آج بھی شیوہ ہر ملازم کا اپنے مشاہرہ دہ آقا سے ہے۔ وہ اگر جانباز سپاہی اور سچا غلام ہے تو اپنے حاکم سے ڈر کر اور اُسکی حفاظت میں جان تک لڑا دے گا۔

✝ یہاں صاف ظاہر ہے کہ مُتّقی قوم کو جہاں آخرت میں کچھ باک نہیں وہاں اُسکی دنیا بھی درست ہے۔ کوئی قوم جسکی دنیا درست نہیں 'متقی' ہونے کی مصداق نہیں ہوسکتی، اور چونکہ اتّقا کے معانی صاف ہو چکے اسلیئے جو قوم متحد ہو کر رہے گی، مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرے گی، 'صَابِرُوْا' اور 'رَابِطُوْا' پر عمل کرے گی، خوشنودیِ خدا حاصل کرنے کیلئے ابتغائے وسائل کرے گی، 'قَوْمًا لُّدًّا' نہ بنے گی، اسکی دنیا بہر نوع اور لامحالہ اچھی ہے، اور وہی 'لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ' کی بشارت کی سچی اہل ہے، اُسکو یہاں پر بھی کسی دشمن کا ڈر نہیں اور آگے چلکر تو ابدالآباد تک امن ہے۔ ایسی قوم ہی 'اولیاء اللہ' ہونیکی صحیح مصداق ہے۔ وہ بیگمان خدا کی 'دوست' ہے اور خدا اسکا 'دوست' ہے کیونکہ یہاں بھی سب نعمتیں دے رہا ہے اور آگے چلکر بھی بے حساب دیگا۔

مسلمانوں نے نہ معلوم کس بنا پر 'اولیاء اللہ' کا خطاب اُن دنیا سے الگ تھلگ رہنے والے فقراء اور پریشان مو اصحاب کو دیا ہے جو تمام عمر اپنے اعتکاف خانوں میں بند رہ کر خلقِ خدا سے بیزار رہے، جنہوں نے امت کو متحد کرنے میں کچھ سعی نہ کی، جنہوں نے خدا کی لڑائیاں لڑنے میں اپنی جان کو پیش نہ کیا، جنکو خدا نے حیاتِ دنیا میں کوئی بشارت نہ دی، جو خلقِ خدا کو متحد کرنے کی بجائے اُلٹا اپنے پیچھے لگا کر متخالف الآراء اور منتشر العمل کر گئے، جنکی تمامتر زندگیاں نہایت رنج و غم اور ذلّت و مسکنت میں کٹیں۔ خدا کا 'دوست' وہی ہے جو اُسکی خاطر تکلیف اُٹھائے لیکن پھر دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مالک الملک خدا اُسکو اس تکلیف اٹھانیکے صلے میں سب سے بیخوف و خطر کر دے۔ اگر یہ نہیں تو کچھ 'دوستی' نہیں۔ اگرچہ ساری دنیا اُسکو 'ولی' کہکر پکارتی رہے! آج اگر سطحِ زمین کے طول و عرض میں خدا کا صحیح معنوں میں دوست کوئی ہے تو وہ بندۂ خدا جو اپنی جماعت کی بہتری کی خاطر تن بدن کو تکلیف میں ڈال رہا ہے، جو دشمن کی قوت سے خوفزدہ نہیں ہوتا، جو ماسوا سے قطع نظر کر کے خدا ہی سے ڈر رہا ہے، جو فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ (۹: ۱۳) پر عمل کر کے سب سے بیخوف و خطر ہو گیا ہے۔ اگر کسی خدا کے بندے میں یہ ڈر اور یہ نڈری، یہ تقویٰ اور یہ بیخوفی، یہ خوفِ خدا اور لاخوف ولاحزن ماسوا آچکا ہے تو وہ بلاشبہ 'ولی' ہے، وہ لاریب خدا کا دوست ہے، خواہ وہ چین کا رہنے والا ہو یا ہند کا۔ خدا کو اپنی دوستی میں کسی ملک یا مذہب کی تخصیص نہیں!

Marfat.com

لوگو! یاد رکھو کہ خدا کے سچے دوستوں کو نہ تو کسی قسم کا خوف ہے اور نہ وہ آزردہ خاطر ہوتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور مقام خدا سے ڈرتے رہے۔ انہیں اس دنیا میں بھی عافیت اور ان کی بشارت ہے، اور آخرت میں بھی فلاح ہے۔ خدا کے وعدوں میں رد و بدل کا امکان ہرگز نہیں اور یہ فلاح دارین تو بڑی بھاری کامیابی ہے۔

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۚ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِىْ وَخَافَ وَعِيْدِ ○ (۱۴:۱۴)

اور دشمن کے غارت ہوئے پیچھے ہم ضرور تم کو اسی سرزمین میں بسائیں گے۔ یہ صلہ اُس شخص کا ہے جو میرے مقام و منصب سے ڈرتا رہا اور جس نے میرے عذاب سے بچنے کی سعی کی۔

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوْا خَيْرًا ۗ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ○ (۱۶:۳۰)

اور ان لوگوں سے جنہوں نے مقام خدا کا سچا احساس کیا پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے اپنے ہاں سے تمہاری اس خدمت کے عوض میں کیا دیا تو وہ جواب دیتے ہیں کہ اچھے سے اچھا۔ جن لوگوں نے یہی خدمت کی اور اپنے حسن عمل سے خدا کو خوش کر دیا ان کے لیے اس دنیا میں بھی بہتر سے بہتر نعمتیں ہیں اور آخرت کا گھر تو اس سے کہیں اچھا ہے اور تقویٰ کرنے والوں کا ٹھکانا تو بہرحال نہایت ہی اچھا ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۗ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (۳۹:۱۰)

اے پیغمبر! ہماری طرف سے کہدو کہ اے ہمارے بندو! جو ہم پر ایمان لا چکے ہو، مقام خدا کا تقویٰ کرتے رہا کرو۔ جنہوں نے ہم سے ڈر کر ہماری حمایت میں جان و مال کی پروا نہ کی ان کے لیے اس دنیا میں زمین کی بادشاہت کا بہترین اجر ہے۔ اور خدا کی زمین تو بڑی وسیع ہے۔ بیشک مصیبت برداشت کرنے والوں کو ان کا عوض بے حساب دیا جائے گا۔

---

† یہاں متقی قوم کے لیے بادشاہت زمین کا انعام صاف ہے۔

* یہاں پر صاف طور پر متقی قوم کے لیے دنیا کے بہترین انعام وقف کر دینے کا وعدہ ہے۔

* یہاں پھر روئے زمین کی وسیع بادشاہت متقی قوم کے لیے وقف ہے۔ اور صاف فرما دیا ہے کہ دنیاوی انعامات اسقدر بے حساب ہیں کہ تمام کرۂ زمین کی ملکیت اس میں شامل ہے (وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ) یہی سچا حسن عمل ہے (لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ)، اور عمل صالح عمل کی بھی یہی تعریف ہے جس کی تلاش ہم کر رہے ہیں۔ حسنات کے تحت المتن صفحہ ۱۳۰ میں بھی اَحْسَنُوْا سے یہی مراد ہے! (دیکھو آیہ (۱۶:۳۰)) ضمناً اس آیت میں پھر بتلا دیا ہے کہ صبر یعنی مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرنا، اتقائے خدا کی ایک اہم شق ہے (اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ)

Marfat.com

اِس اتحادِ عمل اور تزکیۂ اخلاق کا اصلی راز خدائے واحد کی **خالص** عبادت، اور **براہِ راست** عبودیت تھی۔ قرآن کی حیرت انگیز تعلیم، اور داعیٔ اسلام کی حیرت انگیز یقین آفریں صحبت نے خداوند عالم کا اپنے عاجز اور محتاج بندوں سے براہِ راست تعارف کرا کے عبد و معبود کے درمیان سے سب مشکوک حجاب دور کر دیئے تھے۔ رسولِ خدا کی ناقابلِ انکار صداقت اور انکسارِ نفس نے بندے کا ہاتھ مالک ارض و سما کے مقتدر ہاتھ میں دے کر خود ایک بے تعلق اور پیغام دہ بشر کی حیثیت قبول کر لی تھی، ذاتیات اور شخصیت کا مُہلکِ ایمان اور مضعفِ یقین عنصر اسلام کے خمیر میں قطعاً نابود تھا، توحید تمام اُمت کے اجماع کا نقطۂ وحدت بن گئی تھی، ہر فردِ بشر کا معاملہ، بلا وساطت غیرے اور بلا شرکت احدے، اُس معز و مذل حقیقی کے ساتھ وابستہ ہو گیا تھا جس کی قدرت اور عظمت کے صحیح اندازے نے ایک عالم کو کپکپا دیا تھا! نفع اور ضرر کے اسی بے مثال یقین نے سرزمین عرب میں **خوف** خدا کی مشترک لہر دوڑا دی تھی، اسی خوف کے باعث باہمی عداوتیں مٹ گئیں، کینے اُچک لیے گئے، بھائی چارے کا سماں ہر طرف بندھ گیا تھا! انسان کی عزت و تکریم اور اُسکے انعام و اکرام کا معیار بھی خدا کے نزدیک اُس کا تقوے ہی تھا: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ (۴۹: ۱۳)[1]، قلوب کے اندر ایک مشاہدہ حاکم کی مانند اُسکے رعب مرتبت اور ہول جاہ کی بجلیاں، نفع و ضرر اور بیم و رجا کی لاانتہا تاروں کے ذریعے سے دوڑ گئیں، پھر وحدت امیر کی کشش اتصال نے، اور یک منعی کے متحد القلوب خوف نے ہر مومن کے قلب میں مشترک عبودیت کی عصبیت، اور عالم آرا اخوت کا اعتصاب پیدا کر دیا: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ (۴۹: ۱۰)[2] یہی وہ **عملی تقوی** اور وہ **مخلصانہ توحید** تھی جو

---

[1] اللہ کے نزدیک تم میں سے بڑی عزت والا اور مستحق فضل و کرم وہی ہے جو خدا سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ اور اللہ تو انسان کی قدر و قیمت کو بڑا جاننے والا، اور اُسکے حال و احوال سے بڑا باخبر ہے۔

[2] خدا پر ایمان رکھنے والے تو آپس میں بھائی بھائی ہیں پس تمہارا فرض ہے کہ اپنے دو بھائیوں کے درمیان مصالحت کرا دو اور خدا کی خفگی سے ڈرتے رہو اور اُسکا تقویٰ کرو کہ وہ تم پر مہربان ہو جائے۔

† یہاں پر بہر مصالحت اور مواخات کو اتقائے الٰہی پر محمول کیا گیا ہے جس قدر خوف رعیت کو حاکم اعلیٰ کا ہے اسیقدر اُسکے افراد متحد رہیں گے۔

Marfat.com

سالہاسال تک اسلام کونئی طاقت اور نئی زندگی بخشتی رہی: قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ﴿ۙ﴾ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ[1] ﴿۳۹: ۱۱-۱۲﴾، قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ[‡] مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ[2] ﴿۳۹: ۱۴﴾۔ اسی تقویٰ کی پاداش عمل میں اللہ کی رحمتوں کے دریا اُمڈ جاتے تھے! یہی اتقا و اتحادِ عمل اُس جلیل القدر ذات کی سچی عبادت اور اُسکی موجودگی اور وحدت کا زندہ اشتہار تھا۔ اسی کی بے انتہا برکت سے نصرت حق اور فتح مبین ہر وقت شاملِ حال رہ کر اشاعتِ اسلام کا قطعی باعث ہوا کرتی تھیں: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ﴿ۙ﴾ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ﴿ۙ﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا[‡][3] ﴿۱۱۰: ۱-۳﴾۔ اللہ کے یہ محکوم اور خالصۃً اُسی سے ڈرنے والے سپاہی، عقیدت کے سرفروشانہ جوش ہستعدی کی داعیٔ انقلاب اُمنگ، اور محبت کی مضطرب امتحان وفا کے باعث صبر اور استقلال، توکل اور مردانگی کے عدیم النظیر پیکر

---

[1] اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہدو کہ مجکو تو خدا کے ہاں سے یہی حکم ملا ہے کہ میں تمام ارادت اور اخلاص (الدِّیْن)، تمام عقیدت اور اعمال (الدِّیْن) کو خالصۃً خدا ہی کیلئے وقف کرکے ہمہ تن اُسیکا غلام بنا رہوں (اَعْبُدَ اللّٰهَ)۔ اور مجھے یہی حکم ملا ہے کہ میں ہی سب سے پہلے اُسکو اپنا آقائے حقیقی تسلیم کروں اور عملی طور پر اُسکی عبودیت میں رہوں (اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ)۔

[2] ان سے کہدو کہ میں اپنی تمام ارادت اور محبت کو اُسی کے لیئے خالص کرکے اُسکی غلامی کر رہا ہوں (اَعْبُدُ)۔

[3] اے پیغمبر! جب اللہ کی مدد آئے گی، اور دین اسلام کی فتح عظیم کا وقت آ پہنچیگا اور تو دیکھے گا کہ لوگ جوق درجوق دین خدا میں داخل ہو رہے ہیں، تو اُس وقت اپنے پروردگار کے شکر نے میں سربسجود ہو جاؤ، اُسوقت اپنی جاجت کی اور اپنی گذشتہ تقصیروں کی معافی طلب کرو۔ کیوں کہ وہ فی الحقیقت بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے (اور ایسی مہربانیوں کے موقعے پر ہی اُس سے ایسی درخواستیں کرنی چاہئیں)۔

---

‡ یہاں 'اَعْبُدُ' کے معنی صاف ظاہر ہیں اور اس سے مقصود نماز پڑھنا قطعاً نہیں ہو سکتا۔ 'دِیْن' کے معنی قرآن کی اصطلاح میں طرز عمل یا راہ عمل کے ہیں۔ یہی معنی لفظ 'مذہب' کے ہیں۔ گویا 'اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ' کا مفہوم یہ ہے کہ اپنا تمام طریق عمل خالصۃً خدا کی منشا کے مطابق کرکے اُسکے غلام بنے رہو۔ ہر سچے ملازم (یعنی عبد) کا شیوہ بھی یہی ہے کہ وہ کوئی کام اپنی مرضی سے نہیں کرتا۔ اُسکی سب بھاگ دوڑ آقا کی مرضی پر منحصر ہے اور وہ اپنی مشیت اور اپنی خواہشات کو مالک کے حکم کے بالمقابل فنا کر دیتا ہے۔ رہا اس امر کا تصفیہ کہ مالک زمین و آسمان کی مشیت فی الواقع کیا ہے؟ یہ ایک بڑا اوق سوال ہے اور اصل کتاب میں اسی کی ایک اہم شق پر بحث جاری ہے۔ بہرنوع ان دونوں آیتوں سے ظاہر ہے کہ 'دِیْن' کے معنی کسی شخص کا مسلمان ہونا، یا نصرانی ہونا، یا یہودی ہونا نہیں بلکہ ہر غلام کا اپنے آقا کے حق میں طرزِ عمل ہی اُسکا دین ہے۔ وَلٰكِنْ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ کے کچھ معنی نہیں بنتے یہی بات لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ ﴿۱۰۹: ۶﴾ سے ظاہر ہے یعنی تمہیں تمہاری خدمت کا اجر ملیگا اور مجھے میرے کیئے کا۔ خدا کو مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ (۱: ۴) بھی اسلیئے کہا کہ وہ دن اعمال کی اجرتوں، اور خدمتوں کی مزدوریاں، ادا کرنے کا ہوگا۔ (دین کے ان مطالب کی حقیقت کیلئے دیکھو دیباچہ کتاب صفحہ ۷)۔

‡ اس سورۃ کے صحیح معانی کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ایک دفعہ سوال کیا گیا تھا۔ میں نے مربوط اور ناقابل انکار معانی لکھدیئے ہیں۔ خدا کی نصرت قطعاً کسی قوم کے شامل حال نہیں ہوتی جبتک کہ اسکی سعی و عمل خدا کو فی الواقع خوش نکرے۔ یہی وقت فی الحقیقت کسی حاکم سے عنایت مانگنے کا بھی ہے۔ اسیوقت اسکی رحمت کا دریا جوش میں آتا ہے اور وہ بسا اوقات علی الحساب بے دیتا ہے۔

Marfat.com

بن گئے تھے، انکی قوت و استحکام کا رازِ دروں اُنکے متحد اور متفق قلوب میں مضمر تھا؛ نیتوں کی یگانگت اور تہذیبِ نفس کے التیام آفریں اثر نے اُن کے اعمال میں ناقابلِ یقین ضبط، اور افعال میں طبعی یکسانیت پیدا کردی تھی؛ بڑے بڑے مقتدر اور جری عساکر جو مدت مدید کی تیاری اور صرفِ کثیر کے بعد اُن کے مقابل کھڑے ہوتے تھے، اُنکے ضابطۂ عمل، اُنکی پیش بندی اور اہتمام، اُنکے نظم و نسق، اور خوفِ قانونِ خدا، انکی مشقِ تحمل اور ستم برداری پر دنگ رہ جاتے تھے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ (۱۸:۵۹)؛ لالچ اور بزدلی، ہراسِ موت اور قنوط، تشتت اور جمود کے اُن زرخرید اور بے مولا، اُن ناآشنائے پایانِ عمل اور کرایہ پر لیئے ہوئے

لـه اے ایمان والو! قانونِ خدا سے ڈرتے رہا کرو اور تمہیں چاہیئے کہ ہر شخص اس بات پر نظر کرتا رہے کہ اُس نے آنے والے کل کے لیئے کیا تیاری کی ہے اور آیندہ مصائب کے لیئے کیا حفظِ نفس اور پیش بندی کی ہے۔ اور قانونِ خدا سے مکرر ڈرتے رہو۔ اللہ جو کچھ سعی و عمل کر رہے ہو اُس سے بخوبی واقف ہے۔

✥ اس آیتِ الٰہی میں پیش از وقت تیاری اور دور اندیشی کو تقاضائے الٰہی پر محمول کیا گیا ہے اور دشمن کے بالمقابل حفظِ نفس کو اسقدر اہم قرار دیا ہے کہ دو دفعہ "اتَّقُوا اللَّهَ" کے الفاظ ایک آیت کے اندر آئے ہیں۔ اس تکرار سے مقصود لامحالہ یہ ہے کہ خدا کا قانون اٹل اور واجب الخوف ہے، وہ اسی قوم کو انعام کا مستحق قرار دیتا ہے جو بہر نوع اسکی اہل ہو، جسنے سعی و عمل سے اپنے آپ کو فتح و ظفر کا اہل ثابت کیا ہو، جس نے آنیوالے کل کے لیئے تیاری کی ہو (مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ)۔ خدا کسی قوم کی کوئی بے جا رعایت مدِّنظر نہیں رکھتا، جس جس نے جتنا زادِ راہ کل کے لیئے جمع کیا ہے، جسقدر تحفظ اُس نے آنے والی مصائب کے برخلاف اختیار کیا ہے، اُسیقدر اجر اُسکو لامحالہ مل رہیگا۔ یہی بات "إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ" سے ظاہر ہے گویا خدا عمل اور صرف عمل کو چاہتا ہے اور اُسیکو دیکھکر فیصلے صادر کرتا ہے۔

نسیہ پسند اور آخرت کے شیدائی مسلمانوں نے "قَدَّمَتْ لِغَدٍ" کے معنی "روزِ قیامت کی تیاری" کے لیئے ہیں حالانکہ "غَدٍ" کے معنی کسی آنے والے کل کے ہیں، اور مزا یہ ہے کہ اس پر ال تخصیصی بھی داخل نہیں کہ اسکے معنی خاص روزِ قیامت کے ہوں۔ جامع ترمذی (المتوفی ۲۷۹ھ ۸۹۲ء) میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ۔ "أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَدَّخِرُ لِغَدٍ" یعنی "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کل کے لیے کوئی ذخیرہ جمع نہ کرتے تھے"۔ روایت کی صحت یا عدمِ صحت سے بحث نہیں، صرف "لِغَدٍ" سے مطلب ہے جسکے معنی یہاں صاف آنیوالے کل کے ہیں روزِ قیامت کے نہیں ہیں۔ خود قرآن کریم میں چار موقعوں پر "غَدًا" کا لفظ استعمال ہوا ہے اور چاروں موقعے آنیوالے کل کے معنی میں ہیں۔ سورۂ یوسف میں یوسف علیہ السلام کے متعلق انکے بھائیوں کا قول ہے: أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ (۱۲:۱۲)، یعنی "ہمارے ساتھ کل یوسف کو بھیجدو کہ کھائے پیئے اور کھیلے، اور ہم اسکی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں"۔ سورۂ کہف میں ہے: وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ۝ (۱۸:۲۳) یعنی "کسی شے کی بابت یقینی طور پر مت کہو کہ میں اسکو ضرور بالضرور کل کرونگا"۔ سورۂ لقمان کے اخیر میں ہے: وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ (۳۱:۳۴) "اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کل کیا کریگا"۔ علیٰ ہذا القیاس سورۂ قمر میں قومِ ثمود کی تباہی کے متعلق ہے: سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ۝ (۵۴:۲۶) یعنی "یہ لوگ عنقریب کسی آنے والے کل کو دیکھ لیں گے کہ کون جھوٹا اور گستاخ ہے"۔ تعجب ہے کہ اس شہادت کے ہوتے ہوئے "غَدٍ" کے معنی کسطرح قیامت کے ہو سکتے ہیں، اور کس بیدردی سے مسلمان آیاتِ خدا کو توڑ مروڑ کر تحریفِ معنوی کے مجرم بنتے ہیں۔

Marfat.com

سپاہیوں کی، اِن اللہ کے عاشق، بیقرار ابتلاؤ محن، نصرت حق اور وراثت زمین کے موعد، موت کے تشنہ و منتظر، دست بخت گہوارہ امید، اور جنت خرید غلاموں کے مقابلے میں کیا بساط تھی جو بروئے کار آتی، مومنوں کے فلک کشا حوصلے اور متحدہ دلوں کی کوہ شکن طاقتیں، دشمن کے جم غفیر کو پہلے ہی پیوند زمین کردیتیں، ایمان کا جرأت افزا اثر مغاان کی قوتِ عمل کو چند در چند کردیتا، اور ایک حیرت انگیز طریقے پر بیظاہر کم سامان جماعت دشمن کا تہس نہس کردیتی!

یارِ مردانِ خدا باش کہ در کشتیِ نوح

ہست خاکے کہ بہ آبے نخرد طوفاں را!

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝ (۵۹: ۱۳-۱۴)

مسلمانو! تم اللہ پر ایمان رکھنے کے باعث ہی ان منکرین خدا کے دلوں میں اشد شدید ہیبت بٹھا رہے ہو، اور یہ محض اسلیئے ہو کہ یہ ایک ناسمجھ قوم ہے، جسکو ایمان کی قوت کا علم نہیں۔ اب تو انکی یہ حالت ہو کہ سارے کے سارے ملکر بھی تم سے لڑنے کی تاب نہیں رکھتے مگر یہ کہ محفوظ بستیوں یا دیواروں کی آڑ میں ہو کر لڑیں۔ بات یہ ہے کہ انکی آپس کی لڑائیاں اور باہمی عداوتیں سخت ہیں۔ بظاہر

✢ "قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ" اور "قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ" کے الفاظ یہاں پر نہایت قابل غور ہیں۔ گویا یہ منکرین خدا لوگ اس بات کا تفقہ اور تعقل ہی نہیں کرسکتے کہ قانونِ خدا کیا ہے، وہ کن اقوام کو دنیا پر برقرار رکھتا ہے، کن کو سزائیں دیتا ہے۔ یہ لوگ آپس میں لڑ مرکر اپنی قوتوں کو ضائع کررہے ہیں اور دشمن سامنے آتا ہے تو دُم دبا کر بھاگ جاتے ہیں! ان کو اتنی عقل ہی نہیں کہ سمجھیں کہ اتحاد اور اختلاف قلوب میں کیا برکتیں ہیں، اور خدا کس طرح متحد القلوب قوم پر اپنی رحمتیں نازل کرتا ہے۔ گویا ان آیات میں رمزاً اور کنایۃً جتلا دیا ہو کہ بزدل، متفرق اور معاند ہونا کافر قوم کا خاصہ ہے۔ آج مسلمانانِ عالم خود "قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ" اور "قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ" اور "تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى" کے صحیح مصداق بنے ہوئے ہیں! دوسری قوموں نے اپنے افراد کے مابین اتحاد پیدا کرلیا ہے۔ مسلمان اُن کے خوف سے بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں اور قلعوں کی اوٹ میں چھپکر بھی لڑ نہیں سکتے۔ ہر جگہ شکست و ریخت ہے، خوف و حزن ہے، رنج و ماتم ہے! "بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ"، اسقدر ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔ آہ لیکن خدا کوئی مسلمانوں ہی کا خدا نہیں وہ رب العالمین ہے اور ہر قوم کو اسکی سعی و عمل کے مطابق اجر دے رہا ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ!

✢ "بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ" کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ تمہارے متعلق اُن کا خوف آپس میں بہت شدید ہے مگر اس سے مطلب کافی طور پر مربوط نہیں ہوتا۔

Marfat.com

تو انکو مجتمع اور متحد دیکھیگا لیکن اُنکے دل ایک دوسرے سے جُدا ہو چکے ہیں یہ اسلیئے کہ ان لوگوں میں سلیقہ اتحاد نہیں، انہیں عقل نہیں۔ یہ متحد قلوب کو کیا جانیں۔ اور ایک نصب العین پر قائم ہونے کی قوت کو کیا سمجھیں۔

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ○ (۴:۱۰۴)

اے ایمان والو! دشمن قوم کی تسخیر و تعاقب میں نرم نہ پڑ جاؤ، اگر لڑائی میں تم کو تکلیف پونہچ رہی ہے تو جیسے تم کو پونہچتی ہے اُنکو بھی پونہچ رہی ہے، اور تم کو تو خدا سے وہ وہ امیدیں ہیں جو اُنکو ہرگز ہرگز نہیں۔ اور اللہ طرفین کے سب حالات سے اور قتال کی حکمت عملی سے خوب واقف ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ○ الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا ۚ فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ○† (۸: ۶۵-۶۶)

اے پیغمبر! ایمان والوں کو دشمنانِ خدا کے برخلاف لڑنے پر برانگیختہ کیا کرو۔ ایمان والوں کی قوت تو اسقدر زبردست ہے کہ اگر تم میں سے برداشت کرنے والے بیس مومن بھی ہوں تو وہ مخالف فریق کے دو سَو نفر پر غالب رہیں گے، اور اگر تم میں سے ایسے سَو ہوں تو کفار کے ہزار نفر پر غالب رہینگے یہ اسلیئے کہ یہ قوم ایمان کی غلبہ افزا طاقت کو سمجھتی ہی نہیں۔ اِس وقت اللہ نے اپنے حکم کا بوجھ تم پر سے ہلکا کر دیا ہے، اور محسوس کیا ہے کہ ابھی تم میں کمزوری و سائل باقی ہے۔ تو اِس کمزوری کی حالت میں بھی تم میں سے ایک سَو صابر ہونگے تو وہ دو سَو دشمن نفر پر غالب رہیں گے، اور اگر ایک ہزار ہونگے تو وہ دو ہزار پر غالب رہیں گے، اور اللہ تو مستقل مزاج لوگوں ہی کا ساتھی ہے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ○ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ ○ وَإِنَّ

---

† یہاں صَبر کے مطالب اسقدر صاف ہوگئے ہیں کہ اسکے بعد کسی مزید تشریح کی حاجت نہیں رہتی۔ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ کے الفاظ یہاں پھر آئے ہیں اور مقصود یہ ہے کہ یہ لوگ صبر کے غلبہ افزا نتائج کو نہیں سمجھتے۔ اِن آیات میں صَبر کو ایمان پر محمول کیا ہے (حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ) گویا ایمان کی ایک شق صبر بھی ہے لیکن جو اہم نتیجہ ان آیات کے مطالعے سے نکلتا ہے یہ ہے کہ جو قوم اس دنیا کے اندر اپنے سے کم تعداد قوم سے پچھڑ رہی ہے اسمیں شائبہ کفر ضرور ہے، انتہائی کفر ہے کہ اپنے سے دس گنا تعداد سے شکست کھائی لیکن اگر اپنے سے نصف تعداد سے پچھڑے تو بھی کافر ہے۔ انتہائی ایمان یہ ہے کہ ایک مومن دس کو پچھاڑے لیکن اگر ضعف کیحالت میں دو کو بھی ہرا سکے تو ایمان کا کچھ نہ کچھ دعویدار ضرور رہتا ہے! گویا کفر کی ایک اہم شق از روئے قرآن بُزدلی ہے، نامرادی ہے، میدان جنگ سے ہارنا ہے! لمبی داڑھیاں رکھنے یا شرعی پاجامے پہننے سے کوئی شخص خدا کے نزدیک کافر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس مطلب کیلیئے صفحہ ۱۶۳ کا تحت المتن بھی دیکھنا چاہیئے۔

جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ † (۳۷: ۱۷۱-۱۷۳)

اور لوگو! ہمارے پیغامبر بندوں کے حق میں ہمارا پہلے ہی ارشاد ہو چکا ہے کہ ہمارے : ن سے لا محالہ انکو مدد دیجائے گی، اور بیشک ہمارے بندوں کی فوج ضرور غالب آکر رہے گی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ○ ‡ (۴۱: ۳۰-۳۲)

بیشک جن لوگوں نے خدا کو اپنا آقا مان لیا اور پھر اُس پر تندہی اور استقلال سے جمے رہے، اُن پر ہماری رحمت کے علمبردار فرشتے نازل ہو کر اُن سے کہتے ہیں کہ اے خدا کے خالص بندو! دنیا کے مصائب اور دشمن کے ہجوم کو دیکھکر کچھ اندیشہ مت کرو اور غم نہ کھاؤ بلکہ اپنے تحمل اور استقلال کے صلے میں بہشت کی، جسکا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، خوشیاں مناؤ۔ خدائے عزوجل فرماتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں ہم تمہارے مددگار ہیں اور آخرت میں بھی تمہارا ساتھ نہ چھوڑینگے۔ اور تمہارے لیئے دنیا اور آخرت دونوں جگہ میں (فِيْهَا) جو کچھ تمہارا جی چاہے گا ملیگا، اور جو کچھ بھی طلب کرو گے حاضر کیا جائے گا۔ غفور و رحیم خدا کے ہاں سے یہ تمہاری مہمانی ہے۔

---

† ان آیات الٰہی اور بعد کی آیات سے صاف ظاہر ہے کہ دنیاوی تمکن اور ارضی تغلب کا ایمان والوں کے شامل حال ہونا قطعی ہے۔ اس موقع پر اگرچہ عِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ کے الفاظ آئے ہیں مگر بعد کی آیتوں میں یہ قید اُٹھا دی گئی ہے۔ 'مُرْسَلِيْنَ' کی نصرت سے بعض عافیت پسند اور کامچور مسلمانوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ صرف پیغامبر ہی مظفر و منصور ہوا کرتے ہیں یا وہ مومن جو اُن کی معیت میں خدا کی لڑائیاں لڑتے ہیں۔ بعد کے مومنوں کیلئے اَعْلَوْنَ بنکر رہنے کی کوئی شرط نہیں، وہ صرف زبانی ایمان سے 'مومن' کے درجے تک پہنچ سکتے ہیں۔ یہ لچر اور ناپاک تاویل اسقدر مضحکہ انگیز ہے کہ اسکے لیئے کسی رد کی ضرورت نہیں۔ فتح و نصرت کا سلسلہ دنیا میں روز اول سے لگا ہے اور روز قیامت تک جاری رہیگا۔ کامچور قومیں اسیطرح کے مکر بنا بنا کر اپنے نفس کو دہوکہ دیتی ہیں۔ 'اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ' کا محاکمہ اسقدر صاف اور ناقابل تاویل ہے کہ اسکے بعد کسی مکر و ریا کی گنجایش نہیں رہتی۔ لیکن یہ بحث و تمحیص چوتھی اور پانچویں مجلد کے لیئے وقف کر دی گئی ہے۔

‡ ان آیات سے ظاہر ہے کہ ایمان والوں کی دنیا بھی درست ہے اور آخرت بھی۔ 'قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ' سے مراد صرف مُنہ سے کہنا نہیں بلکہ خدا کو فعل و عمل سے اپنا حاکم اعلٰے ماننا، اور اسکے احکام کی نہایت تندہی سے تعمیل کرنا ہے۔ مَلٰٓئِكَة سے یہاں بحث نہیں مگر اسقدر ضرور ظاہر ہے کہ 'مَلٰٓئِكَة' خدائے عظیم کی وہ مخلوق ہے جو فتح و نصرت کا پروانہ اس دنیا میں لیکر پہنچتی ہے۔ جو قوم 'لَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ' کی مصداق ہے، جسکو اس دنیا میں قوت اور امن نصیب ہے، جو دشمن کے خوف و حزن سے نجات پا چکی ہے اس پر خدا کے ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ رہی یہ بات کہ کیونکر نزول ہوتا ہے، اسکی تشریح میں ابھی دیر ہے۔ 'نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ' کے متن سے ظاہر ہے کہ فِيْهَا کی ضمیر کا مرجع 'اَلْحَيٰوةِ الدُّنْيَا' بھی ہے۔

Marfat.com

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ۝† (۴۰: ۵۱)

اے لوگو! بگوش دل سُن رکھو کہ ہم اپنے پیغامبروں، اور اُن لوگوں کی جو سچے دل سے ہمارے خدا ہونے پر ایمان لے آئے ہیں مدد کرتے ہیں، ان کو غلبہ عطا فرما کر رہتے ہیں؛ اور یوم قیامت کو بھی اُن کی تائید کرینگے۔

ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِينَ ۝‡ (۱۰: ۱۰۳)

اے لوگو! پھر جس دن ہمارے عذاب کا وعدہ آ پہنچتا ہے تو ہم اپنے پیغامبروں، اور ایمان والوں کو عذاب کی شکست سے نجات دیتے ہیں۔ یہی ہمارا قانون ہے اور ہم نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ ایمان والوں کو بہر نوع نجات دیں۔

فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ۝‡‡ (۳۰: ۴۷)

پھر اے لوگو! ہم نے مجرموں کو شکست دیکر اُن سے بدلہ لیا، اور ایمان والوں کو مظفر و منصور کرنا تو ہم پر لازم تھا۔

وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝* (۴۱: ۱۸)

اور پھر اے لوگو! ہم نے ایمان والوں کو غلبہ عطا فرمایا اور اُن لوگوں کو جو ہمارا سچا اتقا کیا کرتے تھے۔

ربّ الافواج اور عزیز و حکیم خدا نے **ایمان** کی اِسی مقلّب العمل کیفیت، **اتحاد قلوب** کی اِسی

---

† یہاں بصراحت تمام کہدیا ہے کہ رُسُل کے سوا صاحب ایمان قوم کی دنیوی فلاح یقینی ہے۔

‡ یہاں پھر رُسُل کے ساتھ ساتھ وَالَّذِينَ آمَنُوا بھی ہے۔ اور نجات کے مطالب صاف ہو گئے ہیں کہ اِس سے مراد دنیاوی تمکن ہی ہے۔ نجات کو محض اُخروی نجات سمجھنا آج ناکارہ مسلمانوں نے اپنی طرف سے بنا لیا ہے۔

‡‡ یہاں رُسُل کا خاص طور پر ذکر نہیں کیا گیا۔ صرف 'ایمان والوں' کی نصرت کا حتمی وعدہ ہے بشرطیکہ وہ 'ایمان والے' ہوں صفحہ ۱۲۰ آیات (۳: ۱۳۹-۱۴۲) میں غزوۂ احد کی شکست کے بارے میں خدائے عظیم نے مسلمان 'بھگوڑوں' کو کافر اور ظالم کہا تھا۔ گویا اگر سب کے سب صاحب استقلال ہوتے تو یہ شکست نصیب نہ ہوتی۔ یہاں پر تاکیداً اسی مضمون کو دوسری عبارت میں دُہرایا ہے اور فرمایا ہے کہ جو قوم صاحب ایمان ہو اُسکو نصرت عطا کرنا ہمارے لیے لازم ہو چکا ہے۔ خدائے عظیم کی اپنے پر یہ پابندی از روئے عمل ہے نہ از روئے احسان و امتنان، جیسا کہ بے سعی و عمل مسلمانوں نے فرض کر لیا ہے، اور آج پے در پے شکستوں کو دیکھکر حیران ہیں کہ خدا کا وعدہ کیوں پورا نہیں ہوتا!

* صفحہ ۱۸۱-۱۸۵ کے متن کی آیات میں ہم نے جستہ جستہ قرآن عظیم سے وہ موقعے پیش کر دیئے تھے جس میں 'متقی' اقوام کی دنیوی فلاح اور تمکن فی الارض کا قطعی وعدہ کیا گیا تھا، اتقا کی بعض اہم شرطیں بیان کر دی تھیں۔ اِن آٹھ موقعوں پر جو کتاب کے متن میں پیش کر دیئے ہیں صرف 'ایمان والوں' کی دنیوی فلاح کا ذکر ہے، لیکن خاص اِس آیت یعنی (۴۱: ۱۸) میں 'ایمان' اور 'تقوی' دونوں کو یک جا کر کے 'متقی' اور 'مومن' قوم کی دنیوی نجات کا فیصلہ کر دیا ہے۔ ایمان کی شرائط اس سے پیشتر ذکر کر دی گئی ہیں۔ اور اُن میں اور تقوے کی شرطوں میں مماثلت عیاں ہے۔ چنانچہ آگے چلکر صفحہ ۲۰۹ پر ثابت کر دیا جائے گا کہ ایمان اور اتقا قریب قریب ایک ہی شئے ہیں۔

عدو شکن طاقت، اور صبر کی اسی عزم گسل استطاعت کو مدنظر رکھکر رسول کریم کو اطمینان دلایا تھا کہ کامیابی اسلام کیلئے **توحید** کا یہی **وحدت** انگیز ماحول، اور **ایمان** والوں کی یہی چھوٹی سی جماعت کافی ہے!

وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (۸: ۶۳-۶۴)

اے پیغمبر! سب سے بڑا احسان جو خدا نے تم پر کیا ہے یہ ہے کہ اُسنے مومنوں کے دل گانٹھ دیئے! اگر تم روئے زمین کے خزانوں کو خرچ کر ڈالتے تو بھی انکے دلوں میں یہ الفت نہ پیدا کر سکتے تھے لیکن وہ خدا کی مشترک عبودیت ہی تو تھی جسنے ان کو آپس میں جوڑ دیا! بیشک وہ خدا بڑا زبردست اور صاحب تدبیر ہے۔ اے پیغمبر! اب تمہیں اللہ اور یہی مومن جو تمہارے تابع فرمان ہیں ہر ایک سے نبٹنے کے لیئے کافی ہیں۔

کفایتِ خدا کا یہ عظیم الشان وعدہ عرب کے بے زر اور بیضرر نبی سے اُس وقت ہوا تھا جب کہ بعثت کے چھٹے سال میں اسلام کا وہ زبردست اور تُند خو دشمن عمر (رض) محمد کے خُلق عظیم کے آگے سپر ڈال چکا تھا، اور عرب کے کُل برّ اعظم میں صرف **چالیس مرد** اور **پندرہ** عورتیں ایمان لائی تھیں! اگر **اُلفت** کی دلوں کے بیچ میں چلی ہوئی نہر سلسبیل نے اور **طاعت** کے پیدا کیئے ہوئے ابر بہار نے اِس بے نشان اور کمزور پودے کو ایک دن سر بفلک درخت بنا کر سایہ پرور اور زمین شگاف کر دینا تھا!

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ

ولٰکنّ اللہ الّف بینہم کے مطالب کے لیئے صفحہ ۱۹۰ کے تحت المتن کو دیکھنا چاہیئے۔ مرقومہ صدر ترجمے میں ہم نے ان معانی کا ماحصل بیان کر دیا ہے۔ خدا کو جن معنوں میں خدا مان لینے کے بعد اُسکے ماننے والوں کا آپس میں متحد ہو جانا قطعی ہے۔ اسی حقیقت کو اصل کتاب میں توحید کا وحدت انگیز ماحول کہا گیا ہے۔ اگر آج یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو اسکا باعث یہ ہے کہ مسلمان خدا کو درحقیقت خدا نہیں مانتے۔

Marfat.com

فَازَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۠ (۲۹:۴۸)

اے دین خدا کے دشمنو! یاد رکھو کہ محمدؐ خدا کا بھیجا ہوا نبیؐ ہے، اور اِسی لیئے تمہاری سب کارستانیوں کے باوجو بیخوف و خطر ہے! جو لوگ اُسکے ساتھ ہیں اعدائے اسلام کے حق میں بڑے سخت ہیں، آپسمیں بیحد رحمدل ہیں، رافت و محبت کی ایک نہر سلسبیل اُنکے دلوں میں بہ رہی ہے تم انکو دیکھو گے کہ ہمارے حضور میں کبھی گھٹنوں کے بل کھڑے ہیں، کبھی زمین پر ماتھا ٹیک رہے ہیں۔ گویا سرتاپا مطیع رہکر فضلِ خدا اور خوشنودیٔ رب العالمین کی طلبگاری میں لگے ہیں۔ اطاعت کے نشان (اَثَرِ السُّجُوْدِ) اُنکے چہروں میں (فِيْ وُجُوْهِهِمْ) عیاں ہیں (سِيْمَاهُمْ) حکمبرداری کی علامتیں انکی شکلوں سے نظر آ رہی ہیں۔ یہی اوصاف اُنکے توریت اور انجیل میں مذکور ہیں، یہی آج انکا طرزِ عمل ہے وہ روز بروز اسطرح زور پکڑتے جائینگے جیسے ایک کھیت ہو جسنے پہلے زمین سے اپنی سوئی نکالی، پھر جلب غذا اور جلب آب سے آہستہ آہستہ زور پکڑا، پھر رفتہ رفتہ موٹا ہو کر اپنی جڑ پر سرو قد کھڑا ہو گیا۔ اب کسان ہیں کہ اپنی محنتوں کو بار ور دیکھکر باغ باغ ہو رہے ہیں، اور دشمن ہیں کہ مارے حسد کے جل رہے ہیں۔ اے لوگو! خدا نے محمدؐ کے ساتھیوں میں سے جو سچے دل سے ایمان لائے، اور جنہوں نے تندہی سے مناسب اعمال بھی کیئے (اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ) اِس دنیا میں اجر عظیم دینے اور انکی اجتماعی واماندگیوں اور بدحالیوں پر پردہ پوشی کرنے کا وعدہ فرمالیا ہے!

---

† یہ آیہ جلیلہ "اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کی پہلی قسط ہے جو ہم نے صفحہ ۳۵ کے جواب میں 'ایمان' کی تشریح کے بعد پیش کر دی ہے گویا اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ ہونا، رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ہونا، تعمیل احکام خدا میں رُكَّعًا رہنا، اور سب سے اہم یہ کہ ہر دم اور ہر آن خدا کے انعامات کی تلاش میں لگے رہنا، قوت اور طاقت، تمکن اور تسلط کے درپے رہنا (يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ)! اور اسکے لیئے وسائل تلاش کرنا ہی ایمان و عمل صالح ہے۔ جو قوم دشمن کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آ رہی ہے، آپسمیں نہایت متحد اور رحمدل ہے، قانون خدا کی نہایت پابند ہے، خدا کی دنیاوی نعمتوں اور وراثت زمین حاصل کرنیکے درپے ہے اور ساتھ ہی خدا کے حضور میں اپنے آپکو عاجز شمار کرتی ہے، وہی اعمال صالحہ کر رہی ہے، وہی ایمان کی شرطوں کو پورا کر رہی ہے، وہی حیرت انگیز سرعت سے نشو و نما پا رہی ہے، وہی اس زمین کے طول و عرض میں اسطرح پھیل رہی ہے کہ نام نہاد مسلمان آج اُسکے تمکن کو دیکھکر دنگ ہو رہا ہے، اور شدت غیظ کے باعث اپنی انگلیاں کاٹ رہا ہے۔ آہ! لیکن خدا صرف مسلمانوں ہی کا خدا نہیں وہ رب العلمین ہے اور جو اُسکے قانون پر چل رہا ہے وہی انعام پا رہا ہے!

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ اُن لوگوں نے نمازیں پڑھ پڑھکر اپنی پیشانیوں پر گٹے ڈال لیئے ہیں جیسا کہ آجکل بعض سادہ لوح مسلمان اپنے ماتھوں کو زمین پر عمداً رگڑ رگڑ کر ڈال لیتے ہیں اور اس ترکیب سے "معیت رسول" اور "اَجْرًا عَظِيْمًا" (۲۹:۴۸) کے حقدار بنتے ہیں بلکہ یہ خیر قرون اولی کے مسلمانوں کی کیفیت قلب اور شدت اطاعت کا تمثیلی اظہار ہے گویا یہ کہا ہے کہ اطاعت کے نشان تم اُنکے چہروں پر دیکھو گے جسطرح آج کسی کو کہا جاتا ہے کہ ذہانت و اقبال فلاں شخص کے چہرے پر نظر آتے ہیں۔ یہاں ماتھے کا ذکر تک نہیں بلکہ چہروں (وُجُوْهِهِمْ) کا ہے اور تمام چہرہ میں اطاعت نظر آ رہی ہے نہ صرف ماتھے میں۔ اس دعوے کی تصدیق مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ اور مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے کیونکہ زمین پر ماتھا رگڑنا اہل کتاب کا شیوہ نماز نہ تھا۔ سِیما کے معنی نشان کے ہیں چنانچہ سورۂ بقرہ میں مجاہدین فی سبیل اللہ فقرا کے بارے میں ارشاد ہے: تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ (۲:۲۷۳) یعنی تم ایسے لوگوں کو اُنکے نشانوں سے تاڑ جاؤ گے" (دیکھو تحت المتن صفحہ ۲۰۱) یہاں بھی گٹوں کا قطعاً کوئی ذکر نہیں اور نہ گٹے ڈال لینے سے کوئی شخص مطیع خدا ہرگز نہیں ہو سکتا خواہ وہ گٹے تمام چہرے پر ڈال لیئے ہوں! ایک قابل توجہ بات اس آیت میں لفظ مِنْهُمْ ہے جس سے ظاہر ہے کہ رسولؐ خدا کے ساتھیوں میں سے بھی اجر عظیم کا وعدہ صرف اُنہی کو ہے جو اٰمَنُوْا اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے مصداق رہے، گویا کلمہ پڑھکر مسلمان بن جانا شرط نہیں بلکہ پیہم عمل کرتے رہنا اور ہر دم مجسمۂ ایمان بنے رہنا شرط ہے!

Marfat.com

اطاعتِ رسولؐ

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (۴: ۸۰)

جس نے رسول کا حکم مانا اُس نے گویا خدا کی اطاعت کی

اطاعتِ رسولؐ، اور اُسکے منجانب اللہ ہونے کا یہ یقین تھا کہ عین اُسوقت جبکہ مردوں اور عورتوں کی ایک جماعت اِس پاک نبی کی امامت میں اللہ جل شانہٗ کے حضور میں، اپنے عجز اور بینوائی کی داستان گڑگڑا گڑگڑا کر سُنا رہی تھی، اور مُسلمانوں کے ایمان سے منور دل اُس بارگاہِ عالیہ کی رفعت کا سماں اپنے سامنے صاف دیکھ رہے تھے، تحویلِ قبلہ کا حکم ملا! قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کو پاش پاش کردینے والے یہ **مومن** مقاسِ اللہ کے سچے نبی کی تبدیلِ سمت پر اسی طرح بیچون و چرا دستِ بے شائبہ استعجاب منتقل ہو کر پھر صف بستہ ہو گئے، اور آستانۂ خدا پر سر ٹیکنے لگے! عرش کے دم بخود اور صف آرا فرشتے جنہوں نے اپنی مدۃ العمر طاعت، بے اختیارانہ عبودیت اور دم مزن عبادت کے حوصلے پر ایک مرتبہ اللہ کی جناب میں انسان کو بُرا بھلا کہنے، اور اپنی فوقیت جتلانے کی جرأت کی تھی، اور جنہیں خدائے پاک نے انسان کی خفت و توہین کرنے پر ٹوک✝ دیا تھا: اس کیفیت کو دیکھکر انگشت بدنداں رہ گئے، مگر جریدۂ **رحمت** کے کاتبوں کو حکم ملا کہ اس نادرۂ روزگار اُمت کے نام پر روئے زمین کی بادشاہت اور اللہ کی سب نعمتوں کی وراثت ابھی سے لکھ دی جائے!

✝ سورۂ بقرہ میں اِس عبرت آموز اور شاندار قصے کا یوں ذکر ہے۔ ہم نے ایک لفظی ترجمہ کر دیا ہے لیکن اس کا نتیجہ خیز مفہوم تیسری جلد سے پہلے بیان نہ ہو سکے گا۔ ملائکہ کی تشریح اور سورۂ بقرہ کا ربط پانچویں جلد میں عیاں کر دیا جائے گا:-

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ○ (۲: ۳۰)

اور اے پیغمبر! ساکنانِ زمین کو وہ وقت یاد دلاؤ جب تمہارے پروردگار نے ملائکہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے فرشتو! میرا ارادہ ہے کہ اس زمین میں اپنا ایک قائم مقام بناؤں۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار! کیا حضور کسی ایسی مخلوق کو اپنا نائب منتخب فرمائینگے جو اس زمین میں فساد پھیلائے اور آپس میں خونریزیاں کرے، حالانکہ ہم ہیں کہ رفتارِ فرشتہ سے تیری تعریف میں لگے ہیں، اور تعمیلِ احکام کر کے تیرا حق بول بالا کر رہے ہیں۔ پروردگارِ عالم نے جواب دیا کہ ہاں بیشک لیکن میں اپنی ان شہنشاہی مصلحتوں کا خوب علم رکھتا ہوں جنکی ماہیت تک تم نہیں پہنچ سکتے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ○ (۲: ۱۴۳)

اور اے پیغمبر! ہم نے کچھ عرصے کے لیے بیت المقدس کو قبلہ اسی غرض سے قرار دیا تھا کہ جب مستقل قبلے کا حکم پونہچے تو ہم ان لوگوں کو جو رسول کی بے چون وچرا پیروی کریں، اُن سے جو سرتابی کر کے الٹے پاؤں پھر جائیں، الگ معلوم کریں۔ اور قبلے کا دفعتہً بدلا جانا بلاشبہ ایک اہم بات تھی مگر جن لوگوں کو خدا نے اطاعت رسول کا رستہ دکھا دیا تھا اُنکے لیے کچھ قابل اعتراض نہ تھی۔ اور خدا ایسا نہیں کہ رسول کی صداقت پر تمہارے اِس حیرت انگیز عملی ایمان کو ضائع ہونے دے، وہ تو ایسے اعمال کو دیکھکر بیشک تمام عالم پر بیحد مشفق اور مہربان ہو جاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ‡ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ○ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ○ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ○ (۸: ۲۰-۲۲)

اے ایمان والو! اللہ کے احکام مانو، اور رسول کے بالمشافہ احکام کی بھی بلا حیل وحجت تعمیل کیا کرو، اور درانحالیکہ تم اسکا حکم سُن رہے ہو (یعنی دیدہ ودانستہ) اُس سے سرتابی نہ کیا کرو۔ کیونکہ وہی تمھارا اولوالامر ہے۔ اور نہ تم ان لوگوں کی مانند بنو جو مُنہ سے ہاں کہہ چھوڑتے ہیں اور پھر حکم کی تعمیل فوراً نہیں کرتے۔ اللہ کے نزدیک بدترین حیوانات وہ ڈھیٹھ اور مچلے لوگ ہوتے ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے خواہ اُنکو کتنا ہی سمجھایا جائے، اور اطاعت امیر کی لِم سے بیخبر ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ ‡ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

† اِس آیۂ کریمہ سے ظاہر ہے کہ قرونِ اولیٰ میں متابعت رسول بھی فی الحقیقت ایمان کی ایک اہم شق تھی۔ رہا یہ امر کہ یہ اتباع کن معنوں میں تھا اور آج جبکہ رسول خدا صلعم موجود نہیں کیونکر ہو سکے اسکی تصریح اِسی صفحہ کے آیندہ تحت المتن میں کر دی ہے۔ تحویل قبلہ کی متذکرۂ صدر توضیح سے صرف ظاہر ہے کہ رسولؐ خدا کے قدم بقدم چلنا اور بے چون وچرا اُسکے حکم کی تعمیل کرنا اُسپر ایمان لانیکے مرادف تھا۔ یہی بات "آمنوا بہ" کے الفاظ سے ظاہر ہے جو آیہ (۷: ۱۵۷) میں آگے چلکر آرہی ہے۔ (دیکھو صفحہ ۱۷۲)۔

‡ "اَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ" کا الٰہی مقصود مرورِ مدت اور نسیان درس کے باعث مسلمانانِ جہان کے ذہنوں سے اسقدر محو ہو گیا ہے کہ وہ آج اِس انحطاط کے زمانے میں شرعی رسوم اور فقہی مسائل کی ایک نمائشی سی پابندی کو ہی اطاعت خدا اور رسول سمجھکر اپنے آپ کو دین اسلام کے ایک اہم فریضے سے سبکدوش کر رہے ہیں۔ اُنکے نزدیک صوم وصلوٰۃ وغیرہ وغیرہ ارکانِ دین کا شرعی التزام یا کتب احادیث کا مکتبی درس اور سطحی اتباع ہی اطاعت خدا اور رسولؐ کا انتہائی مقصود ہے۔ اِسکے سوا کوئی دوسری شے اُنکے ذہنوں میں سماتی نظر نہیں آتی، کوئی الٰہی یا پیغمبری آواز آج اُن کی

Marfat.com

یَحُولُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ○ وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ○ (۸: ۲۴-۲۵)

اے ایمان والو! جب اللہ اور رسول تمہیں کسی ایسے کام کے لیے بلائیں جو تمہیں زندگی اور قوت بخشتا ہے (یعنی قتال اور متعلقہ فرائض) تو تم انکے احکام کو بگوش دل سنو اور مستعدی سے انکی تعمیل کرو۔ اور خوب

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۷۰) خواب استراحت میں مخل نہیں، کوئی امر ایسا لائق امتثال و استجاب نہیں۔ "اطاعت خدا" اور "اطاعت رسول" کی اصلی اور ابتدائی غرض و غایت کو عیاں کر دینے کا یہ موقع نہیں۔ یہ موضوع "اطاعت امیر" کے عنوان میں بالاستقلال باندھا گیا ہے جو دوسری مجلد میں آئے گا مگر متذکرہ صدر آیات (یعنی (۸: ۲۰-۲۲) اور (۸: ۲۴-۲۵)) سے جو یہاں پر بطور تمہید کے پیش کر دی گئی ہیں ظاہر ہے کہ "اطاعت خدا" کا عمی منظر قرن اول میں کچھ ہی ہو، لیکن "اطاعت رسول" کا مقصود نبی آخر الزمان کے عہد حیات میں انکے **بالمشافہ احکام کی تعمیل ہی تھا**: آیات (۸: ۲۰-۲۱) میں "وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ" اور "قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ" کے الفاظ، اور آیہ (۸: ۲۴) میں "إِذَا دَعَاكُمْ" کی قید اس دعوے کی صریح تائید میں ہے۔ گویا رسول خدا کا کسی بات کو منہ سے کہنا، اور صدر اسلام کے مومنوں کا بطیب خاطر اس حکم کی فوری تعمیل کرنا، اور تنگ نظرانہ حیثیں نہ کرنا ہی "اطاعت رسول" تھا۔ صدر اسلام میں نہ کوئی حدیث کی کتابیں تھیں جن کی رسمی درس و تدریس اطاعت رسول کے مترادف تھی، نہ فقہی تصانیف تھیں جنکو عینک لگا کر پڑھ لینا، اور پڑھکر باادب تمام بالائے طاق رکھ دینا اتباع رسول کے ہم معنی تھا۔ جیسا کہ آج اکثر سہل پسند مسلمانوں کا شیوہ اعتقاد ہے۔ قرن اول میں رسول خدا مسلمانوں کے قائد اعظم اور سپہ سالار ہونیکی حیثیت میں وقتاً فوقتاً احکام نافذ کیا کرتے تھے جو مصالح وقت کے لحاظ سے مسلمانوں کے اجتماعی دفاع کے لیے ضروری تھے، عرب کے جس جس گوشے میں ان فرامین کی صدائیں پہنچتی تھیں لوگ لبیک لبیک کرتے حاضر ہو جاتے، اور اپنا تن من دھن اس نیک سیرت سردار کی خاطر قربان کر دیتے: یہ "اطاعت رسول" کا صحیح مفہوم تھا۔ رہا یہ امر کہ آج جب کہ رسول خدا بذات خود مصلحت وقت کے مطابق حکم دینے کے لیے موجود نہیں تو "اطاعت رسول" کا بدل کیا ہو: اور کسکے حکم کی تعمیل فرض ہے، یہ ایک علیحدہ سوال ہے جسکی تصریح اپنے موقع پر کی جائیگی مگر اس صحبت میں آیہ (۸: ۲۵) کے مطالب خاص طور پر قابل التفات ہیں جسمیں عصیان خدا و رسول کا نتیجہ وہ فتنہ عظیم قرار دیا گیا ہے جسکی لپیٹ میں بلا امتیاز اعدے ساری کی ساری جماعت آ رہتی ہے۔ یہ فتنہ لامحالہ سیاسی **شکست و ریخت اور اجتماعی بدنظمی** ہی ہے جو **امیر جماعت کی نافرمانی** اور **تشتت آرا** سے ہر جا پیدا ہوتی ہے اور جو نظام کائنات کا اصل اصول ہے۔ اس نقطۂ نظر سے "اطاعت رسول" اور "استجابت للرسول" کے معانی اور بھی صاف ہو جاتے ہیں اور اسلامی جماعت کی رہنمائی کے لیے ہر وقت کسی ایسے **امیر** کا موجود ہونا لازم و ملزوم ہو جاتا ہے جو خدا و رسول کے احکام کی تابعداری حکماً کرائے اور حسب موقع امت کو شکست و ریخت سے بچانے "لِمَا يُحْيِيكُمْ" (۸: ۲۴) کے الفاظ بھی اس دعوے کی حتمی تائید کرتے ہیں کہ یہاں **اجتماعی اور سیاسی قوت کا حاصل کرنا ہی تھا**۔

اب رہا یہ امر کہ "أَطِيعُوا اللَّهَ" کا کیا مفہوم ہے اسکا جواب اعتقاداً اور نظریۃً اگرچہ یہی رہا ہو کہ جو کچھ کلام الٰہی کے اندر لکھا ہے اسکی پیروی کرنی اطاعت خدا ہے مگر عملی مقام نظر سے یہ بات ناممکن العمل اسلیے ہے کہ قرآن حکیم ایسے احکام و قوانین کا مجموعہ ہے جنمیں سے اکثر کی **بیک وقت پیروی کرنی محال ہو جاتی ہے**، ان میں سے بعض (مثلاً جہاد بالسیف اور ہجرت وغیرہ) ایسے اوامر ہیں جن کا نفاذ وقتی اور مقامی حالات کو دیکھکر ہوتا ہے اور جو **لامحالہ کسی امیر کے ماتحت رہکر ہی** ہو سکتے ہیں۔ اس بنا پر بھی مسلمانوں کی امت کا کسی **ایک اولو الامر کے اذن میں رہنا از روئے قرآن ضروری ہے**۔ مگر رسول خدا کے عہد حیات میں "اطاعت خدا" سے مراد عملاً رسول خدا کے احکام کی تعمیل ہی تھی خواہ وہ احکام بالشافہ اور مصلحتی تھے یا بذریعہ وحی خدا کے ہاں سے پہنچتے تھے، حتیٰ کہ سورہ نساء میں "مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ" (۴: ۸۰) کہہ کر **اطاعت خدا کو فی الحقیقت اطاعت رسول میں مدغم کر دیا ہے**۔ گویا قرون اولیٰ کے عرب کو بھی بارگاہ خداوندی سے حکم ہوتا ہے کہ جس شخص نے رسول خدا کے کہے کو بلا چون و چرا مانا اسنے فی الحقیقت خدا ہی کے کہے کو مانا۔ پس "أَطِيعُوا اللَّهَ" کا مفہوم صدر اسلام میں اطاعت رسول ہی تھا۔ اس نکتے کی تائید "وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ" (۸: ۲۰) اور "إِذَا دَعَاكُمْ" (۸: ۲۴) کی واحد غائب ضمیروں سے بھی ہوتی ہے

Marfat.com

سمجھ لو کہ اللہ آدمی اور اُسکے دل کے درمیان حائل ہے، اور جو کچھ اُن کے درمیان پَٹ وپڑ ہوتی ہے اُسکو خوب جانتا ہے یہ بھی جانے رہو کہ تم ایک نہ ایک دن اُسی کے حضور میں حاضر کیئے جاؤ گے۔ اور اُس اجتماعی موت سے ڈرتے رہا کرو جو امیر جماعت کی حکم عدولیوں اور داخلی فتنہ و فساد سے بالآخر پیدا ہوتی ہے اور جو خاصکر اُنہی لوگوں پر نازل نہیں ہوگی جنہوں نے تم میں سے سرتابی کی ہے بلکہ تم سب اُسکی زد میں آجاؤ گے، اور جانے رہو کہ اللہ کی مار بڑی سخت ہے۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (۷: ۱۵۷)

تو جو لوگ اِس رسول کی صداقت اور منجانب اللہ ہونے پر ایمان لائے، اور اُنکی حمایت کی، اور اُن کو مدد دی، اور بعینہ جو راہ ہدایت اُنہوں نے اِس نورِ عظیم (قرآن) کے ذریعے سے دکھلائی جو اُن کے ساتھ اُترا، یا جو اُن کے قلب میں تھا، اُسکی متابعت کرتے رہے تو یہی وہ لوگ ہیں جو اِس دنیا میں کامیاب ہونگے۔

آہ! یہ وہ صادق النّیۃ متابعت، اور وہ محیر العقل اطاعت امیر تھی جو مومنوں کے بیمثال ائتلاف قلوب اور طہارتِ نفس کا نتیجہ تھی؛ یہ وہ کرشمۂ اتحادِ عمل تھا جس کا قطعی اور حتمی باعث احتساب نفس اور اتقائے خدا تھا؛ یہ وہ محتسبانہ اتقا، اور مقامِ خدا کا ہول تھا جس کا محرک اصلی وجودِ خدا کا یقین اور اُسکی خالص عبادت تھی: فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۭ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ (۳۹: ۲-۳)؛ یہ وہ غیر

لہ تو خالص خدا ہی کی فرمانبرداری مدنظر رکھکر اُسی کی خدمت کیا کرو۔ دیکھو سچی خدمت گذاری خدا ہی کے شایاں ہے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۷۱) جن کا مرجع رسول ہی ہے، تثنیے کی ضمیروں کی ضرورت نہیں سمجھی۔ لیکن ان باتوں سے قطع نظر، آیہ (۸: ۲۵) میں 'ظَلَمُوْا' کا لفظ سب سے زیادہ قابل غور ہے۔ مقدمہ کتاب میں کئی جگہ (مثلاً صفحہ ۸۱، ۹۶) پر اس قرآنی اصطلاح کی جامعیت کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ ان آیات (یعنی ۸: ۲۴-۲۵) سے صاف ظاہر ہے کہ شارع کائنات کی نگاہوں میں امیر جماعت کی نافرمانی کرنا ظلم ہے اور اسکا نتیجہ عذاب خدا اور اجتماعی شکست ہے۔ ظلم کے معانی کی یہ دوسری قسط ہے جو ضمناً یہاں پر ادا کر دی گئی ہے۔ پہلی قسط صفحہ ۱۲۰ کی آیہ کریمہ (۳: ۱۳۹) کے تحت المتن میں ادا کی تھی جہاں بتلایا گیا کہ جو قوم بزدل ہو کر میدان جنگ میں لڑتی ہے وہ رب زمین و آسمان کی نظروں میں ظالم ہے۔

ان آیات کے مطالب پر غور کرنے کے بعد لفظ 'دین' کے معانی اور بھی صاف ہو جاتے ہیں جو صفحہ ۱۶۱ کے تحت المتن میں بیان ہوئے۔ لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ کا مقصود یہی ہے کہ انسان کا سب سعی و عمل (الدِّیْنُ) خالصۃً (الْخَالِصُ) خدا ہی کی رضا میں وقف (لِلّٰهِ) ہو، سب خالص فرمانبرداری (الدِّیْنُ الْخَالِصُ) خدا ہی کی ہو ماسوا کی نہ ہو، سچے دل سے اطاعت (الدِّیْنُ الْخَالِصُ) اُسی احکم الحاکمین کی ہو، خالص راہ عمل (الدِّیْنُ الْخَالِصُ) خدا کے لیے مخصوص کر دیا جائے گویا 'دین' کے معنی 'راہ عمل' کے ہیں اور یہ طرز عمل ہی خدا کی نظروں میں کسی شخص کا 'چلن' یا 'مذہب' یا 'دین' ہو سکتا ہے۔ اعتقادی یا نظری 'دین' کے معنی خدا کی نگاہوں میں کچھ نہیں، جیسا کہ آج کل بعض خوش اعتقادوں نے دین اسلام کو سمجھ لیا ہے۔ مزید تشریح کیلئے اردو دیباچے کے پہلے صفحوں پر غور کرنا چاہیئے۔

Marfat.com

محلل اور منکر یا سوا توحید تھی جس نے دل کی تسلیم پر خدائے برتر کی کامل حکومت قائم کرکے انسان کو تسلیم کا خوگر اور قانون الٰہی کا پابند کر دیا تھا: فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۭ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰي مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ[۵۱] ۝ (۲۲: ۳۴-۳۵)؛ اور یہ وُہ ادب آموزِ باطن، ماحیٔ نفس، مبطلِ کذب، اور محرک اعتصاب اسلام تھا جسکا واحد منتہائے نظر تقویتِ قوم اور استحکام جماعت تھا۔ خدائے جل وعلےٰ کو اسکے اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بندوں اور نطفہ منی سے پیدا کیے ہوئے انسان کے رسمی سجدوں، ظاہری عبادتوں، قربانیوں اور بَیوں کی مطلق حاجت نہ تھی: وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ[۵۲] ۝ (۳: ۹۷) ۔ وہ اِس ہیچمیز بشر کے ترک اولاد اور ترک وطن، ایثارِ مال و ایثار جان سے قطعی بے نیاز تھا۔ اسکو اِس فرۂ بے مقدار اور بے حقیقت انسان کی نصرت کی کچھ خواہش نہ تھی: وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ† ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ[۵۳] ۝ (۲۹: ۶)؛ وہ اگر چاہتا تو ایک آنکھ کی جھپک میں سرکش اور متمرد انسان کو فطرت کی زمیں پاش طاقتوں کے قابض ارواح ملائک، اور طبیعت کے عالم آشوب حوادث کے علمبردار مصیطروں کو ایک اشارہ کرکے مکھی یا مچھر کی طرح مسل ڈالتا:

وَلَوْ نَشَاۗءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓي اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ۝ وَلَوْ نَشَاۗءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰي مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ۝ (۳۶: ۶۶-۶۷)

اور اگر ہم چاہیں تو خود اِن سب کی آنکھوں سے بینائی اچک لیں اور پھر یہ رستے کی طرف دوڑیں تو کہاں سے دیکھ پائیں، اور اگر ہم چاہیں تو یہ جہاں ہیں وہیں انکی صورتیں اور طاقتیں مسخ کر دیں پھر نہ تو ان سے آگے جاتے ہی بن پڑے اور نہ لوٹتے ہی بن پڑے۔

---

۵۱ تم سب کا خدا وہی خدائے واحد ہے پس اُسیکے احکام کی تعمیل کیا کرو اور اُسی کے آگے سرِ تسلیم خم کرو۔ اور اے پیغمبر تم ہماری طرف سے ہمارے حضور میں عاجزی سے رہنے والے بندوں کو بشارت دو کہ ہم اُنکی خدمت سے خوش ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو تعمیلِ احکام تو درکنار جب اللہ کا نام اُنکے آگے ذکر کیا جاتا ہے تو اُنکے دل لرز اُٹھتے ہیں، اور اسکی حمایت میں جو جو مصیبتیں بھی اُن پر آن پڑتی ہیں بطیب خاطر برداشت کرتے ہیں، اور پیروان میں پانچوں وقت ہمارے سامنے ماتھا رگڑتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انکو دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ۵۲ اور جو کوئی خدا سے منحرف ہوا تو اللہ وہ غنی ذات ہے کہ تمام جہان سے بے نیاز ہے۔

۵۳ اور جس نے تکلیفیں سہیں اور جہاد کیے، سعی و عمل کیا اور مصائب کا مقابلہ کیا سو وہ کچھ اپنے ہی بھلے کے لیے کر رہا ہے ورنہ خدا تو تمام عالم سے مستغنی و بے نیاز ہے، اُسکے واسطے کسی کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔

---

† اس فوقی معاد اور لِنَفْسِهٖ کی تشریح عنقریب آئندہ صفحوں میں آئے گی۔ (دیکھو صفحہ ۱۸۰-۱۸۱)

مگر اسکی شان عاطفت اور کبریائی اس بات کی مقتضی تھی کہ وہ انبیائے کرام اور کتاب وحی کے ذریعے سے اُس ظلوم وجہول انسان کو جسنے فہم وادراک کی امانت اپنے ذمے لیکر (۳۳: ۷۲) اور حیوانوں کی نجیر ماننذ اپنے آپ کو قانونِ فطرت سے قطعی بے خبر رکھا ہے، جسکے ایک حد تک صاحب اختیار ہونے کی وجہ سے اسکو اپنی راہِ عمل میں ہر قدم پر لغزش کا سامنا ہے، جو آپ صاحب ارادہ ہونیکے باعث اپنے مالک حقیقی کے ارادے سے طبعًا ناآشنا ہے، جسکے صاحب تدبیر ہونیکے جرم میں فطرت نے اُس کو اپنے پاس سے کوئی ہدایت نامہ یا طرزِ عمل مہیا نہیں کیا، جسکے فساد فی الارض کی اور خونریزی کی داستانیں، جسکے ظلم و ستم اور تمرد، نفس پرستی اور خودپسندی کی حکایتیں، اسکی نشاءِ اوّل سے پہلے ہی، زمین وآسمان کی حکمبردار قوتوں، اور مقدس فرشتوں کے بزبان ہو چکی تہیں، جو آج اپنے علم وعقل کے غرور اور ہوش و تمیز کے گھمنڈ میں کتابِ خدا حتّٰی کہ وجود خدا کا بھی متکبّرانہ انکار کر رہا ہے: اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ ۱ (۳۶: ۷۷)، جو اپنی تجویز پر نازاں، اور اپنی سعی وعمل پر مفتون ہو کر قدرت کی قاہر اور جابر روحانی قوتوں، اور کارخانہ جہان کے اٹل اور عدیم المثال اخلاقی اصولوں کی معاندانہ روک اور تمسخر کے درپے ہے: فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ۲ (۳۹: ۴۹)، ہاں وہ کتب وحی کے ذریعے سے اسی ظلوم وجہول انسان کو فطرت کے عالم آرا اخلاقی اور احسانی، مادی اور روحانی قانون سے باخبر کرکے، ابدالآباد تک بخوف وخطر، اور قوت واستقامت سے رہنے کے قابل بنادے؛ وہ اسکی قوائے مدرکہ کے سامنے **فطرت** کی کتاب مبین کا فوری اور تیار ملخص پیش کرکے کارگاہ

---

۱ کیا انسان کو معلوم نہیں کہ ہم نے اُسکو گندے پانی سے پیدا کیا پہر بھی کہتم کھلا ہمارا مخالف بنا رہتا ہے اور ہماری نسبت باتیں بنانے لگا ہے، اپنی اصل کو بھول گیا اور کہتا ہے کہ بھلا گلی سڑی ہڈیوں کو کون از سرِ نو زندہ کرے گا۔

۲ انسان کی عادت ہے کہ جب اُسے کوئی تکلیف پونہچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے۔ پہر جب اسکو کوئی نعمت ہم بطور احسان عطا فرماتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو مجھے میری ذاتی لیاقت کی وجہ سے (یعنی سمع وبصر اور ذہن سلیم کے صحیح استعمال کے باعث (عَلٰى عِلْمٍ کا ترجمہ دیکھو صفحہ ۸۳)) ملی ہے۔ اے ناسمجھ انسان! یہ نعمت تو آزمایش کے طور پر ہی ہے کہ ہم دیکھیں کہ تو اسکا جائز استعمال کہاں تک کرتا ہے لیکن افسوس کہ انمیں سے اکثر لوگ ہماری اس دستور کے قانون کا علم نہیں رکھتے۔

Marfat.com

قدرت کے عظیم الشان اور ممتنع الحصول اسرار سے آگاہ کر دے: تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ (۲۷: ۱-۲)؛ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۗ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۗ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۗ (۹۶: ۴-۸)؛ وہ اسکے محدود اور ناقص علم پر حکیم حقیقی کی لامتناہی حکمت کے مہتم بالشان سرائر و خفایا کا اضافہ کر کے اُسکو حفظ نفس اور اجتماعی استحکام کے اٹل اصول سکھلا دے؛ وہ اسکے جزوی اختیار کے بالمقابل قادر مطلق کی ناپیداکنار قدرت اور استطاعت کی علی سرحد مقرر کر کے بنی نوع انسان کو تجاوز کے نفس کُش عمل، اور عدوان کے ضبط شکن فعل سے روک دے: تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۲: ۲۲۹)؛ وہ اُن کو نظم و نسق کا طبعی اور صحیح طریقہ سکھلا کر، ان کے اعمال میں فطری صلاحیت، اور عزائم میں لازوال استقامت بخش دے؛ وہ انسان کے تنگ افق نظر کو کتاب خدا کے اٹل فیصلوں، اسکی فقید المثال ہدایت اور بشارت، برکت اور رحمت، علم اور حکمت، نور اور شفا کی وساطت سے وسیع تر کر کے اقوامِ عالم کے تمکن و بقا کا مسئلہ سہل کر دے: وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (۷: ۵۲)۔ وہ الغرض انسان کی دینی اور دنیاوی انفرادی اور اجتماعی دونوں زندگیوں کو اعتدال کے زریں اصول، صلاحیت کی محکم

---

۵۱ یہ قرآن کریم کی آیات ہیں اور اس کتاب مبین کے احکام ہیں جو ہر شخص کے پیش نظر ہے۔ ایمان والوں کے لیے یہی احکام سراسر ہدایت اور بشارت ہیں۔

۵۲ خدا وہ پاک ذات ہے جس نے ظلوم و جہول انسان کو کتاب ہی کے ذریعے سے (بالقلم) وہ عظیم الشان حقائق سکھلا دیے جو اس سے پہلے وہ ہرگز نہیں جانتا تھا۔ نہیں نہیں، یہ درحقیقت انسان کی کمال سرکشی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہدایت سے بے نیاز سمجھتا ہے اور اگر وہ بنظر عمیق دیکھے تو وہ اسقدر محتاج ہے کہ ہر وقت میں اُسکو اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنے کی حاجت ہے۔

۵۳ یہ قانون فطرت ہے، اور یہی اسکی مقرر کی ہوئی حدود ہیں۔ پس ان سے تجاوز نہ کرو، حدود سے آگے نہ بڑھو۔ اور جس قوم نے خدا کی حدود سے تجاوز کیا وہی ظالم ہے۔

۵۴ اور ہم تو ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب لائے ہیں جس میں ہم نے ہر اہم امر کی تفصیل اپنے علم کے ذریعے سے کر دی ہے۔ ایمان والی قوم کے حق میں اسکے احکام سراسر ہدایت اور رحمت ہیں۔ (یہ آیہ شریفہ صفحہ ۵۸ کے متن اور صفحہ ۵۹ کے تحت المتن میں آ چکی ہے)

٭ کتاب مُّبِيْنٍ کی ضمنی تشریح مقدمہ کتاب میں صفحہ ۶۱، ۶۲ پر گذر چکی ہے جہاں اس آیت کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

٭ یہاں ظالمون کے متعلق فیصلہ کر دیا ہے کہ جو قوم قانون فطرت کی حدود سے تجاوز کرے وہ شاہ کائنات کی اصطلاح میں ظالم ہے اور آیہ (۷: ۴۷) صفحہ ۵۸ کے محاکمے کے مطابق ہلاکت کی اہل۔ ظالمون کے معانی کے متعلق یہ تیسری قطعی حجت ہے جو ہم نے لاکر رکھ دی ہے۔ پہلی دو قطعیں یعنی ثمن لی المثال اور عصیان ابیہ صفحہ ۶۰، ۶۱ کے تحت المتن میں آ چکی ہیں۔ ٭ قرآن حکیم کے متعلق صفحہ ۵۹، ۶۰ کے تحت المتن کی آیات کی طرف اشارہ ہے۔

Marfat.com

سطح، اور اتقاد و اتحاد کی استوار زمین پر لاکر انکی جماعت کو پیش از وقت شکست کے **خوف** سے قطعی نجات اور بیوقت **فنا** سے عملاً مامون و مصئون کردے!

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۵: ۱۵-۱۶)

اے باشندگانِ زمین! پروردگار عالم کی طرف سے تمہیں وہ نور اور واضح کتاب آچکی ہے جسکے ذریعے سے خدا اُس قوم کو جو منشائے ایزدی کی متابعت کرتی ہے، قیام فی الارض اور سلامتی کے رستوں پر لے جائیگا، اُنہیں اپنے فضل وکرم سے جہالت اور ناعاقبت اندیشی کی ظلمتوں سے نکالکر علم اور حفظ نفس کے نور کی طرف لائیگا، اور انہیں اس نعمت عظمٰی کے سیدھے رستے پر ڈال دیگا!

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (۱۶: ۸۹)

اور اے محمدؐ! ہم نے تم پر یہ کتاب اس پائے کی نازل کی ہے کہ اسمیں انسان کے متعلق تمام اصولی قواعد کا مفصل بیان موجود ہے۔ اور تسلیم وعمل کرنے والی قوم کے لیے تو یہ سرتاسر ہدایت ہی، رحمت ہی اور سلامتی اُمم کی بشارت ہی!

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ (۳۹: ۲۷-۲۸)

اور ہم نے تو کافۃ الناس کو راہ ہدایت اور طریق عمل جتلانیکے لیے اِس قرآن میں ہر ممکن حالت کو پیش نظر رکھکر مثالیں بیان کردی ہیں تاکہ لوگ اُن سے نتائج اخذ کرسکیں۔ اسی وضاحت کے لحاظ سے ہم نے اسکو عربی زبان میں کردیا ہی۔ اسمیں کسی طرح کی پیچیدگی یا منطق کی کجی نہیں رکھی۔ اور یہ سب اِس لیے

✝ آیۃ (۵: ۱۵) کے متعلق بحث صفحہ ۶۲ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ "سُبُلَ السَّلٰمِ" کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کا منتہا اقوام عالم کو تمکن فی الارض اور حفظ نفس کے اصول سکھلانا ہے۔ "ظُلُمٰتِ" کا صحیح مفہوم بھی جہالت اور عدم تعقل قانونِ خدا کی تاریکیوں کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مقدمہ کتاب میں ثابت کردیا گیا ہے کہ قرآن کا طغرائے امتیاز اسکا علم ہی ہے اور یہی بات آیۃ (۵: ۱۶) سے ظاہر ہے جو صفحہ ۱۰۵ کے متن میں آچکی ہی۔ "روحانی ظلمتوں" اور "روحانی نور" کا ذکر جو بعض ناقرآن شناس مسلمان کرتے ہیں ایک بے معنی سی اور بے نتیجہ بات ہی۔ صفحہ ۵۵ کی آیت (۲: ۱۱۴) بھی انہی معانی کی مؤید ہے۔ لیکن "الظُّلُمٰتِ" اور "النُّوْرِ" پر مکمل بحث بعد میں ہوگی۔ ضمناً ان آیات کبریٰ سے یہی مستنبط ہوتا ہی کہ سُبُلَ السَّلٰمِ یعنی حفظ نفس کی راہوں پر چلنا اور جہالت کی ظلمتوں سے نکلکر علم کی منور راہوں پر گامزن ہونا ہی صراط مستقیم ہی۔ صفحہ ۹۳، ۹۴ اور ۹۵ کے حواشی میں کسی قوم کا علم کی حقیقت نما راہوں پر چلنا سبیل خدا پر چلنے کے مترادف قرار دیا گیا تھا، اور قریب قریب یہی مضمون ان آیات میں ہی۔ "صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ" کے مکمل مفہوم بیان کرنے میں ابھی کچھ دیر ہی مگر اسکی پہلی قسط یہی ہے کہ اُمت اجتماعی خوف (دیکھو مسئلہ ارتقا تحت المتن صفحہ ۱۲) کے ماحول سے نکلکر سلامتی اور امن کی راہ پر قدم بڑھائے، اور جہالت کی قیود سے آزاد ہوکر علم کے جہاں کشا نور سے مزین ہو۔ یہ ہی صراط مستقیم ہی جس کی درخواست ایکدن میں پانچوقت خدا کے حضور میں ہوتی ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ (۱: ۵) "اے خدا ہم کو صراط مستقیم یعنی سیدھی راہ پر چلا"۔

Marfat.com

کہ لوگ ان مشرح احکام کو سنکر اتقا پیدا کریں، بربادی سے بچیں۔ اور حفظِ نفس اختیار کریں (یَتَّقُوْنَ)

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى† وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (۷: ۳۴-۳۵)

اور ہر ایک قوم کے صفحۂ ہستی سے مٹنے کی ایک میعاد مقرر ہے۔ پھر جب اُنکی تباہی کے اسباب مکمل ہو چکتے ہیں تو اُس سے ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکتے ہیں، نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں۔ پھر اگر اسوقت کوئی عذر پیش کرے گا تو ہم کہیں گے کہ اے بنی آدم اپنے تمہیں پہلے ہی کہدیا تھا کہ جب کبھی ہماری طرف سے تم ہی میں سے ہمارے قاصد تمہارے پاس پونہچیں اور ہمارے احکام تم پر واضح کردیں۔ تو جو قوم ہلاکت سے دامن بچاکر چلی اور جسنے اپنی حالت کی اصلاح کرلی، اُنکو اس دنیا میں کسی قسم کا خوف و خطر لاحق نہیں ہوگا۔

بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ‡ ۝ (۲: ۱۱۲)

اصل تو یہ ہے کہ جسنے اپنے آپ کو ہمہ تن قانون خدا کے سپرد کردیا، اور اسکے بتائے ہوئے پسندیدہ عمل کئے تو اسکا اجر تو اس شخص کو اُسکے پروردگار کے ہاں سے ملیگا۔ لیکن وہ قوم دنیا میں بے خوف و خطر ہے!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ

---

† یہ آیت مسئلہ ارتقا کے تحت المتن صفحہ ۱۳ میں آچکی ہے۔ مگر وہاں پر ’اتّقٰی‘ اور ’اَصْلَحَ‘ کے صحیح مفہوم کو ملتوی کردیا گیا تھا۔ اس وقت تک ’اتقا‘ کے الٰہی مفہوم کی کئی شقیں ظاہر ہو چکی ہیں، مثلاً اُمت واحدہ بننا (آیہ ۲۳: ۵۲) صفحہ ۴۹)، باہمی اتحاد قائم رکھنا (آیہ ۳: ۹۹) صفحہ ۱۵۰)، ایک دوسرے کو استقلال کی تلقین کرنا (آیہ ۳: ۱۹۹) صفحہ ۱۵۰)، تفرقہ نہ پیدا کرنا (آیات ۳: ۱۰۱-۱۰۲) صفحہ ۱۴۴) محکمات پر تفسیر یقین کرانا (آیہ ۳: ۱۲۹، ۱۳۰) صفحہ ۱۶۰)، آیندہ مصائب کے لیے پیش از وقت تیاری کرنا اور حفظ نفس کے لیے مستعد رہنا (آیہ ۱۸۱۵۹) صفحہ ۱۶۲) وغیرہ وغیرہ سب اعمال ’اتقا‘ میں داخل ہیں۔ جس قوم میں یہ خاصیتیں بدرجہ اتم موجود ہوں گی وہ ازروئے قرآن ’فَمَنِ اتَّقٰی‘ کہ مصداق ہے۔ اور اس دنیا کے اندر ’وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ‘ کا مصداق بننا بھی اُسیکا حصہ ہے۔ ’اَصْلَحَ‘ کی تشریح بھی کچھ کچھ ہو چکی ہے۔ مثلاً ’رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ‘ والی آیت (۴۸: ۲۹) صفحہ ۱۲۸ کے متن میں، اور ان آیتوں میں جو مقدمۂ کتاب میں صفحہ ۸۴، ۸۷ اور ۱۵۹ پر ہو چکی ہیں۔

‡ ’اسلام‘ اور ’احسان‘ کا ذکر جو اس آیت میں آیا ہے وہ در اصل ’اتقا‘ اور ’اصلاح‘ ہی کے دوسرے نام ہیں جیسا کہ کچھ دیر بعد عیاں کردیا جائے گا۔ اسی لیئے ’مُسْلِم‘ اور ’مُحْسِن‘ قوم بھی دنیا میں بے خوف و خطر ہے۔ بَلٰی سے رَبِّهٖ تک واحد کی ضمیر استعمال کرنا اور بعد ازاں عَلَيْهِمْ اور يَحْزَنُوْنَ میں جمع کی ضمیر لانے کا مقصود یہ ہے کہ ہر متنفس کو اُسکے ذاتی عمل کا اجر آخرت کی صورت میں واضح ہو جائے (فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ) اور جس قوم کا وہ رکن ہے اُسکا دنیاوی اجر لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کی صورت میں ہویدا ہو۔ یہاں بھی اجتماعی موصول ہے جسکی ایک مثال صفحہ ۴۳ پر گذر چکی ہے۔

Marfat.com

فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ؁ (۵ : ۱۱)

اے ایمان والو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جب ایک دشمن قوم نے تم پر اپنا دست تعدی دراز کرنے کا تہیہ کر لیا تھا اور اللہ نے تمہیں صبر اور استقلال، تہور اور اتحاد کا سبق دیکر تم سے انکے ہاتھوں کو روک دیا۔ اور اے مسلمانو! مقام خدا کا خوف دلمیں ہر آن رکھکر اسکے احکام کی متابعت کرتے رہو کیونکہ دشمن پر غالب آ جانے کا راز اسی تقویٰ میں ہے اور ایمان والوں کو چاہیئے کہ اپنی حتی الامکان سعی کے بعد نتائج کے بارے میں خدا ہی پر توکل کیا کریں۔

آہ! اُس مالک الملک، اُس ربّ العالمین خدا کی عالم آرا رواداری امّت رسولؐ کے ہی **خوف** حزن کو **امن** و امان میں بدل دینے کے اہتمام میں تھی۔ قرآن حکیم کے اوامر و نواہی، آجکل کے عام اور پست کن تخیّل کے مطابق، دنیاوی نقطۂ نظر سے محض بے وجہ اور بے نتیجہ نظریتے نہ تھے، وہ کسی توشۂ آخرت اور زاد معاد کے بے سبب اور بے دلیل، انفرادی اور شخصی سامان نہ تھے جنکا تیار کرنا خوشنودیٔ خدا کے لیئے "اَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ (۵ : ۱۶)" رسماً اور فرداً ضروری تہا، بلکہ وہ مستقل اور نتیجہ خیز **اجتماعی** اعمال تھے جن کا اولین پیش نہاد اِس دنیا کو خوش اسلوبی سے نباہنا ہی تہا۔ خدائے واحد پر ایمان، اسکی عبادت اور طاعت، اسکے تقوے اور اتحاد، اسکے جہاد اور ہجرت، صبر اور توکل، بلکہ صدقات اور زکوۃ کا صحیح مآل یہی تہا کہ دین اسلام مسلمانوں کے متفقہ کسب و عمل سے دنیا کی تمام مجتمعات پر **سیاسی** اور **اجتماعی** معنوں میں **غالب** آجائے۔ وحدت جماعت، مصالحت افراد، ائتلاف قلوب، اطاعت خدا، اطاعت رسول، متابعت اولوالامر، ایمان کے وہ لاینفک اجزا، اور اتّقائے خدا کے وہ ناقابل انفصال

✝ اس آیۂ شریفہ کے مطالب کی مسئلہ ارتقا کی شق سوم صفحہ ۱۲۲ سے مماثلت عیاں ہے۔ قابل لحاظ بات یہی کہ اسمیں دشمن سے بچ نکلنے کو نعمت خدا سے تعبیر کیا گیا ہے اور ظاہر کر دیا ہے کہ قانون خدا پر چلنا ہی دشمن کے دست تشدّد سے بچنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ نہیں بلکہ قرآن حکیم کی حکمت جامعہ نے حفظ نفس کا تیر بہدف نسخہ 'وَاتَّقُوا اللّٰهَ' کے جامع اور مانع الفاظ کے اندر بند کر دیا ہی۔ گویا جس قوم کے افراد میں اتقا کی صلاحیتیں موجود رہیں، جو قوم متحد اور متفق بنکر رہی، جس نے تفرقے سے اپنے آپ کو بچائے رکھا اور خطا تقدم کے طور پر اپنے آپکو بہمہ وجوہ تیار کیا وغیرہ وغیرہ (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۷۷) اسپر کسی دشمن کی دست درازی عبث ہے۔ آیت کے آخری حصے سے 'توکل' کے معانی کی ایک مہلک نظر آتی ہے۔ گویا توکل یہ ہو کہ انسان قانون خدا پر کما حقہٗ چلکر نتائج کا منتظر رہے، عافیت پسند مسلمانوں نے آج توکل کے معانی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر

حِصص تھے جنکا مآل کار لامحالہ اس دنیا میں حصول عافیت اور غلبۂ اسلام ہی تھا: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ[۵۱] (۸: ۱)، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا[۵۲]† (۴: ۵۹)، قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ[۵۳]‡ (۵: ۱۱۲)۔ ہجرت اور جہاد کے جارحانہ اور مدافعانہ اوامر بھی حفظ نفس اور تقویت جماعت کے وہ عالم آرا، معرکۃ الآرا اور جلیل القدر اصول تھے جن پر ظہور آفرینش سے آجتک روئے زمین کی ہر زندہ قوم، عالم حیوانات کی ہر صالح اور مستعد نوع بلکہ کائنات فطرت کی ہر ذی حیات جنس طبعاً اور حتماً کاربند ہے! شارع فطرت کے نزدیک اعلائے حق کی خاطر حزب خدا اور علو ن بنناہی وہ لازمۂ ایمان، مستحق اجر، اور مستوجب رضا فعل تھا جسکا انجام راحت دنیا اور فلاح عاقبت دونوں تھا: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[۵۴] (۵۸: ۲۲)، فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ[۵۵] (۵: ۵۶)، وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ[۵۶] (۳: ۱۳۹)!

---

۵۱ پس اس احکم الحاکمین کے مقام و منصب سے ڈرتے رہو اور اگر تمہیں اسکے منصب کا صحیح احساس ہے تو آپس میں کامل طور پر متحد اور مصالحت سے رہو۔ اور اگر تم ایمان اور تقوے کے مدعی ہو تو خدا کے سب احکام کی کلی متابعت کرو اور اسکے علاوہ رسول (یعنی تمہارے امیر جماعت) بھی جو کچھ تمہیں کہیں مثا تعمیل کیا کرو۔

۵۲ اے ایمان والو! اللہ کے احکام کی پوری اور کلی متابعت کرو، رسول کا کہا بلا چون و چرا مانا کرو، اور تم میں سے جو شخص تمہارے گروہ کا امیر مقرر کیا گیا ہو اسکے احکام کی بھی پوری متابعت کرو۔ پھر اگر خدانخواستہ تمہارے اور حاکم وقت کے درمیان کسی معاملے میں جھگڑا بھی ہو جائے تو اللہ اور رسول پر چھوڑ دو (اور حاکم جماعت کی اطاعت میں کسر اٹھا نہ رکھو) اگر تم فی الحقیقت اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور روز قیامت کا تمہیں پورا یقین ہے (اسدن آپ ہی خدا اور رسول نبٹ لینگے کہ کون غلطی پر تھا) یہی تمہارے لیے بہترین طریق عمل ہو اور تمہاری اطاعت گذاری کی بہترین تاویل ہے۔

۵۳ تو اس نے کہا کہ اگر تم میں فی الحقیقت ایمان موجود ہے تو خدا کو ہر دم محسوس کرتے رہا کرو اور اس کا اتقا کرو (یعنی وہ اعمال پیدا کرو جو اتقا کے لیے ضروری ہیں)

۵۴ خدا ان سے انکے اعمال کے باعث خوش ہو چکا ہے اور وہ خدا سے اپنے کیے کا اجر پاکر خوش ہو گئے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو خدا کی فوج اور اسکے سپاہی ہیں۔ منکرو! بگوش ہوش سن رکھو اور مومنو! مطمئن رہو کہ خدائی فوج ہی اس دنیا میں غالب آئیگی اور آخرت میں فلاح پا کر رہے گی۔

۵۵ تو لامحالہ خدا کے سپاہی ہی اس دنیا کے اندر غالب آکر رہیں گے۔

۵۶ اور اگر تم فی الحقیقت ایمان والے ہو تو بالآخر تم ہی تم غالب آکر رہوگے۔

---

† اس وسیع التاویل، پیچیدہ، لیکن اہم اور سبق آموز آیت کے صحیح مطالب کی تصریح دوسری مجلد میں پیش کر دی جائے گی۔ یہاں پر مطالب سے صرف اس قدر بحث ہے کہ اطاعت خدا، اور اطاعت رسول، کو ایمان کی شرط لاینفک قرار دیا گیا ہے۔ اطاعت اولوالامر کا سوال بعد میں اٹھایا جائیگا

‡ اس آیت میں صاف طور پر اتقا کو شرط ایمان قرار دیا ہے گویا اتقا کے اعمال کا موجود ہونا فی الحقیقت ایمان کے موجود ہونیکے مترادف ہے (دیکھیے صفحہ ۱۶۶ آخری سطر)۔

"خوشنودیٔ خدا" کی خاطر ایثارِ مال اور ایتائے زکوٰۃ بھی وہ مصدّقِ ایمان، محرکِ عشق اور مطہرِ قلب اعمال[+] تھے جن کی تہ میں اسلامی جماعت کی اقتصادی استواری اور مالی استحکام کا عظیم الشان راز مضمر تھا، انہی کے باقاعدہ اجراو التزام میں تاسیسِ بیت المال کی وہ عظیم المنفعت اور کثیر النفع حکمت پنہاں تھی جو سب مہمات امور میں اور خوف و خطر کے موقع پر، اُمت کو مالی مشکلات سے قطعًا بے نیاز کر سکتی تھی بالغرض اُس چارہ فرمائے جہاں تک جس کی ذاتِ مستجمع الصفات عارضۂ احتیاج سے قطعًا مستبعد ہے، اِستحکام کارفرمائی سے انسانوں کی اپنی ہی بہبودی مدِّنظر تھی: هَآ أَنتُمْ هَٰؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنفِقُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَمِنكُم

[+] قرآن حکیم نے جابجا قربانیٔ مال کو ایمان کا جزوِ اعظم قرار دیا ہے، بلکہ ایک رو سے ایمان کی تصدیق کا معیار ہجرت، جہاد فی سبیل اللہ، نصرت تائید مجاہدین کے ساتھ ساتھ (جن کا ذکر صفحہ ۱۱۴ کی آیہ (۸: ۷۴) میں ہو چکا ہے) اقامت صلوٰۃ اور جہاد بالمال کو بھی تسلیم کیا ہے جیسا کہ سورۂ انفال کی متعلقہ ذیل آیت کے الفاظ أُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُؤْمِنُونَ حَقًّا سے ظاہر ہے:

ٱلَّذِينَ يُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَمِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ يُنفِقُونَ ۝ أُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ دَرَجَٰتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ (۸: ۳-۴)

اور یہ وہ لوگ ہیں جو الصلوٰۃ پر قائم رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دے رکھا ہے اُس میں سے ایک معتدبہ حصہ تقویت جماعت کے لئے صرف کرتے ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو فی الحقیقت ایمان والے بھی ہیں۔ پروردگار جل وعلیٰ کے نزدیک ایسے ہی لوگوں کے درجے بلند ہونگے، انکی پہلی واماندگیوں سے اغماض کیا جائے گا (مَغْفِرَةٌ) اور عزت و آبرو کے مقام اُنکے لئے وقف ہونگے۔

الصلوٰۃ کی حقیقت سے یہاں بحث نہیں، مگر الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا کا استعمال تمام قرآن میں صرف انہی دو موقعوں پر ہوا ہے۔ اور ان سے ایثارِ مال کا مصدّقِ ایمان ہونا ظاہر ہے۔ کلام الٰہی نے صدقہ (بمعنی انفاق مال) کی اصطلاح بھی اسی قرینے سے وضع کی ہے (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۱۷) اور اسی شخص کو صادق اور مصدّق ٹھیرایا ہے جو اپنے زبانی دعووں کو عملًا یعنی زرخرچ کرکے سچ کر دکھائے۔ سورہ حدید میں ہے:

إِنَّ ٱلْمُصَّدِّقِينَ وَٱلْمُصَّدِّقَٰتِ وَأَقْرَضُوا۟ ٱللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ۝ (۵۷: ۱۸)

اسمیں شک نہیں کہ اپنے ایمان کی تصدیق کرنے والے مرد اور تصدیق کرنے والی عورتیں وہی ہیں جنہوں نے خدائے زمین و آسمان کی خاطر اپنے مال کا بہترین حصہ کاٹ کر الگ کر دیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکو اُن کے ایثار کا اجر چند در چند کر دیا جائے گا، اور آگے چلکر بھی انکی اس خدمت کا باعزت بدلہ ملیگا۔

ایثارِ مال کا محرکِ عشقِ الٰہی ہونا سورۂ آل عمران کی اس آیت سے ظاہر ہے:

لَن تَنَالُوا۟ ٱلْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا۟ مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنفِقُوا۟ مِن شَىْءٍ فَإِنَّ ٱللَّهَ بِهِۦ عَلِيمٌ ۝ (۳: ۹۱)

لوگو! خدا کی محبت کے بارے میں تزکیۂ نفس اور اخلاص کے مرتبے (البِرّ) کو تم ہرگز نہ پہنچ سکوگے جبتک کہ اُسکے اعلاء میں، اور اُسکے احکام کی تعمیل میں اُن چیزوں میں سے نہ خرچ کرو جنکو تم محبت کرتے ہو (مقابلہ کرو اسکا آیہ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ (۲: ۱۶۵) سے جو صفحہ ۱۱۸ پر گذر چکی ہے اور جس میں بتلایا ہے کہ خدا کی محبت کے بالمقابل کسی شئے کی محبت ٹھیر نہیں سکتی) اور یاد رکھو کہ جو کچھ بھی تم خرچ کروگے خدا اُس سے خوب واقف ہے۔

اس آیۂ شریفہ میں بالصراحت اس واقع الامر کا اظہار کیا گیا ہے کہ کسی محبوب کی خاطر کسی عزیز شئے کا ایثار کرنا عاشق کے شعلۂ محبت کو اور بھڑکاتا ہے بالخصوص اُس حالت میں کہ عاشق کو اطلاع ہو کہ محبوب کو اُسکے ایثار کا علم ہے۔ بِرّ کی مکمل تعریف میں ابھی بہت دیر ہے۔ یہاں ہم نے ترجمے میں ظاہر کر دیا ہے کہ

مَنْ یَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ† وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ۠ (۴۷، ۳۸)، وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ† اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۠ (۲۹، ۶)۔ وہ مسلمانوں کے سب اعتقادات اور معاملات اور ہر فعل و عمل کو انکی دنیاوی فلاح و بہبود کی خاطر ہی درست کرنا چاہتا تھا، وہ انکو دنیا کی اس عظیم الشان کشمکش میں غیر اقوام کے بالمقابل قوت اور زور سے رکھنا چاہتا تھا، وہ کائناتِ جہان کی اس ہولناک اور تاب گسل مزاحمت میں مسلمانوں کو سلامتی کے طریقے، حفظ و امن کے دائمی اصول، اور عافیت اور تمکن کے اٹل قواعد بتلانا چاہتا تھا، وہ توحید کے متحد القلوب ماحول اور عبودیت کے سرفروشانہ ولولے میں مسلمانانِ عالم کو ایک نصب العین پر قائم کرکے انکو حقیقت اور حریت کے

---

۱۵ تم لوگ بگوش ہوش سن رکھو کہ تم وہ قوم ہو کہ آج تمہیں خدا کی راہ میں اپنے قومی فائدے کے لیئے خرچ کرنے کو بلایا جاتا ہے۔ اسپر بھی تم میں ایسے آدمی موجود ہیں جو دینے سے بخل کرتے ہیں۔ اور جو آج بخل کرتا ہے تو حقیقت میں اپنے آپ سے بخل کرتا ہے۔ ورنہ اللہ تو غنی اور بے نیاز ہے اور تم ہی اسکے محتاج ہو۔ اور اگر تم نے حکم خدا سے روگردانی کی تو اسی بخل کے باعث ہلاک ہو جاؤ گے اور خدا دوسرے لوگوں کو تمہاری جگہ لا بٹھائیگا اور وہ تم جیسے بدعمل، نفس پسند اور ناکارہ لوگ بھی نہ ہونگے! ۱۶ اور جسنے خدا کی حمایت میں اپنے پر تکلیفیں سہیں اور دشمن سے جہاد کیئے تو وہ اپنے ہی بھلے (یعنی حصول قوت) کیلئے سعی کر رہا ہے ورنہ خدا تو دنیا جہان کے لوگوں سے بے نیاز ہے (۹۳: ۲-۵ کو مدنظر رکھکر جاھد کا یہ ترجمہ کیا گیا)

تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۸۰) ماسوا کی محبت سے خدا کی محبت کو مبّرا، رکھنا 'بِرّ' کا جزو لاینفک ہے۔ ایثار مال کا مظہر قلب ہونا جو فی الحقیقت 'بِرّ' کا مقام حاصل کرنیکے مترادف ہے، کلام الٰہی کی اس آیت سے ظاہر ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّیْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (۹، ۱۰۳)

اے پیغمبر! ان مشکین اور منافقین عرب سے (انکے تذبذب اور نفاق کے قلبی مرض کو دور کرنیکی غرض سے) انکے مال میں سے کچھ شے بطور صدقہ لے لیا کرو (کہ یہ صدقہ بادی النظر میں انکی مزعومہ قلبی کیفیت کی تصدیق کرتا ہے) اتم یہ طریقہ اختیار کرکے فی الحقیقت ان کے دلوں کو محبت ماسوا سے پاک کروگے (تطھرھم) اور انکے نفوس کو آلایش حب زر سے مبّرا کروگے (تزکیھم) اور یہی نہیں بلکہ ان کا شکریہ ادا کیا کرو (صل علیھم) انکو دعائے خیر دو (صل علیھم) انکے اس فعل کے عوض میں تحسین و آفرین کہو (صل علیھم) کیونکہ تمہاری شاباش (صلوتک) انکے لیئے موجب تسکین ہوتی ہے اور انکو اور بھی بہتر کام کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور یوں تو خدا ہر شخص کے ظاہر و باطن کو سمجھنے والا اور دل کی کیفیات کو خوب جاننے والا ہے۔

'صَلِّ' اور 'صَلٰوۃ' کے مفہوم کے متعلق تفصیلی بحث صفحہ ۱۴ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے۔ یہاں پر اس نقطہ نظر کی کامل تصدیق ہو جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ 'صلٰوۃ' سے مقصود تحسین و آفرین ہے لیکن ضمناً یہاں پر 'تُزَكِّیْهِمْ' کے لفظ سے 'زکوۃ' کی وجہ تسمیہ بھی معلوم ہو گئی کہ زکوٰۃ فی الحقیقت وہ شے ہے جس سے تزکیہ نفس ہو یعنی مال کی محبت گھٹے اور خدا کا عشق بڑھے!

† آیہ (۴۷: ۳۸) سے صاف ظاہر ہے کہ انفاق مال فی سبیل اللہ کی صحیح غرض و غایت اُمت کی اجتماعی اور سیاسی بہتری ہے، اور اسمیں بخل کرنا گویا اپنی قومی بہتری میں مخل ہونا ہے۔ اس امر کی تائید کہ 'یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ' سے مراد قوم کی دنیاوی اور اجتماعی بہبودی سے بخل کرنا ہی ہے (نہ روز قیامت کے بہشت سے بخل کرنا جیسا کہ بعض مانعین زکوۃ کے اصلی مدعا کو مسخ کرنے کی غرض سے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے) 'وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ' کے الفاظ سے ہوتی ہے جو معاً بعد میں آئے ہیں گویا ایثار مال نہ کرنے کا یہ نتیجہ ہوگا کہ قوم کی مالی قوت کو نقصان پہنچے گا، اسی طرح سے غیروں کے بالمقابل اسکی مدافعت نہ ہو سکیگی!

Marfat.com

علمبردار، اخوت اور مساوات کے مبلغ، عالم آرا عصبیت کے محافظ، اور **وراثت زمین کے اہل بنانا چاہتا تھا!**

هُوَ الَّذِيٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ
وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنۡجِيۡكُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ
اَلِيۡمٍ۝ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتُجَاهِدُوۡنَ فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِاَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ ؕ ذٰلِكُمۡ
خَيۡرٌ لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ۝ يَغۡفِرۡ لَـكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ وَيُدۡخِلۡكُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا
الۡاَنۡهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِىۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ۝ وَاُخۡرٰى تُحِبُّوۡنَهَا ؕ نَصۡرٌ
مِّنَ اللّٰهِ وَفَتۡحٌ قَرِيۡبٌ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ۝ (۶۱: ۹-۱۳)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۸۱) مجاہدین کو ہتھیاروں سے لیس کرنا متعذر ہو جائے گا اور بالآخر کوئی دوسری قوم جو اعمال میں اس کم ہمت قوم سے بہتر ہوگی اُن کے ملک پر قبضہ کرے گی اور **اس قوم کی سیاسی قوت کو تباہ کر دے گی۔**

جن خوش اعتقادوں نے زکوٰۃ، کو بیت المال کی حکمت عملی سے الگ سمجھ کر کسی بھک منگے کو چار پیسے دینا سمجھ لیا ہے اُنکے لیے یہ آیت از بس قابل غور ہے لیکن 'فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ' کے صحیح معانی اور 'زکوٰۃ' کے متعلق باقی بحث آگے چلکر آئے گی۔

آیہ (۶:۲۹) میں بھی 'لِنَفۡسِهٖ' کا لفظ ہے، اور ان دونوں آیتوں کے مضامین کی مماثلت سے ظاہر ہے کہ یہاں بھی 'فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفۡسِهٖ' سے مراد اپنی دنیاوی بہتری کے لیے سعی و عمل کرنا ہے۔ باغ بہشت کا قصہ جو لوگ آسانی سے وضع کر لیتے ہیں اور 'جَاهِدُوۡا' کے لفظ سے مراد تسبیح پھیرنا اور روحانی مجاہدے کرنا لے لیتے ہیں، اسکی سند قرآن میں موجود نہیں۔ بہشت بھی آخرت میں تبھی ملسکتا ہے جب سب اُمت اُمتیوں کی متفقہ طاقت عمل سے 'اَعۡلَوۡنَ' بنکر رہے، ورنہ نرے روحانی مجاہدے بے معنی ہیں اور اُنکی کچھ اُجرت نہیں لیکن اس بحث کو چھیڑنا یہاں پر پیش از وقت ہے۔

ان آیات جلیلہ میں چند باتیں غور طلب ہیں:-

(۱) اسلام کا اس دنیا میں منتہائے وحید 'اَعۡلَوۡنَ' اور غالب بنکر رہنا ہے، اور اسی **واحد** غرض و مطلب کے لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے تھے۔ **قرآن کے تمام طول و عرض میں رسول کے بھیجنے کی اسکے سوا کوئی اور غرض کہیں نہیں بتلائی گئی۔** یہ اس عنوان کا جواب ہے جو ہم نے صفحہ ۱۰۱ پر قائم کیا تھا۔

(۲) جہاد بالسیف اور جہاد بالمال کا نتیجہ قرآن حکیم نے 'عذاب الیم سے نجات'، 'ذنوب کی مغفرت'، 'جنت میں داخل ہونا اور مساکن طیبہ' بتایا ہے۔ اگر یہ سب باتیں روز قیامت سے متعلق کر لیجائیں تو بھی 'اُخۡرٰى تُحِبُّوۡنَهَا ؕ نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتۡحٌ قَرِيۡبٌ' کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اُمت کی دنیاوی اور اجتماعی بہتری بھی خدا کا وعدہ ہے۔ اس نقطۂ نظر سے ایثار مال یعنی 'زکوٰۃ' کی غرض اور بھی عیاں ہو جاتی ہے۔

(۳) 'جنت' کی تشریح کے ضمن میں ہم نے صفحہ ۷۴ پر دعوے کیا تھا کہ قرآن حکیم میں یہ لفظ ارضی بادشاہت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے، آخرت کے باغ بہشت کے لیے 'الۡجَنَّةَ' کا لفظ مخصوص ہے۔ یہاں پر اس دعوے کی بادی النظر میں تغلیط ہوتی ہے مگر چونکہ ساتھ ہی 'لِيُظۡهِرَهٗ' اور 'فَتۡحٌ قَرِيۡبٌ' کے الفاظ استعمال کر کے سیاسی اور دنیاوی غلبے کو واضح کر دیا ہے، 'جنت' کا ذکر عمداً اس انداز سے کیا ہے کہ دنیاوی تغلب اور اُخروی انعام دونوں معنے لیے جا سکیں گویا جس مجاہد بالمال والانفس کو باوجود اُسکے جہاد کے جنات زمین کی بادشاہت نہ مل سکی اسکے لیے اُخروی جنت مخصوص ہے۔ اسطرح کا استثنائی استعمال قرآن میں ایک دو جگہ اور ہوا ہے جو آگے آئینگے مگر یہ مستثنیات ایسی ہیں کہ ان سے نفس دعوے کی تردید نہیں ہوتی۔

(۴) صفحہ ۸۱ کے تحت المتن میں بشارت رسل کی نوعیت واضح کی گئی تھی یہاں 'وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ' (۶۱:۱۳) کے الفاظ سے پھر اس دعوے کی تائید ہوئی کہ بشارت اجتماعی تمکن کی بشارت ہی ہے۔ **ایمان کی ماہیت کے بارے میں ابتک جو کچھ قرآن حکیم سے مستنبط ہوا ہے یہ ہے کہ (۱)** فطرت کا بغور مشاہدہ کرنا (۴:۱۶، ۱۰۰:۱۶) صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳، **(۲)** لرزش قلب کا موجود ہونا (۸:۲) صفحہ ۱۰۳، **(۳)** مخالف متعلقین سے اعلائے اسلام کے لیے قطع تعلق کرنا آیہ (۵۸:۲۲)

Marfat.com

خداوہ پاک ذات ہے جسنے اپنے رسول کو عظیم الشان ہدایت اور سچا دین (راہِ عمل) دیکر بھیجا تاکہ اسکے زورِ اثر سے باقی سب غلط راہ ہائے عمل پر غالب آجائے اگرچہ دشمنوں کو بُرا ہی لگے۔ اے ایمان والو! کیا میں تمہیں کوئی ایسی سوداگری بتلاؤں جو تمکو دُنیاوی شکست کے دردناک عذاب سے نجات دے۔ وہ یہ ہے کہ خدا کو فی الحقیقت اپنا حاکم اعلیٰ مانو (تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ) اور اُسکے رسول کے لائے ہوئے احکام کی تعمیل کرو، اللہ کی حمایت میں اپنی جانیں اور مال لڑادو۔ تمہاری بہبودی اور غلبۂ اُمّت کیلئے یہی بہترین دستور العمل ہے اگر تم اسکو سمجھو۔ ایسا کرتے رہوگے تو خدا تمہاری اگلی تقصیروں پر پردہ پوشی کریگا، تم کو خوشگوار باغوں میں داخل کریگا جنکے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، آخرت کے دائمی باغوں میں نہایت عمدہ مقام دیگا اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور اس انعام کے علاوہ ایک اور نعمت بھی ہے جسکو تم پسند کرتے ہو وہ یہ کہ تم کو اس دنیا میں خدا کیطرف سے مدد ملیگی، فتح تمہارے شامل حال ہوگی، اور اے پیغمبر! یہ بشارتِ تمکن بھی ایمان والوں کو دے دو۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۸۲) صفحہ ۱۰۴، (۴) اَعِدُّوْا لَہُمْ اور جَاہِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِہَادِہٖ کا مصداق بننا (۲۲: ۷۷-۷۸) صفحہ ۱۰۵، (۵) راہِ خدا میں جہاد اور ہجرت کرنا، مجاہدین کو مدد اور پناہ دینا (۸: ۷۴) صفحہ ۱۱۴، (۶) شک نہ فی اللہ نہ ہونا اور جہاد بالمال والانفس کرنا (۴۹: ۱۵) و (۹: ۲۰-۲۲) صفحہ ۱۱۵ و (۹: ۸۸) صفحہ ۱۳۴ و (۹: ۱۱۱) صفحہ ۱۴۰، (۷) ثابت قدم ہو کر لڑنا (۳: ۱۴۰) صفحہ ۱۲۰ و (۳: ۱۶۵) صفحہ ۱۲۴ تحت المتن، (۸) اِصْبِرُوْا اور صَابِرُوْا اور رَابِطُوْا کا مصداق بننا (۳: ۱۹۹) صفحہ ۱۳۲، (۹) دنیا کے اندر جم کر رہنا (۱۴: ۲۷) صفحہ ۱۴۳، (۱۰) اعتصام بحبل اللہ کرنا اور فرقہ بندی نہ بننا (۳: ۱۰۱-۱۰۳) صفحہ ۱۴۴ تا ۱۴۵، (۱۱) دشمن کے دل میں اپنی قوت کی ہیبت بٹھا دینا (۵۹: ۲) صفحہ ۱۵۵، (۱۲) اتقائے الٰہی کرنا اور سعی و عمل سے قربِ خدا کی تلاش کرنا (۵: ۳۵) صفحہ ۱۵۶ و (۵: ۱۱۲) صفحہ ۱۷۹، (۱۳) ماسوا سے نہ ڈرنا (۹: ۱۳) صفحہ ۱۵۷، (۱۴) جہاد کے وقت لنگ عذرات نہ کرنا (۹: ۴۴-۴۵) صفحہ ۱۵۸، (۱۵) اولیائے خدا بننا (۱۰: ۶۲-۶۴) صفحہ ۱۵۸، (۱۶) بادشاہ زمین بننا (۳۹: ۱۰) صفحہ ۱۵۹، (۱۷) حفظ نفس کرنا (۵۹: ۱۸) صفحہ ۱۶۳ و (۵: ۱۱) صفحہ ۱۶۸، (۱۸) قتال بالسیف کی طرف راغب ہونا (۸: ۶۵-۶۶) صفحہ ۱۶۴، (۱۹) آپس میں کامل طور پر متحد ہونا (۸: ۶۳-۶۴) صفحہ ۱۶۷، (۲۰) اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ وغیرہ ہونا (۴۸: ۲۹) صفحہ ۱۶۸، (۲۱) امیر جماعت کا کامل طور پر مطیع ہونا (۸: ۲۰-۲۲) (۸: ۲۴-۲۵) صفحہ ۱۷۰ و ۱۷۱، (۲۲) امیر جماعت کی مدد کرنا (۷: ۱۵۷) صفحہ ۱۷۲، (۲۳) اطاعت اولوالامر کرنا (۴: ۹) صفحہ ۱۷۹ (۲۴) الصلوٰۃ پر قائم رہنا اور الزکوٰۃ دینا (۸: ۳-۴) صفحہ ۱۸۰، (۲۵) یُظْہِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ کا مصداق بننا (۶: ۹-۱۳) صفحہ ۵۲۔ ایمان ہے: صحیح بخاری باب الایمان میں ہے کہ ایک دفعہ حضورؐ نے فرمایا 'ایمان کی کچھ اوپر ساٹھ شاخیں ہیں جن میں ایک شاخ حیا ہے' چنانچہ اس وقت تک پچیس شاخوں کی توضیح اس کتاب میں کر دی گئی ہے۔ اسکے بعد اب جہاں جہاں قرآنی آیات میں لفظ ایمان آئیگا وہاں مراد یہی اعمال لینے چاہییں۔

(۵) رسولؐ کے ساتھ 'الہُدیٰ' اور 'دِیْنِ الْحَقِّ' کے بھیجے جانے کا ذکر ہے۔ 'دین' کے معنی 'راہِ عمل' میں نے صفحہ ۱۶۱ کے تحت المتن میں ثابت کر دیئے ہیں۔ اس نہ 'دِیْنِ الْحَقِّ' اس دنیا میں قوی بنکر رہنے کیلئے وہ صحیح راہِ عمل ہے جو عرب نے رسولِ خدا کی سیادت میں اختیار کی تھی۔ جبتک مسلمان غالب رہتے رہے یہ راہِ عمل اندروئے قرآن درست رہی۔ جب اعلون بنکر رہنے کا نصب العین نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو مسلمانوں کا طرزِ عمل بھی 'دِیْنِ الْحَقِّ' نہیں رہا، اور اسی لیئے لِیُظْہِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ کا میثاقِ ایزدی آج پورا نہیں ہوتا۔ سوال یہ رہا کہ 'الہُدیٰ' کیا شے ہے۔ اسکا علی الحساب جواب تو یہی قرآن ہے جو مجسمہ ہدایت ہے مگر صحیح معنا مفہوم وہ تکیف الی قدمت عمل وہ صلاحیت اور استعداد کار ہے جو قرونِ اولیٰ میں رسولِ خدا کی تعلیم نے پیدا کر دی تھی اور جو آج قطعاً مفقود ہے لیکن سے مسلمانوں کیلئے رنج ۔۔۔ اللہ اللہ! کسی زمانے میں دینِ اسلام کا واحد مطمح نظر تمکن فی الارض اور غلبہ اسقدر تھا کہ آٹھویں صدی ہجری کا مشہور مسافر ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ شاہ محمد تغلق کے سکوں پر ایک طرف اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْہُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْہِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ کے الفاظ کندہ تھے۔ ساتھ ہی اُس غلبے کو حاصل کرنے کیلئے اطاعت امیر کا درس اسقدر تامہ تھا کہ دوسری پشت پر من اطاع السلطان فقد اطاع الرحمٰن بے خوف خطر لکھا تھا گویا خدا رسول اور سلطان کی اطاعت اصلاً ایک ہی شے ہے (دیکھو صفحہ ۱۶۱)

Marfat.com

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللّٰهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ ○ †

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ○

یہ لوگ تو چاہتے ہیں کہ اللہ کی مشعل نور کو پھونکیں مار مار کر بجھا دیں اور خدا اس بات پر اڑا ہوا ہے کہ علی الرغم اعدا اپنے نور کو پورا کر کے رہے۔ خدا ہی تو وہ پاک ذات ہے جسنے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ اسکو دنیا کے تمام مذاہب پر غالب کر دے، گو مشرکوں کو یہ بات کیسی ہی ناگوار لگے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا ○ ‡ (۴۸:۲۸)

وہ خدا کی مقتدر ذات ہی تو ہے جسنے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسکو بالآخر دنیا کے تمام طرق عمل پر غالب کر دے، اور درحقیقت اس طرز عمل کو کامیاب کرنے کیلئے خدا نگہبان بس ہے۔

وَيُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِينَ ۙ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ○ (۸:۷-۸)

---

† اس آیہ کریمہ سے جس کے لگ بھگ ایک آیت سورۂ صف میں بھی متذکرہ صدر آیات (۶۱: ۹-۱۳) سے عین پہلے آئی ہے، اور بھی ظاہر ہے کہ "لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ" سے مراد اسلام کا اجتماعی اور سیاسی غلبہ ہی ہے۔ اسکے ماسوا احتمالاً کچھ نہیں: کافر عرب اسلام کی دنیاوی طاقت ہی کو مٹانا چاہتے تھے، وہ اپنی گھٹتی ہوئی قوت کے بالمقابل مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے درپے تھے۔ اور اس سیاسی تمکن ہی کو نُورَ اللّٰهِ کہا گیا ہے جسکے اتمام کا وعدہ خدائے عزوجل کر رہا تھا۔ کفار کو اسلام کی روحانی طاقت سے کچھ حسد یا تعرض نہ تھا۔ جن نام نہاد مسلمانوں نے آج اُمت کی زبوں حالی اور شرعی وضع قطع کو مذاہب عالم پر اپنی روحانی فتح سمجھ لیا ہے اُنکے لیئے یہ آیات نہایت سبق آموز ہیں، سورۂ صف کی متذکرہ صدر آیت یہ ہے: يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ ○ (۶۱:۸)۔ اسکا پھر ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

‡ اس آیہ شریفہ سے پیشتر کی آیت ہے:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ اٰمِنِينَ ۙ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ ۖ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ○ (۴۸:۲۷)

اسمیں شک نہیں کہ خدائے عزوجل نے اپنے بھیجے ہوئے رسول کو وہ رؤیائے قلبی جو اُسکو پیہم اضطراب درشانہ روز اہتمام کیا نتیجہ عالم خواب میں کھائی تھی بالتحقیق سچ کر دکھایا اور وہ رؤیا یہ تھی کہ اگر خدائے بے نیاز نے ہماری سعی و عمل کو پسند فرما کر مناسب سمجھا (اِنْ شَاءَ اللّٰهُ) تو تم لوگ مسجد حرام میں سب دشمنوں سے محفوظ و مامون ہو کر بے خوف خطر داخل ہو گے، اور وہاں جا کر حسب حکم مطابق اپنا سر منڈواؤ گے یا بال کترواؤ گے۔ پھر مسلمانوں فتح مکہ کے اس اہم مرحلے تک پہنچنے کیلئے خدا وہ وسیلہ تاڑ گیا جس کا تمہیں علم نہ تھا (فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا) اور صدیبیہ کا عہدنامہ مکے کے سرہونے سے پہلے دشمن سے کرا دیا جو فی الحقیقت ایک ضمنی فتح ہے۔

رؤیا کی حقیقت سے یہاں پر بحث نہیں اگرچہ ہم نے ترجمے میں رؤیا کے واقع ہونے کی توجیہ، اور مناسب حالات میں صحیح سعی و عمل کے بعد اسکے سچ ہو رہنے کی وجہ بھی اشارۃً بیان کر دی ہے۔ مگر یہ آیت اس امر کا مزید ثبوت ہے کہ زیر بحث آیت یعنی (۴۸: ۲۸) میں لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ سے مراد مسلمانوں کا اجتماعی اور سیاسی غلبہ ہی ہے کیونکہ مسجد حرام میں داخل ہونے اور فتح قریب کا ذکر ہے، روحانی غلبہ، جسکی داستان آجکل کے کم ہمت اور ناکارہ مسلمانوں نے اپنا دل خوش رکھنے کیلئے گھڑی ہے، ہرگز مراد نہیں، اور نہ روحانی غلبہ کوئی ایسی شے ہے جس پر وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ (۹:۳۲، ۶۱:۸) اور وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (۹:۳۳، ۶۱:۹) اور وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ (۸:۸، ۱۰:۸۲) کا اطلاق ہو سکے، اور جس سے کافروں کی جڑ بنیاد کٹ سکے، جیسا کہ آگے چلکر سورۂ انفال میں ہے: وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِينَ (۸:۷)۔

Marfat.com

اور لوگو! خدا تو اس بات کا ارادہ کر رہا ہے کہ اپنے احکام کے قوت افزا اثر سے صداقت کو اس دنیا کے اندر مستحکم کر دے، اور منکرین کی جڑ بنیاد کاٹ ڈالے، اور یہ اسلئے کہ حق کو حق اور باطل کو باطل کر دکھائے اگرچہ اُن مجرموں کو بُرا ہی کیوں نہ لگے جو اسکے احکام کی تعمیل نہیں کرتے:

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (۱۰: ۸۲)

اور خدا اپنے احکام کی قوت افزا وساطت سے حق کو اس دنیا کے اندر مستحکم کر دیتا ہے اگرچہ مجرموں کو جو خدا کی نافرمانی کرتے ہیں بُرا ہی کیوں نہ لگے۔

غلبۂ اسلام و اتحادِ عالم†

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۲: ۱۳۶)

ہم انبیاء میں سے کسی ایک کے مابین فرق نہیں کرتے (سب کو ایک پیغام کے لانے والا سمجھتے ہیں) اور ہم تو درحقیقت خدا ہی کو حاکم اعلیٰ ماننے والے ہیں

اُس قاضیِ حاجاتؐ کے پیشِ نظر دراصل ایک ایسی مقتدر جماعت کی تنظیم و تنسیق تھی جو مال و جان کی مہذب نفس اور مطہر اخلاق قربانیوں سے دنیا کی تمام اُمتوں پر غالب آکر انسان کی دنیوی فلاح اور اجتماعی نجات کا باعث ہو، وہ مسلمانوں کی جماعت کو عبادتِ خدا کے حوصلہ انگیز عمل، تقویٰ کی وحدت افزا خلش، اور ایمان کے غلبہ انداز عزم کے ذریعے سے ہر معاند گروہ سے عہدہ برآ کر کے اُسکے عالم آرا اتحاد اور ناقابل شکست اخوت کی ہیبت دلوں میں بٹھا رہا تھا! وہ جہاد فی سبیل اللہ کو حفظ جماعت اور دفاع نفس کا اسلحہ وحید اور فلاح عاقبت کا قطعی اور فوری وسیلہ قرار دیکر، ہر متنفس کے دل میں مقابلے کی ناقابل شکست روح، اور فیروزمندی کی شدید تڑپ پیدا کرنا چاہتا تھا! ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۶۱: ۱۱) وہ اسلام کی عالم آرا صداقت، توحید کی ناقابل انکار حقیقت، اور انسان کے مخلصانہ اعمال کے سنہلائے اثر سے پہنائے جہان کے اندر اسکی ہیئت اجتماعی میں روز افزوں تقدم اور ارتقائی تقویت دیکھنا چاہتا تھا

† غلبے کو پیش نظر رکھکر اسلام کا اتحاد عالم کی دعوت دینا (جیسا کہ آگے چلکر واضح ہوگا) بظاہر بین نظروں میں متضاد باتیں معلوم ہوتی ہیں لیکن ادنیٰ تامل اس نتیجے پر پہونچا دیتا ہے کہ اسلام انسان کی ہیئت اجتماعی میں ایک استعداد عمل (المسلمین)، ایک اوعمل (الدین)، اور ایک صراط مستقیم (دین الحق) پیدا کر کے سب کو مجتمع کرنا چاہتا تھا گویا سب کو نظرت کے اس واحد راہ راست پر چلانا چاہتا تھا جس کا نتیجہ تمکن فی الارض ہے، یہودیوں اور نصرانیوں کی طرح ایک شرعی فرقہ بنجانا اسکا پیش نہاد قطعًا نہ تھا اگرچہ وہ آج بن چکا ہے اسی اتحاد اور نسل انسانی کے مجموعی فائدے کو پیش نظر رکھکر اپنے سب انبیاءؑ کو ماننے کا اعلان کیا تاکہ فرقوں کا ذاتی تعصب اس اتحاد میں حائل نہ ہو (دیکھو دیباچہ کتاب صفحہ ۶۲)

نہیں وہ سب نسلی اور تمدنی اختلافات، اور سب ملکی اور اعتقادی تفرقات کو خدائے مشترک کی مشترک ملازمت (عبادت)، اور ایک قانون اور ایک حاکم کی عملی اطاعت کے بالمقابل نسیاً منسیاً کر کے، انسان کی مختلف العقائد، متخالف الآرا، اور منتشر الاغراض جماعتوں میں بنی نوع آدم کی طبعی یکرنگی، اور کارگاہِ فطرت کی جنسی یک وضعی از سرِ نو قائم کرنا چاہتا تھا! وہ اغراضِ حیات کی اس المناک کشمکش میں خدا پرستاروں کی یک عمل اور باعمل، یک خدا اور باخدا، یک قانون اور تابع قانون جماعت کو حصولِ قوت کے محکم اصول، حفظِ نفس کے لازوال طریقے، اور دنیوی ترقی کے مستحکم ضوابط سکھا دینا چاہتا تھا!

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ[†]

[†] اس آیت میں اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کو "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ" کی مشترک اساس پر بلا کر متحد العمل کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ یہود اور نصاریٰ دونوں فرقے کم از کم زبانی طور پر "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ" کے مدعی تھے۔ اسی لیے اس کلمے کو "كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ" کہا گیا ہے مگر عملاً وہ خدا کے حکموں کی جو توراۃ و انجیل میں مذکور تھے کچھ تعمیل نہ کرتے تھے۔ آجکل کے مسلمانوں کی طرح خدا کو منہ سے خدا کہہ چھوڑنا، یا اُس کے نام پر نماز پڑھ لینا ان کا رسمی اعتقاد تھا مگر عبادت یعنی ملازمتِ خدا صحیح معنوں میں ہرگز نہ رہی تھی۔ یہودیوں نے احکامِ خدا کی تعمیل کو خیرباد کہہ کر، احبار و رہبان (یعنی اسقفوں اور گوشہ نشینوں) کو اپنا مخدوم بنایا ہوا تھا، وہ ان کے پیچھے لگ کر ایک دوسرے سے الگ اور فرقہ بند بن گئے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس نصرانی بھی خدا کی اطاعت اور ملازمت کو چھوڑ کر اپنے اپنے پادریوں کے صحیح معنوں میں ملازم بنے ہوئے تھے۔ گویا ان کا مرتبہ عملاً خدا کے برابر بلکہ اُس سے بہتر بنا رکھا تھا۔ سورہ توبہ میں اسی عبادتِ ماسوا کی طرف اشارہ کر کے احبار اور رہبان کو "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کہا گیا ہے: "اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ" (۹:۳۱)، یعنی انھوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عزرا اور مشائخ کو اور مسیح ابن مریم اپنے نبی کو خدا بنا کھڑا کیا ہے اور عملاً ان کی ملازمت و عبادت میں لگے ہیں"۔ اس آیہ شریفہ میں قرونِ اولیٰ کے ارکان مسلمانوں کی طرف سے یہود و نصاریٰ کو دعوت ہے کہ "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ" کے اصل اصول پر عملاً کاربند ہو جائیں (یہی معنی "تَعَالَوْا اِلٰى" کے ہیں) اور بصراحت تمام بتلایا ہے کہ خدا کی عملاً ملازمت کرنا، کسی شے کو عملاً اور معناً اُس کے برابر نہ کرنا، اور خدا کے حکموں کو پس انداز کر کے علما اور مشائخ کے من گھڑت حکموں پر نہ چلنا ہی عین اسلام ہے۔ گویا یہ زبانی اعتقاد کو خیرباد کہہ کر عمل کی طرف آنا اور خدا کو معناً حاکمِ اعلیٰ سمجھنا ہی مسلم بننے کے مترادف ہے: (فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ) یہ وہ بےمثال دعوتِ اتحاد اور وہ وسیع النظر بنائے مصالحت تھی جس پر قرنِ اول کے مسلمان سب دنیا کو متحد العمل کرنا چاہتے تھے۔ آج جو بُعد المشرقین ان کے اور یہود و نصاریٰ کے درمیان واقع ہو چکا ہے، نہیں، بلکہ جو ناقابلِ گذر خلیج ان کے آپس کے فرقوں کے درمیان حائل ہے اور جس کے باعث وہ ایک دوسرے کو کاٹ کھانے میں مصروف ہیں، اسلام کی ماہیت نہ سمجھنے اور منشائے خدا کے مطابق عمل نہ کرنے کی صریح شہادت ہے!

ماہیتِ اسلام اور اتحادِ عمل کے متعلق یہ اہم بحث تفصیل کے ساتھ پھر پانچویں مجلد میں کی جائیگی۔ سر دست جو بات غور طلب ہے یہ ہے کہ آج امتِ مرحومہ کا ایک ایک فرد بذاتِ خود "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ" کے برخلاف صحیح معنوں میں عمل کر رہا ہے۔ یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے اپنے احبار اور رہبان کے پیچھے لگ کر فرقہ بند بن چکا ہے۔ ان کو "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" بنا رہا ہے۔ ہر ہر گروہ نے اپنا اپنا طریقہ الگ کر کے اُمت کو صدہا بلکہ ہزارہا فرقوں میں تقسیم کر دیا ہے اور وہ غرض و غایت جو خدا کی مشترک عبودیت اور ایک حاکمِ اعلیٰ کی اطاعت میں مضمر تھی قطعاً مفقود ہو چکی ہے۔ گویا آج ان کے طرزِ عمل کو دینِ اسلام کہنا حقیقت کا منہ چڑانا ہے۔

ضمناً اِس آیہ شریفہ میں "عبادت" کے معانی کی تائید ہو گئی جس پر ایک طول و طویل بحث صفحہ ۱۰ الخ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔

[۱] چنانچہ اسی آیت میں ان الفاظ کے بعد "وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِیَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا" (۹:۳۱) گویا عبادتِ خدا صحیح معنوں میں جو ہو رہی تھی وہ کئی کئی خدا بنائے ہوئے تھے۔ یہاں عبادت کا صحیح مفہوم اسقدر روشن ہو گیا

Marfat.com

بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ (۳ : ۶۴)

اے پیغمبر! ان سے کہدو کہ اے اہل کتاب! آؤ ہم سب ایک ایسی حقیقت پر متفق ہوجائیں جسکا ہمارے اور تمہارے درمیان کم از کم زبانی طور پر یکساں اقرار ہے، اور جسپر فی الواقع عمل کرنے میں نہ تمہیں کوئی عذر ہوسکتا ہے نہ ہمیں، اور وہ یہ ہے کہ ہم ماسوا خدا کے کسی غیر کے ملازم نہ بنینگے، اور نہ کسی شئے کو اطاعت گذاری میں اُسکے ہم مرتبت کرینگے، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا آقا نہ سمجھے گا۔ پھر اگر اس سچی اور مطلق العمل بات کے ماننے سے بھی مُنہ موڑلیں تو ان سے کہدو کہ اب گواہی دو کہ ہم تو حقیقت میں خدا کو خدا مانتے ہیں نہ تم۔ کہ صرف مُنہ سے اقرار کرتے ہو لیکن اسکے احکام پر عمل نہیں کرتے

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اھْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا ھُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَھُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۡ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝† (۲ : ۱۳۶ - ۱۳۸)

اے ایمان والو! تم تمام عالم کی اُمتوں سے مصالحانہ طور پر کہدو کہ ہم تو اللہ کو اپنا خدا مان چکے ہیں اور ہم قرآن کو اُسکا قانون تسلیم کرکے اُسپر عمل کرتے ہیں اور ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ جو کچھ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب پر اُترا، اور جو کچھ بھی موسٰی اور عیسٰی کو دیا گیا، اور جو کچھ دنیا کے اور تمام

---

† ان آیات الٰہی میں اتحاد کی طرف ایک اور اہم قدم بڑھایا گیا ہے اور صاف الفاظ میں تمام انبیائے جہان کو بلاتفریق احدے منجانب اللہ تسلیم کرکے متحد العمل ہونے کی دعوت دی گئی ہے۔ لیکن اس اتحاد کا اساس کار پھر وہی خدا کو حاکم اعلیٰ تسلیم کرنا (وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۲ : ۱۳۶)) اور اسکی عملی عبادت کرنا (وَنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝ (۲ : ۱۳۸)) قرار دیا گیا ہے۔ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ ایمان فی الحقیقت عمل ہی کا دوسرا نام ہے، زبان سے اسکو کچھ تعلق نہیں۔ جو شخص کہتا ہے مگر کرتا نہیں وہ از روئے اسلام کچھ نہیں۔ اس امر کی تصدیق میں کہ دعوت عام ہے اور روئے سخن کسی ایک فرقے مثلاً یہود یا نصاریٰ کی طرف ہی نہیں بلکہ تمام عالم کی طرف ہے، قرآن حکیم کی ان آیات کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ جن میں بصراحت تمام کہا گیا ہے کہ ہر اُمت بلکہ ہر فرقے میں خدا کا کوئی نہ کوئی رسول ہوگذرا ہے جو لوگوں کو عبادت خدا کی طرف بلایا کرتا تھا۔ سورۂ نحل میں ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۝ (۱۶ : ۳۶)

یعنی ہم ہر اُمت میں کوئی نہ کوئی رسول اس غرض کے لیے بھیجتے رہے ہیں کہ لوگوں کو بتلائیں کہ اے لوگو! اس خدائے عزو جل کی ملازمت اختیار کرلو، اور شیطان کی غلامی سے بچتے رہو۔

اس قسم کی اور آیتیں آگے چلکر دوسری مجلد میں آئیں گی (دیباچہ کتاب میں میں نے اسلام کی اس اتحادی دعوت کی حکمت کو دوسرے نقطہ نظر سے واضح کیا ہے (دیکھو صفحہ ۶۲-۱۳۰)

پیغمبروں کو اپنے پروردگار سے ملا، سب اُسی ایک خدا کی طرف سے تھا۔ ہم اُن میں سے کسی ایک میں بھی، اِس معاملے میں کوئی مابہ الامتیاز تسلیم نہیں کرتے۔ اور ہم تو بہر نوع اُسی خدائے واحد کے فرمانبردار ہیں۔ تو اگر اسیطرح جس طرح تم نے اپنے آپ کو اطاعت احکامِ خدا کے لیئے وقف کردیا ہے یہ بھی اپنے آپ کو سپرد کردیں تو بس راہ راست پر آگئے اور تمہاری ان سے کوئی وجہ پرخاش نہیں لیکن اگر یہ روگردانی کریں تو سمجھ لو کہ تمہاری ضد پر ہیں۔ پھر اس حالت میں خدا تم کو اُن کے شر سے اپنے حفظ و امان میں رکھیگا اور وہی حقیقت میں حالات کا بڑا سمجھنے والا اور بڑا جاننے والا ہے۔ ان سے کہدو کہ جس مصالحانہ اور اتحادی رنگ میں ہم رنگے ہوئے ہیں یہی اللہ کا رنگ ہے۔ اور اللہ کے رنگ سے بہتر رنگ کس کا ہوگا، اور ہم تو اُسی کی خدمت کرنیوالے ہیں۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝† (۳: ۸۴)

اے محمدؐ! ان یہود و نصاریٰ سے صلح صفائی سے کہدو کہ ہم تو اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور اس کتاب پر جو ہمکو دی گئی، اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جو کچھ ابراہیم اور اسمٰعیل اور یعقوب پر اُتارا گیا تھا اور جو کچھ بھی موسیٰ اور عیسیٰ اور دنیا کے تمام پیغمبروں کو اُن کے پروردگار کیطرف سے دیا گیا تھا، اُسی خدا کی طرف سے تھا۔ ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی کوئی فرق تسلیم نہیں کرتے۔ اور ہم تو ہمہ تن اُسی خدا کے فرماں بردار غلام ہیں۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝‡ (۲: ۲۱۳)

† صفحہ ۱۸۷ کی آیہ (۲: ۱۳۶) سے اس آیت کی مماثلت عیاں ہے۔ قابل لحاظ بات یہ ہے کہ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ کی شرط یہاں بھی التزام کے ساتھ موجود ہے۔ گویا مسلم بننا خدا کی خدائی کو عملاً تسلیم کرلینے کے ہم معنی ہے۔

‡ شارحین قرآن نے اِس آیۂ شریفہ کے مفہوم کو اکثر غلط سمجھا ہے اور نہایت لایعنی، بے نتیجہ، اور متناقض ترجمہ کرکے مطالب کو گڈمڈ کرگئے ہیں۔ میں نے متن میں ایک بامعنی اور مدلل ترجمہ کردیا ہے مگر ایک دو باتیں لائق تشریح ہیں:-

(۱) كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً میں 'کانَ' کسی گذشتہ واقعہ کو بیان کرنیکے لیے استعمال نہیں کیا گیا، بلکہ ایک ایسے واقع الامر کے اظہار کیلئے، جو بہرحال درست ہی۔ اِس طرح پر 'کانَ' کا استعمال قرآن میں بیسیوں جگہ ہوا ہے۔ ہم صرف سورۂ نساء کے پہلے چند رکوعوں سے مثالیں اخذ کرتے

Marfat.com

انسان تو حقیقت میں ایک ہی امت ہیں کیونکہ ایک ہی نوع کی مخلوق ہیں اور اسی وحدت کو ملحوظ نظر رکھکر خدا نے انکی طرف مشیت الٰہی سے باخبر انسان (نبی) بھیجے جو انہیں اجتماعی بقا کی بشارت دیتے اور اجتماعی ہلاکت سے متنبہ کرتے رہے، اور خدا نے ان سب کے ساتھ بنی نوع انسان کیلئے (مختلف زبانوں میں) ایک دستور العمل بھیجا تھا جو کتاب کی صورت میں تھا اور مبنی برحق تھا تاکہ وہ کتاب اُن کے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۸۸) ہیں: اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ۝ (۴: ۱۱)، (۴: ۲۴)، بیشک خدا بڑا صاحب علم و حکمت ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا ۝ (۴: ۱۶)، بیشک خدا بڑا توبہ قبول کرنیوالا اور رحم کرنے والا ہے؛ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ۝ (۴: ۱۷)، اور خدا بڑا صاحب علم و حکمت ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ۝ (۴: ۲۳)، بیشک خدا بڑا صاحب عفو و در گذر ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمۡ رَحِیۡمًا ۝ (۴: ۲۹)، بیشک خدا تم پر بہت مہربان ہے؛ وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرًا ۝ (۴: ۳۰)، اور یہ بات کرنا خدا کے لیے بیحد آسان ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا ۝ (۴: ۳۲)، خدا لامحالہ ہر شئے سے موبموواقف ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدًا ۝ (۴: ۳۳)، بیشک خدا ہر شئے پر پوری نگرانی کر رہا ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیًّا کَبِیۡرًا ۝ (۴: ۳۴)، خدا لامحالہ بڑا عظیم و جلیل خدا ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا خَبِیۡرًا ۝ (۴: ۳۵)، خدا بیشک بڑا صاحب علم و خبر ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنۡ کَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرًا ۝ (۴: ۳۶)، بیشک خدا اُس شخص کو پسند نہیں کرتا جو اترانے اور بڑائی مارنا پھرے؛ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن کَانَ کا یہ استعمال خدائے عزوجل کی صفات کے متعلق مخصوص نہیں بلکہ ہر واقع الامر کے اظہار کے لیے آیا ہے۔ مثلاً سورۂ بنی اسرائیل میں ہے: وَکَانَ الۡاِنۡسَانُ عَجُوۡلًا ۝ (۱۷: ۱۱) اور انسان بڑا ہی جلد باز ہے؛ علی ہذا القیاس سورۂ کہف میں ہے: وَکَانَ الۡاِنۡسَانُ اَکۡثَرَ شَیۡءٍ جَدَلًا ۝ (۱۸: ۵۴)، اور انسان اکثر معاملات میں جھگڑالو ہے؛ اسی سورۂ نساء میں آگے چلکر ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا ۝ (۴: ۱۰۳)، اسمیں شک نہیں کہ نماز وہ حکم الٰہی ہے جو ایمان والوں پر بتعیین وقت فرض ہے؛ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے: اِنَّ الشَّیۡطٰنَ کَانَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوًّا مُّبِیۡنًا ۝ (۱۷: ۵۳)، بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے؛ الغرض کہاں تک مثالیں لکھی جائیں تمام کلام مجید اُن سے بھرا پڑا ہے لیکن اُنکے مطالعے سے عیاں ہو جاتا ہے کہ کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً ۟ (۲: ۲۱۳) میں صرف ایک واقع الامر اور حقیقت کو بیان کیا گیا ہے، اور وہ حقیقت کبریٰ یہ ہے کہ کُل بنی آدم فی الحقیقت ایک ہی گروہ ہیں، ایک دوسرے کے اعضا ہیں، انکی نوع ایک ہی ہے، ایک جیسی شکل و صورت، ایک جیسے اعضاء، ایک ہی آبا و اجداد، بلکہ آفرینش بھی ایک ہی جوہر سے ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اس وحدت نوع کے ہوتے ہوئے اُن میں بنائے نزاع و اختلاف طبعًا اور فطرتًا ناروا ہے۔ کارگاہ فطرت کے قانون کے مطابق اگر کسی غیر انسانی نوع یا فرد کو وجہ پرخاش ہے تو صرف غیر نوع کے افراد سے۔ ہم جنس سے بر سر پیکار اور آمادۂ جدال رہنا مقتضائے طبیعت ہرگز نہیں، اور نہ ادنیٰ مخلوق کی طرز معاشرت اس طریق عمل کی تائید کرتی ہے۔ اس آئین طبیعت کی طرف مجمل اشارات مسئلہ ارتقا کے تحت المتن صفحہ ۱۲ میں کیئے جا چکے ہیں لیکن تفصیل کے لیے ابھی وقت درکار ہے۔ بہر نوع زیر بحث آیت میں اس گرانقدر حقیقت کو آشکارا کر کے کہا ہے کہ شارع کائنات نے انسان کو ایک ہی اُمت گردانکر اُنکی طرف مختلف اوقات میں مختلف انبیاء کی وساطت سے 'الکتٰب' یعنی اُن کا واحد لائحہ عمل بھیجا جو اگرچہ مختلف زبانوں میں آتا رہا مگر اُسکا منشا و ماحصل ایک تھا (وَاَنۡزَلَ مَعَہُمُ الۡکِتٰبَ)۔ اس لائحہ عمل کا مقصود بالذات نسل انسانی کو اجتماعی بقا کی بشارت دینا، یا عدم تعمیل کی صورت میں اجتماعی ہلاکت سے ڈرانا ہی تھا (فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیۡنَ وَمُنۡذِرِیۡنَ)۔ انبیا کے پیغام کی نوعیت کے متعلق کافی بحث صفحہ ۱۸۱ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے۔ اور یہاں بھی علی ہذا القیاس اجتماعی بقا کی بشارت مقصود ہے جو قانون خدا کی تعمیل کا طبعی نتیجہ ہے۔ 'الکتٰب' کے صحیح مفہوم کے متعلق زیادہ توضیح کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔ آگے چلکر دوسری جلد میں ہم نے ایک مستقل عنوان اس موضوع کے لیئے باندھا ہے، مگر اَنۡزَلَ مَعَہُمُ الۡکِتٰبَ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ لائحہ عمل جو مختلف انبیا کی وساطت سے آیا فی الاصل سب اقوام عالم کیلئے ایک تھا۔ اور معقول بات بھی در اصل یہی ہے کہ ایک خدا کی طرف سے ایک بنی نوع انسان کی طرف ایک ہی پیغام ہو، خواہ اُسکے پیغامبر کئی مختلف اشخاص ہوں۔ اسی حقیقت کبریٰ کو مدنظر رکھکر قرآن حکیم نے بلا امتیاز سب الہامی

Marfat.com

اعمال کی رہنمائی کرے اور اگر کسی امر میں اُن میں اختلاف پیدا ہو تو اُسکا قطعی فیصلہ کر دیا کرے۔ لیکن جن لوگوں کو کتاب دیگئی تھی وہی لوگ اپنے پاس کھُلے کھُلے اور واضح احکام آئے پیچھے اُس کے مقاصد میں اُسکے معانی اور مطالب میں بیجا اختلاف محض آپسمیں ضد کے باعث کرنے لگے اور فرقے بن گئے۔ پھر آخر کار وہ راہ حق جسکے متعلق لوگوں میں اسقدر اختلاف پیدا ہو گیا تھا اللہ نے اپنے حکم سے ان ایمان والوں کو دکھادی اور اللہ تو اُسی کو راہ راست دکھاتا ہے جسکو مناسب سمجھتا ہے؛

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۸۹) کتابوں کو 'الکِتٰب' کے جامع اور مانع لفظ سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ آگے چلکر واضح ہوگا، اور یہی وجہ ہے کہ سب انبیائے جہان کو منجانب اللہ تسلیم کرنا، اور اُن میں کوئی مابہ الامتیاز قائم نہ کرنا عین اسلام ہے۔ آیت زیر بحث میں بتایا ہے کہ 'الکِتٰب' اِس لیئے بھیجی گئی تھی کہ انسان کی امّت واحدہ میں اگر کوئی جزوی یا فرعی اختلاف واقع ہو جائے، تو یہ کتاب جلیل اُسکے متعلق اپنا قطعی محاکمہ دیکر اُس اختلاف کو مٹاتی رہے، اور بنی نوع انسان بدستور امّت واحدہ بنے رہیں جیسے کہ وہ فطرتاً بنائے گئے تھے؛ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ، بعد ازاں انسانوں نے آپس میں ضد اور ہٹ دھرمی سے اِن روشن احکام (الْبَيِّنٰتُ) کو توڑ مروڑ کر نئے معانی پیدا کرلیئے اور الگ الگ فرقہ بندیاں کرلیں۔ کتاب خدا کے سب انسانی معاملات میں آخری اور قطعی حَکَم ہونیکے متعلق کئی آیتیں مقدمے کے اخیر (یعنی صفحہ ۹۶) میں پیش کردی تھیں، مگر آیت زیر بحث سے عیاں ہے کہ 'الکِتٰب' کے بھیجنے اور انبیاءؑ کی بعثت کا مقصود بالذات نوع انسانی کو متحد الغرض اور متفق العمل کرنا ہی تھا، متفرق اور فرقہ بند کرکے ایک فریق کو دوسرے کے برخلاف لڑوانا ہرگز نہ تھا۔ یہ اتحاد عالم کا برقرار رکھنا ہی اسلام کی تعلیم کا وہ درس اولین ہے جو اُسکے ہر صفحے سے عیاں ہے اور اسی کیلئے حتی الامکان سعی کرنا عین ایمان ہے؛ (فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا) یہی سچی ہدایت ہے اور قرآن حکیم کی حکیمانہ لغت میں یہی صراط مستقیم کے مفہوم کی اہم شق ہے؛ (وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ) صراط مستقیم کے مفہوم کی پہلی شق یعنی علم فطرت کا حاصل ہونا صفحہ ۴۷ کے تحت المتن (آیہ (۲: ۴۹)) میں، اور دوسری شق یعنی حفظ نفس صفحہ ۷۰ کے تحت المتن (آیہ (۵: ۱۶)) میں بیان ہو چکی ہے۔ دیباچہ کتاب میں جو دعوے میں نے انبیائے کرام علیہم السلام کے ایک پیغام لانے کی بابت کیئے تھے اُنکی تصدیق یہاں بالصراحت ہوئی ہے۔

اس آیہ شریفہ کے مطالب میں نسیان مقاصد کے باعث معنوی تحریف اِسقدر واقع ہو چکی ہے کہ مسلمانوں کے لیئے متذکرہ صدر مفہوم کا معترف بن جانا آج نہایت غیر مانوس معلوم ہوتا ہے۔ فرقہ بندی اور مذہبی تعصب انسان کے ہر رگ و پے میں اس شدت سے سرایت کر چکے ہیں کہ اسلام کو جامع ملل مذہب یقین کرلینا آج مسلمانیت کے منافی اکثر ہو چکا ہے۔ تاہم اگر غائر نظر سے حقیقت کی طرف دیکھا جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ رب العالمین اور رازق گبر و برہمن خدا جسکے نزدیک سب انسان یکساں ہیں، جو سب کو کمال محبت سے پال رہا ہے، جسکے خزانہ غیب سے سب یکساں انعام پا رہے ہیں، ایسا حکم دینا کیونکر گوارا ہو سکتا ہے جس سے انسان ایک دوسرے کو کاٹ کاٹ کر کھائیں، اُس روحانی باپ کی طرف سے اگر کوئی پیغام ہو سکتا ہے تو یہی کہ سب انسان مل جلکر رہیں، اتحاد اور اتفاق سے رہیں، ایک حاکم اعلےٰ کے حکموں پر چلیں، شیطان کی ملازمت کم کریں، آپسمیں بھائی بھائی بنیں، وغیرہ وغیرہ۔ یہی عین اسلام ہے، اور یہی اسلاف صالحین کے اِس قول کا صحیح مفہوم ہے کہ اسلام کے اندر کوئی فرقہ نہیں۔ قرآن حکیم کے بلیغ فی المطالب اور عمیق فی البیان ہونے کی یہ آیت ایک روشن شہادت ہے۔

قرآن کی عبارت کے متعلق ترتیل کے نشانات اور رموز اوقاف اہل عرب نے نزول وحی کے بہت دیر بعد غالباً حجاج بن یوسف والیٔ عراق کے ایما سے امیر عبدالملک (المتوفی ۸۶ھ) کے عہد خلافت میں لگائے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ قرآن کا صحیح علم سینوں کے اندر تازہ بتازہ تھا۔ اسیوجہ سے کوع کے نشان اور اوقاف کی علامتیں اکثر اوقات قرآن کے ربط کو معلوم کرنے اور صحیح مطالب کے حل کرنے میں بہت کچھ مدد دیتی ہیں۔ آیت زیر بحث میں كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً کے بعد علامت قف ہے جس سے مراد یہ ہے کہ مطالب کی تہ تک پہنچنے کیلئے کافی دیر تک ٹھیرنا ضروری ہے۔ اگرچہ پڑھنے والے کو یہاں پر مسلسل عبارت کا گمان ہوتا ہے۔ یہ دلیل بجائے خود اِس امر کی شہادت ہے کہ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً کے وہ معنی نہیں جو اخلاف شارحین کے کیئے ہیں۔ انبیائے کرام ہرگز اِس مطلب کیلئے نہیں آتے تھے کہ فرقہ بند بنکر لوگوں کو آپس میں لڑائیں۔

22

Marfat.com

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ (۱۰: ۱۹)

اور انسان تو فی الحقیقت ایک ہی اُمّت ہیں لیکن انہوں نے خدا اور کتاب خدا کے متعلق باہمی ضد اور ہٹ دھرمی سے اختلاف پیدا کر لیا۔ اور اے پیغمبر! اگر تیرے پروردگار نے انکو ایک معیّن مدت تک دنیا میں رکھنے کی پہلے سے ہی نہ ٹھان لی ہوتی تو جن باتوں میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اب تک کبھی کا انکو صفحۂ ہستی سے معدوم کر کے فیصلہ کر دیا ہوتا۔

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُل لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝ (۳: ۱۸-۱۹)

خدا کے نزدیک انسان کا سچا دستورِ عمل یہی اپنے آپ کو خدا کے ہمہ تن مطیع کر دینا ہے۔ اور اہلِ کتاب اگر اسلام کے اس جامع الناس مقصد کو غلط سمجھکر آپس میں ایک دوسرے سے مختلف ہو گئے تو اس

٭ یہاں بھی وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً سے مقصود ایک واقع الامر کو ظاہر کرنا ہے نہ کسی گذشتہ واقعے کو یاد دلانا۔ اس طرح کا وَمَا كَانَ کا استعمال قرآن میں بعض جگہ ہوا ہے مثلاً سورۂ شوریٰ کے اخیر میں: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا (۴۲: ۵۱)، "اور کسی بشر کی مجال نہیں کہ خدا اُس سے دوبدو ہو کر کلام کرے مگر وحی کے ذریعے سے"۔ علیٰ ہٰذا القیاس سورۂ نمل میں ہے: مَا كَانَ لَكُمْ أَن تُنبِتُوا شَجَرَهَا (۲۷: ۶۰)، یعنی "تمہاری طاقت نہیں کہ اُن کے درختوں کو اُگا سکو"۔ اور سورۂ قصص میں مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ ہے۔ یعنی "انکو کچھ اختیار نہیں ہے"۔

بہرنوع یہاں بھی صاف ظاہر ہے کہ منشائے خدا تمام عالم کو متحد کرنا ہے۔ اور یہ کہ انسان اپنی خود رائی کے باعث آپ متفرق ہو گیا ہے نیز یہ باہمی اختلاف اور ایک قوم کا دوسری قوم سے مجادلے اور محاربے کرنا ربِ زمین و آسمان کی نظروں میں وہ مکروہ اعمال ہیں جن کا فیصلہ وہ کسی نہ کسی دن کرے گا۔ اور زیادتی کرنے والوں کو کما حقہٗ سزا دیگا!

٭ ان آیاتِ جلیلہ میں اسلام کی حقیقت قطعاً عیاں ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام وہ صحیح طرزِ عمل (الدّین) وہ سچا انسانی دستور العمل (الدّین)، اور خدا کا وہ طبعی آئینِ کار (الدّین) (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۶۱) ہے جس کا دوسرا نام ایک حاکمِ اعلیٰ کی ماتحتی میں رہکر اتحاد اور اصلاح بین الناس ہے۔ جو اختلاف پہلے حاملینِ الکتٰب میں قائم ہو گیا تھا وہ لوگوں کا خود پیدا کردہ تھا اور اس کا اصلی باعث انسان کی آپس کی ضد (العلم) سے بغاوت تھی (بَغْيًا بَيْنَهُمْ)، ورنہ الْإِسْلَامُ اور أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ کی صورت میں افتراق قطعاً پیدا ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ ایک آقا کے کئی غلام یا ایک حاکم کے کئی ماتحت ملازم بشرطیکہ وہ اُسکے آقا اور حاکم ہونیکے دل سے مُقِر ہوں اور اسکی طاقت سزا و جزا سے خوفزدہ ہوں آپس میں پھوٹ پیدا نہیں کر سکتے۔ پس یہی اتحاد، یہی قانونِ خدا کے آگے سر جھکا دینا، یہی خدا کو خدا تسلیم کر لینا اِسلام ہے اور یہی سچی ہدایت ہے، (فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوا)۔ یہاں پھر اتحاد کو ہدایت کہا ہے۔ پہلے دو موقعے آیہ (۲: ۱۳۷) صفحہ ۱۸ و (۲: ۲۱۳) صفحہ ۱۸۸ میں گذر چکے ہیں۔ افتتاحیہ اور دیباچہ کتاب میں ہم نے بعینہٖ یہی اسلام پیش کیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۷ افتتاحیہ و ۶۲ الخ دیباچہ

Marfat.com

علم کے آنے پیچھے جو انکو نبیوں کی وساطت سے منشائے خدا کے متعلق ملا تھا۔ اور زیادہ تر اس اختلاف کی وجہ آپس میں ضد ہی تھی لیکن جو شخص خدا کے صریح احکام کو پس پشت ڈالتے ہیں اُن سے بہت جلد حساب لے لیتا ہے۔ پس اے پیغمبر! اگر مشیت خدا کی اس کامل تشریح کے بعد بھی یہ لوگ تم سے کٹ حجتی کریں (اور اپنی بزدلی، کم ہمتی، اور ہٹ کے باعث اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرنے سے گریز کریں) تو اُن سے کہدو کہ میں تو خدا کے آگے اپنا سر تسلیم خم کر چکا اور جو لوگ میرے پیرو ہیں وہ بھی اپنے آپ کو اللہ کے غلام بنا چکے۔ پھر ان اہل کتاب اور عرب جاہلوں کو کہو کہ کیا تم اس بات کے لیے تیار ہو پھر اگر ہاں کریں تو بیشک راہ راست پر آگئے اور اگر منہ موڑیں تو اے پیغمبر! تم پر حکم خدا کا پونہچا دینا فرض ہے اور بس۔ اور اللہ بندوں کے اعمال کو بغور تمام دیکھ رہا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝† (۱۶: ۹۳)

---

† اس آیہ شریفہ میں اُمت واحد بن کر نہ رہنے کو بصراحت تمام ضلال کہا گیا ہے (يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ)، اور متفق و متحد بننے کو بہر حقیقی ہدایت سے تعبیر کیا ہے (وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ)، اور غیر مشکوک الفاظ میں دھمکی دی ہے کہ تفریق و انتشار کی پرسش خدا کی جانب سے ضرور بالضرور ہوگی جیسا کہ آج مسلمانان عالم کو ہو رہی ہے، اگرچہ وہ نہیں سمجھتے۔ یہاں پھر اجتماعی رو عمل ہے اور تمام قوم کیلئے آیا ہے پہلی مثالیں صفحہ ۴۳، ۸۰ پر گذر چکی ہیں۔ اتحاد کو بالالتزام (۲: ۱۳۷)، (۲: ۲۱۳)، (۳: ۱۹)، اور (۱۶: ۹۳) میں ہدایت کے لفظ سے تعبیر کرنا قرآن حکیم کے حیرت انگیز استقلالِ مطالب اور بے مثال تطابق کا وہ بدیہی ثبوت ہے جو ہر صاحب نظر پر واضح ہے۔

شَآءَ کا استعمال اس آیت میں تین بار ہوا ہے اور اس قبیل المطلب اصطلاح کے متعارف مفہوم کو پیش نظر رکھکر بادی النظر میں اعتراض ہو سکتا ہے کہ جب خدائے عزوجل نے انسان کو ایک اُمت بنانا نہیں چاہا، تو اس بیچارے کا اسمیں کیا قصور ہے، اور جب خدا اپنے حسب مرضی لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور علی الحساب ہدایت دیتا ہے تو پھر ہم سے پرسش کیوں کرے گا اور اس فعل کو كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ سے تعبیر کرنا روا ہے، یہ اعتراض بجائے خود اس امر کی روشن دلیل ہے کہ شَآءَ کے وہ معنی قطعاً نہیں ہیں جو عوام نے لے لیئے ہیں۔ مشیت خدا کے متعلق مکمل بحث فلسفۂ عمل کے عنوان (غالباً تیسری مجلد) میں آئے گی۔ اگر متذکرہ صدر آیات کو پیش نظر رکھکر جو اختلاف پسندیٔ انسان کے متعلق پیش ہوئی ہیں ظاہر ہے کہ انسان کے اعمال ہی اختلاف کا باعث ہوتے رہے ہیں، خدا کا منشا ہرگز نہ تھا کہ انسان مختلف الغرض اور منتشر العمل ہو کر رہے لیکن خدائے عزوجل چونکہ قَادِرٌ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ ہے، اور اسکے بالمقابل انسان کا جزوی اختیار محض ہیچ ہے، اسلیئے بلند مقام نظر سے یہ باہمی اختلاف بھی جو انسان نے اپنے اعمال سے باعث پیدا کیا ہے لامحالہ اسکی مشیت کے مطابق ہو رہا ہے۔ اسکے دائرہ قانون و اقتدار سے باہر ہرگز نہیں ہوتا۔ منشائے الٰہی اور مشیت ایزدی کے درمیان یہ باریک فرق بعد میں اور بھی عیاں کر دیا جائے گا لیکن قرآن حکیم میں خدائے عزوجل کے متعلق شَآءَ کا استعمال جہاں کہیں ہوا ہے اسی اصول کو پیش نظر بیشتر ہوا ہے اور اس آیہ کریمہ میں تو عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ کہہ کر انسانی ذمہ داری کو قطعاً صاف کر دیا ہے۔ پس جب انسان ہی تمام اختلاف کا بانی ہے تو زیر بحث آیت کا ایک ہی مفہوم ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر خدا اپنا منشا کرتا (وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ) یعنی وہ اپنی مرضی کے مطابق کرتا اور تمہاری مرضی کو اپنے منشا میں دخل نہ ہونے دیتا (وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ) تو تم کو اُمت واحدہ بناتا اور قیامت تک یوں ہی بنائے رکھتا (لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً)، کیونکہ تم سب ایک ہی نوع کی مخلوق ہو

اگر اللہ اپنی مرضی کے مطابق کرتا تو تم کو ایک اُمت بنا کر رکھتا اور تم میں کبھی کسی اہم امر کے متعلق اختلاف نہ پیدا ہوتا۔ لیکن جسکو گمراہی کا اہل سمجھتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسکو در خورِ ہدایت دیکھتا ہے ہدایت دیدیتا ہے لیکن لوگو! یاد رکھو کہ یہ سب تفرقہ جو تم بذاتِ خود آپس میں پیدا کر رہے ہو اسکی باز پرس تم سے ضرور ہونی ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○ (۵: ۴۸)

اور اے ساکنانِ زمین! اگر خدا اپنی مرضی کرتا (لَوْ شَآءَ اللّٰهُ)، اگر وہ اپنے حسب پسند کام کرتا (لَوْ شَآءَ اللّٰهُ) تو ضرور تم انسانوں کو ایک ہی اُمت بنا دیتا (تم سب کے سب متحد الخیال اور متفق الاعمال ہو جاتے اور

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹۲) اور واحد الاصل ہو (یہاں اللہ کے لفظ پر زور ہے) لیکن چونکہ اسنے تم اشرف الخلق اور ذی شعور انسانوں کو اپنے اعمال پر ایک بہت بڑی حد تک قدرت دے رکھی ہے اسلیئے یہ اختلاف جو پیدا ہو رہا ہے تمہارے اپنے کرتوت سے ہے۔ اس صورت حال میں وہ خدائے عظیم بھی تمہارے اعمال کو دیکھکر جس قوم کو نااہل قرار دیتا ہے اپنی مشیت[۱] (یعنی قانون اور سنت اللہ) کے رو سے تفریق و شکست کی راہ ضلال دکھاتا ہے، (وَلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ)، اور جسکو بہرہ جوہ اہل سمجھتا ہے اپنی مشیت کے اٹل زور سے اتحاد عمل کا راہ راست دکھاتا ہے، (وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ)، لیکن لوگو! یاد رکھو کہ جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اسکی پرسش ضرور ہوگی: (وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ)۔"

آگے چلکر ہم دوسری مجلد میں عیاں کر دینگے کہ خدائے خیر آفریں نے اپنی سب ادنیٰ حیوانی مخلوق کی ہر نوع کو جو انسان کی غیر مانند اپنے میں کچھ اختیار و ارادہ نہیں رکھتی، اور جسکا ذاتی اقتدار منشائے خدا میں کچھ دخیل نہیں ہوتا، امت واحدہ ہی بنایا ہے اُن کے افراد کے مابین حتی الوسع کوئی اختلاف رونما نہیں ہوتا۔ وہ سب کے سب مختلف جماعتوں میں منقسم ہیں۔ لیکن آپس میں متحد و متفق ہیں لیکن یہ انسان کا اپنی نوع کے ساتھ تخالف و تباین فی الحقیقت اسکی خود رائی اور صاحب اختیار و ارادہ ہونیکے باعث ہے ورنہ فطرت کا منشائے وحیکم از کم ایک نوع کے افراد میں اتحاد و اتفاق ہے۔

• اس آیہ کریمہ سے اور بھی واضح طور پر عیاں ہو جاتا ہے کہ اختلاف کا اصلی باعث خود انسان ہی ہے: (بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ) اور خدا کی عین مرضی یہ ہے کہ بنی نوع انسان متحد ہو کر رہے۔ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ کے صحیح مفہوم کی تشریح صفحہ ۱۳ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خدا کا کسی اُمت کو اجتماعی انعاموں سے مشرف کرنا، اس بات کی علامت ہے کہ وہ اُمت مشیت ایزدی کے مطابق چل رہی ہے۔ (مثال کے طور پر گروہ اُمت اُمَّةً وَّاحِدَةً بنکر رہتی ہے اور فرقہ بند نہیں بنتی تو لامحالہ خزانہ خدا سے بادشاہت یا آزادی وغیرہ کا انعام پاتی ہے) ابتلائے اقوام کے بارے میں ایک آیت مسئلہ ارتقا کے تحت المتن صفحہ ۱۳ میں آ چکی ہے۔ اور یہاں بھی ظاہر ہے کہ اقوام عالم کے متعلق منشائے ایزدی انکا سعی عمل اور ایک دوسرے پر مسابقت ہی ہے۔ مسئلہ ارتقا کو پیش نظر رکھکر اس آیت کا مفہوم اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔

[۱] آگے چلکر فلسفۂ عمل میں ہم ثابت کر دینگے کہ مشیت خدائی الحقیقت اس کا قانون ہی ہے۔ جو قانون خدائے عزوجل نے روز اول سے بنا دیا ہے، اُسی کے مطابق عمل درآمد ہوتا ہے، اُسیکے رو سے جزا و سزا مل رہی ہے اور یہی اُسکی مشیت ہے۔ ہر معقول حاکم کے شایانِ شان یہی ہے کہ ایک دفعہ سوچ سمجھکر قانون نافذ کر دے اور پھر اُسکے مطابق عمل کرنا اپنا فرض گردانے، حتی الامکان اُسپر قائم رہے، بلکہ اُسکو ہر خارجی آسیب سے بچاتے رکھے۔ خدا کی مشیت العیاذ باللہ کوئی استبدادی مشیت نہیں کہ گھڑی میں ماشہ اور گھڑی میں تولہ بن دکھاوے بلکہ وہ روز آفرینش سے اٹل ہے، ناقابل رد و بدل اور ناлائق ترمیم ہے، فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ○ (۳۵: ۴۳)، یعنی اُسے مخاطب تو قانون خدا میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائے گا اور ہرگز کوئی تحول نہیں دیکھیگا۔"

تم میں کسی امر کے متعلق کوئی کشمکش پیدا ہی نہ ہوتی) لیکن یہ صورت اختلاف جواب تمہاری
اپنی خود رائی، خدا سے برگشتگی، اور ضلال کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اسلئے ہر گروہ خدائے عالمیان تم
سب مختلف شدہ اُمتوں کا امتحان اُن الہیتوں کے بارے میں لے جو اُسنے تم کو دی ہیں (لِّيَبْلُوَكُمْ
فِي مَا آتَاكُمْ)، تو اے انسانی اُمتو! تم بھی اِس آزمائش میں پورے اُترنے، اور اِس کشاکش عظیم
میں فتح پانے کیلئے خداوند عالم کے بہترین اجتماعی انعاموں کی طرف مسابقت کرو (فَاسْتَبِقُوا
الْخَيْرَاتِ)، جانے رہو کہ تم سب نے خدا کی طرف لوٹنا، اور اُسکے حضور میں اپنے سعی و عمل کی جوابدہی
کرنی ہے، پھر اُسدن وہ انسانوں کا خالق خدا تم کو اُس حقیقت حال سے آگاہ کر دیگا جسکے بارے میں
تم آپس میں اختلاف پیدا کرتے تھے۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ۝ إِلَّا مَنْ
رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۗ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ
وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝† (۱۱: ۱۱۸-۱۱۹)

اور اے پیغمبر! اگر تیرا پروردگار اپنے منشا کے مطابق کرتا تو تمام لوگوں کو ایک امت بنا دیتا۔ لیکن یہ
لوگوں کی شقاوت ہے کہ وہ ہمیشہ آپس میں اختلاف قائم کرتے رہتے ہیں۔ اور متحد اور متفق العمل ہو کر

---

† جو حیرت انگیز اور موت افزا معنوی تحریف کچھ مدت سے اِن دو آیاتِ جلیلہ کے مطالب میں بعض نا عاقبت اندیش مسلمانوں نے عمداً اور شرارتاً پیدا کر لی ہے، جس دیدہ دلیری اور ابلیسی مکر و ریا سے وہ اِن آیات الٰہی کو "سند گردانکر" اپنی موجودہ فرقہ بندی اور شکست انگیز حالت کو "جبلت انسانی" بلکہ "مشیت ایزدی" پر محمول کر کے موت کی نیندیں لے رہے ہیں اور چار دانگ عالم سے ایک آواز اِس تشریح کے برخلاف اُٹھتی دکھائی نہیں دیتی، اِس سے آج عالم اسلام کے فقدان فہم و فکر کا خوب پتہ چلتا ہے اور یہ امر محقق ہو جاتا ہے کہ جب کسی اُمت کی اجتماعی موت قریب ہوتی ہے تو سمع و بصر اور قلب سلیم اُسکے افراد سے خود بخود رخصت ہو جاتے ہیں، اور اِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَمْ يَبْقَ أُذُنٌ وَلَا عَيْنٌ کا سماں ہر طرف عملاً بندھ جاتا ہے۔ آج مسلمانوں نے "وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ" کا یہ مطلب سمجھ لیا ہے کہ انسان فطرتاً اور خلقاً اختلاف پیدا کرنے پر مجبول و مجبور ہے، اور "وَلَوْ شَاءَ" کا محاکمہ اسکی تائید میں ہے! اور اسی لیئے مسلمانوں کی موجودہ حالت طبعاً اور حکماً لا علاج ہے، بلکہ اختلاف پیدا کرنا اور اُمت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے شکست و ریخت کے جہنم کی طرف گھسیٹنا ہی "رحمت الٰہی" کی علامت اور مشیت خدا کی تکمیل ہے! اس شرارت انگیز تعلیم کی تلقین آج ہر وظیفہ خور مُلا اپنے ماتم افزا حجرے میں بیٹھکر کبر و نخوت سے کر رہا ہے اور اپنے زعم میں رب زمین و آسمان کی ایک اہم ہدایت کی تبلیغ کر رہا ہے۔ اور یہ سب نشر و تبلیغ صرف و نحو کے اُن خدا فرستادہ قاعدوں کے تتبع میں ہو رہی ہے جن کے پیغمبر قطرب اور کسائی وغیرہم تھے، اور جنہوں نے اپنی متنبیت کے زعم میں کبھی کہہ دیا ہوگا کہ ذٰلِكَ کا مشار الیہ قریب کیلیئے آتا ہے، اور اشارہ بعید کے لیئے ذٰلِكَ کا لفظ وقف ہے۔ اس فرمان واجب الاذعان کے رُو سے ذٰلِكَ کا مشار الیہ "مُخْتَلِفِينَ" ہی ہو سکتا ہے، "أُمَّةً وَاحِدَةً" نہیں ہو سکتا۔ اور اسی لیئے رب زمین و آسمان اُن کے زعم میں اختلاف کا یکسر حامی ہے! یہ سب طرز استدلال ظاہر ہے کہ نہایت لغو اور شرمناک ہے۔ اور کسی ذہن سلیم کیلیئے قابل التفات نہیں۔ یہاں پر "إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ" کے الفاظ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ اختلاف پیدا نہ کرنا اور امت واحدہ بنے رہنا رحمت خدا کی نشانی ہے، اور "لِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ" کا اشارہ قریبہ اسی رحمت مستمرہ کی طرف ہے، "وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ" کے الفاظ کی طرف نہیں ہو سکتا

Marfat.com

تو وہی رہتے ہیں جن پر تمہارا پروردگار رحم کرے۔ فی الحقیقت خدا نے انسانوں کو پیدا ہی ایسا کیا تھا کہ ایک اُمت بن کر رہیں، لیکن اگر یہ اختلاف نہ مٹا تو فرمودۂ خدا پورا ہو کر رہیگا کہ ہم کیا جن اور کیا انسان سب سے دوزخ کو ضرور بھر دینگے، اور نافرمانیٔ احکام کا انتقام لیکر رہیں گے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹۴) دور جا پڑے ہیں۔ لیکن اتحاد کا اسلامی تعلیم کا جزوِ اعظم ہونا چونکہ مسلمانوں کی موجودہ فرقہ بندیوں کا شدت سے مانع ہے اور آگے چلکر ایسی اُمت کے کل جن و انس کو جہنم میں بھر دینے کی دھمکی بھی دی گئی ہے اس لیے امت حاضرہ پر جسکے لیے آیت کے ناخداؤں کے زعم میں جہنم کی آگ مدت سے حرام ہو چکی ہے) اسکا اطلاق حتماً نہیں ہو سکتا! اس خوش اعتقادی کا نتیجہ بعض اوقات یہاں تک ظاہر ہوا ہے کہ لوگوں نے وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ تک ایک مضمون سمجھا ہے اور لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ کو نیا مضمون فرض کر کے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر گئے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض حلقوں میں جہنم والے آخری جملے کو پہلے مضمون کے ساتھ ملا کر پڑھنا ناروا سمجھا گیا ہے۔ اور دلیل یہ دی گئی ہے کہ جب اختلاف پیدا کرنے سے مشیت ایزدی کی تکمیل ہو رہی ہے اور یہی انسانی فطرت بھی ہے تو پھر اس میں انسان کا کوئی قصور نہیں، اور جہنم کی سزا بھی اس قصور کے متعلق نہیں۔

اصل کتاب میں ان آیات کے صحیح مطالب واضح کر دیے گئے ہیں اور ہر صاحب نظر بطور خود سمجھ سکتا ہے کہ قرآن حکیم کس استقلال اور التزام سے جا بجا اتحاد بنی نوع انسان کا حامی اور وحدت امت کا مؤید ہے اور تناقض اور اختلاف کے انسانی عیب سے کسقدر متبرا ہے۔ لیکن آیہ (۱۱: ۱۱۹) کے آخری جملے کے متعلق تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ کے معانی کی ضروری توضیح باقی ہے جو یہاں پر لکھدی جاتی ہے۔

سورۂ اعراف میں شیطان کے انسانی اغوا کے متعلق پُر معنی خیز مکالمہ درج ہے۔ جس پر آج ہر جگہ حرف بحرف عمل ہوتا ہوا ہر صاحب نظر کو نظر آرہا ہے:۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (۷: ۱۶-۱۸)

پھر شیطان ربّ زمین و آسمان کی جناب میں یوں گستاخی سے بولا کہ اے مالکِ کون و مکاں! جس طرح تو نے مجھے ناحق ناروا انسان کے مطیع ہو کر نہ رہنے اور اُسکے آگے سجدہ نہ کرنیکے جرم میں جنت کے آرام دہ سبزہ زاروں سے نکالا ہے تو میں بھی بنی نوع انسان کی تاک میں تیرے بتائے ہوئے صراط مستقیم پر بیٹھ رہونگا، پھر انکو اس صراط مستقیم سے بھٹکانے کی غرض سے طرح طرح کے لباس پہنکر اور قسما قسم کے مکر و فریب بُنتے اوڑھ کر کبھی آگے سے آؤنگا اور پیچھے سے جا ملونگا کبھی داہنی طرف سے آملونگا کبھی بائیں طرف سے آسلام کرونگا، اور جس طرح بن پڑے گا سادہ لوح انسان کو بہکا کر رہونگا، اور اگر میرا تیر نشانے پر بیٹھ گیا تو انسانوں میں اکثر کو تُو اپنا قدردان اور مطیع نہ پائیگا۔ شیطان کی اس انتہائی گستاخی پر خدائے عزوجل تمتما اٹھا اور فرمایا کہ باغِ بہشت سے یکدم نکل باہر ہو، اور ہمیشہ کیلئے ملعون اور مردود بنا رہو۔ لیکن بنی نوع انسان میں سے جس جس نے تیری پیروی کی ہوگی تو یہ میرا حتمی وعدہ ہے کہ میں بھی تم سے اور اُن سب سے جہنم کو بالب بھر دوں گا۔

شیطان کی ماہیت سے یہاں پر بحث نہیں، اور نہ اسپر کہ یہ مکالمہ کیونکر ہوا اور کہاں پر ہوا لیکن ان آیات کے آخری جملے سے ظاہر ہے کہ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ والی آیت یعنی (۱۱: ۱۱۹) میں اسی قول کی طرف اشارہ ہے۔ صفحہ ۱۸۸ کے تحت المتن میں آیت (۲: ۲۱۳) کی تشریح کے ضمن میں ہم ابھی ابھی بتا آئے ہیں کہ اتحادِ امت ہی صراط مستقیم کی ایک اہم شق ہے۔ پس شیطان کا صراط مستقیم سے ورغلانا انسانوں کے درمیان نفاق پیدا کرنا ہی ہے۔ اور اسی اختلاف کی سزا میں شیطان اور انسان دونوں کو جہنم میں بھر دینے کی دھمکی دی گئی ہے اور صاف فرمایا ہے کہ جو قوم اِس طرح پر شیطان کی متابعت کرے گی اُسپر یہ قول پورا ہو کر رہے گا۔ بعینہٖ اسی طرح کا مکالمہ سورۂ صٓ میں ہے:۔

(باقی)

تمکّن اسلام و نقشِ توحید

کُونُوْا قَوّٰامِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ (۴:۱۳۵)

(خدا کے وجود کی گواہی دیتے ہوئے اعتدال پر قائم رہو)

آہ! یہ وہ ماحیٔ اختلاف، متحد الاعمال، اور جامع الناس اسلام تھا جس کا آماجگاہ سعی روئے زمین پر ایک اُمت کا قیام تھا۔ فطرت کی اساسی وحدت اور اتحاد، اور اولادِ آدم کے طبعی اور نوعی

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۹۵) قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ۝ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَ مِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (۳۸: ۸۲-۸۵)

اس پر شیطان لعین نے کہا کہ مجھے تیری عزت کی قسم کہ میں بھی ماسوا اُن چند بندوں کے جو خالصۃً تیرے ہی غلام ہیں اور جو میرے بس کے نہیں باقی سب کو گمراہ کر کے رہونگا۔ رب لم یزل نے فرمایا کہ بہت خوب تو نے اپنا عندیہ سچ سچ کہدیا اور اب میں بھی سچ ہی کہتا ہوں کہ اگر یہ ہوا تو ہم بھی تم کو مع تمہارے چیلے چانٹوں کے جہنم میں لبالب بھر دینگے۔

یہاں مِنْكَ کی تخصیص سے ظاہر ہے کہ انسانوں کے سوا خود ابلیس بھی جہنم میں بھر دیا جائیگا۔ گویا آیت زیر بحث یعنی (۱۱: ۱۱۹) میں مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ کے الْجِنَّةِ سے مراد شیطان یا وہ شیاطین کا گروہ ہے جو انسان کو صراط مستقیم سے ورغلاتا رہتا ہے۔ میں اس موقع پر حقیقت شیطان یا ماہیت جن کی بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ صرف اپنے قول کی تائید مزید میں سورہ کہف کی آیت كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ (۱۸: ۵) کو پیش کرتا ہوں جہاں بصراحت تمام ابلیس کو از قسم جن کہا گیا ہے جس نے حکم خدا سے سرتابی کی تھی۔ جہنم کو بھر دینے کا ایک اور اشارہ سورہ سجدہ میں ہے:

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ (۳۲: ۱۳)

اور اگر ہم اپنی مرضی کے مطابق عمل کرتے (وَلَوْ شِئْنَا) (یہاں بھی آیہ (۱۱: ۱۱۸) صفحہ ۱۹۴ کی طرح شِئْنَا کے نَا پر زور ہے) اور انسانی اختیار و ارادے کو اپنے منشا میں دخیل نہ ہونے دیتے تو ہم ضرور بالضرور ہر فرد متنفس کو اُسکے صراط مستقیم اور صحیح راہ عمل (هُدٰىهَا) پر چلا دیتے (اور وہ ہدایت لامحالہ یہی امت واحدہ بننے کی ہدایت ہوتی)، لیکن چونکہ انسان اصلاً خود رائے ہے اور ہدایت کو من و عن مان لینا کسر شان سمجھتا ہے اس لیئے لامحالہ میرا وہ قول پورا ہو کر رہے گا جو میں نے شیطان سے کیا تھا کہ میں ضرور بالضرور جہنم کو جن و انس سب سے لبالب بھر کر رہوں گا۔

یہاں وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا اور وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً میں معنوی ترادف عیاں ہے کیونکہ ہدایت کے قرآنی معانی کی ایک اہم شق ہم اتحادِ امت ثابت کر چکے ہیں (دیکھو صفحہ ۱۹۲) اور یہاں پر اس مفہوم کی تائید مزید ہوتی ہے۔

بہر نوع اس تمام استدلال کو پیش نظر رکھکر یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اُمتِ واحدہ بنے رہنا فطرت انسانی ہے اور منشائے الٰہی کے عین مطابق ہے، اختلاف کی سزا شکست ریخت کا جہنم اس دنیا میں، اور آخرت میں اس سے بدترین حالت ہے۔ اسلام تمام عالم کو توحید کے نصب العین پر متفق العمل کر کے امت واحدہ بنانے آیا تھا، فرقہ بندیاں پیدا کرنا اسکا آل کار ہرگز نہ تھا۔ سب انبیاء کو منجانب اللہ تسلیم کر لینا، سب الہامی کتابوں کا نفس موضوع ایک سمجھنا، ایک خدا کی ملازمت پر متفق العمل ہو جانا، ایک حاکم اعلیٰ کو ماننا، اور اسکے سوا کسی دوسرے رب کے پیچھے لگ کر فرقہ بند نہ بننا، اسلام کی اصلی تعلیم تھی۔ اُمت واحدہ بنے رہنا اسکا بتایا ہوا صراط مستقیم تھا، متحد الغرض اور متفق العمل رہنا اسکی ہدایت تھی۔ یہی الْهُدٰى اور دِيْنُ الْحَقِّ کا صحیح مفہوم تھا (دیکھو آیہ (۶۱: ۹) صفحہ ۱۸۲)، اسی فطرت کے عظیم الشان جبلی اصول کو لیکر رسولؐ آیا تھا اور اسکا نتیجہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ تھا۔ اسی پر عمل کر کے قرون تک مسلمان عالم غالب رہے، اسی پر آج سب مغرب چلکر غالب آ رہا ہے، یہی وہ دین فطرت کی ایک اہم شق ہے جس پر تمام عالم مجبول ہے (فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا) (۳۰: ۳۰) اور اگر آج مسلمان اس سبق کو بھولکر شکست پر شکست کھا رہے ہیں تو اسکی وجہ یہی اسی دین فطرت سے انحراف کے سوا کچھ نہیں۔

ائتلاف کی طرف وہ آخری بازگشت تھی جسکا اولین پیش نہاد ساکنانِ عالم کو پابندِ خدا، اور بریدہ ماسوا کرکے ایک کر دینا تھا! دین اسلام کی صلائے عام (۳: ۹۳)، (۳: ۸۴)، (۲: ۱۳۶)[عـ۵۹] انسان کی اعتقادی اور نسلی، ملکی اور تمدنی تفریق و تخریب کے برخلاف وہ عربدہ جُو صدا، اور آمادۂ پیکار آواز تھی جس سے عہدہ برآ ہونے کی شرط وحید **توحید** کا عملی اقرار، اور بندگی خدا کا عملی اعتراف تھا، وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ[†] (۳: ۸۴)؛ فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ[عـ۵۲] (۴۰: ۱۴)؛ بین الملی مصالحت اور جنسی اتحادِ عمل کی یہی وہ طبعی اور قابلِ تسلیم بنا، اور یہی وہ مشترک اساس تھی جس پر خلقِ خدا کے اجماع و ائتلاف کا امکان ہو سکتا تھا؛ اِس **اللہ اَحَد** کی عملی اور نتیجہ خیز للکار میں ہی وہ آسمانی شرف

عـ۵۱ اور جو شخص اس عملی اسلام کے سوا کسی اور مذہب عمل کی تلاش میں ہوگا، اُسکا وہ مسلک ہرگز قابل قبول نہیں ہوگا، اور بالآخر وہ زیاں کاروں میں سے ہوگا۔

عـ۵۲ تو اے ایمان والو! اپنی تمام ارادتمندی اور عقیدت کو اُسی خدا کے لیئے مخصوص کرکے اُس کو پکارا کرو، اگرچہ منکرین خدا کو بُرا ہی کیوں نہ لگے۔

---

† یہ آیۂ شہیرہ قرآن حکیم میں صفحہ ۱۲۵ کے متن کی آیہ قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ (۳: ۸۳) کے عین بعد واقع ہوئی کہ دونوں آیتوں کو ملا کر پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ الاسلام، درحقیقت انبیائے جہان کو صرف ایک پیغام (الکتب) کا حامل سمجھنے، اُن میں سے کسی ایک کو دوسرے سے الگ مذہب کا موجد نہ یقین کرنے، بنی نوع انسان کو مشترک اساس عمل پر لانے اور خدا کو قول و عمل میں حاکم اعلیٰ تسلیم کرکے اسکے قانون پر عمل کرنے کا نام ہے۔ یہی وہ راہ عمل (دین) تھی جسکے سوا کوئی اور طرز عمل اختیار کرنا خدا کی نظروں میں پسندیدہ نہ تھا: (فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ) گویا تفرقہ ایجاد بننا، عمل میں اتحاد انسانی کو پیش نظر نہ رکھنا، اور اپنے سعی و عمل کا مطمح نظر اصلاح بین الناس نہ سمجھنا وہ شیوہ کار ہے جسکا نتیجہ بہت بُرا ہے، جس کا انجام شکست و ریخت ہے: (وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ) جس میں بالآخر نامرادی ہی نامرادی ہے یہ دونوں آیتیں اسلام کو مجسمۂ اتحاد ثابت کرنے میں بے مثل ہیں مگر آج لوگوں نے آیۂ وَمَنْ يَبْتَغِ الخ کا مطلب یہ سمجھ لیا ہے کہ جب تک کوئی قشقہ نما برہمن اپنی چوٹیا کاٹ کر اور زنار توڑ کر کسی امام مسجد کے ہاتھ پر اُس کے کہنے کے مطابق کلمۂ شہادت نہ پڑھ لیگا، اور بعد ازاں ٹخنوں تک کے پائینچے والے پاجامے اور شرعی جبہ و دستار کو تا دمِ موت اپنا اسلامی شعار نہ بنا لے گا تب تک اِس بے چارے کو قیامت کے دن گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔ گویا آخرت کو سُدھارنے کے لیئے اس ہیئت کذائی میں ہونا لازمی ہے۔ اور ربّ زمین و آسمان اسی طرح کی قطع کی ہوئی قمیص وازار کو پسند فرماتا ہے۔ کسی دوسرے خیاط کے ہاں کا بنا ہوا کپڑا اُسکو پسند نہیں۔ آہ! قرآن حکیم کے الفاظ اُسی طرح باقی ہیں صرف روح نکل چکی ہے۔ اندیشہ کہ کسی حقیقت شناس اور دقیقہ رس قوم کے جسم کی کمیں بن رہی ہے! مگر جس قوم میں حلول کر گئی ہے۔ اُس کی رگ رگ میں زندگی کی نبض حیات کا عالم انگیز خون دوڑا رہی ہے۔ مسلمان لاکھ بار اپنے اس شرعی اور صوت انگیز اسلام کو اسلام سمجھتے رہیں لیکن اسلام وہیں ہے جہاں اُس خدائے بے نیاز اور عالم عامل کیطرف سے قبولیت کی سند مل رہی ہے، جہاں طاقت اور حکومت، عزو شرف کا دریا اُمڈ رہا ہے، جہاں سلطنتیں لونڈیاں بنی ہوئی ہیں، جہاں بادشاہت زمین کی عروس جلوہ گر ہے۔ جہاں دولت، وقار، رعب اور حکم کی دیویاں ہاتھ باندھے کھڑی ہیں نہ کہ جہاں سب طرف عجز و مسکنت ہی خوف و بیچارگی ہے، مانگے ہوئے ٹکڑوں پر گذارہ، اور جوتیں جزو بدن ہو رہی ہیں!

عـ۵۹ تکملہ صفحہ ۱۸۰ و ۱۸۸۔

Marfat.com

طاقت، اور وہ انجذابی اثر پنہاں تھا جو ہر مقامی نصب العین، اور ہر نسلی مطمح نظر کو نالائق التفات کر دیتا تھا؛ اِسی حقیقت کی عالم آرا عظمت، اور مستم بالشان نافعیت‡ کے باعث مومن کا ایمان ایثار کا لازوال مصدر، اضطراری عمل کا عظیم الشان پیکر، اور ہجوم قوت کا بے خوف و خطر مسکن بن گیا تھا۔ لیکن یہ توحید ہی وہ مُسکن قلب اور مزکّی نفس دوا تھی جو غلبے کے مُسکر اثر کے باوجود قدم قدم پر بہیمی جذبات کو مشتعل ہونے سے روکتی تھی، جو بڑے سے بڑے دشمن کے بالمقابل رِفق و مسامحت، حُسن معاملت اور اخلاق کے ملکوتی صفات کو ہر مومن کے قلب میں موجزن کیئے رکھتی تھی، جو احتساب نفس کی پیہم قطع و برید کے باعث اُسکے ادنٰی سے ادنٰی عمل کو بھی حدِ اعتدال سے گذرنے نہ دیتی تھی، جو حق خدا کی ہر دم محافظ، اور حقوق عباد کی ہر آن نگراں تھی، جسنے حُسن اخلاق کی ربانی فضیلتیں، اور خوفِ خدا کی قدوسی بزرگیاں ہر متنفس کے اعمال میں جاری و ساری کر دی تھیں، جسکے صحیح نقش نے مومنوں کے زندہ قلوب میں باہمی محبت کا حس، اور یک رنگی کی لہر دوڑا دی تھی، جسکے مصلح اعمال اثر نے مسلمان کی زندگی کو ہر انسان کے لیئے قابلِ تقلید نمونہ بنا دیا تھا۔ اسی توحید کے نفع مند اور نتیجہ خیز یقین نے، مُسلمانوں کے روزانہ معاملات میں بلا تفریق قوم، اور بلا امتیاز مذہب راستی اور صلاحیت پیدا کر دی تھی: بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ٥ (۳: ۷۵)[۵۱]‡۔ میدانوں میں لڑنے والے یہ شیر ببر، اور پہاڑوں سے ہاتھا پائی کرنے والے یہ

---

[۵۱] سچ تو یہ ہے کہ جو شخص بھی اپنے عہد پر قائم رہا، اور خوفِ خدا کے باعث بدمعاملگی سے بچا تو اللہ تقوٰی کرنے والوں کو بیشک دوست رکھتا ہے۔

‡ توحید کے متعلق میں نے قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ اس کا اٹل نتیجہ اتحادِ قلوب ہے۔ علی ہذا القیاس جو قوم متحد ہے اُسکے افراد کے دلوں میں توحید بس رہی ہے! چونکہ سب ایک کام کر رہے ہیں اسلیئے اُنکا آقا بھی ایک ہی ہے جو قوم منتفرق ہو اُسکے خدا بھی الگ الگ ہیں بلکہ اُسکا خدا درحقیقت شیطان ہو جاتا ہے جس میں عداوتیں والتہاب ہیں، ہر شخص اپنے اپنی خدا میں منہمک ہے۔ اسی لیئے اتحادِ عمل کی کوئی صورت پیدا ہو نہیں سکتی۔ یہی راز اللّٰهُ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ (۸: ۶۳) صفحہ ۱۶ کے الفاظ میں مضمر تھا۔ اسی نقطۂ نظر سے توحید کی نافعیت ظاہر ہے۔

‡ یہاں ایفائے عہد کو اتقائے الٰہی پر محمول کیا گیا ہے گویا جو شخص اپنے قول کا پکا اور معاملے کا راستباز ہے وہ خدا سے صحیح معنوں میں ڈر رہا ہے، اُسکو اللہ کے ہر دم حاضر و ناظر ہونے کا یقین ہے، وہ فی الحقیقت اُس پاک ذات کو اپنے اور فریق ثانی کے درمیان گواہ (یعنی شاہد) اور ضامن ٹھیرا کر عہد کرتا ہے، اور پھر ایسی جلیل القدر ذات کی ضمانت میں اُس عہد کو نباہنے کے لیئے اپنی جان تک کی پروا نہیں کرتا۔ ایسا کھرا شخص اور ایسی خوش معاملہ قوم بلا شبہ خدا کی دوستی کے قابل ہے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ٥ سورۂ نحل میں ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ٥ (۱۶: ۹۱)

(باقی)

Marfat.com

جانباز بطل، اسلام کی تنبیہی صدا اور اللہ کے امر و نہی کے آگے یوں جُھک گئے تھے کہ اُنکے اعمال کو دیکھ کر بعض اوقات ان کی بشریت پر گمان گذرتا تھا! وہ سلاطین عالم پر تحکّم کی نظر رکھتے تھے، مگر استکبار و تعلّی کا

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹۸) اور لوگو! جب جب کسی شئے کے کرنے کا اپنے دل میں عزم مصمم کرلو تو اس خدا سے باندھے ہوئے عہد کو پورا کرکے رہو اور یہی نہیں بلکہ اُن معاہدوں کو جنکو تم اپنے داہنے ہاتھوں (الایمان) کو ایک دوسرے سے ملا کر کرتے ہو، پکا کئے پیچھے نہ توڑو کیونکہ اگرچہ معاہدہ دو شخصوں ہی کے درمیان ہوا ہے مگر تم فی الحقیقت خدا کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو۔ اور اسمیں شک نہیں کہ جو کچھ تم کرتے ہو خدا اُس سے بخوبی واقف ہے

اسلام نے ایفائے عہد کو ہر حالت میں سختی سے برقرار رکھنا اپنے پر اسقدر لازم کرلیا تھا کہ عین اُسوقت جب کہ اکیس برس* کی مسلسل سعی و عمل کے بعد مدینے میں مسلمانوں کی اجتماعی طاقت اوج کمال پر پہنچ چکی تھی، جب دشمنانِ دین کو خدا کی جناب سے قتال کی صلائے عام مل رہی تھی اور برارت کی آیتیں نازل ہو رہی تھیں، رب عزوجل نے مسلمانوں کو عہد پورا کرنے کی بہرحال تلقین فرمائی اور کہدیا کہ میری دوستی کا تقاضا ہے کہ میری ضمانت رسوا نہ ہونے پائے، جبتک عہد ہو چکا ہے تب تک قائم رہے بعد ازآں تمہارا اختیار ہے لیکن اُس سے پہلے دشمنوں کو چھیڑنا اتقائے خدا کے برخلاف ہے؛

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ (۹:۴)

ہاں یہ سب کرو لیکن دشمنانِ دین میں سے جن لوگوں کے ساتھ تم نے صلح کا عہد و پیمان کر رکھا ہے، اور بعد ازآں انہوں نے ایفائے عہد میں تمہارے ساتھ کسی طرح کی کمی نہیں کی، اور نہ تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد کی، وہ مستثنیٰ ہیں۔ اُن کے ساتھ جو عہد و پیمان ہے اسے اس مدّت تک جو اُنکے ساتھ ٹھیری تھی پورا کرو۔ اور جانے رہو کہ خدائے بے نیاز اُنہی لوگوں کا دوست ہے جو اس سے صحیح معنوں میں ڈرتے رہتے ہیں اور بہرحال اُسکی آبرو کو برقرار رکھتے ہیں۔

یہاں چھ سورتوں کے تفاوت کے بعد ایفائے عہد کے بارے میں پھر وہی إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ کے الفاظ دہرانے، اور تکمیل عہد کو اتقائے الٰہی پر محمول کرنا قرآن کے حیرت انگیز تطابق اور اتحاد مطالب کا بدیہی ثبوت ہے۔

عہد و پیمان کو برقرار رکھنا، اسمیں ذاتی اغراض کو بہرحال حائل نہ ہونے دینا، ہر دم خدا کو فریق ثالث سمجھتے رہنا، اور ایفائے عہد کا اطلاق بلا تفریق رنگ و نسل ہر قوم پر کرنا وہ عظیم الشان سیاسی اصول ہیں جنپر ہر سلطنت کی بنیادیں اُستوار ہوتی چلی آرہی ہیں۔ جبتک مسلمانانِ عالم نے اس اصل اصول کو برقرار رکھا وہ تمام عالم کے بادشاہ بنے رہے، جب اُن سے یہ حبل متین چھوٹ گئی، اور مغربی اقوام کی استواری عہد کی دھاک بیٹھی تو مغرب کو ایشیائی اقوام پر تسلط اور تمکن، اور عیسائیت کو اُنپر وقار و اعتماد نصیب ہوا کہ دنیا عش عش کر اٹھی، اور آج جبکہ انگلستان کے عدم اتفاق اور بدعہدی کا چرچا ہر جا ہو رہا ہے تو اُنکے رعب و وقار کی بنیادیں بھی اسی تیزی سے ہل رہی ہیں کہ ہر صاحب نظر قانون خدا کے اٹل ہونے کا ثبوت پاکر کپکپا جاتا ہے۔

قرآن حکیم کے عجائب خانے کے اندر یہ آیتیں وہ عزیز القدر جواہر ریزے ہیں جو تہوں کے اندر لپٹے ہوئے موجود ہیں، انکی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگانا، انکی حکمت عالیہ کی تہ تک پہنچنا ناشناس کا کام ہرگز نہیں! یہ وہ انمول موتی ہیں جنکو نا اہل کا ہاتھ لگنا بھی جائز نہیں، وہ انکو سنگ و خذف سمجھکر پھینک دیگا، اُسکے آئینے سیاہ معانی کرکے دلمیں اساطیر الاولین سمجھ لیگا۔ لیکن جن قوموں نے ان کشورکشا اصول کو لیکر خزانۂ غیب سے انعام پائے ہیں وہی ان الفاظ کو سمجھیں گی، نادان کیا سمجھے اور کیا پائے۔ اسکا پلید دماغ اسرار سادہ قرآن کے پاکیزہ منقولات کو معرض بحث میں لاکر در حقیقت پلید کر رہا ہے اور اسی لیئے قرآن عظیم کو ایسے شخص کے ہاتھ لگنے سے چڑ ہے،

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ (۵۶: ۷۷—۸۰)

---

* سورۂ برارت کی پہلی آیتوں کا نزول ۹ھ میں ہوا تھا گویا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کو اکیس برس گذر چکے تھے۔

Marfat.com

اُن میں نام نہ تھا! وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ۵۱† (۱۷: ۳۷)؛ وہ آسمان کی زمینوں پر تمکن کے چشم براہ تھے، مگر اللہ کی اِس زمین پر دھیمے چلتے تھے! وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۵۲‡ (۲۵: ۶۳)؛ مغرور و متکبر شہنشاہوں کے تاج آئے دن

---

۵۱ اور اے انسان! میری اِس زمین پر اکڑ کر مت چلا کر کیونکہ اِس دھاکے کے ساتھ چلنے سے تو زمین کو پھاڑ نہیں سکیگا، اور نہ تن کر چلنے سے تو پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکیگا۔ ۵۲ اور اللہ کے پیارے بندے تو وہ ہیں جو اِس زمین پر فروتنی کے ساتھ چلیں، اور جب کم علم اور لغو زبان آدمی اُنسے بحث مباحثہ کریں تو سلام کہہ کر ٹال دیا کریں۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹۹) لوگو! یہ قرآن عظیم بڑی ہی عزیز القدیر کتاب ہے۔ اسکے اندر کے جواہر ریزے اوراق میں تہ در تہ اس طرح لپٹے ہوئے ہیں کہ قدر شناس لوگوں (المُطَهَّرُوْنَ) کے سوا کوئی اسکو چھونے نہیں پاتا، کوئی اسکی تہ کو نہیں پہنچتا، اُنکی عظیم الشان نافعیت کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ ہمکے اندر یہ بے بہا گوہر کیوں نہ ہوں یہ تو پروردگار عالم کی طرف سے اتارا ہوا کلام ہے!

سلطنت کے امور عالیہ تو یک طرف، ذاتی اور چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی آج مسلمان کو قطعًا حس نہیں رہا کہ وعدہ کیا شئے ہے، اسکے ایفا کے کیا معنی ہیں، وہ کس سبیل کا نام ہے، اسکے کرتے ہی کسقدر اہتمام کی ضرورت ہے، خدا کے نزدیک اسکا پورا کرنا کسقدر محبوب ہے۔ اسلاف صالحین کے نزدیک کریم النفسی بلکہ مردی یہی تھی کہ وعدہ بہرحال وفا ہو خواہ اسکے ایفا میں جان جوکھوں نہیں تیے الکریم اذا وعد وفی۔ اور قول مرد جان دارد کے مقولے اسکی شہادت میں ہیں۔ لیکن آج بدعہدی اور نا یادداری کا شیوۂ زنان مسلمانوں میں اِسقدر رواج پا گیا ہے کہ مرد ایک نظر نہیں آتا۔ یورپ کی قومیں مقابلۃً اب بھی بدرجہا اچھی ہیں، اِن میں ایفائے عہد کا خاص اہتمام ہے، پابندی وقت بیحد ہے، زمین و آسمان ٹلجائے لیکن اوسط مغربی اپنے وعدے کو ٹال دینا نامردی سمجھتا ہے اور اسی لیئے صحیح معنوں میں متقی ہے، محبوب خدا ہے، اور اسی محبوبیت کے صدقے میں بادشاہت زمین کا انعام پا رہا ہے!

† تکبر نہ کرنا اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنا جہانبانی، حکمرانی، اور ہردلعزیزی کا وہ عظیم الشان اصل اصول ہے جس کی اہمیت کا صحیح اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے متکبر و فرعون اعمال اقوام کی بادشاہت کے تختے اپنی آنکھوں سے لٹتے دیکھے ہیں۔ آج مغرب کے متمرد اور ناانجام شناس حاکموں کے اپنی رعیت سے فرعونی سلوک کا دردناک نتیجہ ہندوستان کی مسافر نواز اور غیر پرور زمین میں یہ دیکھ رہا ہے کہ برطانیہ کی عالم آرا سلطنت کی بنیادیں سو برس کی نہایت قلیل مدت میں متزلزل ہو چکی ہیں، دلوں پر حکومت کے آثار قطعًا باقی نہیں رہے، اعتماد کا اکثر حصہ کالعدم ہو چکا ہے۔ رعیت کے دل بگڑ چکے ہیں، اور اگر نظام سلطنت بایں ہمہ باقی ہے تو کشر جبر و تعدی کے زور پر، ورنہ بیخ کھوکھلی ہو چکی ہے، اور کوئی انسانی تجویز آج اسکو مضبوط نہیں کر سکتی۔

‡ اِس آیۂ شریفہ میں منکسر المزاج اور فروتن انسانوں کو 'عِبَادُ الرَّحْمٰنِ' کا خطاب دیا گیا ہے، گویا ایسا اخلاق پیدا کرنا صحیح معنوں میں خدا کی عبادت ہے۔ جو شخص اِس قطع کا ہو، ہر ایک سے نہایت اخلاق سے پیش آئے، عُجب و غرور کا اُسمیں نام تک نہ ہو، اور بڑے سے بڑا دنیاوی مرتبہ رکھنے کے باوجود خوش خلقی سے پیش آئے وہ فی الحقیقت خدا کی خدائی سے مرعوب ہے، اپنے آپ کو اُسکے بالمقابل ہیچ سمجھتا ہے، سب انسانوں کو برابر یقین کرتا ہے، اور اسی لیئے صحیح معنوں میں اُسکا بندہ (عَبْد) ہے۔ علی ہذا القیاس جاہل اور کم علم آدمی سے بحث نہ کرنا اور حکمت عملی سے اُسکو ٹال دینا بھی عبادت میں داخل کیا گیا ہے گویا باوجود اِس تمام انکسار طبیعت کے لغو اور لایعنی آدمیوں کی صحبت سے حتی الوسع اعراض کرنا بھی ملازمت خدا میں شامل ہے۔ سورۂ قصص میں صاحب ایمان لوگوں کی تعریف میں ہے:

وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ۰ (۲۸: ۵۵)

Marfat.com

اُن کے قدموں پر نچھاور ہوتے تھے، مگر اُن کے انکسارِ طبع، اُنکی لینتِ دل، اُنکی ملائمتِ سلوک، اُن کی نیچی نظروں میں فرق نہ آتا تھا؛ فرمانروائی کی اُمنگیں، اور جہانبانی کے ولولے اُن کے دلوں میں موجزن تھے مگر طبائع میں وہی سادہ پن اور خاکساری، وہی اطاعت کیشی اور اللہ کا شغف، وہی فکرِ انجامِ قوم اور ناموسِ اسلام کا پاس گھر کر گیا تھا۔ انکی زندگیاں فطرت کے اعتدال کی صحیح تصویریں، اور اُنکے دل خشیتِ خدا کے مستقل نشیمن بن گئے تھے: قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ (۷: ۲۹)؛ اُن کا ہر عمل اور ہر شغل ربّ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰۰) اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کسی لغو بات کو سنتے ہیں تو اس سے حتی الوسع کنارہ کش ہو جاتے ہیں، اور ایسے لوگوں سے کہہ دیتے ہیں کہ بھائی جو ہم کر رہے ہیں اسکا نتیجہ ہم کو ملیگا اور جو تم کر رہے ہو تمہارے ساتھ ہے۔ آپ مہربانی فرمائیں اور ہم کو اس بحث میں شامل نہ سمجھیں، خدا کی سلامتی تم پر ہو لیکن ہم ان لوگوں کی تلاش میں نہیں جو علم نہیں رکھتے اور بے علم انکلیں دوڑاتے ہیں۔

یہاں پر قریب قریب وہی مضمون ہے جو زیرِ بحث آیت (۲۵: ۶۳) میں ہے۔ بلکہ قَالُوْا، اور سَلٰمٌ اور الْجٰهِلِيْنَ کے الفاظ بھی مشترک ہیں اگرچہ سَمِعُوا اللَّغْوَ کا مضمون آیہ (۲۵: ۶۳) میں بالصراحت بیان نہیں کیا گیا بلکہ آگے چلکر اسی سورۃ میں عِبَادُ الرَّحْمٰنِ کی تعریف کے تسلسل میں بیان کیا گیا ہے: وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ (۲۵: ۷۲)، یعنی "خدا کے بندے وہ ہیں جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے، اور جب کسی بیہودہ مشغلوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو بے نیاز ہو کر گذر جاتے ہیں"۔ اس تکرار کو پیش نظر رکھکر جو وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ (۲۵: ۶۳) اور وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ (۲۵: ۷۲) کے دو قریب المعانی مضامین میں ایک ہی بیان کے سیاق میں واقع ہوئی ہے، مجھے خیال پیدا ہوا ہے کہ اوّل الذکر آیت میں جٰهِلُوْنَ سے مراد کم علم اور اُجڈ لوگ نہیں بلکہ ناواقف اور ناآشنا لوگ مقصود ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ میں مستحق زکوٰۃ فقراء کے لیے کہا گیا ہے: يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْــَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (۲: ۲۷۳) یعنی "یہ فقراء وہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے اور اپنے مال و جان کو لٹانے والے ستِ الست لوگ ہیں کہ ناواقف اُن کی ظاہرا بے نیازی اور خودداری کو دیکھ کر اُن کو غنی سمجھتا ہے، اُنکے چہرے اسقدر بارونق اور پیشانیاں اسقدر کشادہ کشادہ ہیں کہ تم اُن کی صورت سے انکو صاف پہچان جاؤگے، وہ بھک منگوں کی طرح لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے"۔ علیٰ ہذا القیاس خَاطَبَهُمْ سے مراد بھی مخاطب ہونا یعنی بالمقابل آجانا ہے نہ بحث و مباحثہ کرنا۔ اگر اس تاویل کو تسلیم کر لیا جائے تو آیہ (۲۵: ۶۳) کے معانی نہایت مربوط اور صاف ہو جاتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

"اور اللہ کے خاص بندے تو وہ ہیں جو اس زمین پر فروتنی اور انکسار کے ساتھ چلیں، اور انکی اخوت کا حس
اس قدر تیز ہے کہ جب ناواقف اور ناآشنا آدمی بھی سرِ بازار اُن سے دوچار ہو جاتے ہیں (خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ)
تو انہیں سلام کرنے میں سبقت کرتے ہیں"۔

یہ تشریح اسقدر مستحسن اور نتیجہ خیز ہے کہ میں اسکو عالمِ اسلام کے سامنے پیش کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ یہ ناواقف اور ناآشنا شخص کو سلام کرنے میں پہل کرنا عالی ہمتی اور حسنِ اخلاق کا وہ انتہائی درجہ ہے جسکو مسلمان کسی زمانے میں سیکھ کر تمام عالم کے بادشاہ بن گئے تھے، اسی کے باعث ایک زمانہ انکے قدموں پر نثار ہو گئی تھی، یہی وہ عالم آرا اخوت تھی جس نے دشمن کو پسپا کر دیا تھا۔ رسولِ خدا خود اسی خلقِ عظیم کے موجد تھے۔ راہ چلتے لوگوں کو سلام کرتے، اور ہمیشہ پہلے سلام کرنے میں بازی لیجاتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری کتاب الایمان میں ہے کہ ایک دفعہ فرمایا: "بہترین اسلام یہ ہے کہ فقراء کو کھانا کھلاؤ (یعنی اُن فقراء کو جنکی تعریف (۲: ۲۷۳) میں گذری) اور کسی سے جان پہچان ہو یا نہ ہو اُسکو سلام کرو"۔ یہی اسوۂ حسنہ فاروقِ اعظمؓ کا تھا۔ اسلام کا یہ جابر امیر المؤمنین اور احزابِ اکاسرہ اور اولوالعزم سپہ سالار مدینے کی گلیوں میں مشک اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے چاروں طرف واقف و ناواقف سب کو سلام سلام کرتا گذر جاتا تھا۔ اور اگر آج مسلمانانِ عالم بھی چند لمحوں کے لیے یہ شیوہ عمل اختیار کر لیں تو اب بھی انکی سب بگڑی پھر بن سکتی ہے مگر آہ! اب اخوت کا وہ پرانا احساس باقی نہیں رہا۔ اور اُنسے تکلف برطرف "ذاتِ اَخلاق اللہ" کا فرقہ دوں میں چلا گیا ہے!

Marfat.com

لم یزل کے وجود کی صریح شہادت، اور اسلام کے دین اللہ ہونے کا زندہ ثبوت تھا۔ توحید کی یہ روح عمل لاریب اُس مصور حقیقت، اُس سید البشر، اُس ہادی اسلام (علیہ التحیۃ والسلام) کی حیرت انگیز تعلیم اور مقلب القلوب صحبت کا نتیجہ تھی جسنے غار حرا کی انجمن آرا خلوتوں سے نکلکر، ریگ زار عرب کے اِن بادیہ پیما بدّوؤں کے سامنے خدائے بیمثال کی ذات اِسقدر مشخص کردی تھی!

سرِّ خدا کہ عابد و زاہد بکس نگفت
در حیرتم کہ دُردکشاں از کجا شنید

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاۗءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ (۴:۱۳۵)

اے ایمان والو! علی الاعلان خدا کے وجود کی گواہی دیتے ہوئے اعتدال اور میانہ روی پر قائم رہو، خواہ یہ اعتدال تمہیں اپنے پر یا والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ کرنا ہو!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۵:۸)

اے ایمان والو! انصاف کے شاہد بنکر خدا کی حمایت میں جم کر کھڑے ہو جاؤ اور کسی قوم کی عداوت بھی تم کو بے انصافی کے ارتکاب کی باعث نہ ہو۔ نہیں! بہر حال انصاف کرو، یہی تقویٰ ہے، اور خوف خدا سے قریب تر ہے۔ اور اللہ سے ہر دم ڈرتے رہو، وہ جو کچھ تم کر رہے ہو اچھی طرح جانتا ہے۔

✝ یہاں ہر معاملے میں قسط و اعتدال پر قائم رہنے، اور عدل کو بہر حال اور بلا امتیاز احدے رہنمائے حیات بنانے کو اتقائے خدا پر محمول کیا گیا ہے گویا وہی شخص خدا کے وجود کا صحیح معنوں میں شاہد ہے وہی اُسکا نوکر اور اُس سے بیگانہ رہتا ہے جو بڑی سے بڑی آزمایش اور ذاتی مفاد کے موقع پر بھی ناانصافی نہیں کرتا، بلکہ ہر آن اُسکو حاضر و ناظر یقین کر کے اُس کے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔

آہ! صدر اسلام کا عالم انگیز زمانہ تو در کنار، نزول قرآن کے کامل سات سو برس بعد تک بھی مسلمانوں نے فخر رسلؐ کے اِس آسمان سے لائے ہوئے پیغام پر عمل کرنا اِسقدر ضروری سمجھا ہوا تھا کہ محمد شاہ تغلق بادشاہ ہند کی انصاف پسندی کا ذکر کرتے ہوئے مشہور مسافر ابن بطوطہ (المتوفی ۷۷۹ھ ۱۳۷۷ء) اپنا چشمدید واقعہ (۷۳۴ھ) بیان کرتا ہے کہ ایک دفعہ کسی امیر کے لڑکے نے دعوےٰ کیا کہ بادشاہ نے بلا سبب اُسکو مارا ہے، قاضی نے حکم دیا کہ بادشاہ یا لڑکے کو راضی کرے، اور نہ قصاص دے۔ ابن بطوطہ ذکر کرتا ہے کہ شاہ تغلق نے لڑکے کو دربار میں بلایا اور لکڑی اُسکے ہاتھ میں دیکر کہا کہ اپنا عوض لیلے۔ پھر اپنے سر کی قسم دلا کر کہا کہ جیسا میں نے تجھکو مارا ہے تو بھی مار۔ لڑکے نے ہاتھ میں لکڑی لیکر اکیس بید بادشاہ کے لگائے۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ اُسکی کلاہ بھی سر سے گر پڑی!!

ہاں! لیکن جہاں اُس زمانے میں حکم خدا کی تعمیل یہ تھی، جہاں خوف خدا اس اوج کمال تک پہنچ چکا تھا وہاں بارگاہ خدا سے انعام بھی یہ تھا کہ مسلمان عالم کے دنیا کے طول و عرض کے بادشاہ بن گئے تھے، دنیا انکے رعب و وقار کے آگے لرزہ براندام رہا کرتی تھی۔ آج جبکہ قرآن کو چوم چوم کر بالائے طاق رکھنا اسلام کا ماحصل بن چکا ہے تو خدا بھی کان سے پکڑ پکڑ کر ملکوں سے نکال رہا ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ۔

Marfat.com

حکمتِ عبادات

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ (۲۲: ۶۷)

ہر امت کے لیئے ہم ہی نے ایک نشانِ بندگی مقرر کیا ہے جس کو وہ شعار بنائے ہوئے ہیں تو چاہیئے کہ لوگ قانونِ خدا کے بارے میں تم سے نزاع نہ پیدا کریں

اِس رُوحانیت، اور علوِّ اخلاق میں وہ آسمانی طاقت، اور زبردست تبلیغی اثر پنہاں تھا جو اسلام کی تقویت اور اشاعت کا بہترین سامان تھا؛ بڑے بڑے دشمنانِ دین اور جبابرۂ کفر مومنوں کے اِن اعمال کو دیکھ کر وجودِ خدا کے ازخود قائل ہوجاتے، اور دینِ الٰہی کے بہترین معاون اور مددگار بنتے! اسلام کا زور اِثر قرونِ اُولی کے ابتدائی ایام میں، ایک بہت بڑی حد تک اسی خاموش طریقِ عمل، شہادتِ خدا، اور تقوے پر تھا؛ مومنوں کا اصلاحِ عمل، اُنکی ربانیت، اُن کا سچا زہد و تورّع خود بخود دلوں میں گھر کرجاتا اور وہ آپ نمونۂ اخلاق بنکر عوام کے لیئے ایک مستقل اور غیر متزلزل ہدایت کا باعث بنتے۔ خود رسولِ کریمؐ کی پاکیزہ زندگی کا مقصود بالذات خلقِ خدا کے سامنے انسانی حیات کی ایک لائقِ رشک اور قابلِ تقلید مثال قائم کرنا تھا۔ قرآنِ حکیم کی اصلی غرض وغایت فی الحقیقت بنی نوعِ انسان کی درستیٔ اخلاق اور صلاحِ اعمال ہی تھی؛ اِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ (۱۱: ۸۸)ؔ اسلام اور سب باتوں سے قطع نظر "امر بالمعروف" کا سراپا مجسمہ، اور "نہی عن المنکر" کا مکمل ضابطہ ہی تھا مگر اور سب مذاہب کی غیر مانند، اُسکی حیثیت خالصۃً داعیانہ تھی، اُسکی نسبت بزرگ تر تھی؛ وہ ختمِ رسالت کی تمامیت اور پیامِ آخر کی قطعیت کا حکم رکھتا تھا؛ اُس میں پیغامِ خدا کی **انانیت**، اور انتخابِ ربُّ العرش کی **رعونت** تھی! اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (۳: ۱۸)ؔ اسمیں تقویتِ نفس کا ہیجان، اور اجماعِ خلق کا

۱ؔ ہیر شعیب علیہ السلام نے اہلِ مدین سے کہا کہ میں تو حتی الامکان تمہارے اعمال و اخلاق میں صلاح ہی پیدا کرنا چاہتا ہوں، کچھ تم سے اجرت و رزق نہیں مانگتا (۱۱: ۸۸ قرآنِ کریم) میرا یہ ارادے میں کامیاب ہونا خدا ہی کے اختیار میں ہے، اسی پر توکل کر کے میں نے اپنا کام شروع کیا ہے، اور نتائج کے بارے میں میرا رجوع بھی اُسی کی طرف ہے۔

۲ؔ خدائے زمین و آسمان کی نگاہوں میں اسلام ہی پسندیدہ ترین مذہب ہے! یہ ایک سرسری ترجمہ ہے جو ہم نے کردیا ہے اور جو عوام کے ذہنوں میں رائج ہے اگرچہ صحیح مفہوم یہ ہے: "الاسلام (یعنی خدا کو علاً احکم الحاکمین تسلیم کرلینا) ہی وہ طریقِ عمل (دین) ہے جو خدائے زمین و آسمان کی نظر میں پسندیدہ تر ہے" جیسا کہ ہم نے صفحہ ۱۹۱ میں واضح کردیا ہے۔

Marfat.com

اضطرار تھا! دعوتِ جہان اُسکا مایۂ خمیر، اور کل کائنات اسکی مشار الیہ تھی:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَ يُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۷: ۱۵۸)

اے محمدؐ! تمام عالم کے لوگوں سے کہدو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اُس خدائے عظیم کا قاصد ہوں جسکی سلطنت تمام آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے۔ اُسکے سوا کوئی شے لائق عبادت نہیں۔ وہی زندہ کردیتا ہے، وہی مارتا ہے۔ تو آؤ! اُس پاک ذات کو اپنا مالک یقین کرو اور اُسکے بھیجے ہوئے اُمّی نبیؐ کو جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے، اور اُسکے احکام بجالاتا ہے! اپنا رہنما تسلیم کرو۔ اور اسی کی پیروی کرو تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ! گویا ایک آقا کو مان کر سب کے سب متحد ہوجاؤ (دیکھو ھدایت کا مفہوم تحت المتن صفحہ ۱۹۲)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۳۴: ۲۸)

اور اے محمدؐ! ہم نے تو تم کو تمام دنیا کے لوگوں کی طرف قاصد بنا کر بھیجا ہے تاکہ تم ہمارے قانون پر چلنے والوں کو اجتماعی بہبودی کی خوش آیند خبر، اور ہمارے منکروں کو دائمی عذاب[†] کا پیغام پہنچادو۔ لیکن اکثر لوگ ابھی تک اس واقع الامر سے مطلع نہیں ہوتے کہ تمہارا پیغام تمام عالم کے نام ہے

ہر متنفس قوم، اور مجتمع انسانی کے پیش پیش رہنا اسکی حیات کی علامت تھی! اسکے صلائے عام میں سیماب کی جاذبی تڑپ، اور قبلہ نما کا مقناطیسی اضطراب تھا! حصول قوت اُسکا نشانِ سیما، اور غلبۂ عام اُس کا طرّۂ امتیاز تھا! وہ عامۃ الناس کو اپنی حقیقت اور سادگی تعلیم سے، اپنے روز افزوں اثر اور جماعتی اقتدار سے، اپنی انقلاب انگیز تجویز اور بے مثال ہدایت سے مومن کے زورِ اخلاق اور روحِ عمل سے خدائے واحد کی عبادت اور غلامی کیطرف کھینچکر جامعیت اور وحدت پیدا کرنا چاہتا تھا، اسی حیثیت کی بنا پر اُسکے اوامر و نواہی کا ہر شعبۂ عمل جلب اقتدار، توسیع اثر، اخوّت اور مساوات کا بطور خود متواتر جہاد تھا۔ اخلاق کی درستی میں بلاشبہ ایک سطحی نقطۂ نظر سے، متنفس کی ذاتی ہدایت' یا انفرادی نجات ہی پیش نظر تھی، صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے انفرادی افعال بظاہر ایک مسلمان کے اپنے خدا سے تعلق قائم کرنیکے انفرادی ذرائع ہی تھے، صوم کا فریضہ بادی النظر میں، کسی ایمان دار کا شخصی ایثار یا اُسکے نفس امارہ کا شخصی اجتہاد ہی تھا، طواف بیت الحرام بھی ظاہرا مسلمانوں کے درمیان خدا سے اظہار ارادت کا ایک مرتسم شیوہ ہی تھا، قرآن حکیم کے اوامر و نواہی بھی سطحی نظروں میں تدین اور نکوکاری کی یہی انفرادی شان لیے ہوئے تھے،

---

† دیکھو تحت المتن صفحہ ۸۱

Marfat.com

مگر سرنوشت اُمت کے اُس خوشنویس اجل ﷺ نے، اِن تمام احکام کی تہ میں، غلبۂ اسلام کی وہ نستعلیق حکمت عملی بلحوظ نظر رکھی تھی جو صدہا برس تک مسلمانوں کو اور امتوں کے بالمقابل، مابہ الامتیاز مقام دیتی رہی! اِن احکام کی اجتماعیت، اِن کی مرکزیت، اِنکی پابندیٔ وقت اور یک رنگی میں فطرت کی صلائے اتحاد کی تکرار، انسان کی نوعی وحدت کا اظہار ضبطِ نفس کی تعلیم، مساوات کا حوصلہ افزا اثر، اور عصبیت کی روح تھی، اُنکے استمرار و تعلّل میں، اُن کے تعود اور تسلسل میں حکومتِ خدا کا متواتر سماں اور اتقائے قلوب کا پیہم ضبط باندھ دیا تھا؛ وہ تقویت اسلام کے بہترین اوزار، اور تکثیر جماعت کے زبردست محرک تھے، وہ تہذیب نفس اور اصلاح اعمال کے بہترین کفیل تھے، اِس

الصّلوٰة

کے پنجوقتہ قیام میں باہمی محبت کی لہریں تھیں! اسمیں خدا کی خدائی کا مشترک اقرار، اور اللہ کی غلامی کا مشترک اعلان تھا! اسمیں ہر دل کی دوسرے دل سے سچی رسم وراہ تھی! اسمیں خوف خدا کی مشترک لرزشیں، اور نیازمندی کی مشترک خلشیں تھیں! وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ۝[+][۱] (۷:۵۶) اسمیں ہم آہنگ دلوں کی طبعی ہمرنگی، اور ہم غرض انسانوں کی فطری یکجہتی تھی! اسمیں یک منعموں کا باہمی اُنس واجلاس، اور ہم انعاموں کا برادرانہ ربط واختلاط تھا! اسمیں ایک امیر کی عملی اطاعت، ایک عرض اور ایک غرض، ایک کی پیشوائی اور سب کی اقتدا، ایک کے عرض حال اور سب کے سکوت کا سچا سماں باندھ دیا گیا تھا! یہ ایک منظم اور منضبط، ایک مرعوب خدا اور منکر ماسوا، ایک لرزہ براندام اور سربکف فوج کی پنجوقتہ اپنے قائد اعظم ﷺ کے حضور میں پیشی تھی! اسمیں عصیان کار اور خود پسند، تفرقہ ایجاد اور مختلف نواز

---

[۱] عذاب خدا سے ڈر کر اور انعام کی آس میں دونوں موقعوں پر اُسکو پکارا کرو، بے شک فضل خدا ان لوگوں کے شامل حال ہے جو خلوص دل سے اُسکو پکارتے ہیں اور اُسکے احکام کی متابعت میں حسنِ عمل کرتے ہیں۔

+ 'اِحسان' کا صحیح قرآنی مفہوم صفحہ ۱۳۰ پر واضح کر دیا تھا جس سے ظاہر ہو کہ یہاں پر خوف اور طمع بھی اجتماعی شکست کا خوف اور اجتماعی راحت کی طمع ہی ہے نجی خوف و طمع مراد نہیں۔ اُدْعُوْہُ اور مُحْسِنِیْن کا جمع کا صیغہ بھی اسی پر دال ہے۔

Marfat.com

انسان کو دن میں پانچ وقت ایک کی قیادت اور سب کی پیروی، ایک کے اقدام اور سب کے اتباع، ایک کی خدائی اور سب کی عبودیت کا عملی سبق دیا گیا تھا! یہ جماعت کے خارجی† نظم و نسق، باطنی ضبط اور ظاہری مساوات، وحدت خدا اور وحدت امام کی سچی محترک تصویر تھی! اسکے رکوع و سجود میں ادنیٰ اور اعلیٰ، شاہ و گدا کی تمیز عمداً اُٹھا دی گئی تھی! اسکے وضو میں احکم الحاکمین کی پیشی کا اہتمام، جسم کی پاکیزگی اور لباس کی تطہیر، ظاہر کی صفائی اور خوف پریشان حالی کا سماں چھایا ہوا تھا! وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝[۵۱] (۷۴: ۳-۵) اسکی تسویہ صفوف نے پیشگاہِ خداوندی کا ضبطِ ادب، مساوات کا باطنی احساس اور قرب و ہم پلگی کی عصبیت پیدا کر دی تھی، مساجد میں جماعت کے بے تکلف قیام نے مسکینانِ فقر و افلاس کو صدر نشینانِ جاہ و حشم کے ساتھ، ایک قطار میں کھڑا کر کے ایک کر دیا تھا! وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۝[۵۲] (۷: ۲۹) بارگاہ ربّ العالمین میں اس پنجوقتہ محاسبے اور غیر منقطع حاضری نے اُن کے نفس عصیان و نفاق سے پاک کر دیئے تھے! إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ۗ‡ وَلَذِكْرُ اللَّهِ

---

[۵۱] اور اے پیغمبر! اپنے آقائے نامدار کا بول بالا کیا کرو، اور جب جب اُسکے حضور میں جانے کا ارادہ کیا کرو تو صاف ستھرے اور پاکیزہ کپڑے پہنکر جایا کرو، اور کپڑوں کی پاکیزگی کے علاوہ بدن کو تمام نجاست اور آلایش سے پاک صاف رکھو۔

[۵۲] اور درگاہ احکم الحاکمین میں ہر باتھارگزنے کیوقت ہمہ تن توجہ بن جایا کرو اور اپنی تمام ارادتمندی اور عقیدت کو اُسی کیلئے مخصوص کر کے اُسکو پکارا کرو۔

---

† جن لوگوں نے 'الصَّلٰوۃ' کی ماہیت کا بامعانِ نظر مطالعہ کیا ہے اُنکو یقین ہو چکا ہے کہ اس روزانہ حاضری کی تہ میں خدائے عزوجل کی حکمت عملی بعینہ یہی تھی کہ اُمت کے افراد کو دن میں پانچ وقت خارجی اور باطنی ضبط کا وہ مکرّر سبق دیا جائے جو اسکو کبھی بھولنے نہ پائے۔ اگر ایک فوج کے سپاہیوں کو ہر روز علی الصباح میدان میں نکالکر قواعد سکھائی جاتی ہے، اگر انکو معلّمِ قواعد کی آواز پر حرکت کرنیکی تعلیم دیجاتی ہے، اگر سب کو ایک حکم پر چونک اُٹھنے کا سبق پڑھایا جاتا ہے، اور وہ سب کے سب بیک وقت اور بالالتزام ایک ہی انداز پر حرکت کرتے ہیں تو اسکا مقصود یہی ہوتا ہے کہ میدان جنگ میں اُنکی اس اطاعت سے فائدہ اٹھایا جائے، اور وہ اپنے سپہ سالار کے حکموں پر فی الفور عمل کرنیکا سبق سیکھیں گرچہ لڑائی میں سپہ سالار کے احکام اس روزانہ قواعد کے احکام سے مختلف ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی مقصود بعینہ نماز سے تھا اور امام مسجد کی پنجوقتہ اطاعت سے امیر جماعت کی اطاعت حسب موقع مراد تھی۔ یہی حکمت تسویہ صفوف میں تھی، یہی راز وقت کی پابندی اور مقتدیوں کے خاموش رہنے میں تھا۔ اور اسی نکتے کو پیش نظر رکھکر اگر ایک شخص امام کے پیچھے کئی گز یا ایک میل دور بھی کھڑا ہو (مثلاً عیدین کے موقع پر) اور اُس کی قرأت کا ایک لفظ بھی نہ سن سکے لیکن رکوع و سجود اسکے تتبع میں ادا کرتا جائے تو اُسکی نماز کا ہو جانا علمائے سلف نے مسلّم قرار دیا تھا کیونکہ نماز کا مقصود بالذات اتحادِ عمل اور اطاعت تھا، خدا کو اس پنجوقتہ چاپلوسی کی کچھ حاجت نہ تھی۔ نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بات اپنے مقتدیوں کی گھٹی میں اسقدر ڈالدی تھی اور نماز کو اطاعت کے نصب العین کیساتھ اسطرح مدغم کر دیا تھا کہ عین وسط نماز میں تحویل قبلہ کیوقت بھی انکو کچھ دقت محسوس نہ ہوئی (دیکھو صفحہ ۱۶۹) اسی تعلیم کی بنا پر عہد نبوۃ میں لوگوں نے نماز کیوقت ظاہری ضبط کا قائم رکھنا اسقدر ضروری سمجھا تھا کہ اُنکے نزدیک مسجد کے اندر وضو کرنے یا سنتیں پڑھنے سے بے ترتیبی اور انتشار کا ماحول پیدا کرنا نماز کی حکمت کے منافی تھا۔ لوگ اپنے اپنے گھروں سے وضو کر کے اور سنتیں پڑھکر آتے اور رسولِ خدا صرف فرض پڑھاتے۔ آج جبکہ الصّلوٰۃ کا آئین بالکل بھلا جا چکا ہے لوگ اپنی مسجدوں کے اندر وضو کرتے میں کلیاں بھر بھر کر حوضیں پھینکتے ہیں، نالیوں میں بول و براز کرتے ہیں، اور سنتیں پڑھ پڑھکر مسجد کو محشرستان فساد بنا دیتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ یہ باتیں خانہ خدا کی گستاخیاں ہیں۔

‡ صفحہ ۱۵ کے تحت المتن میں ثابت کر دیا تھا کہ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے زیادہ مکروہ فعل تفرقہ اندازی ہے اور یہی نفاق ہے، رہا المنکر کا صحیح مفہوم اب یہ کہ الفحشاء کا اصلی مقصود کیا ہے، قرآن حکیم

اَکْبَرُ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ۝ (۲۹:۴۵)[۱] مقامِ خدا کا پیہم اور زندہ احساس اُن کے اعمال کو یکسر سُدھار رہا تھا، دلوں میں حمیّتِ دین کے جوشِ زن تنور، اور ذہنوں میں غلبۂ اسلام کے مواج دریا تھے۔ بہتر تللّٰ

---

[۱] بیشک نماز بشرطیکہ اسمیں خدا کا سچا احساس ہو، اور اسکو الصَّلٰوۃ کہہ سکیں، وہ مطہرِ نفس شے ہے جو تمام اخلاقی بداعمالیوں (الْفَحْشَآءِ) اور اجتماعی تفرقہ اور نفاق (الْمُنْکَرِ) سے روکتی ہے۔ اور خدا کا پیہم احساس تو نماز سے زیادہ موثر ہے۔ اور خدا جو کچھ بھی تم کرتے ہو موبمو جانتا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰۶) میں الْفَحْشَآءِ کا ذکر چند موقعوں پر آیا ہے، لیکن وہ موقعے معانی کی تعیین کے لیے کافی ہیں۔ سورۂ بقرہ میں ہے:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۲:۱۶۸-۱۶۹)

اے لوگو! زمین میں جو چیزیں پاکیزہ صورت اور خوش تاثیر، ممدِ صحت اور دافعِ شہوات (حَلٰلًا طَیِّبًا) ہوں اُنکو کھایا کرو۔ اور نفسِ امّارہ کا کہا مان کر شیطان کے قدم بقدم نہ چلو، کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور ہمیشہ ایسی چیزوں کے کھانے کی ترغیب دیگا جس سے تمہاری شہواتِ نفسانی کا ہیجان ہوتا رہے۔ شیطان لعین تو لامحالہ تمہیں بدی اور بے حیائی (السُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ) کے کام کرنے کو کہیگا، اور ضرور اس بات پر آمادہ کرے گا کہ نفس پروری کے جوش میں جھوٹ موٹ وہ احکام خدا کی طرف منسوب کر دو جن کا تمہیں علم نہیں ہے۔ (آیۂ (۲:۱۶۹) کا مقابلہ آیۂ (۷:۲۸) سے کرو جو اسی صفحہ کے اخیر میں ہے)

حلال و حرام کی حکمت سے یہاں پر بحث نہیں۔ یہ موضوع پانچویں مجلد میں آئے گا۔ نہ یہاں پر شیطان کی حقیقت سے سروکار ہے۔ لیکن الْفَحْشَآءِ سے مراد یہاں پر صاف بیحیائی، نفس پروری، اور شہواتِ نفسانی کو فروغ دینے والی باتیں ہیں۔ کیونکہ آگے چلکر آیہ (۲:۱۷۳) میں لحمِ خنزیر کو حرام کر دیا ہے۔ جو بڑا مہیّجِ شہوت تسلیم کیا گیا ہے۔ اسی سورۃ میں ہے:-

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَ لَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ ؕ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَ اللّٰهُ یَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ (۲:۲۶۷-۲۶۸)

اے ایمان والو! اپنی امت کی تقویت اور اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر اپنی کمائی میں سے بہترین اشیاء (طَیِّبٰتِ) صرف کیا کرو، اور جو اشیاء ہم نے تمہارے لیئے زمین سے پیدا کی ہیں اُن میں سے بھی بہترین چیزیں دو، اور ناکارہ چیز کے دینے کا ارادہ بھی نہ کرنا کہ گویا اسی سے خیرات کا چندا سا تاثر، حالانکہ وہی شئے اگر کوئی تم کو دینا چاہے تو تم اُسکو بطیبِ خاطر منظور نہ کرو، سوائے اسکے کہ دیدہ و دانستہ اپنی بات رکھنے کے لیئے اُس شئے کے بیکار ہونے سے چشم پوشی کرو۔ جانے رہو کہ خدا ان چیزوں کو اپنے لیئے نہیں مانگتا، جو کچھ ہے تمہاری اپنی خاطر ہے، اور وہ بڑا بے نیاز اور بڑا سزاوارِ حمد ہے۔ شیطان لعین تمہیں ایثارِ مال اور بہترین اشیاء کے دینے کے وقت افلاس سے ڈراتا ہے، اور بخل و امساک کی باطنی بے حیائی (الْفَحْشَآءِ) کا حکم دیتا ہے لیکن خدا تمہیں اس ایثار کے بعد اجتماعی بدحالیوں پر پردہ پوشی (مَغْفِرَةً) اور دنیاوی انعام و اکرام (فَضْلًا) کا وعدہ فرماتا ہے اور جانے رہو کہ وہ عطائے عظیم جیسی گنجایش والا اور ہر قوم کی نیات سے بخوبی واقف ہے۔

یہاں اُس قلبی بے حسی اور باطنی بے حیائی کو جو قوم کی بہتری کی خاطر ایثارِ مال نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے الْفَحْشَآءِ سے تعبیر کیا ہے! سورۂ اعراف میں شیطان کے آدمؑ کو بہکانے کے قصّے کی تفصیل کے بعد ہے:

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِیُرِیَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْهَآ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۷:۲۷-۲۸)

اے اولادِ آدم! کہیں شیطان تم کو پھر اسی آزمائش میں نہ ڈالے جس طرح کہ اُسنے تمہارے والدین کو بہشت سے نکلوایا تھا، انکے لباسوں کو بدنوں سے

Marfat.com

انکسار کے اس ملکوتی ارتعاش میں سب شخصی معاملات اور ذاتی تمناؤں کو بالائے طاق رکھکر، جو تنہا اور اہم سوال تمام جماعت کی طرف سے متفقہ طور پر، باآواز بلند پیش کیا جاتا تھا یہ تھا کہ اے بار الٰہا!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰۷) کہ ۔۔۔ رتا تھا کہ انکے عیوب اور شرمگاہیں اُنپر ظاہر ہوجائیں، وہ بمع اپنے چیلے چانٹوں کے تمہاری گھات میں لگا ہے اور تمکو وہاں سے دیکھ رہا ہے جہاں تم اُسکو نہیں دیکھتے۔ پس تم اُس سے حتی الوسع بچتے رہو اور اُسکے دام تزویر میں پھنسکر اپنے آپ کو شکار ہونے اور اپنی شرمگاہوں کو عیاں کرنے کا موقع نہ دو۔ لوگو! ہم نے اس دنیا میں اُن لوگوں کو جو ایماں کے قوت افزا اعمال و خصائص سے بے بہرہ ہیں (الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ) انہی شیطانوں کا محب صمیم (اَوْلِيَآءَ) بنا رکھا ہے۔ اور یہ بے ایمان لوگ وہ ہیں کہ جب جب کوئی منفرد قوم، اُمت کُش، یا موت افزا عمل (فَاحِشَةً) کرتے ہیں تو اپنی عیب پوشی کے لیے یہ بہانہ ایجاد کر لیتے ہیں کہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو شروع سے یہی کرتے دیکھا ہے، بلکہ درحقیقت خدا نے ہم کو اس کام کا حکم دے رکھا ہے، اے محمد! اِن نادانوں سے کہہ دو کہ خدا ہرگز کسی بیہودہ کام (الْفَحْشَآءِ) کا حکم نہیں دیتا جسکا انجام ہلاکت ہو، جسکا نتیجہ حفظ و امن کے جنت سے اخراج ہو، کیا تم جوٹ موٹ خدا پر وہ باتیں تھوپ رہے ہو جن کا تمہیں علم نہیں۔

یہ قصہ نہایت نتیجہ خیز ہے اور اسکا انطباق جو انسان کی موجودہ نسلوں پر کیا گیا ہے اور بھی عبرت انگیز ہے مگر نفس قصے سے یہاں پر بحث نہیں نہ آدم و شیطان کی شخصیتوں سے البتہ سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر الْفَحْشَآءِ سے مراد قوم کے وہ پشتینی عیوب اور اجتماعی بداعمالیاں ہیں جو لوگ نہایت وثوق سے بدیں خیال کرتے ہیں کہ باپ دادا سے چلی آئی ہیں، اور اس لحاظ نقطہ نظر سے خدا کا حکم ہیں۔ اِن بداعمالیوں میں مثال کے طور پر فرقہ بندیاں، گورپرستی، رسوم قبیحہ، اعتقادات واہیہ وغیرہ شامل ہیں جن کا نتیجہ بحیثیت مجموعی یہ ہوتا ہے کہ اس قوم کے اجتماعی (سَوْاٰت) عیوب روز بروز عیاں ہوتے جاتے ہیں، اور بالآخر وہ ساری کی ساری قوم شیطان کو دوست رکھنے کے جرم میں قوت اور امن کے دار السلام سے بیک بینی و دوگوش نکال دی جاتی ہے۔ فحشآء کے اِن معانی کی تائید ان آیات سے اگلی آیت سے بھی ہوتی ہے جو متن کتاب میں صفحہ ۲۰۱، ۲۰۶ پر آچکی ہے! قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ (۷: ۲۹)! یعنی اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ اِن بداعتدالیوں کا حکم ہرگز کہیں نہیں دیا گیا بلکہ میرے پروردگار نے تو مجھے ہر نوع قسط و اعتدال پر رہنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہر سجدے کے وقت ہمہ تن متوجہ ہو جایا کرو، اور تمام ارادتمندی اور اخلاص اس احکم الحاکمین کے لیے وقف کر کے اس کے حضور میں کھڑا ہو، جانے رہو کہ تم اسی طرح بے یار و مددگار اُس کے حضور میں واپس آؤ گے جس طرح کہ تم روز آفرینش کو تھے"

اس آیت میں صاف کسی ماسوا کو وسیلہ نہ بنانے اور خالصۃً خدا کی غلامی اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور ہر معاملے میں حد سے تجاوز نہ کرنے (قسط) کو پیش نظر رکھنے کی تلقین کی ہے۔ ان تینوں آیتوں میں ظاہر ہے کہ اوّل سے آخر تک ربط تبھی مکمل ہو سکتا ہے جب الْفَحْشَآءِ کو ان معنوں میں لیا جائے جو ہم نے کیے ورنہ الْفَحْشَآءِ کے بالمقابل الْقِسْط اور اُدْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ کے الفاظ ٹھیک نہیں بیٹھتے۔ الْفَحْشَآءِ کا ذکر قرآن حکیم میں اور جگہ بھی ہے۔ مثلاً یوسفؑ اور زلیخا کے مشہور قصے میں جب اول الذکر بدفعلی سے صاف بچ نکلے تو فرمایا: وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ (۱۲: ۲۴) "اور وہ عورت تو یوسف کے ساتھ ارادۂ بد کر ہی چکی تھی اور علیٰ ہذا القیاس اگر یوسفؑ کو اپنے خدا کے احکم الحاکمین اور حاضر و ناظر ہونے کی دلیل اُسوقت آنکھوں کے سامنے نہ پھر جاتی تو وہ بھی اس عورت کے ساتھ ارادۂ بد کر بیٹھتے، اور یہ اسباب ہم نے اس لیے پیدا کر دیے کہ یوسفؑ کو بدکاری اور بے حیائی سے باز رکھیں، اس میں شک نہیں کہ وہ ہمارے خالص اطاعت گذاروں میں سے تھا" یہاں الْفَحْشَآءِ سے مراد صاف زناکاری اور بے حیائی ہے۔ سورۂ نحل میں خدا کے متعلق يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ" (۱۶: ۹۰) ہے مگر وہاں الْفَحْشَآءِ کا مفہوم کچھ نہیں دیا۔ سورۂ نور میں قصہ افک کے متعلق حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی بریت کے بعد ایمان والوں سے خطاب ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ

Marfat.com

تو اسلام کی جماعت کو سیدھے سے سیدھے، چھوٹے سے چھوٹے، اور قریب سے قریب راستے سے دُنیاوی نعمت اور اقتدار، تمکن فی الارض اور تخلف کے اُس معراج پر پونہچا جسکو حاصل کرنیکے لیئے تو نے اپنا پاک رسول "الھدیٰ" دَ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰۸) فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَىٰ مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ٥ (۲۴-۲۱) یعنی اے ایمان والو! ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ شیطان کے قدم بقدم نہ چلو اور اسطرح کی بیحیائی کی باتیں آپس میں نہ پھیلنے دیا کرو، اور تم میں سے جو شخص شیطان کے قدم بقدم چلیگا تو جان لے کہ شیطان لعین اُسکو ایسی ہی بیحیائی کی باتیں (الفحشآء) کرنے کا حکم دیگا، اور آپس میں فساد برپا کرنے اور نفاق پھیلانے (المنکر) کی ترغیب دیگا۔ اور مسلمانو! اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم شامل حال نہ ہوتا تو تم میں سے ایک فرد بشر کا دل بھی آلایش عصیاں سے پاک نہ ہوتا لیکن وہ خدائے عظیم جسکو مناسب سمجھتا ہے (یشآء) تزکیہ نفس کی توفیق دیتا ہے، اور وہ برائیوں کو سمجھنے والا (سمیع) اور دونوں کی بخت و بڑ کو جاننے والا (علیم) ہے" یہاں "الفحشآء" اور "المنکر" دونوں کو اکٹھا کر دیا ہے اور دونوں کے مطالب کی تصریح کر دی ہے گویا الفحشآء شیطان کی طرف سے نفس امارہ کو وہ باطنی ترغیب و تحریص ہے جس سے کوئی شخص اپنی قوم کے کسی فرد کے متعلق کوئی بیحیائی یا بدنامی کی بات پھیلانے پر آمادہ ہوتا ہے اور المنکر وہ باہمی نفاق اور باطنی کدورتیں، وہ فساد آرا اور انتشار عمل ہے جو ایسی باتوں کے ناحق پھیلانے سے پیدا ہوتا ہے اور جو آج ہر مسلمان کی گھٹی میں پڑا ہے۔

اِس تمام بحث و تمحیص سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ الفحشآء سے مراد وہ انسانی عیوب ہیں جو شیطان نفس امارہ کی وساطت سے کراتا ہے اور جن میں بالتخصیص (۱) شہوات نفسانی کے ہیجان کی تدابیر اختیار کرنا (۲) محبت مال میں غلو کرنا اور خدا کیلئے بہترین شے نہ دے سکنا، (۳) آبا و اجداد کی بیہودہ اور ہلاکت انگیز رسموں کی اندھا دھند تقلید کرنا، (۴) زناکاری کی طرف مائل ہونا، (۵) افراد ملت کو بدنام کرنے کی غرض سے بیحیائی کی باتیں لوگوں میں پھیلانا، شامل ہیں ان باتوں کا کرنا شیطان کا صحیح معنوں میں اتباع اور اسکی سچی عبادت ہے۔ زیر بحث آیت یعنی (۲۹ : ۴۵) میں کہا گیا ہے کہ الصّلوٰۃ وہ شے ہے جو الفحشآء اور المنکر سے قطعاً روک دیتی ہے۔ اگر ایک شخص صحیح معنوں میں الصّلوٰۃ کو خدا کے حضور میں حاضری سمجھ رہا ہے، اگر وہ دن بھر کے اعمال کے بعد الصّلوٰۃ کو حاکم اعلیٰ کی پیشی میں ان اعمال کا محاسبہ سمجھتا ہے تو وہ لامحالہ فحشآء سے بچیگا۔ علیٰ ہذا القیاس اگر الصّلوٰۃ وہی متفقہ درخواست ہے جو تمام اسلامی جماعت کی طرف سے خدا کے حضور میں کی جاتی ہے تو اسکے بعد مسلمانوں کے آپس میں نفاق (المنکر) واقع ہونے کی گنجایش قطعاً نہیں رہتی۔ انہی معنوں میں الصّلوٰۃ الصّلوٰۃ ہے اور اسی لیئے ال تخصیصی اسپر داخل ہے۔ الصّلوٰۃ کی ماہیت کے متعلق مفصل بحث چوتھی مجلد میں آئیگی۔ ان اوراق میں اسکی حکمت عملی سے بحث ہے لیکن الفحشآء کی تخصیص اور تحدید جو قرآن عظیم نے متذکرہ صدر آیات میں کی ہے زیادہ تر اس وجہ سے ہے کہ یہ پانچوں شقیں ہر قوم کی اجتماعی زندگی کیلئے ازبس مہلک ہیں۔ اگر مسلمانان عالم نماز کو فی الحقیقت مجرم کی پیشی سمجھ کر فواحش کی ان پانچوں قسموں سے محترز ہیں تو آج انکی بگڑی پھر بن سکتی ہے۔ مغربی اقوام میں دوسری تیسری اور پانچویں شقیں اسقدر کالعدم ہیں کہ الفحشآء کا ایک عظیم حصہ انکی ہیئت اجتماعی سے بالکل نکل چکا ہے۔ ایثار مال انمیں جدید ہے، آبا و اجداد کی واہی رسموں کی تقلید تین صدیوں سے بالکل غائب ہے، علیٰ ہذا القیاس اپنی قوم کے افراد کی بدنامی کے درپے نہ ہونا انکا قومی شعار ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ وہ پہلی اور چوتھی شق یعنی نفسانی شہوات اور زناکاری کی طرف نسبتاً بہت زیادہ مائل ہیں اور ممکن ہے کہ زمانہ قریب میں یہی انکی اجتماعی ہلاکت کا باعث بن جائے لیکن اس موضوع پر بحث غالباً تیسری مجلد میں آئے گی۔

الصّلوٰۃ کی اس جامع و مانع تعریف کے بعد قرآن حکیم نے زیر بحث آیت یعنی (۲۹ : ۴۵) میں وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ کہکر نماز کی حکمت عملی اور صحیح منتہائے نظر کو اور بھی واضح کر دیا ہے۔ بعبارۃ اخریٰ یہ کہا ہے کہ الصّلوٰۃ اگرچہ دن بھر میں پانچ وقت خدا کے حضور میں حاضری اور اپنے اعمال کی جوابدہی ہے لیکن خدا کو ہمیشہ یاد رکھنا (ذکر اللہ) اُس کا کھٹکا ہر وقت لگائے رکھنا (ذکر اللہ) یعنی چوبیس گھنٹے اُس حاکم اعلیٰ کا خوف جو در رکھنا (ذکر اللہ)، غیبت اور حاضری، نماز اور غیر نماز دونوں موقعوں پر اسکو حاضر ناظر اور نگران اعمال یقین کرنا وہ مصلح اعمال شے ہے جو الصّلوٰۃ سے کہیں بڑھکر (اکبر) ہے۔ انسان کو اگر یہ کیفیت دوام نصیب ہوجائے تو الصّلوٰۃ سے بدرجہا بہتر ہے۔ ذکر کے معنی وہ نہیں جو لوگوں نے نہایت نافہمی سے وضع کر لیئے ہیں اور وہ یہ کہ سب کاروبار چھوڑ کر تسبیح ہاتھ میں لے لیں اور خدا کا نام تمام دن رٹ رٹ کر بے اثر کرتے رہیں، یہ تشریح نہایت لچر اور مضحکہ انگیز ہے اور وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ تمام دنیاوی کاروبار کے ضمن میں خدا کا کھٹکا لگائے رکھنا اور ان اعمال کو قانون خدا کے مطابق کرنا ہی ذکر خدا ہے۔

Marfat.com

دِیْنِ الْحَقِّ † ساتھ دے کر بھیجا تھا!

اِھْدِنَا †

† اَلْھُدٰی اور دِیْنِ الْحَقِّ کا اشارہ آیہ ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ۔(۶۱ : ۹) کی طرف ہی جو صفحہ ۱۸۲ پر منتہائے اسلام کی تعیین کے ضمن میں پیش کی گئی تھی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس اَلْھُدٰی کے بھیجے جانے کا ذکر اس آیت میں ہے، اسکی ایک اہم شق کی توضیح صفحہ ۱۹۲ وغیرہ پر ہو چکی ہے جہاں پر ثابت کر دیا ہے کہ اَلْھُدٰی کا الٰہی مفہوم وہ استعداد مصالحت و اتحاد ہے جو پیغمبر آخر الزمان نے عرب قوم کے اندر ایک اتنی قلیل مدت میں پیدا کر دی تھی اور جو صحیح معنوں میں لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ کا باعث ہوئی۔ دِیْنِ الْحَقِّ کے معنی سچائی کی راہ عمل کے ہیں گویا سورۂ فاتحہ میں جس اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ پر چلنے کی درخواست پنجوقتہ ہوتی ہے وہ یہی دین الحق ہے جو رسول خدا کے ساتھ بھیجا گیا تھا۔ اگلے اوراق میں اسی صراط مستقیم کی تبیین کیگئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ کیا ہے اور کیونکر لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ یا اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کا مصداق بنانا اسکا کام ہے۔

† ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے سورۂ فاتحہ کا صحیح مفہوم پالینا، اور بعد ازاں اسکو پیش نظر رکھکر زندگی کا منتہائے عمل بنانا اسقدر اہم ہے کہ اسکے بدون نہ کوئی نماز صحیح معنوں میں نماز ہے اور نہ اُس غرض و مطلب کیلیئے کوئی مستقل عمل پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر آج قرنہا قرن کے تدریجی نسیان اور فقدان علم کے بعد اوسط مسلمان کو یہ بھی پتہ نہیں رہا کہ وہ خدا کے حضور میں پنجوقتہ ہاتھ باندھ کر کیا مانگ رہا ہے، وہ ہر رے سے کچھ مانگتا بھی ہے یا نہیں، یہ رکوع و سجود کیوں ہیں، یہ اُٹھنا بیٹھنا کس مطلب کیلیئے ہے، یہ ظاہری ادب اور مسلسل قومے اور قعدے کس اضطراب دل کے مظاہر ہیں، اگر یہ سبق جو نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیئیس برس کے مسلسل عمل کے بعد پڑھایا تھا قطعاً بھولا جا چکا ہے تو ایسی نماز سوائے اس کے کہ وہ کچھ بن جائے جو آجکل ہے اور کیا ہو سکتی ہے۔ ان آیات میں بعض امور نہایت غور طلب ہیں: "اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" کیا شئے ہے؟ اگر اس کی تعریف صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ہے تو اس میں "نِعْمَتَ" کا کیا مفہوم ہے؟ "اَلْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ" سے بعینہ کون مراد ہیں؟ "اَلضَّآلِّیْنَ" کے مصداق کون لوگ ہیں؟ یہ سب سوالات ایسے ہیں کہ ان کے اطمینان بخش حل کے بغیر "اَلصَّلوٰۃ" کی ماہیت کو سمجھنا از بس محال ہے۔

شارحین کلام الٰہی نے بالعموم ان عظیم الشان آیات کے مطالب کو اپنے مشہور خود پسندانہ اور تحکمانہ لہجے میں بیان فرما کر چند جملوں میں ختم کر دیا ہے۔ ان کے نزدیک "اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" "دین اسلام کا سیدھا رستہ" ہے۔ گویا تعریف المجہول بالمجہول ہے۔ "اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ" سے مراد انکی رائے میں "روحانی نعمتیں" ہیں جنکے اہل روز اول سے "مسلمان" قرار پا چکے ہیں۔ "اَلْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ" یہودی ہیں جن پر قہر خدا صدیاں گذریں نازل ہوا تھا اور اب تک انکی اولاد پر نازل ہو رہا ہے۔ "اَلضَّآلِّیْنَ" نصرانی لوگ ہیں جن پر غضب خدا آنے والا ہے اور ان کی گمراہی مُسلّم ہے۔ گویا اس مقام نظر سے مسلمان دن میں پانچوقت وہ شئے مانگ رہا ہے جو اسکو الحال حاصل ہے۔ اور ابد الآباد تک حاصل رہے گی بشرطیکہ منہ سے مسلمان بنا رہے! آج یہ نارواتخیل ہر مسلمان کی اقلیم خیال میں اسقدر مستحکم اور متمکن ہو گیا ہے کہ کوئی دلیل اُسکو اقوام عالم کی اس مفروضہ صدر نشینی سے ہٹانے کیلیئے کارگر نہیں ہوتی، بلکہ لطف یہ ہے کہ جب اُسکو اسلامی اُمت کی خستہ حالی اور نصرانی کی دنیاوی خوشحالی یاد دلائی جاتی ہے تو وہ غیظ و غضب میں آکر اور بھی اپنے آپ کو خدا کا منظور نظر اور "اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ" کا صحیح مصداق شمار کرتا ہے۔ اور اس کرسی نشینی سے دست بردار ہونا اپنے لیئے گناہ سمجھکر روحانیت کی نادیدہ اور ناقابل درک کشور میں سر چھپا لیتا ہے۔ اسکی نظروں میں نصرانی بہر نوع مستوجب عذاب ہیں، اُن سے خدا بیحد ناخوش ہے۔ یہ انعام جو آج اُنکو مل رہے ہیں بلا استحقاق مل رہے ہیں۔ نہیں بلکہ اُسکے نزدیک آج دنیاوی نعمت کچھ شئے نہیں رہی، اگرچہ تیرہ سو برس سے وہ اسی دنیاوی نعمت کا راگ الاپتے ہوئے بادشاہت زمین کو اپنے منظور خدا ہونے کا ثبوت دیتا رہا ہے، اور طرفہ تر یہ کہ اسکو یہود کے مغضوب علیہ ہونے کا اعتراف بھی اکثر اسی بنا پر ہے کہ اُنکی قوم پر اجتماعی مسکنت اور ذلت چھا رہی ہے، اُنکی کوئی زمینی بادشاہت نہیں ہے وہ دنیا کے ملکوں میں در بدر اور مارے مارے پھر رہے ہیں وغیرہ وغیرہ، مگر جب اسی حالت کا اطلاق آج بعینہ اپنے آپ پر ہوتا ہوا دیکھتا ہے تو اسکا ذہن سلیم اسکو یکسر جواب دے دیتا ہے، اور وہ باصرار اسی خیال پر قائم ہو جاتا ہے کہ مسلمان باوجود اس زبون حالت کے صراط مستقیم پر ہیں، اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ہیں، مغضوب علیہم ہرگز نہیں، اَلضَّآلِّیْنَ بننے کا امکان اُن کے حق قطعاً نہیں۔ وغیرہ وغیرہ اس دل خوش کن تخیل کی ظاہر

الصِّرَاط

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۰) کہ کوئی سند سورۂ فاتحہ کے اندر موجود نہیں، اور نہ اس فیصلے سے، خواہ وہ تمام مسلمانانِ عالم کا متفقہ فیصلہ ہی کیوں نہ ہو، قانونِ خدا یا قولِ رب العالمین کے مفہوم میں کوئی تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے۔ جو بات کسی دلیل کی محتاج نہیں یہ ہے کہ ربِ زمین و آسمان نے اِن آیاتِ شریفہ میں ہر مسلمان کو دن میں پانچ وقت بلکہ ہر نماز میں کئی دفعہ صراطِ مستقیم پر رہنے کی دعا سکھلائی ہے، اگویا یہ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ہی وہ شے ہے جس سے ہر انسان کے بھٹک جانے کا ہر لحظہ خطرہ ہے، ہر مسلمان کے اس راہ سے بے راہ ہو جانے کا ہر آن امکان ہے، اور جب تک اسکی تمام توجہ صرف نہ ہو، اُسکا اِس پر از خود چلتے رہنا محال ہے۔ یہ سیدھی سادی دلیل ہر ہوشمند شخص کو اس نتیجے پر پہونچا دیتی ہے کہ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ پر قائم رہنے کے لئے بیحد جد و جہد کی ضرورت ہے اور جب تک وہ سعی و عمل جاری ہے ایک مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان ہے۔ اگلے وقتوں کے ہوشمند، دقیقہ رس اور اسلام شناس علمار نے اِس حقیقت کبریٰ کو ان نہایت خوب صورت، بلیغ، اور نتیجہ خیز الفاظ میں ادا کیا تھا کہ اسلام کا صراطِ مستقیم ایک نہایت دشوار گذار **بال سے سوا باریک، اور تلوار سے سوا تیز رستہ ہے** جس پر سے ہر متنفس کو گذرنا ہے، جو شخص **مسلمان** ہے وہ اس رستے پر سے آسانی سے گذر جائے گا (کیونکہ مسلمانی کی شرط یہ ہے ہر لحظہ سعی و عمل کرتے رہنا اور باحتیاط تمام اس راہ کو عبور کرنے کی سعی کرنا ہے) جو مسلمان نہیں وہ کٹ کر جہنم میں جا گرے گا۔ "وغیرہ وغیرہ" بعد کے جاہل کٹ ملاؤں نے ان الفاظ کی حقیقت کو توڑ مروڑ کر صراطِ مستقیم کو عالمِ آخرت کے دوزخ کا کوئی پُل بنا دیا، اور سعی و عمل سے گریز کرنے کا بہانہ ڈھونڈنے کے لئے اِس معنی خیز بیان کو احوالِ قیامت کا ایک واقعہ بنا کر اعلان کر دیا کہ اس پُل صراط پر سے ہر شخص گذرے گا، مسلمان اپنی قربانیوں کے دُنبوں پر سوار ہو کر سرپٹ جنت میں جا داخل ہوں گے۔ یہودی اور نصرانی وغیرہ کٹ کر دوزخ میں دھڑام سے گر پڑینگے! آج یہ سب حکایت حقیقت سے اس قدر دور ہو گئی ہے کہ ہر سلیم الذہن شخص اس کو سُنکر بے اختیار ہنس پڑتا ہے اور مسلمانیت کو بیہودہ افسانوں کا مجموعہ قرار دے کر اس سے یکسر متنفر ہو جاتا ہے!

ادنیٰ تامل بھی ہر شخص کو اس نتیجے پر پہونچا دیتا ہے کہ جو خطِ مستقیم بال سے سوا باریک اور تلوار سے سوا تیز ہو اُس پر چلتے رہنا کس قدر انتہائی احتیاط کا کام ہے اور اسمیں اِدھر اُدھر ہٹنے کی کس قدر کم گنجایش ہے۔ نہیں بلکہ جس طرح کوئی بازیگر کسی رسّی پر چلتے ہوئے تمام توجہ **عدل و توازن** قائم رکھنے میں صرف کر دیتا ہے اسی طرح کسی امت کا ہر لحظہ اپنی تمام احتیاط **قسط و اعتدال پر رہنے میں صرف کر دینا صراطِ مستقیم پر چلنے کے مترادف ہے**۔ دینِ اسلام کا یہ اصل اصول قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ (۷، ۲۹) کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے جو اس سے پیشتر صفحہ ۲۰۱ پر آ چکے ہیں۔ اصل کتاب میں آیندہ اوراق (صفحہ ۲۳۶-۲۴۷) میں صراطِ مستقیم کی قرآنی تعریف بصراحت تمام بیان کر دی جائے گی۔ جس کے مطالعے کے بعد واضح ہو جائے گا کہ جو امت صراطِ مستقیم کے اس مفہوم پر بطور تمام اور بسہولت تمام چل رہی ہے اُس کا اس دنیا میں قوت اور تمکن سے رہنا اٹل ہے، اُس کا بقائے فی الارض اور استخلاف قطعی ہے، کوئی دوسری قوم اُسکے بالمقابل صف آرا ہو کر اُسکو میدانِ حیات میں پچھاڑ نہیں سکتی، اسبابِ دنیاوی انعام اور افضالِ الٰہی اُس قوم کے شاملِ حال ہر دم ہیں اور رہیں گے وغیرہ وغیرہ۔ پس یہ دنیاوی تمکن ہی وہ صراطِ مستقیم ہے جس کی تعریف ربِ زمین و آسمان نے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے الفاظ میں کی ہے۔ اور اسی سے ہٹ کر قومیں مغضوب علیہم بن جاتی ہیں یا الضَّآلِّيْنَ میں شمار ہو کر شدید العقاب خدا کے عذاب کو دعوت دیتی ہیں۔ اِن آیات میں یہود و نصاریٰ کی حتماً کوئی تخصیص نہیں اور نہ مسلمان بالخصوص الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ہیں۔ وہ بلاشبہ اُس وقت تھے جب قسیمِ رزقِ خدا کے انعام اُن کو ہر طرف سے مالامال کر رہے تھے مگر اب سب طرف قہرِ خدا ہے۔ ! ہم نماز میں جو تمنا و گذارش اسی کی ہے کہ ہم کو اس صراطِ مستقیم پر چلا جس پر چلنے سے تو خوش ہو جائے اور دنیاوی انعامات اور تعززسے مالامال کر دے۔ یہی دعا ایک تنخواہ دار غلام کی اپنے آقا سے ہو سکتی ہے، اور اسی صلاحیتِ عمل کا کوئی آقا اپنے غلاموں سے متمنی ہو سکتا ہے۔ اِهْدِنَا، اور 'الَّذِيْنَ' اور 'عَلَيْهِمْ' اور 'الضَّآلِّيْنَ' کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ انعام اور سزائیں سب **اجتماعی** ہیں، اور اسی لئے الصَّلٰوة خدا کے حضور میں قوم کی طرف سے ایک **متفقہ درخواست** ہے، افراد کا اپنی جماعت سے الگ ہو کر دعا کو حضورِ خدا میں گذراننا ایسا ہی بے معنی ہے جیسا کہ کسی مسلمان کا افراد

Marfat.com

الْمُسْتَقِيمَ ۝

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۱) قوم سے الگ تھلگ ہو کر صراط مستقیم پر چلنے کی سعی کرنا جیسا کہ آگے چلکر اس وقت واضح ہوگا جب کہ صراط مستقیم کے متعلق سب اعمال اجتماعی ثابت کر دیئے جائینگے پیغمبر خدا صلعم نے اسی مقام نظر سے الصَّلٰوۃ کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے باصرار تمام فرمایا تھا کہ جماعت کے بغیر کوئی نماز فی الحقیقت نماز نہیں ہے۔

رہی یہ بات کہ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ، کے الفاظ سے دنیاوی نعمتیں ہی مراد ہیں، یہ نماز کی رکعتوں میں دمبدم اُٹھنا اور بیٹھنا، یہ احکم الحاکمین کے حضور میں دست بستہ کھڑا ہونا، یہ گھٹنوں کے بل جھک جانا اور بار بار ماتھا رگڑنا، پھر اُٹھنا اور گڑگڑانا، وغیرہ وغیرہ سب کچھ دنیاوی انعام کی امید اور اجتماعی سزا کے خوف سے تھا۔ اس کا ثبوت خود قرآن کے اندر موجود ہے۔ قرآن حکیم میں نعمت کا لفظ کئی جگہ استعمال ہوا ہے مگر ماسوا اُن شاذ موقعوں کے جن کا ذکر آگے چلکر آئے گا سب جگہ نعمت سے مراد دنیاوی نعمتیں ہی ہیں روحانی نعمتوں کا جنکے صحیح معانی کی تعیین بھی ازبس مشکل ہے، قرآن حکیم میں کہیں ذکر نہیں۔ توضیح مطالب کے لیئے یہ سب موقعے یہاں پر لکھ دیئے جاتے ہیں مگر خوف طوالت کے باعث بعض حوالوں کو مختصراً بیان کر دیا ہے۔ مزید معلومات کے لیئے سیاق کلام کو دیکھنا چاہیئے۔

(الف) سورہ انفال میں ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۝ (۸: ۵۳) یعنی "یہ اس وجہ سے کہ خدا کا دستور ہے کہ وہ کسی قوم پر سے اپنی عطا کی ہوئی نعمت کو نہیں بدلتا جب تک کہ لوگ آپ اپنی استعداد کو نہ بدلیں"۔ یہاں نعمت صاف دنیاوی راحت اور امن ہے، اور "اَنْعَمَهَا عَلٰى" کے الفاظ بھی آئے ہیں جن کی مماثلت سورہ فاتحہ کے "اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ" سے عیاں ہے۔

سورہ ابراہیم میں دنیاوی نعمتوں کی تفصیل کے بعد فرمایا ہے: وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ (۱۴: ۳۴) "اور لوگو! اس نے تم کو جو کچھ تم نے مانگا بقدر ضرورت دیا، اور اگر خدا کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ہرگز نہ گن سکو گے"۔ یہی بات آیت (۱۶: ۱۸) میں ہے مگر اُسکے اعادے کی ضرورت نہیں۔ سورہ لقمان میں کشتیوں کے سمندر میں چلنے (اور اس ترکیب سے انسان کے لیئے سہولت سفر پیدا کرنے) کو بھی نعمت الٰہی کہا گیا ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ (۳۱: ۳۱) یعنی "اے مخاطب! کیا تو نے اس حیرت انگیز حقیقت پر غور نہیں کیا کہ کشتیاں سمندر میں خدا کی نعمت (احسان) کے باعث چل رہی ہیں، اور یہ اسلیئے کہ خدا تم کو اپنی قدرت کے حیرت انگیز عجوبات دکھلائے! اسمیں شک نہیں کہ عجائبات قدرت پر استقلال سے ہر غور کرنے والے (صَبَّار۔ دیکھو صبر کے مطالب تحت المتن صفحہ ۱۱۸) اور نعمتہائے خدا کے صحیح معنوں میں قدردان (شَكُوْر۔ دیکھو شکر کے مطالب تحت المتن صفحہ ۱۳) شخص کے لیئے کشتیوں کے سطح سمندر پر چلنے میں علم و عمل کے بہتیرے اشارات (لَاٰيٰت) موجود ہیں"۔ علیٰ ہذا القیاس سورہ قمر میں کنکروں کے پتھراؤ سے آل لوط کی نجات کو نعمت خدا ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۝ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ۝ (۵۴: ۳۴–۳۵) یعنی "پھر ہم نے اُس قوم پر پتھروں کی بارش کی مگر خاندان لوط کے لوگوں کو ہم صبح ہوتے ہوتے بچا لے گئے، یہ ہمارے ہاں سے آل لوط پر نعمت تھی، اور جو لوگ ہمارے احکام کی قدردانی کر کے اُن کی کماحقہ تعمیل کرتے ہیں (مَنْ شَكَرَ۔ دیکھو شکر کے مطالب تحت المتن صفحہ ۱۳) اُنکو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں"۔ سورہ قلم میں حضرت یونس کے مچھلی کے پیٹ سے نکل کر نجات پانے کو نعمت خدا سے تعبیر کیا ہے۔ گویا اس موقع پر بھی نعمت دنیاوی مصیبت سے نجات پانے کے مترادف ہے، روحانیت سے اسکو کچھ واسطہ نہیں: لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَاۗءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ۝ (۶۸: ۴۹)، یعنی "اگر خدائے رحیم کا فضل و کرم ان کی دستگیری نہ کرتا تو بڑے عالوں چٹیل میدان میں پھینک دیئے ہوتے"۔ سورۂ احقاف میں نعمت کا دنیاوی مفہوم زرا واضح تر ہے۔ چنانچہ اس نہایت دقیق آیت کے مطالب جسمیں اَنْعَمْتَ عَلَیَّ کے الفاظ قابل لحاظ ہیں یہاں بتمام کمال لکھ دیتے جاتے ہیں:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ حَتّٰٓي
اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَ

Marfat.com

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۲) اَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰىهُ وَاَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّیَّتِیۡ ۚ اِنِّیۡ تُبۡتُ اِلَیۡكَ وَاِنِّیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ۝ (۴۶ : ۱۵)
اور لوگو! ہم نے انسان کو حکم دیدیا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے، وہ فی الحقیقت اِس سلوک کے مستحق ہی ہیں کیونکہ تکلیف اٹھاکر ہی اسکی ماں نے اُسکو پیٹ میں رکھا، اور دردناک اذیت کے بعد ہی اسکو جنا، پھر یہی نہیں بلکہ اس کا پیٹ میں رہنا اور اسکے دودھ کا چھوٹنا کہیں ڈھائی برس میں جاکر ختم ہوتا ہے (لیکن انسان وہ ناشکر اور احکام خدا سے باغی انسان ہے کہ ماں کی اِن تکالیف کی کماحقہٗ پروا نہیں کرتا اور طفولیت کی نادانیوں اور کم عقلیوں میں مست رہکر ماں باپ سے اینٹھا اینٹھا پھرتا ہے اور اُسکے احسان کو کچھ خاطر میں نہیں لاتا۔ اُسکو صحیح معنوں میں ہوش نہیں آتی) جب تک کہ آخر کار وہ سن رشد و تمیز کے کمال کو پونہچکر آپ چالیس برس کی عمر کا ہو جاتا ہے (حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ) پھر جب باپ بن کر خود اُن تکالیف کو سہنے لگتا ہے تو بزبان حال پکار اٹھتا ہے کہ اے میرے پروردگار! مجھے اس بات کی توفیق دے (قَالَ رَبِّ اَوۡزِعۡنِیۡۤ) کہ میں تیری اِن نعمتوں کی صحیح معنوں میں قدر کروں (اَنۡ اَشۡكُرَ، دیکھو شکر کے معانی تحت المتن صفحہ ۱۳۴) جو تم نے بحیہ طفولیت عطا کی تہیں اور آج کر رہا ہے، اور جو میرے ماں باپ پر کی تہیں، اور مجھے توفیق دے کہ میں وہ مناسب اعمال کروں جنسے تو راضی ہو جائے، اور میری اولاد کو بھی (جو ہماری میاں بیوی کی تکالیف سے بیخبر ہے) مناسب راہ پر لا (وَاَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّیَّتِیۡ)، میں تو اب چالیس برس کی غفلت کے بعد تیری ہی طرف لوٹ آیا ہوں (اِنِّیۡ تُبۡتُ اِلَیۡكَ) اور صحیح معنوں میں تیرے احکام کو پر از حکمت سمجھکر انکو تسلیم کرتا ہوں۔

(قرآن کی بلاغت یہی ہے کہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مطلب ادا ہو جائے اور ہر صاحب غور و فکر فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس آیۂ شریفہ کا بعینہٖ یہی مطلب ہے جو بیان ہوا اسمیں انسان کی فطرت اور عادت مستمرہ کو واضح کیا گیا ہے۔ چالیس برس کی عمر کو پونہچکر حقیقت حال کا کُھلنا ہر صاحب نظر پر واضح ہے۔ زندگی کی اسی منزل پر استعداد و تمیز حد کو پونہچ جاتی ہے اور انسان کو اپنی ماہیت پر غور کرنے اور اس دنیا جہان کے کارخانے کو بنظر تعمق دیکھنے کی اہلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ خود رسول خدا صلعم کو نبوت کا خلعت بھی اسی عمر میں عطا ہوا تہا۔ فافہم و تدبر)۔ لیکن اس بحث سے قطع نظر، اس آیۂ شریفہ میں "نِعۡمَتَ" کا مفہوم سراسر دنیاوی احسان ہی ہیں۔ روحانیت کا یہاں کچھ ذکر نہیں۔ سورۂ یوسف میں علیٰ ہذا القیاس تاویل احادیث کے علم کو اتمام نعمت قرار دیا ہے: وَیُعَلِّمُكَ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ وَیُتِمُّ نِعۡمَتَهٗ عَلَیۡكَ (۱۲ : ۶)، یعنی "اسی طرح خدا تم کو 'تاویل احادیث' کا علم سکھادے گا اور اپنی نعمت کا تم پر اتمام کرے گا"۔ 'تاویل احادیث' کے صحیح مفہوم سے یہاں پر بحث نہیں مگر ظاہر ہے کہ تحصیل علم کو یہاں نعمت فرمایا ہے۔ سورۂ نساء آیۂ (۴ : ۷۲) میں اَنۡعَمَ اللّٰهُ کے الفاظ دنیاوی مصیبت سے نجات پانے کے معنوں میں آئے ہیں اور وہ آیت صفحہ ۱۲۵ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے مگر یہاں پر اُس سے استدلال نہیں کیا کہ وہ الفاظ بطور قول غیر استعمال ہوئے ہیں نعمت کا الٰہی مقصود اُن سے مستنبط کرنا روا نہیں سمجھا!

(ب) انسان کی ناقدرشناسی کے ضمن میں کئی جگہ لفظ "نِعۡمَت" کا ذکر ہے جس سے مراد دنیاوی نعمتیں ہی ہیں۔ سورۂ زمر میں ہے: فَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلۡنٰهُ نِعۡمَةً مِّنَّا قَالَ اِنَّمَاۤ اُوۡتِیۡتُهٗ عَلٰی عِلۡمٍ (۳۹ : ۴۹)، یعنی "انسان کی عادت ہے کہ جب اُسکو کوئی تکلیف پونہچے تو ہم کو پکارتا ہے۔ پھر جب ہم اسکو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو مجکو میرے علم کی وجہ سے ہی ہے"۔ سورۂ حٰم السجدہ میں ہے: وَاِذَاۤ اَنۡعَمۡنَا عَلَی الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوۡ دُعَآءٍ عَرِیۡضٍ ۝ (۴۱ : ۵۱)، یعنی "جب ہم انسان پر اپنا دنیاوی فضل و کرم کرتے ہیں تو وہ ہم سے منہ پھیر کر کنارہ کش ہو جاتا ہے اور جب اُسکو کوئی تکلیف پونہچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے"۔ سورۂ بنی اسرائیل میں قریب قریب یہی مضمون ہے: وَاِذَاۤ اَنۡعَمۡنَا عَلَی الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ یَـُٔوۡسًا ۝ (۱۷ : ۸۳)، یعنی "..... تکلیف کے وقت آس توڑ بیٹھتا ہے"۔ اِن دونوں موقعوں پر اَنۡعَمۡنَا عَلٰی کے الفاظ قابل لحاظ ہیں۔ سورۂ زمر کے شروع میں پھر اسی دنیاوی نعمت کا ذکر ہے: وَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِیۡبًا

Marfat.com

الدِّيْن

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۳) اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ (۳۹:۸)، یعنی جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو خدا کی طرف ہمہ تن رجوع ہو کر کراہتا ہے، پھر جب خدا اپنی طرف سے کوئی نعمت اُسکو عطا کرتا ہے تو جس مطلب کے لیئے اُس نے خدا کو پہلے پکارا تھا اُسکو بھلا دیتا ہے۔" سورۂ نحل میں ایک جگہ اسی قطع کی یاددہانی ہے: وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ (۱۶:۵۳)، "یعنی لوگو! جسقدر نعمتیں تم کو مل رہی ہیں سب خدا ہی کی طرف سے ہیں، پھر جب تم کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اُسی کے آگے آہ و زاری کرتے ہو۔" سورۂ ہود میں پھر اسی ناشکر انسان کا ذکر ہے: وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝ (۱۱:۱۰)، "یعنی اور اگر اسکو کسی تکلیف کے بعد نعمہائے الٰہی کی لذت چکھائیں تو وہ کہنے لگتا ہے کہ اب میری سب بدحالیاں (السَّيِّاٰتُ) دور ہو گئیں، اسمیں شک نہیں کہ انسان بڑا جلد خوش ہو جانے والا اور جلد شیخی میں آجانے والا ہے۔"

(ج) دنیاوی نعمتوں کے بارے میں انسان کو خطاب کئی جگہ ہے۔ سورۂ نحل میں ہے: وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝ (۱۶:۸۱)، "یعنی لوگو! وہ خدا ہی ہے جس نے تمہارے فائدے اور آرام کے لیئے پیدا کردہ اشیا کے سائے بنائے، اور تمہاری پناہ کے لیئے پہاڑوں کے اوٹ بنائے اور لباس جو تم کو گرمی سے بچائیں۔ اور ایسی زرہیں بھی جو تم کو ایک دوسرے کی مار سے بچائیں، خدا یوں ہی اپنی نعمتیں تم لوگوں پر پوری کرتا ہے۔ تاکہ تم اسکو صحیح معنوں میں خدا تسلیم کرو۔" یہاں بھی صاف طور پر (نِعْمَتْ) سے مراد دنیاوی نعمتیں ہیں جن کا ذکر آیہ (۱۶:۸۰) سے برابر چلا آیا ہے اور آگے چلکر تاکید کے طور پر پھر يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (۱۶:۸۳) فرمایا ہے۔ یعنی لوگ خدا کی نعمتوں کو خوب سمجھتے ہیں، پھر دیدہ و دانستہ اُن سے انکار کرتے ہیں، اور اس میں شک نہیں کہ اُن میں سے اکثر ناشکر (كٰفِرُوْنَ) ہیں۔" اس آیۂ شریفہ میں خدا کی عطا کی ہوئی دنیاوی نعمتوں کو **نعمت نہ تسلیم کرنیوالوں کو بصراحت تمام کافر کہا گیا ہے**، جو مسلمان آج دنیاوی نعمتوں کو ہیچ سمجھکر اس دنیا کو قابل نفرت سمجھتے ہیں اُنکے لیئے یہ تہدید از بس عبرت انگیز ہے۔ اسی سورۃ میں انسان کی دنیاوی خوشحالی کو بار دگر نعمت سے تعبیر کیا ہے: وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَاۗدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰي مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (۱۶:۷۱)، "اور لوگو! اُس خدائے ذوالجلال نے ہی تم کو رزق میں ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے تو جن کو زیادہ روزی دیگئی ہے وہ کچھ اپنی دولت اپنے پیش خدمت غلاموں اور ماتحتوں کو لوٹا نہیں دیا کرتے تاکہ آقا اور غلام آپس میں برابر ہو جائیں۔ جب وہ ایسا نہیں کرتے اور اپنے تفضل رزق کو نہایت اہتمام سے برقرار رکھتے ہیں تو کیا اس کے بعد بھی اللہ کے احسانات سے منکر ہیں۔" اس مغلق آیت کے مطالب کے متعلق مُدلل بحث اپنے موقع پر آئیگی، مگر صاف ظاہر ہے کہ یہاں تفضل رزق کو نعمت کہا گیا ہے۔ اس سے اگلی آیت ہے: وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝ (۱۶:۷۲)، "اور لوگو! خدا ہی وہ کارساز حقیقی ہے جس نے تمہاری آسایش کے لیئے تم ہی میں کی بیبیاں بنائیں، اور تمہاری بیبیوں سے تمہارے لیئے بیٹوں اور پوتوں کو پیدا کیا اور تم کو نہایت عمدہ رزق ارزانی فرمائے، تو کیا یہ لوگ اس حقیقت کے کھل جانے کے بعد بھی فرضی معبودوں کے لاطائل انعاموں پر ایمان رکھیں گے، اور خدا کی دی ہوئی صریح نعمتوں کا کفران کرینگے؟" یہاں بھی صاف اور غیر مشکوک الفاظ میں بیویوں، اولاد، اور طیّبات رزق کو نعمت کہا گیا ہے اور اُنکے عدم اقرار کو کفر پر محمول کیا ہے۔ سورۂ فاطر میں ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ (۳۵:۳)، "یعنی اے ساکنانِ زمین! خدا کی نعمتوں کو جو تم کو دی گئی ہیں یاد کیا کرو اور غور کرو کہ کیا فی الحقیقت خدا کے سوا کوئی اور وجود بھی ہے جو اس قدر طاقت رکھے کہ تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچائے۔" یہاں نعمت وہ مادی وسائل ہیں جن پر انسان کی حیات کا مدار ہے۔ سورۂ لقمان میں ہے: اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً (۳۱:۲۰)

؎ نعمت بمعنی احسان: وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۝ (۲۶:۲۲) میں یعنی موسیٰ زنانے میں کرتے فرعون اپنا یہ مجھکو احسان کہتے ہو کہ تم نے بنی اسرائیل کو غلامی میں لگا رکھا ہو اسکو مزید طلب ہتی ہیں۔

النعمت

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۴) یعنی کیا تم لوگوں نے اِس بات پر نظر نہیں کی کہ خدا نے تمہارے فائدے اور استفادے کیلئے آسمان اور زمین کے اندر جو کچھ ہے تسخیر کر رکھا ہے، اور اِس تسخیر کے باعث گویا اپنی ظاہری اور باطنی سب نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں۔" یہ آیہ جلیلہ ناقابل انکار طور پر اِس حقیقت کبریٰ کی مؤید ہے کہ اشیائے فطرت سے استفادہ کرنا ہی ظاہری اور باطنی نعمتوں کی تکمیل ہے، گویا نعمت کا کامل اور مکمل مفہوم خدا کی تمام بنائی ہوئی اشیاء کا جائز استعمال ہی ہے، اِسکے ماسوا حتماً کچھ نہیں۔ یہاں پر رُوحانی نعمتوں کے وجود کی تکسیر تغلیط ہوجاتی ہے اور جیساکہ چوتھی مجلد میں علم کے عنوان میں واضح کر دیا جائے گا۔ فطرت کی اشیاء کے صحیح استعمال کے اندر اور اُس کے ضمن میں ہی رُوحانیت کے تمام مدارج کی تکمیل بھی ہو رہتی ہے۔ اور یہی وہ اوج مرتبت ہے جس کے حاصل ہونے کے بغیر کسی قوم کا اِس دنیا میں تمکن ناممکن ہے۔ (کتاب کے عربی افتتاحیہ میں قرآن حکیم کی اِس تعلیم کی ایک جھلک دکھلا دی گئی ہے (دیکھو صفحہ ۳۸-۴۸)

(د) انسانوں کی طرف عام خطاب سے قطع نظر بنی اسرائیل کی طرف خدائی خطابات بھی اسی حقیقت کبریٰ کو ظاہر کرتے ہیں کہ قرآن حکیم میں نعمت کا مفہوم دنیاوی افضال و اکرام ہی ہے۔ سورۂ ابراہیم میں حضرت موسیٰ کا قول ہے: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ (۱۴: ۶) یعنی "ایک وہ وقت تھا کہ جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے لوگو! خدا کی اُس نعمت کو یاد کرو جب اُس نے تم کو فرعون کے لوگوں کے ظلم سے نجات دی تھی، وہ تم کو غلامی میں رکھکر دردناک طور پر تکلیفیں دیتے، تمہارے بیٹوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کرتے کہ تم تعداد میں تھوڑے رہ جاؤ، اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے کہ وہ لونڈیاں بنکر رہیں"۔ یہاں ایک قوم کی سیاسی نجات کو نعمت خدا کہا گیا ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (۵: ۲۰)، "اور ایک وہ وقت تھا کہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے لوگو! خدا کی اُس عظیم الشان نعمت کو یاد کرو جب کہ اُسنے تم ہی میں سے پے درپے کئی پیغمبر تمہاری ہدایت کیلئے بھیجے پھر تم کو بادشاہ بنا دیا، اور وہ وہ انعامات عطا فرمائے جو دنیا جہان میں کسی قوم کو نہ دیئے تھے"۔ یہاں ایک سطح بین شخص کہہ سکتا ہے کہ انبیاء کا بنی اسرائیل میں مبعوث ہونا ایک روحانی نعمت تھی، لیکن ادنیٰ تامل بھی اِس نتیجے پر پہنچا دیتا ہے کہ اِن انبیاء کا آنا درحقیقت اُس قوم کی اجتماعی اور دنیاوی بہتری کیلئے ہی تھا، جیساکہ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا اور اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ خود موسیٰ علیہ السلام کا مطمح نظر بھی بنی اسرائیل کو فراعنہ مصر کے مظالم سے نجات دینا، اور اُس قوم کو قانون خدا کا پابند بنا کر بادشاہ بنانا ہی تھا جیساکہ متذکرۂ صدر آیت (۱۴: ۶) سے بھی ظاہر ہے، نہیں بلکہ اِس آیت سے بعد کی آیتیں (یعنی ۵: ۲۱-۲۶) جس میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارض مقدس پر حملہ کرنے اور دشمن سے مردانہ وار لڑکر بادشاہت زمین حاصل کرنے کی زبردست ترغیب دی ہے، پیغمبری کے منتہا، اور جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ کی نعمت کے مفہوم کو اظہر من الشمس کر دیتی ہیں۔ آگے چلکر اسی تحت المتن میں اِس واقعے کی مزید تفصیل کر دیجائے گی لیکن ہر صاحب نظر بطور خود دیکھ سکتا ہے کہ بنی اسرائیل کے پیغمبر بشمولیت موسیٰ علیہ السلام، اُس قوم کو اِس دنیا میں متمکن اور متسلط کرنے کیلئے ہی مبعوث ہوئے تھے۔ اور یہ اجتماعی بقا کی بشارت دینا ہی ہر مرسل کا پیغام جلیل ہوا کرتا ہے جیساکہ صفحہ ۸۱ کے تحت المتن میں واضح کر دیا گیا ہے۔ نبی اپنی قوم کے لیئے یا تمام دنیا کے لیئے چند روشن احکام خدا کے ہاں سے لے آتا ہے، پھر جبتک لوگ اُنپر عامل رہتے ہیں اجتماعی بقا کی بشارت اُنکو ملتی رہتی ہے، جب اُس راہ سے ہٹ جاتے ہیں ہلاک ہو جاتے ہیں، یہی سچی رُوحانیت، اور صحیح معنوں میں نعمت ہے۔ اِسی حقیقت کبریٰ کو اِسکے صاحب نے سورۂ بقرہ میں دوسرے لفظوں میں واضح کیا ہے: سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (۲: ۲۱۱) یعنی "اے محمد! تم بنی اسرائیل سے پوچھو تو سہی کہ ہم نے اُن کو کیا کچھ روشن قانون اور کتنے کھلے کھلے اور غیر مشکوک حکم دیئے تھے (اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ)، (وہ اگر اُنپر عامل رہتے تو ہمارے خزانۂ عامرہ سے کیا کیا انعام نہ پاتے)، لیکن جس قوم نے خدا کی نعمت کو اُسکے آنے کے پیچھے

عَلَيْهِمْ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۵) بدل ؟ الا تو خدا نے بھی آخر اُس قوم سے انتقام لیناہی تھا اور اسمیں شک نہیں کہ وہ بہت شدت سے بدلہ لینے والا
ہے ؟ یہاں اُن احکامِ خداہی کو نعمت کہا گیا ہے کیونکہ اُن پر عمل کرنے کا نتیجہ اجتماعی راحت تھی، اور رد کرنے کا بدلہ ہلاکت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہی
بات سورۂ بقرہ کے اس خطاب سے ظاہر ہے: یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝
(۲: ۴۷ و ۱۲۲) ۔ یعنی ”اے بنی اسرائیل! میری اُس نعمت کو یاد کرو جو کسی زمانے میں میں نے تم کو عطا کر رکھی تھی، اور بالخصوص اسکو کہ میں نے
تم کو دنیا جہان کی سب قوموں پر ہر طرح کی فوقیت دی تھی“ نہیں بلکہ ایک موقع پر دنیاوی فضیلت کو دوبارہ واپس دینے کا اقرار کیا ہے بشرطیکہ
احکام پر عمل از سرِ نو شروع ہو جائے، یا بعبارۂ اُخریٰ ماسوا کا خوف (جو فی الحقیقت تمام عصیان و عدم تعمیل کا باعث ہے) اُٹھ جائے: یٰبَنِیْٓ
اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ۝ (۲: ۴۰)، یعنی ”اے بنی اسرائیل!
یاد کرو وہ نعمتیں جو میں نے تمہیں دے رکھی تھیں، یاد کرو کہ وہ کیونکر چھن گئیں اور میری تو یہ شان ہے کہ اگر آج میرے عہد کو پورا کرو گے تو آج ہی
میں بھی اپنے عطائے سلطنت کے عہد کو پورا کر دونگا۔ اور وہ عہد یہی ہے کہ مجکو حاکمِ اعلیٰ مانکر مجھ ہی سے ڈرتے رہو“ کسی دوسرے موقع پر اس عہد و
پیمان کی جو خدائے عزوجل نے بنی اسرائیل سے کیا تھا تصریح کر دیجائے گی، یہاں پر بحث صرف نعمت کے صحیح مفہوم سے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ نعمت
بادشاہت زمین ہی تھی جو اُن سے چھین لی گئی۔ علیٰ ہذا القیاس فرعونیوں کے بارے میں ہے: كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِیْهَا فٰكِهِیْنَ[۵] (۴۴: ۲۵–۲۷)
(ھ) بنی اسرائیل سے خطاب کے علاوہ قرآنِ حکیم میں کئی موقعے ہیں جہاں بالخصوص قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں سے خطاب ہے، لیکن وہاں پر
بھی نعمت سے مراد دنیاوی نعمتیں ہی ہیں۔ سورۂ نحل میں رزق کی حلت اور حرمت کے بارے میں ہے: فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪
وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ (۱۶: ۱۱۴) ”پس اے مسلمانو! جو کچھ ہم نے تم کو دے رکھا ہے انہیں سے پاکیزہ اشیا کو
کھاؤ اور اگر تم فی الحقیقت خدا ہی کے تابع اور ملازم ہو (اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ) تو اسکی نعمتوں کا صحیح استعمال کرو (معانی شکر کے لیے دیکھو تحت المتن
صفحہ ۱۳۷)۔ سورۂ احزاب میں ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ
(۳۳: ۹)، یعنی ”اے ایمان والو! خدا کی اُس نعمتِ عظمیٰ کو یاد کرو جب کہ غزوۂ خندق میں تم پر لشکر کے لشکر آچڑھے تھے پھر ہم نے اُنکے زور کو
توڑنے کے لیے اُن پر تند ہوا بھیجدی اور آندھی کے علاوہ اور مقابلہ کرنے والی قوتیں اور افواج جن کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے“ یہاں بھی نعمت
وہ خدائی تائید تھی جسکا نتیجہ دنیاوی فتح کی صورت میں ظاہر ہوا۔ سورۂ مائدہ میں ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ
هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْٓا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ فَكَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ ۚ (۵: ۱۱)، یعنی ”اے ایمان والو! اپنے اوپر خدا کے اُس احسان کو یاد کرو جب ایک
گروہ نے تم پر دست تعدی دراز کرنے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن خدا نے تم سے اُن کے ہاتھوں کو روک دیا“ یہاں دشمن کے حملے سے بچ جانا نعمتِ
خدا ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں بدرِ صغریٰ کے میلے پر جو تجارتی فوائد مسلمانوں کو حاصل ہوئے اور جو اخلاقی فتح اُنکو ابو سفیان کی دھمکی سے نہ ڈرنے
اور بدر میں حسب وعدہ آدھمکنے سے ہوئی اسکے اعتراف میں ہے: فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ
وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ (۳: ۱۷۴)، یعنی ”پھر اسلام کا جرّار لشکر اور اُن کے بہادر سرخیل لوٹے تو اس شان سے لوٹے کہ خدا کی نعمتوں اور اُس کے
فضل و کرم سے لدے ہوئے تھے، بدر کے میدان میں تین دن رات پڑے رہنے کے باوجود اُن کا بال تک بیکا نہ ہوا (لَمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ)، وہ
خدا کی خوشنودی پر کاربند ہوئے تھے اور خدا بڑا ہی صاحب فضل و کرم ہے جو پل میں کچھ کا کچھ کر دیتا ہے“ یہاں نعمت کے دنیاوی مفہوم کے علاوہ
'فضل' کے معانی بھی صاف ہو گئے کہ قرآن کی لغت میں اس کا مفہوم بھی دنیاوی مال و دولت ہی ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں راہ خدا میں اپنی جان لڑا
دینے والے مجاہدین کی نسبت فرمایا ہے۔ وہ مرے نہیں بلکہ زندہ اور خوش بخوش خدا کے پاس موجود ہیں، اُن مجاہدوں کو جو ابھی مارے نہیں گئے
آخری امن کی بشارت دے رہے ہیں پھر اسکے بعد فرمایا ہے: یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ (۳: ۱۷۱)، یعنی ”وہ لوگ دنیا میں رہنے والے

[۵] یعنی ”ان لوگوں کو ہماری نافرمانی کے عوض کیسے کیسے عمدہ باغات اور چشمے، کیسی کیسی کھیتیاں اور عزیز القدر مقام اور تنعم کی چیزیں جنمیں مزے لوٹا کرتے تھے چھوڑنی پڑیں“۔ دیکھو صفحہ ۱۱۶۔

Marfat.com

عنبر

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۶) مومنوں کو خدا کے ہاں سے (مِّنَ اللّٰهِ) دنیوی انعام و اکرام اور فضل و کرم کی بشارت دے رہے ہیں"۔ یہاں نعمت سے صاف دنیاوی نعمت مراد ہے کیونکہ اخروی انعام کا ذکر بشیر کی آیت میں آچکا ہے۔ سورۂ فتح میں صلح حدیبیہ کی دور رس حکمت عملی کو فَتْحًا مُّبِيْنًا (۱:۴۸) کہہ کر اتمام نعمت اور صراط مستقیم کے معنی خیز القاب عطا فرماتے ہیں: وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (۲:۴۸) یعنی "یہ معاہدہ جو بظاہر خفت آمیز معلوم ہوتا ہے کمزور مسلمانوں کے لیے در اصل فتح مبین ہے کیونکہ ان کو اس اثنا میں اپنی قوتوں کو از سر نو جمع کرنے کا موقع مل جائے گا۔ دشمن اپنی قوت کے غرور میں اور قوی بننے کی سعی نہ کر سکے گا، اور یہ متارکہ فی الحقیقت تم پر خدائے عز و جل کی نعمت مکمل ہو جانے کا پیش خیمہ ہوگا، اور نیز اسلئے کہ خدا تم کو دشمن پر غالب آنیکے صراط مستقیم پر لیجائے"۔ یہاں نعمت کے سیاسی مفہوم کی توضیح کے ساتھ ساتھ صراط مستقیم کے مطالب کی بھی ایک حد تک تشریح کر دی ہے۔ سورۂ آل عمران میں قرون اولیٰ کے مومنوں کے بے مثال اتحاد اور اخوت کو دوبارہ نعمت کہا ہے: وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا (۱۰۳:۳)۔ مطالب صفحہ ۱۲۵ پر آچکے ہیں یہاں اعادے کی ضرورت نہیں۔ سورۂ مائدہ میں بدن کی تطہیر اور نماز سے پیشتر ہاتھ منہ دھونے کو بھی اتمام نعمت فرمایا ہے: مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۶:۵)، یعنی "خدا اس وضو اور تیمم کی بندش سے فی الحقیقت تم پر کوئی ناروا یا بے سبب تنگی کرنی نہیں چاہتا، بلکہ وہ انسان ایسی اشرف المخلوقات کو ظاہری نجاست اور آلایش سے ہر نہج پر قطعاً پاک و صاف کرنا چاہتا ہے، اور جہاں اُسنے تمہاری دنیاوی بہتری، معاشری بہبودی، اور اُخروی نجات کیلئے تم کو نہایت گرانقدر اصول سکھلائے ہیں وہاں وہ تمہاری جسمانی صفائی کا یہ چھوٹا سا اصول سکھلا کر فی الحقیقت تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کرنا چاہتا ہے تاکہ تم اُس نگہبان حقیقی کی اس حیرت انگیز محافظت کی دل سے قدر کرو (لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ)"۔ گویا یہاں بھی نعمت سے دنیاوی نعمت (یعنی جسمانی صحت) مقصود ہے، محض بدن کو دھو لینا کسی شخص میں روحانیت پیدا نہیں کر سکتا، اور نہ وضو سے اُس روحانیت کا اتمام پیش نظر ہے۔ بعینہ اسی نقطۂ نظر سے اس آیۂ شریفہ سے ذرا پہلے احکام حرمت ماکولات کے ضمن میں اتمام نعمت کا تذکرہ کیا ہے: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (۳:۵) یعنی "آج اے مسلمانو! ہم نے معاشری اور اجتماعی اوامر و نواہی کی کامل شرح و بسط کے بعد حلت اور حرمت کے ان نتیجہ خیز احکام کی بھی توضیح کر کے گویا تمہارے آئین اور مجوزہ طرز عمل کو (دِيْنَكُمْ) دنیا کے اس ابتلاگاہ سعی و عمل میں پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا ہے، بلکہ ایک رو سے اپنی تمام نعمتوں کی تکمیل کر دی ہے، اور تمہارے لیے اسی تقویت انگیز اور غلبہ اندوز اسلام کو بطور راہ عمل پسند کیا ہے"۔ حلت اور حرمت کے احکام کی نتیجہ خیز حکمت اور انکی اہمیت کے متعلق فلسفیانہ بحث کرنے میں ابھی بہت دیر ہے۔ یہ موضوع غالباً پانچویں مجلد میں آسکیگا، مگر پوری آیت کے مطالعے سے ظاہر ہے کہ مُردار شے کے کھانے سے بچنا، اور جیسی کراہت انگیز شے سے پرہیز کرنا، یا لحم خنزیر سی پلید اور مضر صحت چیز کو حرام سمجھنا، یا اور باقی اشیا جنکی حرمت کی تصریح اس آیت میں ہوئی ہے انکے کھانے سے گریز کرنا فی الحقیقت انسان کی معاشری اور دنیاوی زندگی کی اصلاح کا ایک منظر ہی ہے، ان کو روحانیت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں، اور اسی اتمام نعمت کا مفہوم یہاں پر بھی دنیاوی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس طلاق کے متعلق احکام خدا کی شرح و بسط کے بعد ارشاد ہے: وَلَا تَتَّخِذُوْۤا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَاۤ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ (۲۳۱:۲)، یعنی "مسلمانو! احکام خدا کو ہنسی مخول، بے نتیجہ اور بے مطلب باتیں (هُزُوًا) سمجھ کر ٹال دیا کرو، بلکہ اُن کی تعمیل خدا کے اُن بیش قیمت احسانوں کو دل میں رکھکر کیا کرو جو اُسنے وقتاً فوقتاً تم کو مناسب احکام دے کر کیئے۔ اور جو گرانقدر کتاب اُس نے تم پر اتاری ہے بلکہ حکمت الٰہی کے جو بے مثال نکات اس نے تم کو اپنی جناب سے عطا فرمائے ہیں اور جن کے ذریعے وہ تم کو مناسب راہ عمل بتاتا رہتا ہے اُنکو پیش نظر رکھکر تعمیل کیا کرو"۔ یہاں بھی نعمت سے مراد وہ اجتماعی خوش حالی ہے جو احکام خدا پر کما حقہٗ عمل کرنے سے ہر قوم کو اس دنیا میں نصیب ہوتی ہے، روحانی بہجت قطعاً مراد نہیں۔

المغضوب

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۷) قریب قریب یہی مضمون سورۂ مائدہ میں احکام وضو کے بعد ہے: وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (۵: ۷)، یعنی "اے مسلمانو! وضو کے بارے میں اس آلٰہی حکم کو بے سبب یا بے نتیجہ نہ سمجھو بلکہ اُس اجتماعی راحت اور قوت (نِعْمَتَ) کو خیال میں لاؤ (اذْكُرُوا) جو تم کو خدا کے ہاں سے دمبدم نصیب ہوتی رہی ہے، نیز اُس آلٰہی عہد و پیمان کے قوت انگیز نتائج پر غور کرو جسکے ساتھ اُسنے کچھ مدت ہوئی تم کو وابستہ کر دیا تھا (وَاثَقَكُمْ بِهٖ)، اور جس کی نتیجہ خیز اہمیت کو پیش نظر رکھکر تم نے بھی اُسکے مشمولہ احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دینے کی ٹھان لی تھی (اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا)، اور دیکھو! خدائے قاہر کے قہر و غضب سے ڈر کر (وَاتَّقُوا اللّٰهَ) اُسکے ہر حکم کی بطیب خاطر تعمیل کیا کرو کیونکہ وہ تمہارے دلوں کی کشمکش اور سینوں کی شش و پنج کو بھی ہو بہو جانتا ہے (عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ)"۔ اس آیت کا ربط پہلی آیت کے ساتھ نہایت غور طلب ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ خدائے عزوجل نے صفائی بدن کی اہمیت کو دلنشین کر دینے کی غرض سے قرون اُولیٰ کے مسلمانوں کو ثبوت کے طور پر وہ اجتماعی فائدے (نِعْمَتَ) یاد دلائے جو احکام خدا کی تعمیل کے باعث اس سے پیشتر مل چکے تھے۔ گویا یہاں پر ترغیب و تحریص کا بعینہ وہی رنگ ہے جیسے کوئی بادشاہ اپنی رعیت کو کہے کہ فلاں کام بھی اُسی انہماک اور سرگرمی سے کرو جیسا کہ اور حکم مانتے آئے ہو، اور ذرا خیال میں لے آؤ کہ پہلے حکموں کی تعمیل کے باعث تم کو کیا کیا فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ اس مقام نظر سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں پر بھی نعمت سے مراد دنیاوی تمتعات ہی ہیں۔ سورۂ بقرہ میں علیٰ ہذا القیاس تحویل قبلہ کی بحث کے ضمن میں اسلام کی عالم آرا اُمت کے لیئے ایک مرکز کی ضرورت کو واضح کر کے فرمایا ہے: وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (۲: ۱۵۰)، یعنی "اور یہ تمام عالم اسلام کا ایک نقطے پر تمرکز اسلیئے ہے کہ میں اپنی نعمت کی تکمیل تم پر کروں، اور تاکہ تمکو اس دنیا میں قوت اور اتحاد کے ساتھ رہنے کا راہ راست ملجائے"[1]۔ سورۂ عنکبوت میں پھر اسی بیت الحرام کے تقدس اور فوقیت کی شان میں ہے: أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُونَ (۲۹: ۶۷)، یعنی "اے محمدؐ! کیا دشمنانِ اسلام نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم ہی نے بیت الحرام کو روز اول سے جائے امن بنا رکھا ہے حالانکہ عین اسکی چاردیواری کے باہر یہ حال ہے کہ لوگ اِن کے آس پاس سے بے دھڑک جھپٹا مارے جا رہے ہیں (اور کوئی شخص انکی دادرسی نہیں کر سکتا) تو کیا یہ لوگ لاطائل اور بے نتیجہ باتوں کو مانتے ہیں اور خدا کی اس نعمت عظمیٰ کی قدر نہیں کرتے"۔ گویا خدا کا حرم کعبہ کو پر خطر ماحول کے عین وسط میں دارالامان بنا دینا نعمت آلٰہی ہے اور منکروں کو جو احکام خدا کے امن انگیز ہونے پر کچھ یقین نہیں رکھتے، ایک زندہ مثال انکے گرد و پیش سے لیکر دی ہے تاکہ بطور خود غور کریں کہ خدا کیونکر خوف و خطر کے گرد و نواح میں امن و آسایش کی صورت پیدا کر سکتا ہے، اور کیونکر ایک وقف اجل، خوفزدہ اور تختۂ مشق عدو قوم میں سے ایک بارعب، صاحب وقار اور محفوظ اُمت کھڑی کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ یہاں پر بھی صاف نعمت سے مراد دنیاوی امن و راحت ہی ہے۔ خود پیغمبر آخر الزمانؐ کو آلٰہی ارشاد ہے: مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ (۶۸: ۲)، یعنی "اے محمدؐ! تم اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے پاگل نہیں ہو (جیسا کہ اہل مکہ کہتے ہیں)"۔ گویا صحیح الاعضا ہونا بھی نعمت آلٰہی میں داخل ہے۔ سورۂ والیل میں خدا کے ہاں سے انعامات کی تقسیم کے متعلق ایک قاعدہ کلیہ بیان کر کے اسکے دنیاوی مفہوم کو اور بھی واضح کر دیا ہے: وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَىٰ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ (۹۲: ۱۹-۲۰)، یعنی "اے لوگو! خدائے عزوجل کے پاس (عِنْدَهُ) کسی فرد واحد کے لیئے بھی (لِأَحَدٍ) کوئی نعمت (مِنْ نِعْمَةٍ) نہیں کہ بطور بدلے دیجائے (تُجْزَىٰ)، مگر یہ کہ وہ انعام اُس شخص کو اپنے پروردگار جل و علی (رَبِّهِ) کی تلاش رضا کے صلے میں ملتا ہے"۔ یعنی اس دنیا کے اندر جسکو جو کچھ مل رہا ہے خوشنودی خدا کے صلے میں مل رہا ہے۔ یہاں پر اس جلیل القدر کلیئے کی صداقت پر بحث نہیں صرف لفظ نعمت سے سروکار ہے۔ سورۂ والضحیٰ میں ہے: وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (۹۳: ۱۱) یہاں پر بھی نعمت صاف دنیاوی ہے۔

(۹) ان تمام نصوص صریحہ کے علاوہ جن کا ذکر اوپر ہوا، قرآن میں چند مواقع ایسے بھی ہیں جہاں نعمت کا مفہوم بادی النظر میں

[1] ضمناً اس آیۂ شریفہ میں تَهْتَدُونَ کا لفظ بصراحت تمام ظاہر کرتا ہے کہ ہدایت کا قرآنی مفہوم اتحاد ہی ہے۔ اس مفہوم کی کئی مثالیں پہلے صفحہ ۱۹۳ کے تحت المتن میں دی ہیں۔

Marfat.com

عَلَیْہِمْ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۸) مشکوک سا معلوم ہوتا ہے، یا کم از کم اس مفہوم کے متعلق وہاں پر تاویل کی بہت کچھ گنجایش ممکن ہے۔ سورۂ احزاب میں حضرت زید بن حارثہ کے مشہور قصّے کے ضمن میں ہے: وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰہَ (۳۳، ۳۷)، یعنی اے محمدؐ! وہ بھی عجب وقت تھا جب تم زید بن حارثؓ کو، جس پر خدا نے چند در چند احسانات کیے تھے، اور تم بھی اس پر احسان کر رہے تھے، سمجھاتے تھے کہ اپنی بی بی زینبؓ کو زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر۔" یہاں شارحین نے کہا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو بچپن سے پالا تھا، پھر غلامی سے آزاد کر کے اپنی پھوپھی زاد بہن اُنسے بیاہ دی، وغیرہ وغیرہ۔ 'اَنْعَمْتَ عَلَیْہِ' میں انہی احسانوں کی طرف اشارہ ہے۔ یہ سب نبوی انعامات ظاہر ہے کہ مادّی اور دنیاوی تھے، تخیّل کی کوئی پرواز ان کو روحانی قرار نہیں دے سکتی، لیکن اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ کے متعلق مفسّرین نے بہت کچھ خیال آفرینی کر کے "اسلام کی روحانی نعمت" کو انعام خدا قرار دیا ہے۔ ممکن ہے کہ خدائے عزّ وجلّ نے اس آیہ شریفہ میں حضرت زیدؓ کو اسی روحانی نعمت کا احسان جتلایا ہو مگر الفاظِ وحی کے اندر اس دعوے کی قطعاً کوئی سند موجود نہیں نہیں بلکہ جب پیغمبر خدا کے انعام و احسان کی نوعیت دنیاوی تھی تو غالب گمان یہی ہے کہ خدا نے اپنے احسانات بھی اسی قطع کے یاد دلائے ہوں، ایک بے حیثیت اور بے پیر غلام کا پیغمبر عرب کی خالہ زاد بہن سے رشتہ کر دینا ہی میرے نزدیک اس منعم بے حساب کا وہ غیر مترقبہ انعام تھا جس کو صحیح معنوں میں 'اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ' کہا جا سکتا ہے، حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کا احسان کم از کم یہاں پر نہیں جتلایا کیوں کہ اوّلاً اس کی تخصیص صرف زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ نہ تھی بلکہ سب مسلمان اس میں داخل تھے۔ ثانیاً اس احسان کو یاد دلانا یہاں پر اصلاً غیر متعلق ہے کیوں کہ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ سے اس کا کوئی ربط نظر نہیں آتا۔ اگر عورت کو طلاق دینا اسلام میں شرعاً ممنوع ہوتا تو زیدؓ کے مسلمان ہونے کا احسان یاد دلانا کچھ معنی رکھتا۔ یہاں صرف اس قدر کہا گیا ہے کہ تو دیکھ اُن احسانات کو نہ بھول جو خدا نے تمہاری ذات پر کیے، تم کو ایک ادنےٰ طبقے سے اٹھا کر پیغمبر خدا کا کفو اور عرب کا سردار بنا دیا، خود پیغمبرؐ نے تم کو پالا پوسا، غلامی سے آزاد کیا، وغیرہ وغیرہ۔ ایسے منعم کی بہن کو طلاق دینے سے ڈر اور خدا کا خوف کر۔ بنی اسرائیل کے خروج کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس بات پر ابھارا تھا کہ اپنی تمام قوتوں کو جمع کر کے اور پوری ہمت دکھلا کر ارض مقدس پر حملہ کر دیں، دشمن کے بالمقابل جم کر لڑیں اور کسی حالت میں پیٹھ نہ دکھلائیں، مگر صدیوں کی یہ محکوم قوم اپنی موروثہ بزدلی اور جبن کے باعث اس "زبردست دشمن" (قَوْمًا جَبَّارِیْنَ (۵، ۲۲) پر ہجوم کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوسکی اور لنگ عذرات پیش کر کے ٹال دیا۔ اس واقعہ کا ذکر سورۂ مائدہ میں ہے، بنی اسرائیل کے دو جواں مرد یوشع اور کالب عام قوم کے برخلاف، اس برانگیخت میں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے ہمزبان تھے، اُن کی بابت ارشاد ہے: قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْہِمُ الْبَابَ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْہُ فَاِنَّکُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَی اللّٰہِ فَتَوَکَّلُوْٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ (۵، ۲۳)، یعنی بنی اسرائیل کے اس بیہودہ عذر پر خدا سے صحیح معنوں میں ڈرنے والوں (مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ)، اور اس کا سچا تقوی کرنے والوں (مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ) میں سے دو شخصوں نے جن پر خدا نے خاص احسان کیا تھا (اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمَا)، کہا کہ اے نامردو! دشمنوں کی ظاہری ڈیل ڈول کی کچھ پرواہ نہ کرو۔ ان کے گراں ڈیل قد دیکھ کر بزدل نہ بن جاؤ (دیکھو آیہ (۵ : ۲۲))، تم جس طرح بن پڑے چڑھائی کر کے شہر کے دروازے میں گھسو، اور جب دروازے پر قبضہ کر لیا تو بلا شبہ فتح تمہاری ہی ہے، اور یاد رکھو کہ اگر تم میں ایمان موجود ہے تو ایک دم آمادہ سعی ہو کر نتائج کو خدا پر چھوڑ دو (فَتَوَکَّلُوْٓا)۔ یہ تمام رکوع کا سیاق و سباق یہی ظاہر کرتا ہے کہ اَنْعَمَ اللّٰہُ سے مراد وہ **ہمّتِ مردانہ** اور وہ **عزمِ صمیم** ہے جو ان بندگانِ خدا کو تمام قوم کے جمود و سکون کے بالمقابل بارگاہ خدا سے عطا ہوا تھا، اور یہی وہ **قوّتِ ایمانی** تھی جس کو بعض مجمل پسند اصحاب نے 'روحانیت' سے تعبیر کیا ہے۔ ادنیٰ تامّل بھی ہر شخص کو اس نتیجے پر پہنچا دیتا ہے کہ روحانی نعمت در اصل انسان کی اس اخلاقی برتری، اس کے اس عالی ہمّت اور تربیتِ نفس کا دوسرا نام ہے جس کا نتیجہ دنیاوی تمکن اور امن ہی ہے۔ اس سے کمتر کچھ نہیں۔ اس آیہ شریفہ میں یوشع اور کالب کی 'روحانیت' یا بالعبارۃ اُخرٰے اُن پر خدا کا انعام یہی تھا کہ انھوں نے اپنے پیغمبر کے

وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ (۱: ۵-۷)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۹) حکم کی اطاعت کرنا اپنا فرض عین سمجھ لیا تھا، اور اسکی تعمیل میں اپنی جانوں کو لٹا دینے سے نہیں جھجکتے تھے پس "نعمت" سے مراد یہاں پر بھی وہ توفیق عمل ہے جسکا نتیجہ قوم کی دنیاوی راحت ہی ہے، وہ کوئی اعتکافی کسرت یا تسبیحی ورزش نہیں جسکا اس دنیا میں بظاہر کوئی نتیجہ مترتب نہیں ہوتا۔ ایمان اور علو اخلاق کی یہی وہ عملی اور نفع مند حیثیت ہے جس کی بنا پر خدائے عزوجل نے احکام الٰہی کے عاملوں، اور رسول کے بالمشافہ احکام کی تعمیل کرنے والوں کو اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کا لقب عطا فرمایا ہے: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ (۴: ۶۹) یعنی "مسلمانو! تم میں سے جس شخص نے اپنے آپ کو احکام خدا کی متابعت کے لیے وقف کر دیا، اور جس نے رسول کے بالمشافہ احکام کی تعمیل تندہی اور خلوص نیت سے کی تو یہی وہ لوگ ہیں جو اُن لوگوں کے دوش بدوش چل رہے ہیں اور مثل انکے اُخروی اجر کے مستحق ہوں گے (مَعَ الَّذِيْنَ) جن پر اللہ نے اپنا خاص احسان کیا (اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ)، مثلاً وہ انبیائے کرام جنہوں نے راہ حق میں جہاد کیے (مِنَ النَّبِيّٖنَ) یا وہ 'صادق' لوگ جنہوں نے عمل سے اپنے ایمان کو سچ کر دکھایا (وَالصِّدِّيْقِيْنَ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۱۷) یا وہ 'شہدائے خدا' جو اپنے بلا مزد اعمال سے خدا کی گواہی دیتے دیتے چل بسے (وَالشُّهَدَآءِ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۰۵)، یا وہ 'صالح العمل' لوگ جنہوں نے اپنی جماعت کی حالت درست کی (وَالصّٰلِحِيْنَ (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۶۸)' اور یہ لوگ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں"۔ 'اطاعت رسول' کے صحیح مفہوم کے متعلق ایک ضمنی بحث صفحہ ۱۷۱ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے وہاں پر اشارہ کر دیا ہے کہ اس سے مراد رسول خدا صلعم کے اُن بالمشافہ احکام کی فوری تعمیل ہے جو آپ بحیثیت قائد اعظم یا رہنمائے اُمت وقتی اور مقامی حالات کو مدنظر رکھکر دیا کرتے تھے، اور جن کا منتہائے نظر تقویت جماعت یا غلبہ اسلام ہی تھا۔ چنانچہ یہاں پر بھی جہاد بالسیف اور ہجرت وطن کے احکام اس آیت سے پیشتر آیہ (۴: ۶۶) میں اَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ کے الفاظ میں ہو چکے ہیں۔ اور اَنْعَمَ اللّٰهُ کا محاکمہ بھی اسی قطع کے جان و مال ایثار کرنے والوں کے بارے میں ہے۔ اس بنا پر مختصر الفاظ میں اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سے مراد یہاں پر بھی وہ توفیق عمل ہے جو ایمان کا جزو لاینفک ہے اور جسکا اس دنیا میں نتیجہ فلاح قوم، اور آگے چل کر فلاح آخرت ہی، اسکے ماسوا کچھ نہیں۔ جن لوگوں نے اسلامی اوامر و نواہی کے اجتماعی مقاصد کو نظر انداز کر دیا ہو اور بعد ازاں اُنمیں سے چند سہل احکام مثلاً نماز روزہ کو اپنے لیے پسند فرما کر اُن کی انفرادی مشق پیدا کر لی ہے، اور زہد و تورع کی اس عامیانہ شان کو 'روحانیت' فرض کر کے اپنے آپ کو اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کا مصداق مانا ہے اُنکے لیے یہ آیت ازبس سبق آموز ہے۔ 'صدیق' اور 'شہدا' اور 'صالحین' اور 'انبیاء' کی ہمدوشی کا مقام حاصل کرنیکے لیے انتہائی سعی و عمل شرط ہے، جان و مال کی قربانی شرط ہے، خدمت عباد شرط ہے وغیرہ وغیرہ، پس وہی شخص اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ کا صحیح مصداق ہو سکتا ہے جو اُن جیسے نتیجہ خیز اور غلبہ اندوز، مصلح قوم اور محرک اعضا کام کر رہا ہے۔ سورہ مریم میں 'صدیق العمل' ابراہیم (۱۹: ۴۱)، 'مخلص الاعمال' موسیٰ (۱۹: ۵۱)، اور 'صادق الوعد' اسمٰعیل (۱۹: ۵۴) علیہم السلام کے ذکر کے بعد ارشاد الٰہی ہے: وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ق (۱۹: ۵۶-۵۸) یعنی "اے پیغمبر! ابراہیم اور موسیٰ اور اسمٰعیل کے جلیل القدر کارناموں کو یاد کرنیکے بعد اس ہماری کتاب میں ادریس کا تذکرہ بھی کرو کیونکہ اسمیں شک نہیں کہ یہ کارکن شخص بھی اپنے اعمال و افعال سے اپنے ایمان کی بڑی ہی تصدیق کرنے والا (صِدِّيْقًا)، اور قانون خدا سے بڑا ہی باخبر (نَبِيًّا) تھا، اور اسی وجہ سے ہم نے اُسکو ایک نہایت بلند منصب پر سرفراز کیا تھا، (مَكَانًا عَلِيًّا)۔ اولاد آدم میں سے یہی وہ انبیاء لوگ تھے جن پر خدا نے اپنے بیحد احسان کیے، اور جو اس دنیا سے فی الحقیقت سرخرو ہو کر گئے"۔ گویا یہ عمل کے ذریعے سے اپنے ایمان کو سچ کر دکھانا اور "صدیق" بننا ہی خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے، اور یہی سچی "روحانیت" بھی ہے۔ گوشہ نشین بنکر خدا خدا کہتے رہنا اور مخلوق سے بے نیاز ہو جانا درحقیقت نہ کوئی عمل ہے اور نہ اسمیں خلق خدا کی بہتری کی کوئی صورت نکل سکتی ہے۔ انبیائے کرام علیہم التحیۃ والسلام کی،

اے پروردگار عالم اور اے نعمتوں کے بخشنے والے خدا! تو ہم سب کو اُس سیدھے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۰) بے مثال عملی زندگیوں، اُنکے اس دنیا میں عالم انگیز کارناموں، اور مخلوق خدا کی اجتماعی اصلاح کے بارے میں اُن کی اَن تھک کوششوں کو پیش نظر رکھکر ہی رب زمین و آسمان نے جا بجا اُنپر سلام بھیجا ہے، اُنکے اعمال کو سراہا ہے، اور عوام کے سامنے انکو بطور نمونہ پیش کر کے اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِم کا عزیز القدر لقب دیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں جا بجا اِس سلام بھیجنے کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ جن کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں۔

(ش) انبیائے عظام کی اسی عاملانہ حیثیت کو پیش نظر رکھکر سورۂ زخرف میں خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں ہے: اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ؕ (۴۳، ۵۹)، یعنی مسیح تو فی الحقیقت ہمارا ایک حکمبردار اور کارکن غلام (عَبْدٌ۔ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۰۸) ہی تھا جس پر ہم نے اپنی جناب سے توفیق عمل عطا فرما کر خاص الخاص احسان کیا تھا (اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ)، اور یہ روح عمل اس حد تک ارزانی کر دی تھی کہ ہم نے اُسکو بنی اسرائیل کی جمود زدہ اور غافل قوم کے لیئے ایک نمونہ (مَثَلًا) بنا دیا۔ بنی اسرائیل کے اِس باعمل اور اولوالعزم نبی پر خدائے جل وعلےٰ کے یہی وہ بے مثال انعامات تھے جن کی بنا پر سورۂ مائدہ میں حضرت کی والدہ پر احسان جتلایا ہے۔ یہاں پر ربط قائم کرنیکے لیئے اِس سے پہلی آیت بھی نقل کر دی جاتی ہے جس سے احسان جتلانے کا سبب اور بھی واضح ہو جائے گا:

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ م (۵: ۱۰۹-۱۱۰)

اے پیغمبر! وہ وقت بھی نہایت ہی کڑا اور کپکپا دینے والا ہوگا جب وہ مالک زمین و آسمان اور صاحب کبریا و جبروت خدا اپنے سب پیغامبروں اور قاصدوں کو اکٹھا کر کے (يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ) اُن سے اپنے پیغام کے صحیح طور پر ادا کرنیکے متعلق محاسبہ کرے گا اور فرمائے گا کہ بہت خوب! آج تم اپنا اپنا بیان پیش کرو کہ ساکنانِ زمین کی طرف سے تم کو ہمارے پیغام کا کیا جواب ملا (فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ (۵: ۱۰۹))، اُنہوں نے تم کو کیونکر قبول کیا (مَاذَآ اُجِبْتُمْ) اُس کا باشندگانِ زمین پر کیا اثر ہوا (مَاذَآ اُجِبْتُمْ) اور بعد ازاں اور پیغمبروں سے صرف نظر کر کے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف جس کی امت نے پیغام رب العالمین کی ہیئت کو قطعی مسخ کر کے اُسکو "خدا کا بیٹا" بنا دیا تھا متوجہ ہوگا اور فرمائیگا (اِذْ قَالَ اللّٰهُ) کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! تم میرے اس احسان کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری ماں پر کیئے تھے۔

سورۂ مائدہ کے دو آخری رکوعوں کے مطالب کو مربوط کرنے کا یہ موقع نہیں بلکہ پوری آیت (۵: ۱۱۰) کی شرح و بسط کر دینا ہی یہاں پر بہت کچھ پیش از وقت ہے، مگر اوقاف قرآن کے رموز کو جاننے والے غور و خوض کے بعد اِس نتیجے پر بطور خود پہنچ سکتے ہیں کہ اِس آیۂ شریفہ میں اِذْ قَالَ اللّٰهُ سے عَلٰى وَالِدَتِكَ تک ایک مستقل بیان ہے جس میں خدائے عظیم نے احتساباً بلکہ تہدید آمیز لہجے میں حضرت عیسیٰ کی توفیق عمل و استعداد نبوت کو اُنپر بلکہ اُن کی ماں پر بھی احسان کے طور پر جتلایا ہے۔ اِس دعوے کی تائید علامت م سے ہوتی ہے جو وَالِدَتِكَ کے بعد ہے اور جس سے مراد یہ ہے کہ اِسکے بعد ٹھیر جانا لازمی ہے۔ ورنہ بعد کی عبارت سے ملا کر پڑھنے سے مطالب کے بگڑ جانے (حتیٰ کہ بعض ظاہر پرست اشخاص کے نزدیک کفر کے مرتکب ہونے) کا خوف ہے! گویا تم جیسے باعمل اور کارکن شخص کا ہونا ہی تم پر خدا کا ایک احسان عظیم تھا، اور بالخصوص اُس ماں پر جسنے ایسا سپوت جنا۔ ماں اور بیٹے دونوں کو احسان جتلانے کا سبب سولہویں رکوع کے شروع میں ظاہر ہوتا ہے۔ جہاں پندرہویں رکوع کے بعد انبیائے جہاں کے بھرے مجمع میں فرمایا ہے کہ "اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تم نے فی الحقیقت لوگوں کو کہا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لو؟ حالانکہ میں نے ہی تم کو بنی اسرائیل کا سردار بنایا تھا اور تمہاری ماں کو ایسا کارکن بیٹا دیا تھا۔ اکثر شارحین نے کلام خدا کے ربط کو نظر انداز کر کے آیہ (۵: ۱۱۰) میں وَالِدَتِكَ کے بعد کی عبارت کو متذکرۂ صدر نکڑے سے ملا کر اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۟ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وغیرہ وغیرہ کو نعمت قرار دیا ہے۔ یہ واقعات یعنی تائید روح القدس اور کلام فی المہد وغیرہ خواہ ان کا مفہوم کچھ ہی ہو حضرت عیسیٰؑ پر لطف

Marfat.com

راستے پر لے چل، ان لوگوں کے رستے پر جن کو تو نے اپنی نعمتوں سے مالا مال کر دیا ہے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۱) احسان کے عائد ہو سکتے مگر حضرت مریم پر ان کا جتانا کچھ بے معنی سا ہے۔ یہ آیت اس امر کی بہترین مثال ہے کہ قرآن حکیم کے اوقاف اور نشانات رکوع جو علمائے سلف نے حجاج ابن یوسف کے زمانے میں لگائے تھے کس حزم و احتیاط سے لگائے اور انکو کلام الٰہی کے صحیح مطالب پر کتنا عبور تھا۔ اس بنا پر میرا غالب گمان بلکہ یقین یہی ہے کہ آیہ (۵ : ۱۱۰) میں بھی نعمت سے مراد حضرت کی وہ حیرت انگیز روح عمل تھی جسنے انکو مَثَلًا لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ؕ (۴۳ : ۵۹) بنا دیا تھا، اور فوقیت احسان حضرت مریم پر یہی ہے کہ ایسے جلیل الشان نبیؐ کی ماں تھیں۔ چنانچہ اسی امتیاز کی بنا پر سورۂ آل عمران میں ولادت مسیحؑ کی بشارت دینے والے ملائکؑ کا خطاب مریم علیہا السلام سے ہے: اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰکِ وَ طَہَّرَکِ وَ اصۡطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ (۳ : ۴۲) یعنی "اے مریم! اسمیں شک نہیں کہ خدا نے تمہیں منتخب کر لیا ہے تم کو آلائش گناہ سے پاک صاف کر دیا ہے، اور یہی نہیں بلکہ دنیا جہان کی عورتوں سے تمہیں اس منصب یعنی اُمِّ نبیؐ بننے کے لیے پسند فرمایا ہے" قرآن حکیم کے مطالب میں مزید غور و خوض کرنے والے شاید اس نتیجے پر بھی پونہچ سکیں کہ یہ انتخاب محض بے سبب یا علی الحساب نہ ہوا تھا بلکہ خود مریم علیہا السلام کی بے لوث اور پاکیزہ زندگی، اُن کا عملی ایمان، اُن کی صدیقیت اور حکمبرداری اس انعام و اکرام کا باعث ہوئی تھی جیساکہ سورۂ تحریم کے اخیر میں رب جمیل نے وَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا کے الفاظ میں زوجہ فرعون (آسیہ) اور مریم علیہا السلام کی زندگیوں کو ایمان والوں کے لیئے بطورِ نمونہ پیش کر کے مؤخر الذکر کے حق میں فرمایا ہے: وَ صَدَّقَتۡ بِکَلِمٰتِ رَبِّہَا وَ کُتُبِہٖ وَ کَانَتۡ مِنَ الۡقٰنِتِیۡنَ ۝ (۶۶ : ۱۲) یعنی "اے ایمان والو! مریم علیہا السلام کی پاکیزہ زندگی تمہارے لیے نمونۂ عمل اس وجہ سے ہے کہ نیک اور با عمل خاتون ہمیشہ احکام خدا کی بذریعۂ عمل تصدیق کرتی رہی، اور اسکی بھیجی ہوئی کتابوں کو قانونِ خدا سمجھکر اُسپر حتی الوسع عمل پیرا رہی، اور وہ فی الحقیقت خدا کے فرماں بردار بندوں میں سے ایک بندی تھی" یہی توفیق عمل صحیح معنوں میں وہ نعمت عظمیٰ ہے جس کی بنا پر سورۂ مومنون میں عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریمؑ دونوں کو "خدا کی نشانی" کہا گیا ہے، وَ جَعَلۡنَا ابۡنَ مَرۡیَمَ وَ اُمَّہٗۤ اٰیَۃً (۲۳ : ۵۰) یعنی "ہم نے ابن مریم اور اسکی ماں کو اُن کی بے لوث و با عمل زندگی کیوجہ سے خدا کی قدرت کی ایک نشانی اور اعجوبہ بنا دیا تھا" اور اسی نعمت کا ذکر آیہ (۵ : ۱۱۰) میں ہے جس کی تشریح میں یہ سب ضمنی آیتیں پیش کی گئی ہیں۔

ان تمام حیرت انگیز شہادتوں سے جو متذکرہ صدر عنوانات (الف۔ س) میں پیش ہوئیں بہر نوع یہ ظاہر ہے کہ نعمت کا الٰہی مفہوم ہمہ تن اور بہر کیف دنیاوی ہی ہے، کہیں اس سے مراد وہ اجتماعی تمکن اور راحت ہے جو منعم حقیقی اقوام عالم کو ان کے حُسن عمل کے صلے میں عطا فرماتا ہے (الف) (۸ : ۵۳)، (۵۴ : ۳۵)، (ج) (۱۴ : ۶)، (۵ : ۲۰)، (۲ : ۲۱۱)، (۲ : ۴۷)، (۲ : ۱۲۲)، (۲ : ۴۰)، (۴۴ : ۲۷) (ھ) (۵ : ۱۱)، (۳ : ۱۷۳)، (۳ : ۱۷۰)، (۲ : ۴۸)، (۵ : ۳)، (۲ : ۲۳۱)، (۵ : ۷)، (۲ : ۱۵۰)، (۲۹ : ۶۷)، کہیں اس سے مقصود انفرادی گردنیاوی انعام و اکرام ہیں (الف) (۶۸ : ۴۹)، (۴۶ : ۱۵)، (۱۲ : ۶)، (ب) (۳۹ : ۴۹)، (۴۱ : ۵۱)، (۱۷ : ۸۳)، (۳۹ : ۸)، (۱۶ : ۵۳)، (۱۱ : ۱۰)، (ھ) (۲ : ۱۶۸)، (۹۳ : ۱۱)، (و) (۳۳ : ۳۷)، کہیں پیش نظر بنی نوع انسان کے عام عطیات کو یاد دلاتا ہے (الف) (۱۴ : ۳۴)، (ج) (۱۶ : ۸۳)، (۱۶ : ۷۱)، (۱۶ : ۷۲)، (۳۵ : ۳)، (۳۱ : ۲۰)، کہیں نعمت سے مراد اجتماعی بہتری کے لیے تائید خدا ہے (ھ) (۳۳ : ۹)، کہیں وہ حفظِ نفس کے مرادف ہے (ھ) (۵ : ۱۱)، کہیں یہ خانگی مصالحت معاشری امن، یا بدنی طہارت ہے (ھ) (۵ : ۶)، (۲ : ۲۳۱)، کہیں اسکا مطمح نظر علم ہے، (الف) (۲ : ۶)، کہیں وہ توفیق عمل ہے جس کا نتیجہ دنیاوی اصلاح اور اجتماعی امن ہے (و) (۵ : ۲۱۵)، (۴ : ۶۹)، (۱۹ : ۵۶ - ۵۸)، (س) (۴۳ : ۵۹)، (۵ : ۱۱۰) وغیرہ وغیرہ۔ پس سورۂ فاتحہ کے صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ میں بھی انہی دنیاوی اور اجتماعی انعاموں کی طرف اشارہ ہے، فرضی یا خیالی، روحانی یا اُخروی انعاموں کی طرف ہرگز نہیں۔ وہی قوم صراط مستقیم پر صحیح معنوں میں چل رہی ہے جو اُس منعمِ بے مثال کے اجتماعی انعاموں کیطرف لپک رہی ہے، جو اس غرض و غایت کو پیش نظر رکھکر اپنے افراد میں سعی عمل

ف یہ الفاظ آیہ (۶۶ : ۱۱) میں آئے ہیں۔

Marfat.com

اُن کی راہ نہ دکھا جو تیرے غیظ و غضب کا شکار ہو چکے ہیں۔ اور نہ اُنکی جو تیرے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۲) پیدا کر رہی ہے جو محافظِ نفس ہے، زور آور اور تنومند ہے، فاتح اور غالب ہو۔ ایسی ہی امت کے لیے اُخروی انعام بھی وقف ہیں، اور یہی وہ قوم ہے جسکی روحانیت اور تقوٰی، جسکا اخلاقی تفضّل اور عملی تعبّد اسکو رضائے خدا کے بال سے سوا باریک اور تلوار سے سوا تیز راہ پر لیجا رہا ہے! لیکن اصل کتاب میں بعینہ اسی نتیجے پر ایک اور طریقے سے پونہچنے کی سعی کیجائے گی۔

الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ، کے صحیح مفہوم کے متعلق بھی قرآن حکیم میں کئی جگہ شہادت موجود ہے۔ یہودیوں کی اجتماعی شکست و ریخت اور اُن کے سیاسی انحطاط کے ذکر میں دو جگہ ہے: وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ (۲: ۶۱)، وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ (۳: ۱۱۲)، یعنی "اُنپر ذلت اور غربت لیس دی گئی، اور وہ خدائے قاہر کے غضب میں آگئے" سورۂ اعراف میں ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ (۷: ۱۵۲)، یعنی "جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی ہے ان پر عنقریب غضب خدا نازل ہونے والا ہے اور اس دنیا میں ذلت اُنکے دامنگیر ہوگی" اور بھی جہاں جہاں غَضَبُ اللّٰہِ کے الفاظ آئے ہیں اُن سے مراد اجتماعی انحطاط یا ہلاکت ہی ہے، اس شہادت کو یہاں جمع کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ مابہ النزاع محض اسقدر ہے کہ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد صرف یہودی ہی نہیں بلکہ جس قوم کا سیاسی اور اجتماعی اقتدار زائل ہو رہا ہے، جو قوم ہلاکت کے قریب پونہچ رہی ہے اُسپر غضب خدا نازل ہو رہا ہے، اسمیں کسی ایک قوم کی تخصیص نہیں۔ اس امر کا ثبوت سورۂ طٰہٰ کے اندر مفصلہ ذیل آیات میں ہے جنکے محاکے کی تعمیم اظہر من الشمس ہے:

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۝ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ۝ وَاِنِّىْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝ (۲۰: ۸۰-۸۲)

(یہ اُنکو خروج مصر کے واقعۂ عظمٰی کے بعد ہم نے صاف اور غیر مشکوک الفاظ میں موسٰی علیہ السلام کی وساطت سے بنی اسرائیل پر یہ امر واضح کر دیا تھا کہ) اے بنی اسرائیل! ہم نے اب تم جیسی مجبور زدہ اور غلامی میں پلی ہوئی قوم کو ظلم کار دشمن کی مضبوط گرفت سے نجات دیدی ہے اور مقدس اور بابرکت کوہ طور (کوہ سینا) کے دامن میں تم کو جمع کر کے تم سے احکام خدا کی تعمیل، اور بشرط تعمیل تمہاری اجتماعی بہبودی کے سامان مہیا کرنے کا باہمی معاہدہ بھی کر لیا ہے (وَعَدْنٰكُمْ) اور یہی نہیں بلکہ اس معاہدے کی پختہ پڑنے کے بعد میں تادیبی کی پر فضا وادیوں میں تم کو آباد کر کے (دیکھو تحت المتن صفحہ ۹۰) تم پر شیرینی درخت طاع (الْمَنَّ) اور بٹیروں کے شکار کا مائدہ مہمانی کے طور پر نازل کر دیا ہے تاکہ تم اطمینان سے اس معاہدے کی تکمیل کر سکو، تو اب تم بنیکری سے جو عمدہ رزق ہم نے تمکو دی ہے کھاؤ پیو، لیکن اس ہمارے عہد کے بارے میں جو ہم نے تم سے کیا ہے سر مو تجاوز نہ کرو (لَا تَطْغَوْا فِيْهِ) اگر ایسا کرو گے تو تمپر ہمارا غضب نازل ہوگا، اور جس قوم پر ہمارا غضب نازل ہوا تو جانے رہو کہ وہ قوم ہلاک ہو گئی (هَوٰى) اور یہ بھی سمجھے رہو کہ جو قوم میرے قانون کی طرف لوٹ آئی (تَابَ)، اپنے ایمان کی اصل قوتیں اپنے اندر قائم رکھیں (وَاٰمَنَ) اور جنہوں نے مناسب اعمال بھی کیے (وَعَمِلَ صَالِحًا)، اور بعد ازیں اس راہ راست پر قائم بھی رہی تو میں اُس قوم کے حق میں بڑا ہی بخشش ہوں (لَغَفَّارٌ)۔

مَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى۔ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ جو قوم ہلاک ہوئی ہے اُسپر غضب خدا نازل ہو رہا ہے۔ یہ ایک عام اور مطلق محاکمہ قرآن حکیم کا ہے جسمیں بنی اسرائیل کی کچھ تخصیص نہیں۔ پس اس عام نظر سے بھی غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کے الفاظ میں اس امر کی استدعا ہے کہ اسلامی اُمت اس راہ پر نہ چلے جسپر چلکر اجتماعی ہلاکت کا سامنا ہو گویا یہ قوم کی دنیاوی حالت کا بگڑنا ہی صراط مستقیم سے ہٹ جانیکے مترادف ہے۔ اس حقیقت کو پیش نظر رکھکر وَلَا الضَّاۗلِّيْنَ کے مطالب بھی بالکل صاف ہو جاتے ہیں اور اس امر کی مزید حاجت نہیں رہتی کہ اجتماعی انحطاط کا وقوع ہو جانا ہی صحیح معنوں میں ضلال ہے۔ ضلال کے ان معانی کی حتمی تائید وہ اور آیات الٰہی (رعد ۲۷)، (۱۱۶:۶)، (۳:۹۰) سے ہوتی ہے جو علی الترتیب صفحہ ۱۲۰، ۱۹۱ اور ۱۹۲ پر آچکی ہیں اور جنکے متعلقہ حاشیوں سے ظاہر ہے کہ کسی قوم کا اجتماعی طور پر تمکّن فی الارض اور تثبّت نہ ہونا اور امت واحدہ بن کر نہ رہنا ہی ضلال ہے۔ ضلال کے ان معانی کے علاوہ ایک اور معنی فقدان علم ہے جسکا ذکر مقدمۂ کتاب صفحہ ۹۰، ۹۳، ۹۵ کے حاشیوں میں ہو چکا ہے۔

Marfat.com

بتائے ہوئے راستے سے بھٹک گئے ہیں۔

"صراطِ مستقیم"

بہ تہا بیچا فلسفہ اُس نماز کا جسکے اہم ترحصے کو خود خدائے جل وعلیٰ نے مومنوں کی ہدایت اور آیندہ نسلوں کی رہنمائی اور اطمینان مزید کے لیئے، بطور وحی نازل کرکے قرآن کے ورقِ اول پر لکھدیا تھا، یہی وہ واحد، فراخور سعی، اور در خورِ طلب نصب العین تھا جو اسلام کی دنیاوی اور اخروی بہتری کے اُس بہترین مجوزہ نے، دن میں پانچوقت مسلمانوں کے پیش نظر کر دیا تھا! اِس صراط مستقیم کی دعا میں رب العالمین کے حضور میں نعمت کے جلد تر عطا ہونے کی درخواست تھی۔ اِسمیں اُس اعلیٰ مقام حاصل کرنے کا صبر گسل اشتیاق شعلہ زن تھا، اِسمیں درنگ کی بے صبرانہ تڑپ، اور تعویق والتوا کا بسلانہ اضطراب تھا:

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَاعْتَصَمُوْا بِہٖ فَسَیُدْخِلُھُمْ فِیْ رَحْمَۃٍ مِّنْہُ وَفَضْلٍ وَّیَھْدِیْھِمْ اِلَیْہِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا٭ (۴: ۱۷۶)

سو جن لوگوں نے خدا کو اپنا آقا مان لیا، اور جم کر اُسکے قانون کی تعمیل کرتے رہے، اُنہیں عنقریب اپنی مہربانیوں اور بخششوں سے مالامال کردے گا۔ اور اُنہیں دنیاوی مرفہ الحالی کیطرف مختصر سے مختصر، اور قریب سے قریب راستے سے لے آئیگا۔

اِسمیں اولین فرصت پر، اور سہل تر طریقے سے، اِس معاملے کو طے کرنے کی خواہش کیگئی تھی۔ اِسمیں گنجایش صبر اور تابِ مہلت کا انکار تھا؛ اِسمیں ناقابلیت اور سوءِ تدبیر، نادور بینی اور غلط طریقِ عمل کی مشکلات سے

٭ اس آیہ کریمہ میں الفاظ یَھْدِیْھِمْ اِلَیْہِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا٭ اِس امر کی شہادت ہیں کہ صراط مستقیم کا اصلی مفہوم مختصر سے مختصر اور قریب سے قریب راستہ بھی ہے۔ دو مقامات کے درمیان سب سے مختصر راستہ خطِ مستقیم ہے، اور ایک شئے کو دوسری شئے کی طرف سیدھے رستے سے لیجانے میں اختصار اور سرعتِ نقل و حرکت دونوں مدنظر ہوتی ہیں، ٹیڑھا راستہ اختیار کرنے میں لامحالہ طوالت اور دیری دونوں کا خوف لاحق ہے؛ پس اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ٭ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ (۱: ۵-۶) کی دعا در اصل اس نعمت تک نہایت سرعت اور مختصر سے مختصر راستے سے پہنچنے کی دعا بھی ہے اور اسمیں اس نعمت کے جلد تر حاصل ہونے کا اضطراب مضمر ہے۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے دلوں کی یہی وہ اضطراری کیفیت تھی جو نماز کے وقت منعم حقیقی تم کے حضور میں اُنکو خشوع و خضوع کرنے بلکہ بار بار اٹھنے اور بیٹھنے پر بدل مجبور کردیتی تھی۔ آج یہی اضطرا

Marfat.com

نجات مانگی گئی تھی؛ اسمیں عام انسانی لغزشوں، اور سہو و خطا کی طویل اور دشوار گذار راہوں سے پناہ طلب کی گئی تھی۔ یہ ہر اسلامی معاملے میں حسن عمل کی استدعا، اور عطائے سہولت کی عرضداشت تھی؛ نہیں یہ ہر متنفس کی طرف سے سطح زمین کی تمام اسلامی جماعت کے حق میں توفیق عمل کی گذارش تھی: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ [۵۱] ریگستان عرب کے ہزاروں بلکہ لاکھوں نفوس کی یہ جماعت صبح و شام زوال آفتاب پر اور دن ڈھلے، رات کی خاموشیوں اور دن کی مصروف کاریوں میں، ایک مرکز کی طرف قبلہ رو ہو کر، نہایت عجز و الحاح سے یہ کہا کرتی تھی کہ اے الٰہ العالمین! تو دنیا کی اس عظیم الشان کشمکش

---

۵۱ ہماری تمام امت کو نعمت کا صراط مستقیم دکھا۔ سلسلے کے لیئے دیکھو آیہ (۵۱۔۱)۔ ہٖنا کا صیغہ جمع کا ہے اسلیئے خطاب تمام اُمت کی طرف سے ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۴) ہر غرضمند شخص اپنے دنیاوی منعم کے روبرو دست بستہ کھڑے ہو کر ظاہر کرتا ہے وہ انعام کو جلد تر حاصل کرنے اور اپنے منعم کے دل کو اقل قلیل مدت میں نرم کرنے کی غرض سے کبھی اُسکے پاؤں پڑتا ہے، کبھی اپنی پگڑی اُسکے پاؤں پر ڈال دیتا ہے، کبھی اُسکے آگے زمین پر سجدہ کرتا ہے، کبھی گڑگڑا کر اُٹھتا ہے اور پھر ہاتھ جوڑنے لگتا ہے۔ اس تمام اضطراری عمل سے مقصود منعم کے دل کو نعمت کے فوراً عطا کرنے کی طرف مائل کرنا ہوتا ہے اور بس۔ اور میرا یقین ہے کہ نماز کے قومے اور قعدے بھی اُس منعم حقیقی کے حضور میں اِسی کیفیت دل اور اضطراب کے مظاہر تھے۔ رہا یہ کہ آج وہ سب کیف و حال ہر نمازی کے دل سے اصلاً محو ہو چکا ہے۔ فَسَيُدْخِلُهُمْ کے سَ سے بھی، جو مستقبل قریب کے لیئے بالعموم استعمال ہوتا ہے، یہی انعام کا جلد تر عطا ہونا مترشح ہوتا ہے۔ رَحْمَةٍ اور فَضْلٍ کے دنیاوی مفہوم کے متعلق شہادتیں صفحہ ۲۱۶ کے تحت المتن میں اور چند صفحہ ۱۱۵، ۱۲۳، ۱۵۲ پر گذر چکی ہیں، باقی شہادت کو خوف طوالت کے باعث نظر انداز کر دیا ہے۔

يَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا میں اِلَيْهِ کی ضمیر کو بعض ہوچ پسند اور سطح بیں اصحاب نے خدا کی طرف پھیرا ہے اور اس جملے کا مطلب یوں ادا کیا ہے کہ ایمان والوں کو "خدا اپنی طرف کا سیدھا رستہ دکھاویگا"۔ ادنیٰ تامل بھی ظاہر کرتا ہے کہ خدا کی طرف کا سیدھا رستہ' وہ ناقابل درک شے ہے کہ اسکے صحیح مفہوم کے متعلق ایک برس بحث کرنیکے بعد بھی کوئی نتیجہ مترتب نہیں ہوتا! ہم نے اِلَيْهِ کی ضمیر کا مرجع فَضْلٍ ظاہر کیا ہے، یہی از روئے قواعد صحیح تر مرجع ہے' اور اسی سے مطالب بالکل مربوط ہو جاتے ہیں۔

† یہاں پر نَا کی ضمیر اس امر کی شہادت ہے کہ صراط مستقیم کی درخواست تمام جماعت کی طرف سے ہے، انفرادی نہیں۔ اور اس لیے صراط مستقیم بھی لامحالہ وہ اجتماعی طریق عمل ہے جس پر چلکر جماعت کے دنیاوی انعام حاصل ہوتے ہیں جیسا کہ آگے چلکر ثابت ہوگا۔ اسلامی نماز کی تمام قراءت میں جو بات غور طلب اور دلچسپ ہے یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ میں (جسکو پیش امام اُمت کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے باآواز بلند پڑھتا ہے درآنحالیکہ مقتدی خاموش کھڑے رہتے ہیں) متکلم اور غائب کی سب ضمیریں جمع کی ہیں۔ باقی تمام حصص جو مقتدی دبی آواز میں بطور خود ادا کرتے ہیں سب کے سب انفرادی ہیں، اُن میں سب متکلم ضمیریں اور صیغے (ماسوا ایک کے[*]) واحد ہیں گویا اجتماعی حصوں کو پیش امام کی زبان سے باآواز بلند کہنے اور انفرادی حصوں کو فرداً فرداً دبی آواز میں ادا کرنے کا سبب اُنکا اجتماعی اور انفرادی ہونا ہی ہے۔ اس مقام نظر سے ظاہر ہے کہ انفرادی طور پر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی درخواست اصالتاً بے معنی ہے۔ اور نماز کو اسلامی جماعت سے الگ ہو کر، یا خانہ نشین بنکر ادا کرنے سے اسکی اصلی غرض و غایت ایک بہت بڑی حد تک مفقود ہو جاتی ہے۔

---

* التحیات میں السلام علینا کی نا کی ضمیر لیکن ظاہر ہے کہ یہ صرف ایک فرد کا سب اُمت پر انفرادی معنوں میں سلام ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

Marfat.com

میں جہاں ہر قدم پر مشکلات کا سامنا ہے، جہاں معاملات کی عظمت و اہمیت کے باعث کم علم اور کوتاہ بیں انسان کے لیئے اکثر اوقات حق و باطل میں تمیز، اور صحیح و غلط میں فرق کرنا محال ہو جاتا ہے تو دُنیا کے اِس وسیع مجادلے میں اسلام کی جماعت کو حصول قوت کے سیدھے اور آسان طریقے بتادے، تو اُن میں حسن تدبیر اور صلاح عمل کی اہلیت پیدا کرے، تو اُن میں اعتصام خدا اور تسلیم، اتقا اور اتحاد کے جذبات موجزن کرے! وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۞ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ۞ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (۳: ۱۰۰-۱۰۲) تو اُن میں صبر کی توفیق اور توکل کی ہمت

ف اور جو لوگ اللہ کے دامن کو جم کر پکڑے رہے، (اُسکے قانون کی تن دہی سے تعمیل کرکے اُسی کا آسرا ڈھونڈتے رہے)، وہ تو صراط مستقیم پر لگ گئے۔ اے ایمان والو! تمہارے لیئے راہ راست یہی ہے کہ مقام خدا سے ہر وقت ڈرتے رہا کرو اور ایسا ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے، اور اُسکے احکام کے آگے مرتے دم تک سر تسلیم خم رکھو۔ اور سب ایک دوسرے سے گھُل ملکر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑے رہو اور دیکھنا آپس میں تفریق ہرگز پیدا نہ ہونے دینا۔

---

† یہاں سے صراط مستقیم کی قرآنی تعریف شروع ہے۔ بعد کی آیات جو اِس عنوان کے تحت میں پیش کی گئی ہیں۔ سب کی سب اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کے مفہوم کی کسی ایک شق کی توضیح کر رہی ہیں۔ یہاں یہ امر نہایت غور طلب ہے کہ ماسوا **ایک** مقام کے جس کا ذکر آگے چلکر کر دیا ہے، قرآن حکیم کے تمام طول و عرض میں اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کے الفاظ سورہ فاتحہ سے قطع نظر، اور کہیں نہیں آئے۔ سب موقعوں پر صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ بالتنوین موجود ہے، جس سے ظاہر ہے کہ اِن آیات میں اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کے الٰہی مفہوم کی صرف **ایک** شق بیان کر دی ہے، تمام و کمال مفہوم کا ادا کرنا اُس جا مقصود نہ تھا۔ صراط مستقیم کے الٰہی مفہوم کی تین شقیں یعنی (۱) **علم فطرت** کا حاصل کرنا صفحہ ۷۰۳ بحث المتن آیہ (۲۴: ۴۶) میں (۲) **حفظ نفس** پر کاربند ہونا صفحہ ۱۷۶۔ آیہ (۵: ۱۶) میں اور (۳) **اتّحادِ امت** صفحہ ۱۸۸۔ آیہ (۲: ۲۱۳) میں بیان ہو چکی ہیں دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۹۰۔

آیت زیر بحث (یعنی ۳: ۱۰۰) کے موضوع کی مماثلت صفحہ ۲۲۴ کی آیت (۴: ۱۷۶) سے واضح ہے۔ 'اعتصام باللہ' اور 'صراط مستقیم' کے الفاظ دونو جگہ استعمال ہوئے ہیں اور مضمون بھی قریب قریب واحد ہے۔ آیہ (۳: ۱۰۱) سے نئے رکوع کے شروع ہونے کے باعث اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ لَا تَفَرَّقُوا یعنی اتّحاد کے مضمون کو جو (آیہ (۳: ۱۰۲) میں آیا ہے صراط مستقیم کا ایک شقّی مفہوم سمجھنا دور از کار تاویل ہے، مگر ادنےٰ تامّل بھی اس نتیجے پر پونہچا دیتا ہے کہ یہ محاکمہ درست نہیں۔ اولاً قرآن حکیم میں نئے رکوع کا شروع ہونا اس امر کی حتمی کوئی دلیل نہیں کہ بعد کے رکوع کا پہلے رکوع سے تعلق نہیں، برخلاف اِس کے کلام الٰہی کے ربط کو سمجھنے والے اشخاص خوب جانتے ہیں کہ قرآنی رکوع بسا اوقات ایک سلسلۂ استدلال کی کئی منازل کے مابین بطور وقفے کے ہوا کرتے ہیں، انکے واقع ہونے سے اُس موضوع کا انقطاع مراد نہیں ہوتا۔ اکثر موقعوں پر کئی رکوعوں میں ایک ہی تواتر بیان اور تسلسل خیال چلا جاتا ہے۔ اور بعد کا رکوع پہلے رکوع کے دعاوی کا مؤید بنکر اُس بیان کی توکید مزید یا تشریح کر دیتا ہے۔ بعینہ یہی بات اِن دو رکوعوں میں ہے جو زیر بحث آیات کے متعلق ہیں جیسا کہ کسی آیندہ موقع پر تمام سورۃ کا مربوط ترجمہ کرتے وقت عیاں ہو جائیگا۔ ثانیاً آیہ (۳: ۱۰۲) میں وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا کے الفاظ اور آیہ (۳: ۱۰۰) میں يَعْتَصِم بِاللَّهِ کو صراط مستقیم کی ایک شق قرار دینا اِس امر کی روشن دلیل ہے کہ بعد کے رکوع میں صراط مستقیم کے مفہوم کی مزید توضیح ہی لَا تَفَرَّقُوا کے الفاظ میں کی گئی ہے اور مضمون برابر ایک ہی چلا آرہا ہے۔ گویا متفقہ طور پر اعتصام بحبل اللہ کرنا، اور فرقہ بندنہ بننا نہ صرف ایمان (آمَنُوا)، اور اتقا (اتَّقُوا اللَّهَ)، اور اسلام (وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ) ہی کی ایک اہم شق ہے بلکہ صراط مستقیم کا ایک شوشہ بھی ہے۔

عطا فرما! وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰنَا سُبُلَنَا ۚ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ؏ (۱۴: ۱۲)، تو اُن میں قانونِ خدا کا صحیح علم و عمل، اور ایمان کی اٹل طاقتیں قائم رکھ! وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؏ (۲۲: ۵۴)، مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؏ (۴۲: ۵۲)، تو ان میں ایثارِ مال کے محبت انگیز ولولے، اور ایثارِ جان کا نتیجہ خیز ہیجان پیدا کر! اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؏ (۲۳: ۷۲-۷۳)، تو ان کو تفریق کے ہولناک نتائج اور تشتت و انتشار کی

سلہ اور قاصدانِ خدا نے قومِ موسیٰ سے کہا کہ ہم کیوں نہ اپنا تمام معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں، اور ڈٹ کر نشانے خدا کی تبلیغ و اشاعت کریں، حالانکہ اسنے ہمارا طریق عمل ہم کو بتلا دیا ہے۔ اور ہم کیوں نہ استقلال سے اس دُکھ کو برداشت کریں جو تم نے ہم کو دیا، اور توکل کرنیوالوں کو تو یہی چاہیئے کہ اللہ پر توکل کریں۔

سلہ اور خدا لامحالہ ان لوگوں کو جو اسکے خدا ہونے پر ایمان لے آئے اور جنہوں نے اسکی تصدیق میں فرمودۂ خدا اعمال کیئے، صراطِ مستقیم کیطرف ضرور لیجائیگا۔

سلہ اے پیغمبر! تم اس سے پہلے کیا جانتے تھے کہ کتابِ خدا کیا چیز ہے، اور کیا سمجھتے تھے کہ ایمان کسے کہتے ہیں، مگر ہم نے اس ایمان کو تمہارے اندر نور کر دیا ہے جس سے تمام اصلیت تم پر کھل چکی ہے۔ اپنے بندوں میں جنکو ہم مناسب سمجھتے ہیں اس نور کے ذریعے سے رستہ دکھاتے ہیں! اور تم تو لامحالہ لوگوں کو صراطِ مستقیم پر ہی چلا رہے ہو۔

سلہ اے محمدؐ! کیا تم ان نابکار اور ناانجام شناس لوگوں (یعنی منافق اہلِ عرب) سے خرچ مانگ رہے ہو، کیا تم اُمت کی بہتری کے لیئے انکو ایثارِ مال کے واسطے کہہ رہے ہو، ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو، خدا کا بھیجا ہوا مال جو سچے مسلمانوں کی وساطت سے تم کو ملا ہے تمہاری اُمت کے حق میں بہتر ہے کیونکہ وہ دردمند لوگوں نے دیا ہے، اور وہی بہترین رزق دینے والا ہے اور تم تو لامحالہ اِن لوگوں کو صراطِ مستقیم پر ہی بلا رہے ہو۔

٭ صَبْرٌ کے صحیح مطالب صفحہ ۲۹، ۳۰، ۱۱۰، ۱۲۳، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۹۴ کے حاشیوں میں بیان ہو چکے ہیں، علیٰ ہذا القیاس تَوَكُّلٌ کے سمجھنے کے لیئے صفحہ ۸۰ کا تحت المتن دیکھنا چاہیئے: هَدٰنَا سُبُلَنَا سے مراد صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی ہی ہے گویا مصائب کو استقلال سے برداشت کرنا، ان کا جم کر مقابلہ کرنا، ان کے دفعیئے کے لیئے سعی کرنا اور بعد ازاں نتائج کے بارے میں خدا کے فیصلوں پر بہرحال اعتماد کرنا اسلامی صراطِ مستقیم کی ایک شق ہے۔

٭ ایمان کی کڑی شرطوں اور اسکے قوت افزا اعمال کے متعلق مفصل بحث ابھی ابھی ہو چکی ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں پر اٰمَنُوْا سے مراد صرف منہ سے اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ کہنا نہیں بلکہ اُن جانگداز اور روح فرسا اعمال کا کرنا ہے جسکا نتیجہ غلبہ قوم ہے اور انہی اعمال کو شعار بنالینا صراطِ مستقیم کی طرف جانا ہے۔

٭ اَلْكِتٰبُ کے مفہوم کے متعلق ایک ابتدائی بحث صفحہ ۲۰ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے۔ یہاں مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ الکتاب سے مراد قانونِ خدا ہی ہے۔ اور یہ لفظ مطلق معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس سے کوئی خاص کتابِ الٰہی مراد نہیں "تو نہیں جانتا تھا کہ قرآن کیا ہے" اُسوقت کہنا جب کہ قرآن آنحضرتؐ پر نازل بھی نہیں ہوا تھا بے معنی ہے۔ 'ایمان' سے مراد یہاں پر بھی وہ کیفیت قلب ہے جسکا نتیجہ خدا کی راہ میں جان و مال کی قربانی ہے، منہ سے کچھ کہکر چھوٹ جانا مراد نہیں۔ اس مقام نظر سے ایمان کو جَعَلْنٰهُ نُوْرًا کہا گیا ہے اور بالآخر اسکو صراطِ مستقیم کی ایک شق گردانا گیا ہو۔ بہت ممکن ہے کہ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا کی ضمیر هُوَ کا مرجع نہ صرف 'ایمان' بلکہ 'الکتاب' بھی ہو کیونکہ کتابِ خدا کو نور سے تشبیہ پہلے بھی دی جا چکی ہے دیکھو صفحہ ۱۲۹۔ آیہ (۵: ۱۵)۔

Marfat.com

لاعلاج شکست وریخت سے بچا! وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى
اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ‎(۲: ۲۱۳) ؏۱ تو اُن میں
اپنی سچی ملازمت اور لاشریک عبادت کے ولولے پیدا کردے! أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا
الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ وَأَنِ اعْبُدُونِي هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ‎(۳۶: ۶۰) ؏۲ تو اسلامی اُمت کے لیے ایک
منسکِ عمل، ایک طریق ملازمت، اور ایک انداز عبادت مقرر کر چکنے کے بعد اُنکو اصل قانون (اتحاد)
کے متعلق سب تنازعات سے باز رکھ! لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ† وَادْعُ
إِلَى رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَى هُدًى مُسْتَقِيمٍ ‎(۲۲: ۶۷) ؏۳ تو اُن کو صورتاً اور معناً ایک مرکز پر جمع کر کے اُنکی جماعت کو
قوت کا لازوال مصدر، تمرکز کا بے مثال پیکر، اور شہادت خدا کا بیعدیل نمونہ بنادے! سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ

؏۱ اور کتاب خدا کے متعلق تو انہی لوگوں نے آپس میں اصیح احکام آئے پیچھے، اختلاف قائم کر لیا جن کو وہ دی گئی تھی، اور اس اختلاف کی وجہ اُن کی آپس میں ضد ہی تھی۔ پھر آخر کار وہ راہ حق، جسکے بارے میں لوگوں میں اسقدر اختلاف پیدا ہو گیا تھا، اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ان ایمان والوں (یعنی قرون اولی کے مسلمانوں) کو دکھا دی، اور اللہ تو جس کو مناسب سمجھتا ہے صراط مستقیم کی طرف لیجاتا ہے۔

؏۲ اے اولاد آدم! کیا ہم تمکو وقتاً فوقتاً تاکید نہیں کرتے رہے، اور کیا ہم نے تم سب کی جبلت سے اِس بات کا معنوی عہد نہیں لیا کہ دیکھو شیطان کی غلامی نہ کرنا کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، اور میری ہی عبادت اور عملی خدمت میں لگے رہنا کہ یہی صراط مستقیم ہے؟ (عبادت کا مفہوم ظاہر ہے کہ یہاں پر بھی نماز نہیں کیونکہ کوئی شخص شیطان کی نماز نہیں پڑھتا، مقصود عملی اطاعت ہی ہے۔ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۰۶۔ اس آیت کے مطالب کا مقابلہ آیہ (۵۱: ۵۶) صفحہ ۱۱۸ سے کرنا چاہئے۔

؏۳ لوگو! ہم نے روئے زمین کی ہر اُمت کے لیئے خدا کی عبودیت اور قانون خدا کی اطاعت کا ایک ظاہری نشان مقرر کر دیا ہے جس پر وہ چل رہی ہے لیکن اصل قانون سب کے لیئے ایک ہے (اور وہ اتحاد ہے) تو لوگوں کو چاہیئے کہ اصل قانون (الامر) کے متعلق تم سے کوئی نزاع قطعاً قائم نہ کریں۔ پس تم سب دنیا کو اپنے پروردگار ہی کی طرف بلا کر ایک مرکز پر جمع کر دو اور اسی توحید کے ذریعے سے اتحاد عالم پیدا کرو۔ اسمیں شک نہیں کہ اُمم عالم کے مابین اس اتحاد معنوی کے قائم کرنے میں تم لامحالہ صراط مستقیم پر ہو۔ الامر کی تشریح کیلئے آیندہ تحت المتن کے علاوہ دیباچہ کتاب صفحہ ۳-۹ و ۳۲-۳۳ کے مطالب پر غور کرنا چاہیئے۔

---

† اس مشکل آیت کے صحیح مفہوم کو میں نے متذکرہ صدر تشریح میں ظاہر کرنے کی سعی کی ہے اور مطالب کو گذشتہ اور آیندہ سیاق سورۃ سے مربوط کر دیا ہے۔ محولہ بالا مطالب کی صحت کا اندازہ شاید اُس وقت زیادہ صراحت سے ہو سکے گا۔ جب سورۂ حج کے داخلی ربط اور مطالب کو جس میں یہ آیت واقع ہوئی ہے واضح کر دیا جائے گا اور حج کی الٰہی حکمت عملی بھی ذہن نشین ہو جائے گی۔ حج بیت الحرام کے متعلق ایک ابتدائی بحث دوسری جلد میں آنے والی ہے اور وہاں پر بھی اس آیت کے مذکورہ بالا مطالب کی تصدیق کا موقع مل رہے گا۔ یہاں پر فی الحال لفظ "مَنْسَكٌ" اور لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا کے صحیح مفہوم سے بحث ہے۔ مَنْسَكٌ کے معنی میں نے "نشانِ ملازمت خدا" کیئے ہیں، اور میری مراد اس سے وہ اجتماعی رسم و رسوم اور شرعی رواجات ہیں جن کے ذریعے سے روئے زمین کی ہر قوم بلا لحاظ مذہب و ملت وقتاً فوقتاً معبود سے اپنے تعبد اور تعلق کا رسمی اظہار کرتی رہتی ہے۔ بعض امتوں میں یہ مناسک حیوانی قربانیاں ہیں، بعض میں سالانہ اجتماع اور میلے ہیں، بعض میں کسی ظاہری نشان مثل قشقہ و زنار کا لگائے رکھنا ہے، بعض میں عجیب و غریب اور ناقابل فہم رسومات ہیں جن کی اصلی غرض و غایت مرور مدت کے باعث مسخ ہو چکی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان شرعی

مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (۲: ۱۴۲)

تو اُن کو ابراہیم کی مخلصانہ اطاعت اور ایک منبع کے کامل اتحادِ عمل کی طرف مائل کر: قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ

ص ناسمجھ اور نادان لوگ تو یہی کہیں گے کہ بھلا محمدؐ (صلعم) کے پیرو کیوں بے وجہ اور بلا سبب اپنے پہلے قبلے سے ہٹ کر دوسرے قبلے کی طرف آ گئے۔ اور وہ کیا ہی معمولی سی بات تھی جس پر یہودیوں اور عیسائیوں سے لڑائی مول لی۔ قانونِ خدا کے اِن نادانوں کو یہی مختصر سا جواب دے کر چُپ کرا دو کہ تمہیں اِس بات کی کیوں خلش ہے، خدا ہی کا مشرق اور خدا ہی کا مغرب ہے۔ وہ جو چاہے پسند کرے لیکن وہ جس قوم کو چاہتا ہے اور جس میں اہلیت دیکھتا ہے تمرکز اور وحدت کا صراطِ مستقیم دکھا دیتا ہے۔

❀ اس آیۂ شریفہ کے صحیح مطالب میں نے مذکورۂ بالا ترجمے میں ظاہر کر دیئے ہیں۔ شارحین نے جو کچھ لکھا ہے۔ سوال از آسمان اور جواب از ریسماں کا مصداق ہے۔ سفہاء اور نادانوں کا اعتراض ہے کہ قبلہ بیت المقدس سے مکۂ معظمہ کی طرف کیوں بدل دیا گیا انکو بے وقوفوں کا سا جواب دیا ہے کہ مشرق بھی اللہ کا ہے اور مغرب بھی اللہ کا۔ اسنے جو چاہا پسند کر لیا۔ عاقلوں اور سوچ والوں کے لائق یہ جواب ہے کہ اسلام کو ایک مرکز چاہیئے تھا سو جس قوم میں خدا اہلیت دیکھتا ہے اُسکو ایک مرکز پر آنے کا صراطِ مستقیم دکھا دیتا ہے۔ اگر بیت المقدس بدستور قبلہ رہتا تو یہ تمرکز ممکن نہ تھا۔ عیسائی الگ تھلگ رہ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا بناتے، یہود جدا شور مچاتے، اور وہ سچا اتحاد جو پیشِ نظر تھا قائم نہ ہو سکتا۔ پس بہتر یہی تھا کہ الگ مرکز بنایا جائے جس پر یہود و نصاریٰ نے بلکہ تمام عالم مجتمع ہو سکے اور ہو جائے۔ ضمناً جواب میں اس اہم حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ خدا کو مشرق مغرب کی کچھ تخصیص نہیں، سب اُسی کے ہیں۔ اسلیئے نہ بیت المقدس مقصود بالذات تھا نہ اب مکہ ہے جو مقصود ہے وہ تمرکز اور اتحاد ہے گویا مسلمانوں کو متنبہ کر دیا ہے کہ اصل قانون کی طرف رجوع کریں جیسا کہ میں نے مَنْسَكًا کے تحت المتن کے اخیر (صفحہ ۲۳۳) میں واضح کرنے کی سعی کی ہے۔ یہ تحت المتن چنانچہ اِس صفحے پر بھی جاری ہے اور اس آیت کے مطالب پر غور اُس تمام تحریر کو پڑھ کر کرنا چاہیئے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۸) علامات کی پابندی کسی قوم کے اُسکے اپنے معبود سے لگاؤ کا صرف ایک **ظاہری نشان** ہے، معبود کے **احکام کی تعمیل پر آمادگی** یا اُسکے بتلائے ہوئے **قانون کی پابندی** اُن سے لازم نہیں آتی۔ بہت ممکن بلکہ اغلب ہے کہ ایک شخص اِن رسومات کے ساتھ ساتھ صحیح معنوں میں **ملازمِ خدا** بنا رہے۔ مگر ہر رسمی نباہنے والا **غلامی** (یعنی عبادت) کا دعوےٰ اُس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک کہ **اصل قانون** اور احکام کی تعمیل بھی کما حقہٗ نہ ہوتی رہے۔ اِس مقامِ نظر سے کسی مذہب کے اُس کے اپنے معبود سے اظہارِ تعلق کی اِن ظاہری علامات کو **عبادات کہنا قطعاً نادرست** ہے کیونکہ عبادت آقا کے حکموں پر پیہم عمل اور اُس کی خاطر **مسلسل** تکلیف برداری ہی ہے۔ اور اِن رسوم کو بقیدِ وقت پورا کر لینا صحیح معنوں میں **عمل** نہیں گو کہ ان کی پابندی بھی معبود کے احکام میں داخل ہو۔ قرآنِ حکیم نے اسی نقطۂ نظر سے اِس قطع کے وقتی اور رسمی افعال کو **مَنسَكٌ** کے جامع اور مانع لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اور **عبادت** کا لفظ کسی شخص کے باطنی تعبّد اور اُس کی قلبی اطاعت کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔ چنانچہ اسی موضوع پر ایک مستقل بحث عبادت کے تحت المتن صفحہ ۵۰ا الخ میں گذر چکی ہے۔ اسلام میں صلوٰۃ اور حج، صوم اور زکوٰۃ کے افعال، یا وہ شرعی مجالس، فقہی مراسم اور اجتماعی تیوہار جو ظہورِ اسلام کے بعد اُمت میں رواج پا گئے ہیں، اور جن کے باعث مسلمان باقی اُمتوں سے ممتاز نظر آتے ہیں، سب کے سب "مناسک" میں داخل ہیں۔ اِسمیں شک نہیں کہ نماز اور حج کے ادا کرنے یا دن بھر بھوکا رہنے اور مقررہ زکوٰۃ ادا کرنے کے سبب ہر متنفس میں کچھ نہ کچھ اطاعت کا مادّہ موجود ہونا ضروری ہے۔ مگر نرے نمازگذار، صائم یا حاجی وغیرہ بن جانے سے عبدیّت کا درجہ لازماً حاصل نہیں ہوتا جبتک کہ **اطاعت کا کیف اِن مناسک کے ادا کرنے کے بعد بھی ہر وقت موجود نہ ہو**، اور تمام احکامِ قرآن کی حسبِ موقع تعمیل نہ ہوتی رہے۔ پس **"نُسک"** اور **"عبادت"** میں مسرتِ فی الحقیقت **کیفِ دل کا فرق** ہے اور جو نسک قلبی اطاعت سے ادا ہو اور حاکم کا کھٹکا پیدا کر دے وہ بلا شبہ عبادت کا ایک جزو ہے۔ مناسکِ اسلام کی اسی باطنی استعداد و صلاح کو مدِّنظر رکھکر ہی نے صوم و صلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ کو عبادات میں داخل کیا ہے، اور اصل کتاب میں بحث اُسی التعلق پر ہو رہی ہے جو کیفیتِ دل کے ساتھ ادا ہو کر

Marfat.com

رَبِّىٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِىْ وَنُسُكِىْ وَمَحْيَاىَ وَمَمَاتِىْ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۹) صحیح معنوں میں 'تعبد' پیدا ہو سکے۔ نرے قومے اور قعدے کر لینا اگرچہ مناسک میں داخل ضرور ہے لیکن 'عبادت' خدا نہیں۔ قرآن حکیم نے مناسک حج کے اسی سطحی اظہار تعبد کو پیش نظر رکھکر سورۂ بقرہ میں واضح کر دیا تھا کہ ان سے اصل مقصود اُس حاکم اعلیٰ کا کھٹکا ہی ہے، تو جس وقت وہ مناسک ادا ہو جائیں اصلی غرض و غایت کی طرف بیش از بیش رجوع ہو جاؤ: فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ (۲: ۲۰۰)، یعنی جب تم مراسم حج ادا کر چکو تو اس احکم الحاکمین کی یاد دل میں اسی طرح لاؤ جس طرح جوش محبت میں اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی بڑھکر اُسکا کھٹکا لگا رہے تو اچھا ہے۔" یہاں ذکر سے مراد تسبیحیں چلانا نہیں بلکہ خدائے عظیم کی دبک دلمیں رکھنا ہے۔ لوگ اپنے باپوں کو تسبیحیں چلا چلا کر یاد نہیں رکھتے بلکہ اُن کا خیال کرنا اُن سے دلی رسم و راہ رکھنا ہی اُن کا ذکر ہے۔ اس آیت سے ذرا پہلے ہے: فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ (۲: ۱۹۸)، یعنی پھر جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر الحرام (یعنی مزدلفہ) میں ٹھیر کر خدا کا کھٹکا اپنے دلوں میں پیدا کرو (فَاذْكُرُوا اللّٰهَ)، اور اسکو اس شدت سے دل میں لاؤ جس طرح تمہیں بتلایا ہے۔" بعینہ یہی مقصود 'الصلوٰۃ' کے مناسک ادا کرنیکے بعد پیش نظر کر دیا ہے۔ چنانچہ سورۂ نساء میں اُس نماز کے بارے میں جو میدان جنگ میں خوف عدو کے باعث 'قصر' کر دی جائے، ارشاد ہے کہ اُسکے مناسک ادا کر لینے کے بعد وہی تکیف دل میں پیدا کرو جو الصلوٰۃ کا منتہائے نظر ہے: فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (۴: ۱۰۳)، یعنی "پھر جب میدان جنگ میں نماز کے ارکان کو افرا تفری اور گھبراہٹ میں ادا کر چکو تو اسکے بعد کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے جس طرح بھی ہو سکے خدا کا کھٹکا دل میں پیدا کر لو (کہ یہی مقصود در اصل نماز کا ہے)، پھر جب دشمن کی طرف سے بے خوف و خطر ہو جاؤ تو اُسی اصلی کھٹکے والی، اور یاد پیدا کرنے والی نماز (الصلوٰۃ) کو پھر قائم کرو (اور یہ جو میدان جنگ میں بھی تم کو نماز پڑھنے کے لیے کہا گیا ہے اِسکی وجہ یہ ہے کہ) صاحب ایمان بندوں پر یہ پنجوقتہ حاضری بقید وقت فرض ہے، (نہ یہ کہ جب جی میں آیا اور قلب مطمئن ہوا پڑھ لی اور جب چاہا ملتوی کر دی)۔" اس آیۂ شریفہ کے معانی نہایت غور طلب ہیں اور ان مطالب سے جو پیش کیے گئے ہیں بعض اہم نتائج مترشح ہوتے ہیں: اولاً مناسک صلوٰۃ کو انتہائی خطرے کے وقت بھی ادا کر لینا اسلیئے ضروری ہے کہ پابندیٔ وقت کا درس جو قرآن حکیم نے الصلوٰۃ کی تہ میں رکھا تھا نہ بھولنے پائے۔ ثانیاً الصلوٰۃ 'ایمان والوں' کے لیئے 'موقوت' اسلیئے بھی ہے کہ بادشاہ زمین و آسمان کے حضور میں بروقت حاضر نہ ہونا آداب شہنشہی کے برخلاف، اور اطاعت کے منافی ہے۔ ثالثاً صرف مراسم یعنی قومہ اور قعدہ کر لینے سے نماز ادا نہیں ہوتی بلکہ اسکے بعد خدا کی ٹیس دلمیں پیدا کرنا لابدی ہے۔ بہر نوع ان تمام مثالوں سے ظاہر ہے کہ اسلامی مناسک 'عبادت' کے درجے پر اُسیوقت پہنچ سکتے ہیں جب اُن سے 'ذکر خدا' یعنی اطاعت پیدا کرنے والی دبک صحیح معنوں میں پیدا ہو، اور یہ ذکر کا پیدا ہو جانا اُن مناسک کی رسمی تکمیل سے کہیں بہتر ہے۔ جیسا کہ آیۂ (۲۹: ۴۵) میں وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ کے الفاظ سے ظاہر ہے جو صفحہ ۲۰۹ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ اگرچہ مناسک کا اپنے وقت اور موقع پر ادا کرنا بھی ایسا ہی ضروری ہے جیسے اوامر و نواہی کی تعمیل۔ اِس مقام نظر سے اسلامی مناسک فی الحقیقت ایک شخص کو مطیع خدا بنانیکے اوزار یا وسائل ہی ہیں۔ بجائے خود منتہا، یا اصالتاً عمل نہیں۔ اُن کے ہوتے ہوئے یا ان کی وساطت سے تعبد پیدا ہو سکتا ہے مگر اُنکا اختیار کر لینا فی نفسہ عبادت نہیں اگر ایک شخص کسی حاکم کے نشانات ملازمت مثل چپراس یا تمغہ جات، یا رنگ لباس وغیرہ وغیرہ اختیار کرتا ہے، اور اسکو علانیہ پہنے پھرتا ہے تو یہ ہیئت کذائی ایک رو سے اس حاکم اعلیٰ کی اطاعت کرنے کی محرک ہو سکتی ہے، ورنہ بہت ممکن ہے کہ محض نمائش کے لیئے چپراس لگاتا پھرے، لیکن فی الحقیقت مطیع نہ ہو! ابراہیم علیہ السلام کی اُس دل شگاف اور زہرہ گداز دعا کا جو آپنے خانۂ کعبہ کی تعمیر کے وقت کی تھی بعینہ یہی راز تھا، اور اسی لیئے مٹی اور گارے کی ٹوکریاں سر پر اٹھاتے وقت پہلی بے اختیار ٹیس جو اُس اولو العزم نبی کے دل سے نکلی یہی مسلم اور مطیع بننے کی ٹیس تھی: رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً

Marfat.com

لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ؑ (۶ : ۱۶۲-۱۶۴) ؛ تو اُن میں تسلیم کی خُو، اطاعتِ خدا کا ولولہ، اور اپنی دی ہوئی نعمتوں کی سچی قدر کرنے کی قوت دے! اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ کَانَ اُمَّۃً

ؑ اے پیغمبر تم علی الاعلان کہدو کہ اُس خدائے عظیم نے مجھے صراطِ مستقیم دکھا دیا ہے، اور وہ وہی راہ رہت (دِیْنًا قِیَمًا) ہے جو ابراہیم کا تھا اور جو خالصۃً خدا ہی کے ہو رہے تھے، اُسی کے قانون کی عملاً متابعت کیا کرتے تھے، اور اطاعت گذاری میں کسی شے کو بھی خدا کے برابر نہ کرتے تھے (مَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ)۔ اے پیغمبر تم کہدو کہ میں تو اُس رب زمین و آسمان کے قانون کی عملی اطاعت کی طرف اس طرح جھک گیا ہوں کہ میرے سب افعال، میرا نماز میں جھکنا، میری ملازمت و اطاعت کے سب انداز (نُسُکِیْ) میری خدمت اور بندگی کے سب ظواہر (نُسُکِیْ) میری باطنی اطاعت (صَلَاتِیْ) اور ظاہری عبودیت (نُسُکِیْ) حتیٰ کہ میرا جینا اور مرنا بھی اُسی رب العالمین کے اعلا کے لیئے ہے، اُسی کی حکومت کو لوگوں کے دلوں استوار کرنیکے واسطے ہے۔ اور وہ وُہ حاکم اعلیٰ ہے جس کا کوئی ہم پلہ نہیں، جس کے برابر کوئی حکمران نہیں۔ یہی حکم مجھے اُسکے ہاں سے ملا ہے اور میں سب سے پہلے اُسکو اپنا خدا تسلیم کرتا ہوں (اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ)۔

ؔ مناسک کے تحت المتن میں جو اس صفحے پر جاری ہے میں نے آیہ (۶ : ۱۶۳) کی تشریح کر دی ہے۔ چنانچہ یہ آیت حُسنِ اتفاق سے اِسی صفحے کے ذیل میں آگئی ہے۔ آیہ (۶ : ۱۶۴) کے الفاظ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ سے واضح ہے کہ یہاں پر بھی نُسُک سے مقصود تسلیم و اطاعت ہی ہے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ خدا کو چھوڑ کر ماسوا کی محبت میں گرفتار ہونا (مَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ)، اپنی تمام قلبی نیازمندی (صَلَاتِیْ) اور ظاہری نشانِ ملازمت (نُسُکِیْ) اور زندگی (مَحْیَایَ) اور جان (مَمَاتِیْ) کو قانونِ خدا کے مطیع کر دینا اور تسلیم اپنا شیوۂ عمل بنا لینا صراطِ مستقیم ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۳۰) لَکَ ص وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ؑ (۲ : ۱۲۸) یعنی اے حاکموں کے حاکم اور ہمارے پالنے والے خدا! تو اس ریگستان اور بیابانِ عرب کے اندر ہماری ناچیز کوششوں کو جو ہم اس چھوٹے سے اور بے حیثیت گھر کو تیرے جلیل القدر نام پر موسوم کرنیکے لیئے کر رہے ہیں، قبول کر (رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا کا ترجمہ جو آیہ (۲ : ۱۲۷) میں ہے)، تو ان نیک نیت مساعی کو بارآور کر، اور اے احکم الحاکمین! تو ہم کو صحیح معنوں میں اپنا حکمبردار بنا۔ اور ہماری اولاد میں سے ایک اُمت پیدا کر جو فی الحقیقت تیرے حکموں کو ماننے والی ہو، اور ہم کو ہماری ملازمت کے نشان (مَنَاسِکَنَا) بتلا، ہماری گذشتہ واماندگیوں سے درگذر کیونکہ اس میں شک نہیں کہ تو تائب بندوں کے حق میں بڑا ہی درگذر کرنیوالا مہربان ہے۔" اِسی **اطاعت** کے منتہا کو مدنظر رکھکر ابراہیم علیہ السلام کے "دینِ قیم" اور "ملتِ حنیفہ" کو دوسرے موقع پر یوں واضح کیا ہے، قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (۶ : ۱۶۳-۱۶۴) لیکن چونکہ یہ آیات عنقریب آگے چل کر اصل کتاب میں آ رہی ہیں اسلیئے مطالب کے لیئے وہاں دیکھنا چاہیئے۔ تاہم ظاہر ہے کہ یہاں پر صلاۃ سے باطنی تعبد اور نُسُک سے اُس تعبد کے ظاہری نشان مراد لیئے ہیں۔ اور یہ اس وجہ سے کہ از روئے قرآن وہی نماز فی الحقیقت صلوٰۃ ہے جس کا نتیجہ باطنی تعبد ہے ورنہ کچھ نہیں۔ گویا مقصود یہ ہے کہ اگر میرا باطن (صَلَاتِیْ) کسی کی ملازمت کر رہا ہے تو رب العالمین کی، اور اگر میرا ظاہر (نُسُکِیْ) کسی کے ملازم ہونے پر دال ہے تو خدا کے۔ اور یہی اصل دین، دینِ حنیف اور صراطِ مستقیم ہے! سورۂ حج میں احکامِ قربانی کی توجیہ بھی اسی **ذکر** خدا اور تسلیم کے اصل اصول پر کی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا لِّیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلٰی مَا رَزَقَھُمْ مِّنْ بَھِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ ۗ فَاِلٰـھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَلَہٗٓ اَسْلِمُوْا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ (۲۲ : ۳۴-۳۵)۔

اے مسلمانو! تم قربانیٔ جان کے ان ظاہری مراسم کو احکامِ خدا میں شامل دیکھکر متعجب نہ ہو، ہم نے اس روئے زمین کی ہر اُمت کے لیئے (اُن کے مخصوص احوال کو پیشِ نظر رکھکر) کوئی نہ کوئی نشانِ ملازمت قرار دے رکھا ہے اور ہمارا مقصود اس میں یہ تھا کہ وہ اُنہیں مویشی اور چارپایوں کے عزیز تحفہ اور بے مثال انعاموں کو جو خدا نے اُنہیں دے رکھے ہیں پیشِ نظر رکھکر قربانیاں کرتے وقت اُس منعم حقیقی کی یاد دینے والی یاد اُسکا اطاعت کا پیدا

ؑ چنانچہ یہ آیتیں اسی صفحے کے متن میں آگئی ہیں اور مطالب بھی اسی صفحے پر مندرج ہیں۔

Marfat.com

قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِيفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۙ شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ ۭ اجْتَبٰهُ وَهَدٰىهُ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَإِنَّهُ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِينَ ۝† (۱۶: ۱۲۰-۱۲۲) تو ان کو دشمن کے بالمقابل کامل حفظ و امن عطا فرما کر،

---

۵۱ بے شک ابراہیم دنیا کے جلیل القدر رہنماؤں میں سے تھے۔ وہ خدا کے کامل فرمانبردار بندے تھے اور خالصۃً اُسی کے ہو رہے تھے۔ اور کسی شئے کو بھی خواہ وہ اُنہیں کتنی ہی عزیز ہو خدا کے ہم مقام نہ کرتے تھے اور باایں ہمہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کی سچی قدر کرنیوالے تھے۔ خدا نے انہیں منتخب فرما لیا تھا اور اُنہیں صراطِ مستقیم پر چلا دیا تھا۔ اور ان تمام اعمال کے صلے میں ہی ہم نے اُن کو دنیا میں ہر طرح کی نعمتوں سے معزز فرمایا تھا اور بے شک آخرت میں بھی وہ ہمارے معزز بندوں میں سے ہوں گے۔

---

† یہاں قَانِتًا لِلّٰهِ بننا یعنی تسلیم و اطاعت کو شعار بنا لینا اور خدا کی دی ہوئی ہر شئے کا صحیح استعمال کرنا شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ (دیکھو معانی شکر تحت المتن صفحہ ۱۳۸) صراطِ مستقیم ہے۔ جو شخص یا قوم نعمتہائے الٰہی کا مناسب استعمال کرتی ہے اسکی دنیا بھی درست ہے۔ اسی لیئے اس پیمبرِ اعظم کے میں کہا ہے وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۳۱) کرنے والا ڈر اپنے دلوں میں وقتاً فوقتاً جما لیا کریں (لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ) لیکن لوگوں نے اس پیش نہاد کو خیرباد کہکر قربانیوں کو نئے نئے معبودوں پر چڑھانا شروع کیا یا اُسکے اصلی مفہوم سے الگ ہو کر ان نتیجہ خیز رسوم کو بے اثر کر گئے، تو اے مسلمانو! بگوش ہوش سُن رکھو کہ تمہارا احکم الحاکمین وہی ایک خدا ہے، تم اُسی خدائے واحد کے تابع بن کر رہو (فَلَهٗ أَسْلِمُوا)، اور اے پیغمبر! درگاہِ خدا میں خشوع و خضوع کرنے والی قوم کو اجتماعی بقا اور دنیوی امن کی خوشخبری دو۔ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب خدا کی یاد اُن کو دلائی جاتی ہے تو اُنکے دل تڑپ اُٹھتے ہیں اور وہ بیش از بیش احکامِ خدا کی تعمیل میں منہمک ہو جاتے ہیں۔

اِن تمام مثالوں سے ظاہر ہے کہ مناسک کی صحیح حکمتِ عملی یہی تھی کہ اُن کے ذریعے سے وقتاً فوقتاً انسان کے دل میں شارعِ زمین و آسمان کی یاد پیدا ہو تاکہ لوگ احکامِ خدا کی طرف بیش از بیش رجوع ہوں، اُسکی ہیبت اور ڈر دل میں رکھیں، اُسکے امن افزا احکام سے غافل نہ ہونے پائیں، اُسکی سزاؤں کو یاد کر کے لرز اُٹھیں، اُسکے انعاموں کو خیال میں لا کر تیارِ عمل ہو جائیں۔ اِس سے زیادہ اُن سے فی الحقیقت کچھ مقصود نہ تھا اور جب خدائے عظیم کا دعوٰے ہے کہ ہر اُمت کے مناسک اُس نے بذاتِ خود مقرر کیئے تھے تو صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک قوم کے مناسک کو دوسری قوم کے مناسک پر کوئی وجہ فضیلت نہیں، اُنکے مابین کوئی بنیادی فرق نہیں، وہ کسی قوم کیلئے فی نفسہٖ مقصود بالذات شئے نہیں، وہ صرف تسلیم، ہیجانِ قلب اور ذکر پیدا کرنیکے آلے ہیں، جو شئے اُنسے بہر نوع مقصود ہے۔ اطاعتِ احکامِ الٰہی ہے، سعی و عمل ہے، حکمبرداری اور تقوٰی ہے، احکم الحاکمین کا ڈر اور اتحاد ہے چنانچہ اسی سورۂ حج میں قربانیوں کے احکام کے ضمن میں صاف فرما دیا کہ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۗؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۭ (۲۲: ۳۷)، یعنی "خدا تک تو ان قربانیوں کے گوشت ہی پہنچتے ہیں اور نہ اُنکے خون، بلکہ اگر کوئی شئے وہاں بروئے کار آتی ہے تو وہ تمہارا تقوٰے ہے"۔ پس جب تقوٰی کا جزوِ اعظم اتحاد ہے لَا تَفَرَّقُوا ہے، اِعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ ہے، صَابِرُوْا اور رَابِطُوْا ہے، اُمَّةً وَّاحِدَةً بنے رہنا ہے وغیرہ وغیرہ (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۵۲)، تو ارکانِ اُمت کا فرض ہے کہ خدائے عظیم کے مقرر کیئے ہوئے مناسک کو اِسی اتحادِ قوم، اسی عبودیّت، اسی حکمبرداری اور اطاعت کو پیش نہاد بنا کر بالاجماع ادا کریں، انکو فی نفسہٖ مقصود و منتہا نہ سمجھیں کیونکہ اصل قانونِ اُمت کے افراد کے مابین اجماع و اتحاد پیدا کرنا ہے، افرادِ قوم کے دلوں میں خدا کا ڈر پیدا کر کے انکو متحد رکھنا ہے، اس سے کمتر حتماً اور اصلاً کچھ نہیں۔

اِس تمام بحث و تمحیص کے بعد اصل کتاب کی آیت یعنی لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۭ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۲۲: ۶۷)، کے معانی بالکل صاف ہو جاتے ہیں۔ خدائے عزّ و جل فرماتا ہے کہ مراسمِ عبادت جس قدر دنیا جہان کی سب اُمتیں چل رہی ہیں فی الحقیقت ہم ہی نے مقرر کیئے تھے لیکن اُن سب کے رائج کرنے کی اساسی حکمت اتحاد بین الافراد اور تقوٰی و تسلیمِ خدا

دنیاوی نعمتوں سے مالا مال کر! وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا[1] (۴۸: ۲۰)؛ تو اُن کی ہیئت اجتماعی میں ہمیشہ ان جہان

---

[1] اے ایمان والو! اللہ تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر چکا ہے جنہیں تم تمام عالم کے دشمنوں کو شکست دیکر قابض ہو گے تو یہ خیبر کی غنیمت تم کو سردست دلوا دی اور بڑی بات تو یہ ہے کہ دشمنوں کے دست تعدی سے تم کو بچائے رکھا۔ اور یہ سب افضال الٰہی تمہارے شامل حال اسلئے ہیں کہ ایمان والوں کو قوت ایمان کا پتہ لگ جائے اور تمہیں دشمن کے بالمقابل غلبہ حاصل کرنے کا صراط مستقیم معلوم ہو جائے۔

---

† یہ آیت بیعت رضوان کے ذکر کے عین بعد آئی ہے جہاں حضرت عثمانؓ کی افواہ قتل کے بعد پندرہ سو مومنوں نے ایک درخت کے نیچے رسول خدا صلعم کیساتھ دشمن سے جان توڑ کر لڑنے کا عزم کیا۔ یہاں اور اس سے پہلی آیت (۴۸: ۱۹) میں خدائے عزوجل نے بصراحت مومنوں کو مال غنیمت بقدر کثیر اور بعجلت تمام دلوانیکا وعدہ کیا ہے، دشمن سے بچ نکلنے کو ایمان کا جزو قرار دیا ہے، اور ان سب اعمال کو صراط مستقیم کہا ہے۔ گویا اس دنیا میں بسنے کا صراط مستقیم یہی ہے کہ دشمن کے خلاف کامل طور پر حفظ نفس کیا جائے، اور حسب موقع جارحانہ تشدد کر کے انکی قوت کو کمزور کر دیا جائے۔ مسئلہ ارتقا کی شق سوم و چہارم (صفحہ ۱۲ و ۱۳) سے اس قانون الٰہی کی مماثلت عیاں ہے اور ظاہر ہے کہ فطرت کی ادنیٰ حیوانی مخلوق بھی کس شدت سے دین اسلام اور دین فطرت کی پابند ہے! جن لوگوں نے نفس کو دھوکا دیکر یا کسی خاص پالیسی کے تحت خوف میں آکر اسلام کو بہرحال ایک امن پسند اور صلح جو مذہب قرار دیا ہے اور نبی اکرم کے حیات انگیز غزوات کو بھی شدید مجبوری کے اعمال مشہور کر کے آپ سرکار کی آڑ میں آرام سے بسر کر رہے ہیں انکے لیے یہ آیات نہایت عبرت انگیز ہیں جو اسلامی رستوں کو صراط مستقیم گردانتا ہے (۱۵: ۲۱) صفحہ ۹، اور آچکا ہے نیز صفحہ ۲۴۴ پر آئیگا۔ آیۂ (۵: ۱۱) صفحہ ۸۸ بھی دیکھنی چاہیے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۳۲) اور اطاعت خدا ہی تھی کہ یہی اصل قانون اور اس کارگاہ جہان کا الامر ہے) تو ان لوگوں یعنی یہود و نصاریٰ اور اور اقوام کو جنکو مناسک اسلام کے قبول کرنے میں اعتراض ہے، چاہیئے کہ ایک منسک اور دوسرے منسک کے مابین ظاہری فرق کو نظرانداز کر دیں اور اصل قانون کے بارے میں تم سے کوئی نزاع پیدا نہ کریں (فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ)، اور وہ اصل قانون اے محمدؐ! یہی ہے کہ تم لوگوں کو صحیح معنوں میں اپنے پروردگار کی طرف دعوت دیکر متحد العمل کر دو (وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ) اور اسمیں شک نہیں کہ توحید کی یہ مشترک سطح قائم کرنے میں تم لامحالہ راہ راست پر ہو! ان مطالب کی صحت کی قطعی شہادت اس آیۂ شریفہ کے عین بعد کی آیات سے ہوتی ہے جو مطالب کو مربوط کرنے کی غرض سے یہاں پر لکھی جاتی ہیں؛ اس مضمون کے بعد ارشاد ہے!

وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ (۲۲: ۶۸-۶۹)

اور اے محمدؐ! اگر اس حقیقت کشائی کے بعد بھی یہ لوگ تم سے اختلاف قائم کریں اور اپنے مناسک پر ضد سے اڑے رہیں تو تم ان سے کہدو کہ جو تفرقہ اندازیاں اور انتشار تم بنی نوع انسان میں پیدا کر رہے ہو اس سے خدا خوب واقف ہے! اور وہی روز قیامت کو تمہارے مابین اُن باتوں کے متعلق فیصلہ کر دیگا جن میں تم ناحق اختلاف پیدا کر رہے تھے۔

اسلام بنی نوع انسان کے اتحاد کیلئے آیا تھا (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۰)! خدا فرماتا ہے کہ منسک بنفسہ کچھ شے نہیں، وہ سب ہم ہی نے مقرر کیئے تھے کیا یہود کے مناسک اور کیا نصاریٰ کے، انکا مطلب اتحاد قوم تھا، جب یہ مطلب ان سے فوت ہو گیا ہے تو انپر اڑے رہنا بے معنی ہے۔ اب یہ اسلامی مناسک جو ہم نے تجویز کیئے ہیں انکی غرض بھی بعینہ وہی ہے بلکہ ایک دسے یہ حج کا منسک تمہاری جاہلی اور پیشینہ مراسم ہی کی ترمیم شدہ صورت ہی ہے، پس ان کو میں نزاع پیدا نہ کرو اور متحد بنجاؤ کہ صراط مستقیم یہی ہے! میرے نزدیک مکہ اور بیت المقدس، چین و روم سب ایک ہیں۔ مشرق و مغرب ایک ہے۔ زمین و آسمان ایک ہے، نہ مجھے تمہاری قربانیوں کے گوشت پہنچتے ہیں نہ خون، مجھ تک تو صرف تمہارا تقویٰ، تمہارا اتحاد عمل، تمہاری اطاعت اور خوئے تسلیم، تمہاری قلبی و لب (ذکر) اور لرزش پہنچتی ہے اور بس۔ انہی کو دیکھکر میرے سب فیصلے ہیں۔ انہی پر سزا و جزا کا سب حصر ہے! لیکن یہ جامع الانام اور عالم انگیز اسلامی مناسک آج خود رسم و رواج کی لکیر میں پڑ کر وہ بے مطلب انتشار پرور، وہ اصنام خیز اور تفرقہ آراشئے بن گئے ہیں کہ ایک متنفس بھی آج انکی اس خالص حکمت عملی کا معترف نہیں رہا!

پس الامر اس کارگاہ جہان کا وہ مختص قانون، اُس بے پروا خدا کا وہ خاص الخاص حکم، اُس شدید العقاب آقا کا وہ اٹل آئین عمل ہے

کی عالی ہمتی، اُن کے اخلاف کا تفضل، اور اسلاف کی برتری بخش! وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ [۵۱] (۶: ۸۶-۸۷)؛ تو عالمگیر غلبہ عطا فرما کر ان کے ہر فرد میں عدل دوستی اور حق پسندی کی خصلتیں برقرار رکھ! يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ [۵۲] (۳۸: ۲۶)؛ تو اُن میں قانونِ خدا کے احترام، اور حدودِ خدا کی رعایت سے، حمایت حق اور طہارت نفس سے، تقویٰ کے مقتدر عزائم اور ایمان کی اٹل طاقتوں سے، اعانت عدل اور نگہداریٔ عہد سے، وہ اجتماعیت، وہ عزم بالجزم، اور وہ قوت نظم و ادارت نصیب فرما جو اسلام کے شیرازۂ اُمت کو تشتت کی شکست و ریخت سے ہمیشہ کیلئے مامون و مصئون کردے!

قَدْ جَاۗءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ† اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ

---

۵۱ اور اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط (علیہم السلام) یہ سب ہمارے برگزیدہ رہنمایانِ خلق تھے۔ اور ہم نے ان سب کو تمام عالم کے لوگوں پر برتری دی۔ ان کو اپنی قوم کا سردار بنایا اور بادشاہت دی۔ اور نہ صرف انہی کو بلکہ ان کے آباؤ اجداد اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی بہتیروں کو اُن کے علوِ ہمت، حسنِ عمل، اور شجاعت کے صلے میں دنیا جہان کی قوموں میں سرفراز کیا۔ اور ہم نے اُن کو باقی قوموں سے منتخب کر کے ممتاز کر دیا اور اُن کو دنیا میں قوت سے رہنے کا صراطِ مستقیم دکھا دیا۔

۵۲ اے داؤد! ہم نے جو تم کو اس زمین پر بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں کے معاملات میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو، اور خواہشاتِ نفس کا تتبع نہ کرنا کیونکہ یہی خواہشاتِ نفسانی تم کو اعتدال کی صراطِ مستقیم سے بھٹکا دیں گی۔ جو لوگ عدل و انصاف کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں انکو اس دنیا میں سخت عذاب ملیگا۔ اسلیئے کہ روزِ جزا کو بھول گئے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۳۳) جس کا نام اتحاد ہے، اتحاد بین الافراد اور اتصال بین الاجزا ہے، اتحادِ عمل اور اتحادِ اثر ہے۔ یہی وہ شئے ہے جس کے باعث اُمتیں چشم زدن میں تمکن کے بامِ بلند پر چڑھ جاتی ہیں، جو باعثِ قیامِ عالم اور علتِ تکوینِ کائنات ہے، جو فنا و زوال کا حجابِ اکبر ہے جس سے ہر شئے میں زندگی ہے۔ جس کا نہ ہونا موت و شکست کے مترادف ہے۔ یہی وہ رازِ حیات ہے جس کے ہوتے ہوئے شکست ناممکن، نامرادی کالعدم، اور نامردی امکان سے خارج ہے۔ میرا یقین ہے کہ روئے زمین کے ہر مذہب و ملت کا اصل اصول یہی تھا۔ یہی وہ پیغام تھا جو سب انبیائے جہان اپنے آقائے نامدار سے لائے تھے۔ اور اسی حقیقتِ کبریٰ کو کتاب کے دیباچے میں میں نے سب مذاہب کی **الاصل** اور احکم الحاکمین کا **الامر** قرار دیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۴ و ۳۱۔

---

† الظُّلُمٰتِ سے میں نے اس کتاب میں بالالتزام قانونِ خدا کے عدمِ تعقل کی تاریکیاں اور اجتماعی اختلاط کی نا راہ بینیاں، اور النُّوْرِ سے علم و عمل کی انجام شناسیاں اور تمکن فی الارض کی روشنیاں مراد لیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۵۵ و ۱۳۳ و ۱۷۶۔ ان معانی پر ایک فیصلہ کن بحث عنقریب اس مجلد کے اختتام پر آئے گی۔

Marfat.com

مُّسۡتَقِيۡمٍ ۝ (۵: ۱۵-۱۶)

لوگو! پروردگارِ عالم کی طرف سے تمہیں وہ رہنما نور اور وہ واضح قانون یعنی صحیفۂ فطرت کا ملخص (دیکھو تحت المتن صفحہ ۶۲) آچکا ہے جسکے ذریعے سے خدا اُس قوم کو جو رضائے الٰہی کی متابعت کرتی ہے، قیام فی الارض اور سلامتی کے رستوں پر لے جائیگا، انہیں اپنے فضل وکرم سے جہالت اور ناانجام شناسی کی ظلمتوں سے نکالکر حفظِ نفس، علم، اور تمکن کے نور کی طرف لائیگا، اور انکو قیام وبقا کے صراطِ مستقیم پر ڈال دیگا۔

وَاللّٰهُ يَدۡعُوۡۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ[†] وَيَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۝ (۱۰: ۲۵)

اور اللہ تو اُمتوں کو حفظِ نفس اور سلامتی کے گھر کیطرف بُلا رہا ہے، اور جس قوم میں اہلیت دیکھتا ہے اُسکو تمکن اور قیام کا صراطِ مستقیم دکھا دیتا ہے۔

پس "صراطِ مستقیم" کیا تھا! تحفّظ و بقا تھا! قوم کی سلامتی تھی! اُمت کا "دارُالسلام" تھا! جماعت کا کامل امن اور فرد کا اضطرابِ عمل تھا! اتّحاد کا التہابِ درون، اور توحید کا کرداری اظہار تھا! تعبّد کا معنوی اقرار اور ملازمت کا عملی پہلو تھا!

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّىۡ وَرَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ‌ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ۝ (۴۳: ۶۴)

اے لوگو! وہ خدائے عظیم میرا اور تمہارا پروردگار ہے! مولیٰ ہے! آقائے نامدار ہے: رازق ہے! شاہنشاہ ہے وہ حاکم ہے! تو اُسی احکم الحاکمین کے غلام بنے رہو (فَاعۡبُدُوۡهُ)، اُسی کی خدمت میں لگے رہو (فَاعۡبُدُوۡهُ)، اُسی کے قانون کی تعمیل کرو (فَاعۡبُدُوۡهُ) اُسی کے آگے سرِ تسلیم خم کرو (فَاعۡبُدُوۡهُ)، اُسی کے سچے بندے بنو کہ یہی صراطِ مستقیم ہے:

عبادت کا وحدت انگیز کیف، اور اختلاف سے اجماعی گریز تھا: اتّقا تھا! اطاعتِ امیر تھی!

وَلَمَّا جَآءَ عِيۡسٰى بِالۡبَيِّنٰتِ قَالَ قَدۡ جِئۡتُكُمۡ بِالۡحِكۡمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمۡ بَعۡضَ الَّذِىۡ تَخۡتَلِفُوۡنَ فِيۡهِ‌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّىۡ وَرَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ‌ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ۝ (۴۳: ۶۳-۶۴)
فَاخۡتَلَفَ الۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَيۡنِهِمۡ‌ ۚ فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡ عَذَابِ يَوۡمٍ اَلِيۡمٍ‏ (۴۳: ۶۵)

[†] "دارُالسّلٰم" کے الفاظ کو لوگوں نے بہشت کا نام سمجھکر اس تمام آیت کو عالمِ آخرت میں منتقل کر دیا، لیکن اس لچر تاویل کی کوئی سند نہیں۔ تیسری مجلد میں اس کو عام جس میں یہ آیت واقع ہوئی ہے بتمام وکمال ترجمہ کرکے واضح کر دیا جائیگا کہ "دارُالسّلٰم" ہرگز کوئی اُخروی مکان نہیں۔ لیکن اگر "دارُالسّلٰم" جنت کے باغوں میں کوئی بارہ دری ہے تو خوش اعتقاد شارحین سے پوچھنا چاہیے کہ پھر "سُبُلَ السَّلٰمِ" جو آیہ (۵: ۱۶) میں واقع ہوا ہے کیا شے ہے؟ کیا وہ بھی جنت کی سڑکیں ہیں۔ افسوس کہ لوگوں نے قرآن حکیم کو کیسا افسانہ بنا لیا ہے!

Marfat.com

اور جب عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے پاس خدائے جل عُلیٰ کے روشن اور کھلے کھلے احکام (البیّنٰت) لے کر آئے تو انہوں نے اُن کو مخاطب ہو کر کہا کہ اے بھائیو! میں تمہارے پاس یہ احکام کیا لایا ہوں، دراصل وہ عظیم الشان حکمتی اصول لایا ہوں جس کا شارح خود خدائے بےمثال ہے (جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ)۔ اور میرے آنے کا اہم مقصد یہ ہے کہ میں تم پر اُن باتوں کی اصلیت واضح اور دل نشین کردوں جن میں اختلاف پیدا کرنے کے باعث تم ایک دوسرے سے الگ ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہو تم میں اتحاد کی مشترک سطح از سر نو قائم کروں، تم سب کو ملا کر ایک کردوں! پس اے لوگو! اُس شدید العقاب خدا سے ڈرو! اُس کے مشترک خوف سے متحد ہو جاؤ (اتَّقُوا)، اور سب کے سب ایک امیر کی (یعنی میری) اطاعت کرو، میرے پیچھے لگ جاؤ، وہ خدائے عظیم میرا اور تمہارا دونوں کا آقا ہے پس اُسی کی غلامی میں لگ کر ایک ہو جاؤ، اُسی کے سچے بندے بن جاؤ کہ صراط مستقیم یہی ہے۔
لیکن لوگوں نے اس اولوالعزم پیغمبر کا کچھ کہنا نہ مانا، وہ آپس میں اُسی طرح اختلاف کرتے رہے، اُسی طرح فرقہ بند بنے رہے، تو جن لوگوں نے یوں اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اُن پر ہلاکت کے دردناک اور کپکپا دینے والے دن کے اعتبار سے ہزار حیف ہے۔

تمسک قانونِ خدا تھا!

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۴۳: ۴۳)

تو اے پیغمبر! تم اس قانون کو جو تم پر وحی کردیا گیا ہے مضبوطی سے پکڑے رہو، اُس پر جم کر عمل کرو۔ اس میں شک نہیں کہ تم صراط مستقیم پر ہو (اور لامحالہ اپنی مراد کو پہنچو گے)۔

خوفِ عذابِ الٰہ تھا! بیم روزِ جزا تھا!

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ✦ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ (۴۳: ۶۱)

اور لوگو! اِس میں شک نہیں کہ عیسیٰ (علیہ السلام) بھی بنی اسرائیل جیسی تفرقہ آرا اور فرقہ بند قوم کے لیے ہلاکت اور موت کی عینی اور قطعی، آخری اور قرار واقعی دلیل تھے (عِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ)۔ اُن کا آنا اور جھٹلایا جانا، اتحاد کی تبلیغ کرنا اور ناکام رہنا یہود کے لیے صلائے اجل تھا، پیام موت تھا، ہلاکت کی علی الاعلان شہادت تھی (عِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ)۔ پس اے لوگو! اُس روزِ بد کے آنے میں کبھی شک نہ کرو، اس سے اہل یہود کی طرح بے پروا نہ ہو جاؤ، لمبی تان کر نہ سوؤ (فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا)، اور میرے احکام کی تعمیل کرو کہ یہی صراط مستقیم ہے! (دیکھو علم کی تعریف تحت المتن صفحہ ۸۲-۸۴۔ گویا حضرت کا آنا یہود کی ہلاکت (السَّاعَة) کا عَلَم (نشان) تھا)۔

وہ صراط تھا جس پر چل کر تعزز اور نعمت ہی، خدا کے دنیوی انعام، اور بے حساب بخششیں ہیں۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (۱: ۶)؛ وہ خوف تھا جس کا اٹل نتیجہ انعام و اکرام ہے، يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى

✦ 'السَّاعَة' اور یوم آخرت کے متعلق بحث نہ ہو چکنے کے باعث اس آیۂ شریفہ کے صرف ایک شقی معنی بیان کر دیئے گئے ہیں۔ کامل مفہوم کیلئے ابھی انتظار کرنا چاہیئے یا عربی اقتباسیہ صفحہ ۱۳۶ دیکھیں۔

وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (۱۳:۴۹)[۵۱] جس سے ہٹ کر قہرِ خدا نازل ہوتا ہے، اُمتیں مغضوب علیہ ہو جاتی ہیں، ذُل و مسکنت، موت و افلاس صدیوں اور قرنوں تک پیچھا نہیں چھوڑتے: غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (۷:۱)[۵۲] وہ سیاست تھی جس پر چلکر ہر سو امن ہے، امتوں اور نسلوں کا امن ہے، افراد اور قبیلوں کا امن ہے، گھروں اور محلّوں کا امن ہے! وہ "مذہبِ خدا" اور راہ مالک الملک تھی جسپر دنیا کی سب زندہ اور انعام یاب اُمتیں آج چل رہی ہیں اور اختلافِ مناسک کے باوجود، اپنے اپنے دائرے کے اندر قانونِ خدا اور "الامر" میں نزاع پیدا نہیں کرتیں، لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۚ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ (۶۷:۲۲)[۵۳] نہیں! صراطِ مستقیم، وہ تلوار سے سوا تیز اور بال سے سوا باریک راہ تھی جس پر چلتے رہنا کمال حزم و احتیاط کا کام ہے، جس سے ذرا ادھر ہٹ کر ضلال ہے، شکست و انتشار کا جہنم ہے، محکومیت کا دوزخ ہے، افلاس کی آہ و بکا ہے! وہ دراصل سعی اور امن، تلاش اور مقصود، طالب اور مطلوب کے درمیان وہ خطِ مستقیم تھا جسکے سوا کوئی دوسرا خطِ راست نہیں، کوئی سعی مشکور نہیں، کوئی عمل نتیجہ خیز نہیں! وہ وہ تخیفِ قلب اور وہ ضبطِ نفس تھا جس سے قوم کے سب افرادِ تسلیم کے مجسمے اور سعی و عمل کے فوارے بن جاتے ہیں، جس سے سینے قانونِ خدا کی اطاعت کے لیئے یکسر کھل جاتے ہیں، جس سے دلوں کی تنگیاں اور حوصلوں کی پستیاں کالعدم ہو جاتی ہیں، ہر شخص

---

۵۱ اے ساکنانِ زمین! ہم نے تم سب کو ایک ہی نوع کے مرد اور اسی نوع کی عورت سے پیدا کیا، اب تم سب ایک ہی جنس کے ہو، اس لیئے آپس میں اختلاف پیدا نہ کرو، ہمارے نزدیک تم سب برابر ہو اور تمہارے مختلف گروہ اور قبیلے محض اسلیئے بنا دیئے کہ تم ایک دوسرے سے امتیاز کر سکو ایک دوسرے کے مصالحانہ حریف بنو۔ اور خدا کے نزدیک تم میں سے وہی گروہ عزت اور انعام کا مستحق ہوگا جو سب سے زیادہ قانونِ خدا سے خوف زدہ رہیگا، جو سب سے زیادہ متحد، سب سے زیادہ صابر، محافظِ نفس، اولوالعزم، اور متفق العمل بن کر رہے گا۔ (اَتْقٰىكُمْ دیکھو اتقا کے معانی تحت المتن صفحہ ۱۵۴) اور استقلال سے احکامِ خدا پر عمل کرے گا۔ یاد رکھو کہ خدا تمہارے اعمال سے موبمو واقف، اور تمہاری نیتوں کو سر بسر جاننے والا ہے۔

۵۲ ان قوموں کی راہ نہ دکھا جو تیرے قہر و غضب میں آکر ہلاک ہو چکی ہیں، اور نہ انکی جو راہ راست سے بھٹک کر تیرے قہر و غضب کو دعوت دے رہی ہیں۔

۵۳ اے لوگو! ہم نے روئے زمین کی ہر اُمت کیلیئے خدا کی عبدیت اور قانونِ خدا کی اطاعت کا ایک ظاہری نشان مقرر کر دیا ہے جسکو وہ شعار بناتی ہے لیکن قانون کسب لیئے ایک ہے تو لوگوں کو چاہیئے کہ اصل قانون (الامر) کے متعلق تم سے کوئی نزاع قطعًا قائم نہ کریں، اور وہ اصل قانون یہ ہے کہ تم تمام عالم کو اپنے پروردگار ہی کی اطاعت کیطرف بلاؤ، اور سب کو اس ایک مرکز پر ہی جمع کر دو۔ اسمیں شک نہیں کہ اس اتحادِ معنوی قائم کرنے میں تم ضرور صراطِ مستقیم پر ہو۔

Marfat.com

دوسرے ہمقوم اور ہم جماعت فرد کے لیئے اپنی آغوشِ مرحبا کھول دیتا ہے، کوئی سینہ بھچا ہُوا اور تنگ ظرف نہیں رہتا، پھر محبت اور اخوت کی نہر سلسبیل دلوں میں چل جاتی ہے، اور اس حسنِ عمل کے صلے میں امن واُبہت کا "دارالسلام" اُس قوم کے استقبال کے لیئے دوڑتا ہے!

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ† يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ○ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (۶: ۱۲۶-۱۲۸)

اے لوگو! جس قوم کی نسبت خدا ارادہ کرلیتا ہے کہ اسکو صحیح راہِ عمل دکھاوے تو اُسکے سینوں کو "الاسلام" اور تسلیم قانونِ خدا کے مطابق مذہب عمل کے لیئے یکسر کھول دیتا ہے، اور جسکو اپنی ہی بد اعمالی کے باعث گمراہ کردینے کا ارادہ کرلیتا ہے تو اُس قوم کے سینوں کو بھچا ہوا اور تنگ کردیتا ہے؛ اُن میں حوصلۂ عمل اور توفیقِ خیر مفقود ہوجاتے ہیں۔ باہمی مدد اور بھلائی کرنے کا یارا نہیں رہتا، اُن کی یہ حالت ہوجاتی ہے کہ احکامِ خدا کی تعمیل کرنا اُنکے نزدیک گویا آسمان پر چڑھنا، اور اپنے آپکو ناحق تکلیف میں ڈالنا ہے۔ جو لوگ ہمارے احکام کے مفید ہونے پر ایمان نہیں رکھتے اُن پر خدا کی پھٹکاریوں پڑا کرتی ہے!

اور اے پیغمبر! یہ اپنے سینے کسب و عمل کے لیئے کھول دینا ہی تیرے آقائے جلیل کا بتایا ہوا صراطِ مستقیم ہے۔ یہی عین اسلام ہے، غور و فکر اور صحیح نتائج اخذ کرنے والی قوم کے لیئے ہم نے اپنے حکم کھول کھول بیان کردیئے ہیں۔ یہی وہ قوم ہے جن کے لیئے اس دنیا کے اندر اُنکے پروردگار کے نزدیک اُن کے اعمال کے صلے میں امن و امان کا گھر ہے، اور وہی اس دنیا میں اُس کا سچا دوست اور خبرگیراں ہے۔

یہ آج اِس پہنائے زمین کے طول و عرض میں صراطِ مستقیم کے اس مفہوم کے متعلق ایک شق باقی ہے جسپر اسلام کا کوئی فرد بشر چل رہا ہے؟ کیا دن بھر میں بار بار اور خوش الحانی سے دُہرانے کے باوجود کسی متنفس کو

---

† یہاں یَشْرَحْ صَدْرَهٗ کے بالمقابل یُضِلَّهٗ کا آنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کلامِ الٰہی کی اصطلاح میں کسی قوم کے اندر "الاسلام" پر عمل کرنے کی توفیق کا ناپید ہوجانا (دیکھو تعریف "الاسلام" تحت المتن صفحہ ۱۹۱)، احکامِ خدا پر عمل کرنے سے ناقابل برداشت تکلیف کا محسوس ہونا ہی ضلال ہے۔ ضلال کے پہلے تشریح شدہ معانی میں نے صفحہ ۲۲۳ کے تحت المتن میں جمع کردیئے ہیں، یہ ایک نئی قسط ہے۔ مسلمانوں کو سوچنا چاہیئے کہ وہ آج خود اس ضلال کے مصداق کس شدت سے ہیں!

Marfat.com

اِس بات کا احساس رہ گیا ہے کہ صراطِ مستقیم یہ ہے، نمازیں پنجوقتہ اسی کی گذارش ہیں، اِسی سے ہٹ جانے کا ہر لحظہ ڈر ہے، اِسی کی آرزو اور اِسی کی تڑپ ہے، اِسی کے لیئے اُٹھنا اور بیٹھنا ہے، اِسی کی درخواست میں رکوع و سجود ہیں، قومے اور قعدے ہیں، جُھکنا اور سرنگوں ہوجانا ہے ؟ کیا دلوں میں اِسکے متعلق ذرا سی چوٹ، رتّی بھر حس، ادنیٰ سی سنسناہٹ، یا اُرد کی سفیدی کے برابر سعی و عمل باقی ہے ؟ نہیں، کیا اِس مفہوم کی آج سرے سے خبر بھی ہے ! کیا گذشتہ ایک ہزار برس کے اندر ہزار در ہزار فرقہ بندیوں اور شرک آرائیوں، تفریقِ عمل اور عصیانِ امیر، عدمِ تمرکز اور تشتّت آرا، حُبِّ نفس اور محبتِ مال، عبادتِ طاغوت اور ملازمتِ شیطان† کے مہلک اثرات کے باوجود ہر مسلمان اِس زعم میں نہیں کہ وہ "دینِ اسلام کے صراطِ مستقیم" پر چل رہا ہے، وہ خدا کو خدا مان رہا ہے، رسول کو رسولؐ کہہ رہا ہے، اُس کے حلال و حرام کو نباہ رہا ہے، خیر الاُمم کا رکنِ اعظم ہے، اسلیئے اسکو کسی اصلاح کی ضرورت نہیں، کسی مزید راہ ڈھونڈنے کی حاجت نہیں۔ کیا وہ اِس مہلک گراں خوابی، کوتاہ نظری اور آشوبِ چشم کا مریض نہیں کہ دُنیا کی سب انعام یاب اور خدا کی نعمتوں سے مالا مال اُمتیں اُسکی نگاہ میں ٹیڑھے راستوں پر چل رہی ہیں، جہنّم کی مکین ہو رہی ہیں، دوزخ کا ایندھن بن رہی ہیں، مگر اسلام کی لاڈلی مگر بے نوا اُمت صراطِ مستقیم پر چل رہی ہے، "اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ" کی مصداق ابدالآباد تک ہے ! کیا آج ارضی نعمتوں کے چھن جانے کے بعد کسی "روحانی نعمتوں" کی تاویل کرکے، یا "دارالسلام" کے بے ضرر لفظ کو اسلامی بہشت بنا بنا کر دل کو تسکین دے دینا قہرِ خدا کو کم کرسکتا ہے ؟ کیا صاحب القرآنؐ کی اِس حیرت انگیز اور ناقابلِ انکار، اِس نصی اور صریح شہادت کے ہوتے ہوئے کوئی انسانی لغت، کوئی قیاس ورائے کوئی اجماعِ اُمت، کوئی یونانی حکمت، کوئی مُلّائی تاویل، یا خود ساختہ حدیث "صراطِ مستقیم" کی اِس سے بہتر اور صحیح تر تشریح کرسکتی ہے ؟ کیا قربانیوں کے حشر سے بکروں کے مینڈھے اور مینڈھوں کے گھوڑے بنا بنا کر اُمت کو "پلصراط" پر سے گذار دینا سُنّتِ خدا اور قانونِ رب العالمین کو بدل سکتا ہے !

† یہ سب اعمال صراطِ مستقیم پر چلنے کے نقیض ثابت کر دیئے گئے ہیں (دیکھو اصل کتاب از صفحہ ۲۲۶ تا ۲۳۸)۔

Marfat.com

کیا حالاتِ حاضرہ کے ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں میں دھول ڈالکر نصرانیوں کو مغضوب علیہ کہہ دینا اور آپ اس غضب سے ہمیشہ کے لیئے بچے رہنا، اس نعمت کو عالمِ خیال میں اجارے پر لے لینا، آئین زمین و آسمان میں تغییر پیدا کر سکتا ہے؟ کیا صدرِ اسلام کا صراطِ مستقیم، آجکل کے اسلام کی مانند یہی منہ سے خدا کہہ چھوڑنا، حلال و حرام میں فرق کرنا، سؤر سے پرہیز کرنا، اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کر اپنی خانہ بربادی کو دیکھتے رہنا ہی تھا جسکے صلے میں چند برسوں کے اندر اندر روئے زمین کی سرداری مل گئی تھی!

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ○ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ○ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ○ (۶: ۱۵۲-۱۵۴)

اے محمدؐ! اِن حلال و حرام پر لغو بحثیں کرنے والوں (۶: ۱۴۶) کو کہدو کہ آؤ! میں تمہیں پڑھ کر سناؤں کہ درِاصل حرام کیا چیز ہے، اور تمہارے پروردگار نے تم پر فی الحقیقت کیا حرام کیا ہی، او روہ یہ ہے کہ اطاعت گذاری اور حکمبرداری میں خدا کے ساتھ کسی دوسری شئے کو ہم مقام نہ کرو، اور اپنے ماں باپ کے ساتھ حُسن سلوک کرتے رہو، اور مفلسی کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو کیونکہ ہم ہی تمہارے رزق کے اسباب پیدا کرتے ہیں، اور آنکی روزی کے وسائل بھی ہم ہی پیدا کر دینگے۔ اور تمام ظاہری اور باطنی بداعمالیوں سے بچو، اور انسانی جان جسکا مارنا اللہ نے تم پر حرام کر دیا ہے۔ ناحق (یعنی ماسوا جہاد کے) نہ لو۔ یہ وہ عظیم الشان معاشرتی اصول ہیں جنکا حکم خدا نے تمہیں اسلیئے دیا ہے کہ تم دنیا میں مل جلکر رہنے کا طریقہ سیکھو۔ اور یتیم اور بیکس شخص کے مال میں مداخلت بیجا ہرگز نہ کرو، ہاں اگر اسکے حق میں مفید ہے تو اسمیں ہمدردانہ تصرف کرو یہانتک کہ وہ اسکو خود سنبھالنے کے قابل ہو جائے، اور تمام کاروبار اور لین دین میں انصاف، راست روی، اور پورے ناپ تول کو ملحوظ نظر

Marfat.com

رکھو۔ ہم کسی شخص کو اُسکی استطاعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے، اسلیئے تجارت کے متعلق اور کوئی بندش نہیں کرتے۔ اور جب کسی کے متعلق کچھ کہو تو انصاف کو مدِّ نظر رکھکر کہو، گو وہ تمہارا عزیز ہی کیوں نہو، اور سب سے بڑھکر یہ کہ عہدِ خدا (وعدے) کے پابند ہر دم رہو۔ یہ سب کچھ تمہیں اسلیئے کہا گیا ہے کہ تم اُس کے نتائج پر غور کرو۔ اور بیشک یہی میرا صراطِ مستقیم ہے، جس میں امتوں کی سلامتی اور امن ہے، اور اسی کی پیروی کرو۔ اور دوسرے رستوں پر نہ پڑ لینا کہ تم کو ان اور حفظِ نفس کے راستے سے بھٹکا کر تمہاری طاقت کو منتشر اور جماعت کو تتر بتر کر دیں۔ یہ تم کو خاص طور پر اس لیئے کہا گیا ہے کہ تم شکست و انتشار کے خوفناک نتائج سے بچتے رہو۔

الغرض صراطِ مستقیم کی اِس شق میں بھی ایمان اور تقوے، صبر اور توکل کے اجتماعی اغراض اور اسلامی مصالح کی طرح، جماعتی استحکام، تمدن اور سیاست کے جراثیم مخفی تھے۔[†] اِس تمام اصلاحی ترغیب و تاکید کا مآل کار بھی مسلمانانِ عالم کو جہانگیری سے قطع نظر **جہانبانی** اور **جہانداری** کے سیاسی رموز اور بادشاہت اور حکومت کے دقیق آداب و قواعد سے باخبر کر دینا تھا: ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝ (۶: ۱۵۲)۔[1] انصاف پسندی اور بے رُو و ریا عدل، ضبطِ نفس اور حُسنِ سلوک، حُسنِ معاملت اور اعتمادِ باہمی ہی قیامِ سلطنت کے وہ عبرت آموز اور نصیحت آمیز اصول تھے جن پر سختی سے عمل کرنا ناگزیر، اور جن سے تغافل روا رکھنا مجرمانہ خودکشی تھی: ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝ (۶: ۱۵۲)۔[2] خدائے بیمثال نے کلام پاک

---

[1] یہ نصیحت تم کو خدا نے اسلیئے کی ہے کہ تم معاشری اور اجتماعی، سیاسی اور تمدنی اصولوں کو سمجھ جاؤ۔ دیکھو آیہ (۶: ۱۵۲) صفحہ ۲۴۰۔

[2] اِن باتوں کا حکم خدا نے تمہیں اسلیئے دیا ہے کہ تم اس سے نصیحت اخذ کر کے اُسکے مطابق عمل پیدا کرو۔ دیکھو آیہ (۶: ۱۵۳) صفحہ ۲۴۰۔

[†] ایک موقع پر احکامِ خدا کی اجتماعی اور سیاسی مصلحتوں کو متذکرہ صدر آیات (۶: ۱۵۲–۱۵۳) سے زیادہ واضح الفاظ میں ادا کیا ہے اور انکی سیاسی حکمتِ عملی بھی بالصراحت بیان کر دی ہے۔ سورۂ نساء میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا۝ (۴: ۵۸)

اے مسلمانو! خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے مالکوں کے حوالے کر دیا کرو، اِس کارگاہ سعی و عمل میں خائن ہونے کے مجرم ہرگز نہ ہو، اور جب تم اپنی رعیت کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو نہایت دیانت داری اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ اس میں شک نہیں کہ خدا جو نصیحت تم کو کر رہا ہے تمہاری معاشری اور اجتماعی ترقی کے حق میں بہت اچھی ہے کیونکہ بلاشبہ وہ اس کارگاہ فنا و بقا کے قانون کو خوب سمجھنے والا (سَمِيْعًا) اور اس کی باریکیوں کو خوب پرکھنے والا ہے (بَصِيْرًا)۔

Marfat.com

میں قرونِ خالیہ کی کئی ایک متمدّن اور متسلّط قوموں کی ہلاکت آفریں غلط کاریوں اور سہل انگاریوں کی مثالیں دے کر، اِن اعمال کی اہمیّت کو بصراحت تمام بیان کر دیا تھا، مگر باایں ہمہ نماز کے صراطِ مستقیم کا فوری اور پیشِ نظر مفہوم **تقوے** کا وہی التیام آفریں اثر، اور **توحید** کا مجتمع القلوب احساس تھا: وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (۶: ۱۵۴)[۵۱]۔ متحد اور متفق قلو کی یہ اسلامی جماعت، بارگاہ خداوندی میں اپنے دن بھر کے جلیل القدر کارناموں کی خاموش شہادت اور حوصلہ افزا سند پیش کر کے، اپنے آپ کو سزاوار انعام، اور مستحقِ اجر سمجھتی تھی! اعلائے حق کے متعلق انکے مخلصانہ اعمال، اور ربِّ عظیم کی غائبانہ خدمتیں، انہیں تحسین و آفریں کا بسملانہ اضطراب اور حضوریٔ خدا کی اضطراری تڑپ پیدا کر دیتی تھیں۔ عمروں کے سُلجھے ہوئے یہ مخلص ملازم اپنی روز روز کی نئی اور خوش کُن خدمتوں کے بعد اُس دانائے نہان و عیاں کے حضور میں لپک لپک کر پہنچتے اور دست بستہ کھڑے ہو جاتے! ان کو روئے زمین کی سلطنتیں اور حفظ و امان کی راہیں اُن کے شبانہ روز جہاد اور متواتر عمل کے صلے میں ملا کرتی تھیں: وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ۝ (۲۹: ۶۹)[۵۲]۔ اُنہیں اتمامِ نعمت کا راہِ راست اور حصولِ قوت کا صراطِ مستقیم، صلح حدیبیہ جیسی اہم حکمت عملیوں، اور فتح خیبر و فتح مکہ جیسے مہتم بالشان کارناموں کے عوض میں ملتا تھا: إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ (۴۸: ۱-۲)[۵۳]

---

۵۱ اور مسلمانو! مختلف راستوں کا اتباع ہرگز نہ کرنا، کہ یہ تفریق و انتشار تم کو خدا کے امن و رستے سے ہٹا کر منحل کر دے گا، تمہاری ہیئت اجتماعی کو کمزور، اور قوتّ کو سلب کر دے گا۔ یہ نصیحت تم کو خاص کر اس لیئے کی گئی ہے کہ تم اجتماعی ہلاکت سے بچے رہو۔ سلسلے کے لیئے دیکھو آیہ (۶: ۱۵۴) صفحہ ۲۴۰۔

۵۲ اور جن لوگوں نے ہمارا نام بلند کرنے کی غرض سے جہاد کیئے اُن کو ہم ضرور دنیا میں امن سے رہنے کے اپنے طریقے بتا دیں گے، اور بیشک اللہ تو حسن عمل کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔ (محسنین کی تعریف صفحہ ۱۳۰ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے اور یہاں بھی صاف ظاہر ہے کہ جہاد کرنا سچا حُسنِ عمل ہے)

۵۳ اے پیغمبر! یہ معاہدہ حدیبیہ کیا ہوا حقیقت میں ہم نے تم کو دشمن پر کھلم کھلا فتح دی۔ اور یہ اس لیئے ہے کہ اللہ تیری اگلی اور پچھلی مصلحتی واماندگیوں اور کمزوریوں پر پردہ ڈال دے، اور دشمن کے بالمقابل تم اس دنیا میں اور بھی مضبوط ہو جاؤ۔ اور تاکہ یہ آیندہ نعمتوں کے اتمام کا پیش خیمہ بنے، اور تمہیں حفظ نفس کی حکمت عملی اور غلبے کا صراطِ مستقیم دکھا دے۔ (ذنب سے یہاں صاف طور پر وہ مصلحتی واماندگیاں مراد ہیں جو ہر رہنمائے قوم سے اہم اجتماعی معاملے کے متعلق صراطِ مستقیم نہ ملنے کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہیں۔)

Marfat.com

اُنہیں نگہبانیٔ زمین کا انعامِ عظیم ایثارِ جان، ترکِ وطن، اور شدائدِ سفر کے پیہم تحمل کے عوض میں میدانِ جنگ کی روح گُسل مصائب کے بطیبِ خاطر برداشت کے صلے میں، اور اولوالامر کے احکام کی فوری اور قطعی تعمیل کی شاباش میں ملا کرتا تھا: وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰۗىِٕكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰۗىِٕكَ رَفِيْقًا ۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝† (۴: ۶۶-۷۰)

لیکن صراطِ مستقیم کے اِن تمام شقی اور قسمی، اِن وقتی اور مقامی معانی سے قطعِ نظر، نماز اور فاتحۃ الکتاب کے

لہ اور اگر ہم اُن کمزور ایمان والے مسلمان نما منافقوں کو حکم دیتے کہ تم اپنی جانوں کو اللہ کی حمایت میں لڑا دو، یا اپنے وطن سے ہجرت کر جاؤ مگر دشمن سے کمزور صلح نہ کرو تو ان میں سے چند آدمیوں کے سوا بہتیرے ہمارے اس حکم کی تعمیل نہ کرتے۔ اور اگر جو کچھ ان کو سمجھایا جاتا ہے کرتے تو اُن کی اپنی ہی بہتری کی بات تھی کیونکہ اُن کی جماعت اور بھی مضبوط اور طاقتور بن جاتی۔ اور اس صورت میں ہم اُن کو ضرور اپنی طرف سے بڑا اچھا بدلہ دیتے۔ اُن کی جماعت غالب رہتی، اور حفظِ نفس کا صراطِ مستقیم انکو ہم دکھا دیتے۔ پس جس نے ہمہ تن اپنے آپ کو احکامِ خدا کی متابعت کے لیے وقف کر دیا۔ اور جنے اپنے امیرِ جماعت (رسول کریمؐ) کا کہا مانا تو یہی وہ لوگ ہیں جو اُن لوگوں کے دوش بدوش چل رہے ہیں جنپر اللہ نے اپنی نعمتیں بخشیں، مثلاً وہ انبیائے کرام جنہوں نے راہِ حق میں جہاد کیے، یا وہ صادق لوگ جنہوں نے اپنے اعمال سے اپنے ایمان کی تصدیق کی، یا وہ شہدائے راہِ خدا جو خدا کا بول بالا کرتے کرتے ہلاک ہو گئے، یا وہ صالح العمل لوگ جنہوں نے اپنی جماعت کی حالت کو درست کیا اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔ یہ توفیقِ عمل محض اللہ کی طرف سے ہو اور اللہ ہر شخص کی نیتِ دل جاننے کے لیے بس ہے۔

---

† شارحین قرآن نے اِن آیات کے سیاق کو نظر انداز کر کے آیہ (۴: ۶۹) کے مطالب پر عجیب و غریب اور ظلمت انگیز بحثیں کی ہیں: اطاعتِ خدا اور رسول کو روحانی مجاہدے فرض کر کے بہشت اور آخرت میں انبیاءؑ و صالحینؒ کی مصاحبت کے متعلق افسانوں کا وہ طومارِ عظیم مطالب کے گرداگرد کھڑا کر دیا ہے کہ انکی طرفہ نوازی کو دیکھکر بعض اوقات عقل حیران ہو جاتی ہے۔ اصل کتاب میں آخری آیتیں (۴: ۶۹-۷۰) پہلے مضمون کے تسلسل میں پیش کی گئی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ آیہ (۴: ۶۶) میں بودے ایمان والے منافقوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اُنکے حوصلے اسقدر بلند نہیں کہ وہ خدا اور رسول کے حکم سے اعلائے جماعت کی خاطر اپنی جانوں کو لڑا دیں، یا اپنے گھروں کو چھوڑ کر جہاد بالسیف کریں، حالانکہ یہ جہاد اور ترکِ وطن اُن کی اپنی بہتری کی خاطر ہی ہے، اور جماعتی حفظِ نفس کا صراطِ مستقیم ہے (۴: ۶۷-۶۸)۔ آیہ (۴: ۶۹) میں صرف اس قدر کہا ہے کہ نبیؐ اور صدیق اور شہدا، اور صالحین کا بلند مقام حاصل کرنیکے لیے جان و مال کی ایسی ہی انتہائی قربانی کی ضرورت ہے۔ ورنہ اسکے بغیر جنت کا حاصل کرنا انبیاء، و صالحینؒ وغیرہ کے برابر اجر پانا محال ہے۔ صفحہ ۱۰۱ کے تحت المتن میں واضح کر دیا گیا تھا کہ 'مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ' کا قرآنی مفہوم صدرِ اسلام میں رسول خدا صلعم کے وقتی اور مقامی احکام کی تعمیل تھی۔ علیٰ ہذا القیاس یہاں پر بھی یہی مطلب ہے کہ رسولؐ جو اُنکو وقتاً فوقتاً حسبِ موقع لڑائیاں لڑنے اور مال و اولاد سے مفارقت اختیار کرنے کا حکم دیتا رہتا ہے اور وہ اِن احکام کی تعمیل سے اکثر کتراتے ہیں، اگر ان میں اطاعتِ رسولؐ کی توفیق پیدا ہو جاتی تو ان کے درجے بھی ایسے ہی بلند ہو جاتے جیسے کہ انبیائے کرام کے جنہوں نے اپنی تمام عمریں اصلاحِ انسانی میں صرف کر دیں: اُن بعدایت

Marfat.com

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" کا جامع اور مانع مفہوم درصل انبیائے اولوالعزم اور اجلۂ رہنمایانِ زمین کی اُن مزلزل الارض اور مقلب الانام مہموں، اُنکی اُن بلند نظر اور وسیع الاثر تحریکوں، اُن لشکر انگیز اور صف برانداز

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۴۳) اور شہدار، اور صالح العمل لوگوں کے جنہوں نے جماعت کی خاطر قربانیاں کیں۔ اس سے زیادہ ان آیات کا کچھ مطلب نہیں۔ رہا یہ امر کہ اُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سے کس طرح کی معیت اور رفاقت مراد ہے۔ اسکے متعلق بحث کرنا عبث ہے۔ کیونکہ آخرت کی کیفیت کا علم خدا ہی کو ہے، انسان کو اسمیں پیش از وقت دخل دینے کی ضرورت نہیں (دیکھو تحت المتن صفحہ ۲۴۲ آیہ (۴: ۶۹) "نعمت" کے تحت المتن میں صفحہ ۱۲ پر بھی آچکی ہے اور وہاں پر عیاں کردیا ہے کہ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سے مراد وہ توفیق عمل ہے جو ہر باایمان شخص کے شامل حال ہوتی ہے اور یہ استعداد سعی و عمل کا حسب موقع موجود ہونا ہی صراط مستقیم پر چلنے کے مترادف ہے۔

"اَلصِّدِّيْقِيْنَ" کے صحیح مفہوم کی مکمل تشریح صفحہ ۱۱۰ کے تحت المتن میں آیہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ (۴۹: ۱۵) کے ضمن میں کردی تھی اور عیاں کردیا تھا کہ ازروئے قرآن "صدیق" وہ شخص ہے جو اپنے "ایمان" کی تصدیق ہر لحظہ اور بہر حال عمل سے کرتا ہے۔ "ایمان" کی اہم قرآنی شرائط بھی اصل کتاب میں بالتفصیل آچکی ہیں اور صفحہ ۱۸۳ کے تحت المتن میں جمع کردی گئی ہیں۔ "اَلشُّهَدَآءِ" کی توضیح بھی صفحہ ۱۲۱، ۱۲۱ تحت المتن اور صفحہ ۲۰۲ کے متن میں آچکی ہے جس سے ظاہر ہے کہ "شاہد خدا" وہی شخص ہے جو اپنے کاموں کے ذریعے سے خدا کے نوکر ہونے کی شہادت ہر وقت دیتا رہے، اور جان و مال کو آقا کی خدمت میں پیش کرتے رہنا اس نوکری کی اہم شرط ہے (دیکھو آیہ (۹: ۱۱۱) صفحہ ۱۷۷)۔ الصّٰلِحِيْنَ کا معہود ذہنی بھی علی ہذا القیاس کچھ کچھ صفحہ ۱۶۷ کے متن آیہ (۴۸: ۲۹) میں، کچھ صفحہ ۱۷۰ کے تحت المتن میں آچکا ہے۔ صلاحیت کی مکمل تشریح اور دوئے قرآن ابھی نہیں ہوئی، اور اسکی تکمیل کے لیئے ابھی بہت دیر بھی ہے تاہم اس اجمال سے ظاہر ہے کہ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ اور رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ہونا (دیکھو آیہ (۴۸: ۲۹) صفحہ ۱۶۷)، وہ اجتماعی اعمال کرنا جس سے قوم کے ہر عضو میں بیداری اور حیات پیدا ہو (دیکھو آیہ (۸: ۲۴) صفحہ ۱۷۰) اور وارث زمین بننا (دیکھو آیہ (۲۱: ۱۰۵) صفحہ ۷۰)، استخلاف فی الارض کا مستحق بننا (دیکھو آیہ (۲۴: ۵۵) صفحہ ۱۸) وغیرہ وغیرہ صلاح ہے۔ آیہ (۴: ۶۹) کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ "اَلصّٰلِحِيْنَ" کا درجہ تعبّد کا کمترین درجہ ہے اور یہی عامۃ الناس کے اتباع کے لائق ہے، اس سے بلند تر درجہ "اَلشُّهَدَآءِ" کا ہے جس میں مال و جان کی انتہائی پیشکش شامل ہے، اس سے بلند درجے کے لوگ "اَلصِّدِّيْقِيْنَ" ہیں جن کا سعی و عمل اور بھی جانگزا اور روح فرسا ہونا چاہیئے مثلاً حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے رتبے کے لوگ جن پر خدا راضی ہوچکا ہے۔ "النَّبِيّٖنَ" کا درجہ سب سے بلند اور منبع الحصول ہے، اسکے مفہوم کی تشریح حسن اتفاق سے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے متعلق آیندہ آیات (۳۷: ۱۱۴-۱۲۲) صفحہ ۲۴۵ میں آرہی ہے جس سے ظاہر ہے کہ "النَّبِيّٖنَ" وہ لوگ تھے جو ایک جور زدہ اور شکست خوردہ، ایک مضمحل اور محکوم قوم کو اپنے زہرہ گداز اور مزلزل الارض عمل سے اقل قلیل مدت میں ترقی اور امن کے فلک الافلاک تک پونہچا گئے۔ اور اب مالک کون و مکاں بھی اُنپر سلام بھیج رہا ہے! "نبوّت" کی ماہیت کے متعلق میں نے چند اشارے دیباچہ کتاب (صفحہ ۵ تا ۲۰) میں بھی کیئے ہیں جنسے نبوّت کا کیف ایک حد تک واضح ہوجاتا ہے۔ اگرچہ یہ موضوع کسی آیندہ بحث کے لیئے چھوڑ دیا گیا ہے۔

اس امر کی تصدیق کہ ان آیات میں "يُّطِعِ الرَّسُوْلَ" سے مراد صدر اسلام میں رسولؐ کے بالمشافہ یا وقتی احکام کی فوری یا حسب موقع تعمیل ہی تھی۔ اور آج جبکہ رسولؐ خدا اُمت کے درمیان بالمشافہ حکم دینے کے لیئے موجود نہیں تو اُس کا بدل امیر جماعت کے احکام کی فوری اطاعت ہی ہے اس سے کم و بیش کچھ نہیں، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (۴: ۵۹) کے الفاظ سے ہوتی ہے جو آیات زیر بحث سے کچھ پہلے آئے ہیں اور جن میں ایمان والوں کو کہا گیا ہے کہ خدا، رسولؐ اور امیر جماعت کے احکام کی تابعداری کریں۔ اسی اطاعت پر زور آیات زیر بحث (۴: ۶۶-۷۰) سے دو آیتیں پہلے ان الفاظ میں دیا گیا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ

Marfat.com

سکون کوششوں کا اجرا، تسلسل اور تکمیل ہی تھا جنکے لیے وہ اپنی زندگیاں وقف کر گئے تھے، اور جسکی ذمہ داری کا بوجھ وہ اخلاف عالمین پر قاطبۃً چھوڑ گئے تھے:

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ۝ وَنَجَّیْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ۝ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ ۝ وَاٰتَیْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ ۝ وَهَدَیْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِمَا فِی الْاٰخِرِیْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ۝

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۴۴) تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۝ (۴ : ۶۴)، یعنی "ہم نے آجتک کوئی رسول ہی نہیں بھیجا مگر یہ کہ اسکے بھیجنے سے ہمارا مقصود ہمیشہ یہی رہا ہے کہ لوگ ہمارے حکم سے اسکی اطاعت بے چون و چرا کریں، اور اگر یہ منافق بھی علی ہذا القیاس اُس ظلم کے بعد جو اُنہوں نے تمہاری نافرمانی کے باعث اپنی جانوں پر کیا تھا اللہ سے معافی مانگتے اور تم بھی اس درخواست میں اُنکے شریک حال ہوتے تو اُن کو معلوم ہو جاتا کہ خدا بھی فی الحقیقت بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور ظلم کار انسان پر بڑا ہی رحم کرنے والا ہے"۔ گویا رسول کا مقام من حیث الجماعت کسی سپہ سالار یا حاکم اعلیٰ کا مقام ہے۔ اور اسکے اس دنیا میں بھیجے جانے کی غرض و غایت اکثر یہی ہوئی ہے کہ سب لوگوں کو ایک حاکم اور ایک حکم کے حلقۂ اطاعت میں لاکر منظم اور منسلک کر دے، اور جب وہ آپ اس دنیا سے رخصت ہو جائے تو یہ اطاعت کا مادہ ارکان اُمت میں بدستور جاری رہے۔ اور اُسکی بجائے اولوالامر منکم کی طرف منتقل ہوتا رہے۔ اس مقام نظر سے رسالت کا مقصود افراد اُمت میں اطاعت پیدا کرنا ہے اور بس: لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۴ : ۶۴) مطاع کی ذات اس اطاعت میں مخصوص اسلیئے نہیں کہ ہر رسول اپنے اپنے وقت میں خدا کی اجازت سے لائق اطاعت ہی جیسا کہ مثلاً آیہ (۴۳ : ۶۳) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ سے ظاہر ہے جو اصل کتاب صفحہ ۲۳۰ پر آئے ہیں۔ رسول کے بعد وہ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (۴ : ۵۹) جو اُمت کی شیرازہ بندی اور غلبے کو قائم رکھنے کے لیئے بِاِذْنِ اللّٰهِ مقرر ہوتے ہیں۔ اس اطاعت کے اہل ہیں، اور ازروئے قرآن ان کی اطاعت کرنا فی الحقیقت خدا کی اطاعت کرنا ہے۔ مذکرہ صدر آیت (۴ : ۶۴) کے الفاظ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ سے بھی ظاہر ہے کہ عصیانِ امیر درحقیقت وہ شکست انگیز شئے ہے جسکے بُرے نتائج نافرمانوں کے اپنے حق میں مضر ہوتے ہیں۔ گویا اس حکم عدولی کے باعث تمام جماعت کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا ہے اور بدیر یا زود سب اُمت کو موت کے گھاٹ اُترنا پڑتا ہے۔ چنانچہ صفحہ ۱۰۱ کی آیات میں عصیان رسول کو "ظلم" سے تعبیر کر کے صاف الفاظ میں بیان کر دیا ہے کہ امیر اُمت کی نافرمانی کرنا وہ فتنۂ عظیم ہے جسکی سزا تمام جماعت کے افراد کو بھگتنی پڑتی ہے۔ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ (۸ : ۲۵)۔

† قرآن حکیم کے تمام طول و عرض میں سورۂ فاتحہ سے قطع نظر صرف یہی ایک موقع ہے جہاں پر "الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" کے الفاظ واقع ہوئے ہیں باقی سب مقاموں پر صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (علامت) بالتنوین موجود ہے اور مطالب کی تنکیر عیاں ہے۔ اس نادر اور معنی خیز تخصیص اور آیات کے سیاق و سباق سے صاف ظاہر ہے کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی بے لوث دنیا زندگیوں کا تمام سعی و عمل، اُنکی اپنی اُمت کی خاطر مسلسل تکلیف برداریاں، اُن کے دشمنوں سے جہاد بالسیف، اُن کا ترک وطن، اُنکی قربانیٔ مال و جان، اُن کا فرعون پر غلبہ حاصل کرنا، اُنکی وادی سینا اور عین قادیش میں جماعتی تنظیم و تنسیق، اور بالآخر مسلسل تعلیم و تلقین کے بعد بنی اسرائیل ایسی غلام اور محکوم، ذلیل اور نامراد، پست اخلاق اور نامرد قوم کو اقل قلیل مدت کے اندر غالب اور متمکن، حکومت کے اہل و بادشاہت کے لائق قوم بنا دینا ہی وہ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ تھا جو قرآن عظیم کے رو سے اس دنیا کو بنانے کا واحد اور سچا دستور العمل ہے۔ یہی وہ عزیز القدر اور پسندیدہ خدا لائحۂ عمل ہے جسکے مطابق چلکر عرب کے پیغمبر جلیل اور سرور انبیاء نے تئیس برس کے جانگزا اور روح فرسا سعی و عمل کے بعد وہ فقید المثال کامیابی حاصل کی کہ دنیا ابدالآباد تک اس کارنامے پر سر دھنتی رہے گی۔ یہی اُسوۂ عمل اور انبیائے کرام کا

علامت: بعض جگہ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ہے۔ وغیرہ۔

Marfat.com

إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝ (۳۷: ۱۲۱-۱۲۲)

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بھی بہت سے احسانات کیئے، ایک بڑا احسان یہ تہا کہ ہم نے اِن دونوں بہائیوں کو اور اُنکی قوم کو فرعون کی مصیبت عظمیٰ سے بالآخر نجات دی، اور فرعون کے بالمقابل اُنکو کامیاب طریق عمل کی ہدایت دیکر اُن کی مدد کی، اور پہر آخر کار یہی لوگ غالب رہے اِس کے علاوہ ہم نے اُنکو ایک واضح اور بلیغ فی البیان دستور العمل کتاب کی صورت میں دیا، اور اُنکو دنیا میں خوش اسلوبی سے اور غالب بنکر رہنے کا صراط مستقیم دکھایا، اور پہر اِن دونوں بہائیوں کے عظیم الشان اعمال کا اثر اُنکے اخلاف میں بھی باقی رکھا موسیٰ اور ہارون پر ہمارا اور اُن کے بعد کی اُمتوں کا سلام ہو! بیشک ہم حسن عمل کرنے والوں کو اِسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور اِسمیں کچہ شک نہیں کہ وہ دونوں ہمارے ایمان والے بندوں میں سے تھے!

اِن نتیجہ خیز، صبر آزما، اور بلند پایہ اعمال کے بعد یہ چشم انعام ہی نماز کی اصلی محرک، اور پنجوقتہ حاضری کی روحِ رواں تھی: تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ (۳۲: ۱۶) یہ لطف و کرم کی اُمید، اور غضب خدا کا ہول ہی تہا جو اُس علۃ العلل، اُس قادر مطلق اور مسبب الاسباب خدا

لہ یہ وہ صاحب سعی و عمل لوگ ہیں کہ احکام خدا کی تعمیل، اور بہبودی اُمت کی جدو جہد میں اُن کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے، اور نوم خدا کی تعمیل میں اُنکی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں، وہ اپنے پروردگار کی جناب میں اجتماعی ہلاکت کے خوف اور غلبۂ اُمت کے طمع سے کراہتے ہیں، اُسکے لطف و کرم کے امیدوار اور سزا سے خوفزدہ رہکر دعائیں مانگتے ہیں، اور حتی الامکان اسمیں سے جو ہم نے اُنکو دے رکھا ہے ایثار مال بھی کرتے ہیں۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۴۵) تہا، نوح، ابراہیم، لوط، صالح وغیرہم علیہم السلام سب اِسی الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ پر چلتے رہے، اسی الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ پر چلکر نعمت اور دنیوی تعزز ہے (صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ)، اِسی سے آخرت اور عقبیٰ کا چھٹکارا ہے، یہی فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (۳۰: ۳۰) صفحہ ۴۱ ہے، اِسی سے غضب خدا کی بندش یکسر ہوتی ہے، خدا کے فرشتے اور بادشاہ زمین و آسمان سلام بھیجتے ہیں (سَلَامٌ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ)، رب ذو المنن کی نگاہیں مہر آلود بن جاتی ہیں (وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ)، یہی سچا حسن عمل ہے (إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ)، یہی اُس آقائے نامدار کی صحیح عبادت ہے، یہی اصل ایمان اور عین اسلام ہے۔ اِسی کا محاسبہ اور اِسی کی درخواست پنجوقتہ دن میں تہی، اسی کی ترتیب کے اظہار میں قومے اور قعدے تھے۔ اِسی عمل کو قائم کرنا أَقِيمُوا الصَّلَاةَ تہا۔ مگر آہ! کہ مسلمان آج اِس الٰہی اور نبوی سبق کو قطعاً بھول گئے ہیں!

† ایمان کے متعلق وہ تمام قرآنی اعمال جنکا ذکر اُس وقت تک اِس کتاب میں آچکا تہا صفحہ ۱۸۱-۱۰۳ پر جمع کر دیئے تھے اُنکے مطالعے سے ظاہر ہو کہ موسیٰ اور ہارون پر الْمُؤْمِنِينَ کا لفظ کسقدر صادق آتا ہو نہیں بلکہ اِن دونوں مغلوب پیغمبروں کی جانکاہ اور زہرگداز اعمال کو دیکھکر جو اُنہوں نے بنی اسرائیل کو تمکن فی الارض بنانیکے لیئے کیئے، اِس امر کا اندازہ ہو جاتا ہو کہ ایمان فی الحقیقت کس انتہائی سعی و عمل کا نام ہو، اور اسکا منتہائے وحید کس طرح بجز اِس دنیا کے اندر قوت اور زور سے رہنا ہے۔ جو شخص اپنے آپکو اور اپنی قوم کو دشمن کے دست تطاول سے نجات دلاکر وَنَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ اور وَنَصَرْنَاهُمْ فَكَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ کا مصداق بنتا ہو وہی قرآن کی اصطلاح میں مومن ہو، کلمۂ شہادت کو پڑھ کر مومن بننا حقیقت کا مُنہ چڑانا ہو۔ اِن آیات الٰہی سے اِس امر کی بھی مزید تصدیق ہو جاتی ہو کہ ایمان کا اٹل نتیجہ اِس دنیا میں سیاسی غلبہ ہی ہو، "روحانی غلبے" کا کہیں ذکر نہیں۔ "حسنات" کے صحیح مفہوم پر بحث صفحہ ۱۲۱-۱۳۱ میں آچکی ہو جس سے ظاہر ہو کہ الْمُحْسِنِينَ سے مراد صفحہ ۱۳۰ کی آیت (۱۱۰) کے لفظ أَحْسَنْتُمْ کیطرح یہاں بھی اجتماعی جدوجہد ہو جسکا اٹل نتیجہ غلبہ قوم ہو، گویا یہی سیاسی غلبہ حاصل کرنا اصلاح عمل ہے۔

کی جناب میں اِن وقف عمل اور اسلام کے سچے خادموں کو ضربِ دل اور خشوع وخضوع سے آمادہ رکوع وسجود کردیتا تھا: اِنَّهُمْ كَانُوا يُسٰرِعُونَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوا لَنَا خٰشِعِيْنَ۝ (۲۱: ۹۰)[۵۱] یہ دستگیری ربّ پر اعتماد، اور نصرت خدا کا یقین ہی تھا جو تملق کی رحم آفریں اور مضطر انعام حالت میں خدا کی سچے دل سے تحمید وتقدیس کراتا!:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۝ (۱: ۱-۴)

اے پروردگار عالمین! سب تعریف اور شکرانے کا مستحق تو ہی ہے۔ تو بڑا ہی رحم کرنے والا اور بڑا ہی مہربان ہے۔ روز جزا و سزا کا بھی تو ہی حاکم ہے۔ ہم اپنے سب اعمال میں تیری ہی خدمت اور تیری ہی چاکری کرینگے، اور ہر معاملے میں تجھی سے مدد مانگیں گے۔

یہ دوستی حق پر اعتماد، اور تائید خدا کا انتظار ہی تھا کہ انعام کی آس پر سب کی سب جماعت یکدم گھٹنوں پر، اور ہاتھوں کے بل گر پڑتی! پھر اُٹھتی اور بار بار گرتی! اس نماز میں روح تھی، اسمیں مقصد تھا، اسمیں غرض کی دلچسپی تھی، اسمیں انعام کی لِم اور رکوع وسجود کی منطق تھی، اس میں ایمان کے شعلے تھے، اس میں عصبیت کی یک رنگی تھی، اسمیں سچا خشوع وخضوع تھا، اسمیں محبت کی جنبشیں اور مواخات کے باہمی تلاطم تھے! اسمیں اطاعت کا پیہم احساس، اور نظم ونسق کا سچا سبق تھا! اس میں توحید کا عملی اور نتیجہ خیز منظر تھا! اسمیں خدا کی سچی خوشامد، اور متفقہ جماعت کی اسقدر عجز وزاری کے بعد طمانینت دل اور تسکین قلب حاصل ہوتی تھی؛ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ۝ (۱۳: ۲۸)[۵۲] یہی وہ مسکن روح اور مفرح قلب دوا تھی جو

---

۵۱ اسمیں شک نہیں کہ یہ لوگ خدا کے قوت افزا اور مفید قوم اعمال (الخیرٰت) کیطرف لپک لپک کر پہنچتے تھے، اور ہمکو اجتماعی انعام کی رغبت سے اور اجتماعی سزا کے خوف سے پکارا کرتے تھے، اور پھر اس بیم ورجا کے تکیف کو دلمیں رکھکر ہماری جناب میں سچا خشوع وخضوع کیا کرتے تھے۔

۵۲ لوگو! بگوش دل سن رکھو کہ دلوں کو کامل تسلی خدا کے سچے احساس سے ہوا کرتی ہے۔

---

* الخیرٰت کے صحیح مفہوم کے بارے میں ایک طول وطویل بحث صفحہ ۱۲۴ سے ۱۳۰ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے وہاں پر یہ آیت بھی آئی ہے۔ متذکرہ صدر مطالب کی تصدیق کے لیے وہاں دیکھنا چاہیئے۔

** صفحہ ۱۰۰ کے تحت المتن میں عبادت کا صحیح مفہوم واضح کردیا تھا۔ نماز کے عین وسط میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ کا اقرار بادشاہ زمین وآسمان کے سامنے کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وعدہ پیہم ملازمت اختیار کرنے کا ہے نہ نماز پڑھنے کا۔ یہ نکتہ ہم نے صفحہ ۱۱۲ پر بھی واضح کردیا ہے۔

Marfat.com

مشکلات کے آسان کرنے میں معین خاص ہوا کرتی تھی؛ یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اسْتَعِینُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِینَ ۞ (۲: ۱۵۳)۔ آج یہی نماز جسکے ہر قومے اور قعدے پر خدائے بے نیاز کی رگِ لطف و رحمت میں مسلسل و متصل جنبشیں ہوا کرتی تھیں، جسکے ہر کیفِ سجود پر منشیانِ لطف و کرم کے قلم محشرستانِ صریر بنجاتے تھے: لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (۱۴: ۷)، جسکی ہر تہلیل جراحتِ عشق کی بے اختیار آٹیں، اور ہر تکبیر کسی نمک بخت ناسور کی جگر شگاف چیخ تھی، جسکے ہر زمزمۂ اذان اور ہر مضراب و عا پر لطفِ الٰہی کے لا انتہا سازیکدم بجنے شروع ہوجاتے تھے: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ (۴۰: ۶۰) جسکی جاذب القلب صدائیں پردۂ زنگاری کے اُس بے نیاز، سیر چشم، اور پُرکار معشوق کو بھی مجبور یاد اور آمادۂ جواب کردیتی تھیں؛ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۞ (۲: ۱۸۶)، فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (۲: ۱۵۲)، آہ! یہی نماز آج اُمّت کی بے حسّی اور ایمان کی سطحیت، مطالب کے نسیان اور مقاصد کی فروگذاشت کے باعث ایک بے معنی اُٹھک بیٹھک بنگئی ہے! غرض تو درکنار، اِسکے لفظی معانی بھی آج سَو میں پانچ نماز گذاروں کو میسر نہیں! اِسکی اہمیت، غرض و غایت کی ناواقفیت کے باعث روز بروز ذہنوں سے اُٹھ رہی ہے! مقصود کے فقدان اور کسادبازاری کی وحشت نے ہمیں بے مطلبی کا تنفر، اور بے سبب فرضیت کا اکراہ پیدا کردیا ہے؛ نصب العین کے سقوط، اور

---

۵۱ اے ایمان والو! مشکلات و مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیئے استقلال اور خدا کی بھی یاد سے مدد لیا کرو۔ بے شک خدا اُنہی کا ساتھ دیتا ہے جو مستقل رہتے ہیں (گویا اوّل مرحلہ سعی و عمل میں استقلال (الصّبر) ہے اور آخری مرحلہ دعا (الصّلوٰۃ) ہے)۔

۵۲ اگر تم میری نعمتوں کا صحیح استعمال اور اُن کی سچی قدر کرکے میرا شکریہ ادا کرتے رہوگے تو میں تم کو اور بھی زیادہ کرونگا۔ (شکر کے ان معانی کے لیئے دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۴۰)

۵۳ اللہ فرماتا ہے مجھے بلاؤ اور مدد دل سے بلاؤ میں تمہاری مدد کروں گا اور تمہاری درخواست کو قبول کروں گا۔

۵۴ اور اے محمدؐ! جب ہمارے بندے تم سے ہماری بابت پوچھیں تو اُن کو کہہ دو کہ ہم اُن کے پاس ہر وقت موجود ہیں۔ ہم پکارنے والے کی پکار کو سنتے ہیں بلکہ اگر اُس کا دل کراہنے لگے تو جواب بھی دیتے ہیں۔ پس اُنکو چاہیئے کہ سرتاپا ہمارے حکموں اور اشاروں پر چلیں، اور پھر حتی الوسع سعی کرکے ہم پر اعتماد بھی کریں۔ ممکن ہے کہ اُنکو راہ مل جائے

۵۵ تو تم کو ہر وقت سچے دل سے محسوس کرتے رہا کرو پھر ہم بھی تمہارا خیال رکھیں گے۔

طپشِ دل کے زوال نے اِسکے رہے سہے نباہنے والوں اور خدا دوستی کے بڑے دعوے داروں اور شب زندہ داروں میں ایک المناک دوریٔ دل اور پریشانیٔ خیال پیدا کردی ہے؛ اِسکا ہر رکوع و سجود، درحقیقت ایک غیر دلچسپ اور مضحکہ انگیز بیگار بن گیا ہے: اِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ[۱] (۲:۴۵)؛ بڑے بڑے رسمی اولیاءاللہ اسکو برسوں تک نباہ کر اپنے آپ کو خدا سے ویسا ہی دور پاتے ہیں جیسا کہ روزِ اول میں تھے! اُدھر مجددینِ دینِ کہن، اور بعض شناسایانِ عہدِ حاضر، اِس نماز کو یورپ کے فراعنہ کبر و تمکنت اور مبلغینِ فسق و شیطنت کے آبگینۂ تہذیب و وجاہت کو ٹھیس نہ لگ جانے کی خاطر، ازمنۂ مظلمہ کی ایک جاہلی رسم اور لغو حرکت خیال کر رہے ہیں! اِسکی اذانیں محفل آرایانِ طرزِ جدید کے لطیف اور نازک دماغوں میں، بے ہنگام اور تکلیف دہ صدائیں بن گئی ہیں! یورپ کا شیوۂ حکومت آج اپنے بیمثال تمکن اور خاموش تبلیغ سے اپنی مخصوص طرزِ تعلیم اور مصالحانہ دخل سے، اپنی باطنی بدنیتی اور ظاہر احسان سے، اصلاح کے دلفریب بہانوں اور تہذیب کے مشہور عُذروں سے محکوم مسلمانوں میں تفرنج کا رنگ پیدا کر کے، اُنکی محبوب روایات اور مہتم بالشان شعائر کی بیخ و بُنیاد کو کھوکھلا، اور اسلام کی خانہ براندازی کا تماشا نہایت ٹھنڈے دل سے کر رہا ہے! اِسکی پُرفن اشاعتی تعلیم محکوم مشرق میں مذہب اور جماعت کو عمداً کالعدم کر رہی ہے۔ نئی پود کی اکثر عصبیت، اُن کے امتیازی نشان، اُنکی ملّی خصائص اور اخلاقی بزرگیاں حرفِ غلط بن بن کر مٹ رہی ہیں۔ اسلام کی مسخ شدہ تصویر کے بقیۃ الموت سب خط و خال علمِ جدید کی عاریتی اور خانہ سوز شعاع کے بالمقابل برف بن بن کر گھل رہے ہیں۔ مغرب کی شانِ مکر و تمکنت آج مشرق کی ہر خوبی کے متعلق اپنے معنی خیز استخفاف اور عیارانہ سکوت سے ہی سادہ لوح مسلمانوں کے دلوں پر مصالحانہ احتلال کر کے اُن کو اپنے دین سے، اپنی روایات سے، اپنے اعمال سے، اپنے ابطال اور اعاظم الرجال سے، اپنے خدا سے قطعاً ہٹا رہی ہے! مرد تو درکنار، اسلام کی محفوظ اور محافظ مردِ صنفِ لطیف، یورپ کی آغوش لطف و مرحبا میں اس حیا سوز

---

[۱] اسمیں شک نہیں کہ یہ نماز ماسوا ان لوگوں کے جنکا سب بیم و امید ہمارے ساتھ وابستہ ہو چکا ہے باقی لوگوں کے نزدیک بیگار ہی بیگار ہے۔

Marfat.com

سرعت سے ہمکنار ہو رہی ہے کہ ہر صاحب نظر کی نگاہیں زمین میں گڑی جا رہی ہیں! ناانجام شناس مسلمان نشر و تبلیغ کے ان مقلب القلوب مرکزوں میں ایک ناقص اور سطحی، نظری اور بیکار کُن علم کی پتلی سی تہ چڑھا کر تعلیم کے خوشنما تبر سے اپنی ہی جڑ کاٹ رہا ہے۔ اُدھر علمائے دین کی ماتم انگیز کم علمی، علم و شہادت کے اِس عہد حکومت میں اسلام کی ایک قطعاً ناقابل تسلیم اور مضحکہ خیز تصویر پیش کرنے میں بڑھ بڑھ کر قدم مار رہی ہے۔ الغرض دنیائے اسلام کے اکثر اہم حصّوں میں خدائے زمین و آسمان کے اِس لشکر انگیز اور جہاں کشا دین کا ہر باقی ماندہ اصول مغرب کے ائمۃ المکر کی ہُشیار فریب چالبازیوں، اور مشرق کے اجلۃ الجہل کی نارواضد کے باعث عجب ہنسی مخول بن رہا ہے!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۱؎ ○ وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ ○ (۵: ۵۷-۵۸)

۱؎ اِن احکام الٰہی میں اُن اعدائے اسلام کے ساتھ جو مناسک دین کا تمسخر اُڑائیں، جو اُن کی تخفیف و توہین کر کے مسلمانوں کو اس سے بیزار کرنے کی سعی کریں، کسی قسم کی دوستی اور موالات نہ رکھنے کو اتقائے الٰہی اور ایمان پر محمول کیا گیا ہے، اور صاف لفظوں میں بیان فرمایا ہے کہ ایسا کرنا ایمان کا جزو لاینفک ہے۔ گویا جو شخص یا جماعت اُن سے موالات اختیار کرتی ہے اسکے ایمان میں خلل ہے، اور اُسکے مومن ہونے کا ادّعا محض باطل ہے (اِن کُنتُم مُّؤمِنِینَ)۔ جو جماعت اِس صورت حال کو دیکھکر بھی ایسی جماعت سے سروکار رکھتی ہے، جو اُس کے ساتھ تجارتی کاروبار یا رشتہ ناتہ، مراسم حُب یا تعاون برقرار رکھنا کچھ عیب نہیں سمجھتی وہ لامحالہ شدید العقاب خدا کی دردناک سزاؤں کا کچھ خوف (اتقا) نہیں کرتی، اُسکو اُس اجتماعی ضعف و شکست کا کچھ باک نہیں رہا جسکا ایسی حالت میں اُمت پر خدا کے ہاں سے نازل ہونا قطعی ہے، اور اسی لیے یسا گروہ کچھ متقی بلکہ کچھ مومن نہیں۔ جو قوم اَعْلَوْن کے نصب العین سے پرے ہٹ رہی ہے، جسکے اعمال اُمت کی اجتماعی قوت کو ضعف پونہچا رہے ہیں، اُس کا ایماندار رہنا از روئے قرآن بہت مشکوک ہے۔ مسلمانوں نے آج "موالات" کے معانی میں بھی عافیت وہ تاویلیں پیدا کر لی ہیں حالانکہ آیہ (۵: ۵۷) سے صاف ظاہر ہے کہ اِس ترک دوستی سے غرض دشمن قوم کی مُضر تلقین و تعلیم کے اثرات سے محفوظ رہنا اور ضمناً اُن کو اِس ترک دوستی کے باعث انتہائی مالی اور اقتصادی نقصان پونہچا کر اپنی قوت کو محفوظ رکھنا ہی ہے۔ حفظ نفس کا اصل اصول قرآن حکیم کے ہر ورق پر لکھا ہے۔ یہی اسلام کی اصلی تعلیم ہے، یہی ایمان و تقویٰ ہے! اپنی انتہائی حفاظت کرنا اور دشمن کو انتہائی ضرر پونہچانا، اِس دنیا کو خوش اسلوبی سے نباہنے کا وہ صراط مستقیم ہے جو جریدۂ کائنات کے ہر شعبہ بقا پر جلی حروف میں لکھا ہے۔ ادنےٰ مخلوق سے لیکر اعلےٰ سے اعلےٰ مخلوق تک سب اسی پر عمل پیرا ہیں، قانون فطرت کا لُبِّ لباب یہی ہے، یہی فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ہے، یہی دین اسلام ہے اور یہی وقائی حکمت علی الصّلوٰۃ کے قیام میں مضمر ہے! مگر اس موضوع پر مبسوط بحث کسی آئندہ صحبت میں کیجائے گی۔

Marfat.com

اے ایمان کے دعوے دارو! اُن اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) میں سے، جن کو تم سے پہلے کتاب الٰہی دیجا چکی ہے، جن لوگوں نے تمہارے دین اسلام کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے، نیز اُن لوگوں کو جو خدا کے سرے سے منکر ہیں، اپنا دوست نہ بناؤ، اور اگر تم سچے ایمان والے ہو تو خوف خدا کر کے اُن سے الگ تھلگ رہو، اور اُن سے میل ملاپ پیدا کر کے خودکشی نہ کرو! اور یہ بالتخصیص وہ قومیں ہیں کہ جب تم لوگوں کو نماز کی طرف بلاتے ہو تو یہ لوگ اُسکو ہنسی اور مخول بنانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے، اور یہ اس لئے کہ ان ناسمجھوں اور بے وقوفوں کو نماز کی عظیم الشان اہمیت کا کچھ اندازہ ہی نہیں، (یا محض تجاہل عارفانہ کر کے تمہارے دلوں میں اسکی اہمیت کو کم کرنا چاہتے ہیں)۔

خود مساجد خدا کی معنوی حالت اس ملحدانہ لاأبالیت سے کہیں ابتر ہے! اُن کے صحنوں میں دردناک خموشیاں، اور حجروں میں ہولناک ویرانیاں ہیں۔ خدا کے نام لیواؤں کی ایک تعداد کثیر بے حسی کے موت آفریں ماحول میں خانہ نشین رہکر، اس نماز کو، نہیں اس صراط مستقیم کی متفقہ درخواست کو دا، گھروں کے اندر ہی اندر نمٹا لیتی ہے، لیکن رب زمین و آسمان کیلئے دس قدم چلنا گوارا نہیں کرتی! سینوں کی کپٹ، اور دلوں کی سیاہی کا یہ حال ہے کہ مساجد میں حاضر ہونے کے باوجود، نماز کی جماعتی حیثیت حسًا اور معنًا نابود ہو گئی ہے؛ وہ مسجدیں اور الٰہی دربارگاہیں جو کسی زمانے میں مسلمانوں کے سیاسی اجتماع اور دینی مواخات کی پنجوقتہ انجمنیں ہوا کرتی تھیں، جن میں اسلامی بہبودی کے ہر ممکن موضوع پر بے تکلف مباحثے، اور دشمن سے عہدہ برآ ہونیکے بے خوف و خطر منصوبے سوچے جاتے تھے، وہ اعلانِ خدا کے نقارخانے آج باہمی رنج و حسد کے باعث خموشوں کے مقبرے بن گئے ہیں! ہر مسجد دوسری مسجد کے مقابل صف آرا، اور ہر دل دوسرے دل سے جُدا ہے! فرعی اختلافات ہیں، عقائد کی ہولناک تفریق ہے، الفاظ اور لغات پر فرقہ بندیاں ہیں، پیش امام کا جہل محیط ہے، بے حسی کی بیکاری اور نامرادی کا جمود ہے! پھر پریشانیٔ دل اور فکر معاش میں یا چندپے درپے سجدے ہیں، برسوں کی بھولی ہوئی باتوں کی یاد دہانیاں وسط نماز میں ہیں، پھر منافقت کے رسمی علیک سلیک، یا دو ایک سطحی مصافحے ہیں، پھر خانۂ خدا سے نکلکر ان سجدوں کی رعونت، اور اس عبادت کا

غرور ہے! فاحش اور منکر خیالات بیش از پیش ہیں، تمام باقی وقت استیصال حریف، تھڑدلی اور تنگ ظرفی، ایذائے خلق اور مدِّ مقابل سے جھڑپ مول لینے ہیں صرف ہو رہا ہے گویا فلاح ونجات کا منشور ایزدی خانۂ خدا کی دہلیز پر مل چکا ہے!

زبادہ ہائے صبوحی بدامن عصمت

چہ داغِ شرم کہ نہادۂ۔ دریغ از تو!

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝ (۱۰۷: ۴-۷)

تو اے لوگو! حیف ہے اُن نمازگذاروں پر جو اپنی نماز کی اصلی غرض وغایت کو فراموش کر چکے ہیں، اور یہ وہ لوگ ہیں جو محض دکھلاوے کیلئے نمازیں پڑھتے ہیں اور باہمی مصالحت اور اتحاد، رافت اور رحمت کے سبق کو پیش نظر نہیں رکھتے۔ انکی باہمی کدورتیں اسقدر بڑھ گئی ہیں، اور دل ایسے تنگ ہو گئے ہیں کہ محبت تو درکنار، وہ ایک دوسرے کو روز مرہ کے برتنے کی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے مدد کرنا بھی گوارا نہیں کرتے!

✝ آیہ (۱۰۷: ۴-۵) سے ظاہر ہے کہ نماز کے ارکان ادا کر دینا اور اسکی غرض وغایت یعنی سماحت اور مصالحت بین الناس کو فراموش کر دینا وہ عمل ہے جس کی خدا کے نزدیک کچھ وقعت نہیں، ایسی نماز محض ہو کا اور دکھلاوا ہے۔ ورنہ الصّلوٰۃ وہ نیتوں کو نیک، ارادوں کو بلند، اور حوصلوں کو فراخ کر دینے والی شے ہے کہ اُسکے ذریعے انسان دوسرے انسان کے لیے ہر ممکن ایثار کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ ایسا تھڑدلا اور کم حوصلہ ہو جائے کہ ادنیٰ سی سماحت (مثلاً ایک دوسرے کو روز کی برتنے والی اشیا سے مدد دینا) بھی روا نہ رکھے۔ الصّلوٰۃ کی اس مصلح الاعمال استعداد کا ذکر سورۃ المعارج میں بھی ہے؛

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝ (۷۰: ۱۹-۲۳)

لوگو! اس میں شک نہیں کہ آدمی بڑا ہی کم حوصلہ اور تھڑدلا پیدا کیا گیا ہے۔ اگر اسکو کسی طرح کا نقصان پہنچتا ہے تو ہائے وائے کرنے لگتا ہے اور اگر ذرا سا فائدہ پہنچ جاتا ہے تو پرلے درجے کا بخیل اور خسیس بن جاتا ہے البتہ وہ الصّلوٰۃ کو قائم رکھنے والے لوگ جن کا پیش نہاد اپنی فراخ حوصلگی سے دلوں کو موہ لینا ہے اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں اور یہ لوگ ہیں جو دم بھر کیلئے الصّلوٰۃ کے پیش نہاد کو نظر انداز نہیں کرتے (الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ)

الصّلوٰۃ پر مداومت کرنیکے یہی معنی ہیں کہ ایک لمحے کے لیے بھی اسکی الٰہی حکمت کو بھولا نہ جائے، ہر دم نماز پڑھتے رہنا نہ ہو سکتا ہے اور نہ مقصود ہی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس زیر بحث آیات (۱۰۷: ۴-۷) میں الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ سے مراد نماز کے مضمون کو بُھلا دینا یا اُسکے ادا کرنے میں غفلت کرنا نہیں بلکہ نمازی بنکر نماز کے منتہا کو بھول جانا مراد ہے۔ دونوں جگہ المُصَلِّين کا ذکر ہے بے نمازوں سے بحث نہیں اور اسی لیے آیہ (۱۰۷: ۶) میں يُرَاءُونَ کہا ہے یعنی نمازیں تو پڑھتے ہیں مگر محض دکھلاوے کی۔ شارحین قرآن نے ان معنی خیز آیات کا نہایت لغو ترجمہ کر دیا ہے اور اصلیت سے دور جا پڑے ہیں۔

Marfat.com

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ† يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ
يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ۝ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ
وَلَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ (۴: ۱۴۲-۱۴۳)

اسلامی جماعت میں نفاق ڈالنے والے اور فرقہ بند لوگ تو گویا اپنی ظاہرداری سے خدا کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں خدا ہی اُن کی بداعمالیوں کو اُنکی نظروں میں اچھا دکھا دکھا کر اُنکو دھوکا دے رہا ہے۔ اُنکی نشانی یہ ہے کہ جب نماز کے لیئے کھڑے ہوتے ہیں تو بیدلی سے اور اَلکسائے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں محض دکھلاوے کی نمازیں پڑھتے ہیں، ورنہ خدا کا احساس اُن کے دلمیں فی الحقیقت بہت ہی کم ہے۔ انہیں خدا کا یقین تو ہئے نہیں، کفر اور ایمان کے بین بین کہ مذبذب رہتے ہیں۔ نہ پورے اِدہر کے نہ اُدہر کے۔ سو جن کو خدا گمراہ کردے اُنہیں کوئی مستقل طریق عمل کبھی نہیں ملتا۔

جب اسلام کے اِس بہترین شعار، اور قیام جماعت کے اِس بہترین چارۂ کار کے متعلق مسلمانوں کی کارفرمائی کے یہ عنوان ہوں، افراد میں یہ تفریق و انتشار، اور اتحاد میں یہ سطحیت اور نمائش ہو، یہ بے توجہی اور خدائے ذوالجلال کی جناب میں پنجوقتہ یہ صریح گستاخی ہو، بندگانِ خدا میں کفر و الحاد کی یہ طرحداری اور خودداری کی یہ وضع بن گئی ہو، اللہ کے آگے ماتھا گِڑنا یہ باعث ننگ و عار، اور بےروح سجدوں میں کبر و ادعا کی یہ شان ہو، جب نصب العین مفقود، اور مدعائے سوال کالعدم ہو، نہیں، جب سائل کو

---

† یہاں پھر الصلٰوۃ کا پیش نہاد وہی اتحاد اور اصلاح بین الناس ظاہر کیا ہے۔ نفاق پیدا کرنے والے لوگوں کی بابت کہا ہے کہ نماز میں الکسائے ہوئے شامل ہوتے ہیں اسلیئے کہ الصلٰوۃ کا مطمح نظر اتحاد ہے اور یہ لوگ تفریق پیدا کرنیکے درپے ہیں۔ بدیں وجہ نماز اُن کو کچھ بھلی نہیں لگتی۔ اُن کی نمازیں بھی اِسی لیئے محض دکھلاوے کی ہیں۔ یعنی غرض لوگوں کو دہوکا دینا ہے۔ یُرَآءُوْنَ کا لفظ یہاں پھر آیا ہے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ اِس سے مراد یہاں بھی دکھلاوے کی نماز پڑہنا مراد ہو جیسا کہ پیشتر کی آیت (۱۰۷: ۶) میں دعوئے کیا تہا۔ عبرت کا مقام ہے کہ آج عالم اسلام میں کتنے لوگ ہیں جو نمازمیں الکسائے ہوئے شامل ہوتے ہیں، اور اندر مدعائے قرآن وہ کس گروہ میں شامل ہیں جس کی بابت اِسکی آیت سے ذرا آگے آیا ہے؛ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (۴: ۱۴۵) یعنی جماعت میں نفاق پیدا کرنے والے لوگ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔ فاعتبروا۔

ضمناً یہاں اِس بات کا فیصلہ بھی ہوگیا کہ منافقوں کی سی نماز پڑہنا ذکر خدا قطعاً نہیں ہے (وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ۝)۔ نہیں بلکہ ذکر سے مراد تسبیں چلانا بھی نہیں بلکہ وہی خدا کا کھٹکا دل میں لگائے رکھنا ذکر حد ہے۔

Marfat.com

سوال کی خبر اور منعم سے سوال کا رخ بھی نہو، جب اعمال قطعاً نابود، انعام کا حِسّ زائل، اور سعی سے بقدر گریز ہو تو پھر خدا سے کیا شکایت ہی کہ بےحس ہے اور صدیوں کی خواب آفریں مُہلت، اور شوکت و حشمت کے بعد یہ ناگہاں عذاب کیا ہے!

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ○ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا* وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (۶: ۴۴-۴۵)

پھر جب یہ اُمت رفتہ رفتہ اُس تمام دستور العمل کو بھول گئی جو ہم نے اُنکو کبھی اچھی طرح یاد دلایا تھا۔ تو ہم نے بھی اُنکو اور مغالطے میں ڈالنے کی غرض سے اُنپر تمام دنیاوی نعمتوں کے دروازے چوپٹ کھولدیئے، یہانتک کہ جب وہ اُن نعمتوں کے نشے میں اچھی طرح مست ہوگئے اور یقین کرنے لگے کہ یہی طریق عمل فرمودۂ خدا ہے، اور ہم ہی اس دنیا کے اندر خدا کے چاہیتے ہیں، تو ہم نے یک لخت اُنکو آدبوچا۔ اور عذاب کا آنا تھا کہ اب وہ بے آس ہیں اور ہمارے حضور میں کراہ رہے ہیں۔ پھر کیا تھا اُس ظالم قوم کی جڑ کاٹ کر رکھدی گئی اور اس پروردگار عالم کا شکر ہے کہ ان نااہل لوگوں کا قصہ پاک ہوگیا!

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ○ (۴۰: ۶۰)

لوگو! پروردگار فرماتا ہے کہ ہمیں پکارا کرو۔ اگر صدق دل سے ہمیں پکاروگے تو ہم تمہاری درخواستیں بھی قبول کرلیا کرینگے لیکن جن لوگوں نے اپنے آپ کو بڑا سمجھکر اور غرور کے مارے ہم سے سرتابی کی اُنکو ہم عنقریب ذلیل و خوار کرکے جہنم واصل کردینگے۔

لیکن الصّلوٰۃ کی ماہیت کے متعلق جو عبرت انگیز تنبیہی حکم رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو منافقین دین کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کرنے، اور مساجد کو **تفریق** سے باز رکھنے کی غرض سے نازل ہوا تھا بجائے خود نماز کے فلسفے کی بہترین تشریح تھا۔ مدینے سے چار میل باہر قصبۂ قبا میں بنی عمرو بن عوف کے محلے میں ایک

---

* ظُلم کے صحیح مفہوم کے متعلق ایک مبسوط حاشیہ آگے چلکر صفحہ ۲۵۵ پر آرہا ہے۔ یہاں صرف اسقدر کہنا ہے کہ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ ظالم قوم کی ہلاکت قطعی ہے جیسا کہ مثلاً صفحہ ۸۱۔ (اور ۱۲۱) پر آچکا ہے۔

Marfat.com

مسجد تھی جسکے محل وقوع پر پیغمبرِ اسلام نے مکے سے ہجرت کے چند روز بعد تک نماز پڑھی تھی اور بعد ازاں یہ مقام تعظیماً مسجد میں تبدیل کر دیا تھا۔ محلہ والوں کی ایک شریر مسلمان نما جماعت نے اسلام میں نفاق ڈالنے کی غرض سے ایک اور جماعت اِس مسجد قبا کے بالمقابل اِس عذر پر کھڑی کی کہ بیماروں اور معذوروں کو آسانی ہو، مگر نماز اول کی امامت بطور افتتاح خود صاحبِ شریعت سے کرانی چاہی کہ ضد میں کسر باقی نہ رہے۔ اللہ کے اُس نکوکار و نکوسگال رسولؐ نے وعدہ کیا کہ جنگ تبوک سے واپسی پر اِسی مسجد میں نماز پڑھ کر شہر میں داخل ہونگے، مگر وہ دانائے اسرارِ قلوب اور محافظِ اسلام خدا جسنے نماز کی بنیاد ہی مومنوں کے تالیفِ قلوب اور حقیقی اتحاد کی اہم حکمت عملی رکھی تھی، جسنے نماز کو استحکام جماعت اور عالم آرا اخوت کا بہترین پیش خیمہ قرار دیا تھا، اِس غیر مجاز وعدے پر برہم ہوگیا، اور ارشاد ہوا کہ جس مسجد کی وجہ بنا پراگندگیٔ امت اور تفریق جماعت ہو، جو مسجد تقوے کے حقیقی منتہا اور عبودیت کے صحیح مطمح نظر کے مخالف ہو، اور اسلامی جماعت کو اشتات و انتشار کے جہنمی گڑھے کی طرف لیجاوے اسمیں تیرا ایک لمحے کے لیئے بھی کھڑا ہونا مہلک ہے!

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ۭ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَي التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۭ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰي تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰي شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ✦ ۝ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (۹: ۱۰۷-۱۱۰)

✦ ان آیاتِ الٰہی سے ظاہر ہے کہ جماعت کے اندر نفاق پیدا کرنے والے اور فرقہ بند لوگ قرآن حکیم کی مطلق اصطلاح میں ظالم ہیں، اور ایسے آیات (۴۸: ۱۲۸) (۲۱: ۱۴۷) صفحہ ۱۰۰ یا آیت (۶: ۴۵) صفحہ ۲۸۴ کے رو سے انکی اجتماعی ہلاکت قطعی ہے۔ ایسے لوگوں کو ظالم اس لیئے کہا ہے کہ وہ

Marfat.com

اے محمدؐ! تمہاری اُمت کے جن منافق مسلمانوں نے آج اس غرض سے ایک مسجد بنا کھڑی کی ہے کہ اسلام کو نقصان پہنچائیں، خدا و رسول کے منکر بنیں، مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کر دیں، اور ان دشمنانِ اسلام کو پناہ دیں جو اس سے پہلے خدا و رسول سے لڑ چکے ہیں، اور اگر ان سے پوچھا جائے تو قسمیں کھانے لگیں گے کہ ہم نے تو نیکی کے سوا اور کوئی ارادہ ہی نہیں کیا تھا، تو آج

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵۵) تمام جماعت پر، اور پھر اسکی وساطت سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور نا اتفاقی کے باعث سب کو شکست و ریخت کی طرف گھسیٹتے ہیں۔ لائق غور بات یہ ہے کہ یہاں 'ظالمین' کا اطلاق اُس جماعت پر ہوا ہے جو اپنے آپ کو رسماً مسلمان کہتی تھی گویا از روئے قرآن خود اسلام کے اندر فرقہ بندیاں پیدا کرنا بھی حتماً ممنوع ہے اور بالحاظ احد رسمی مسلمانوں کو نار جہنم کا مستوجب بنا دیتا ہے۔ جو عافیت پسند مسلمان 'کلمہ گو' مسلمانوں کو انتہائی بداعمالی کے باوجود نار جہنم سے مستثنیٰ قرار دے کر آج مکر کی نیندیں لے رہے ہیں انکے لیئے یہ آیات اور بالخصوص یہ 'نَارِ جَهَنَّمَ' کے الفاظ (۹ : ۱۰۹) از بس قابل غور ہیں۔ یہ دوسری دفعہ ہے کہ خدائے عظیم نے انسانی تفرقے کو نار سے تشبیہ دی ہے، پہلا موقع كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ (۳ : ۱۰۲) کے الفاظ میں صفحہ ۱۴۲ پر گذر چکا ہے گویا تفرقہ ڈالنا یا متفرق ہو جانا جہنم کے گڑھے پر کھڑے ہونے کے مترادف ہے!

'ظلم' کی جامع و مانع اصطلاح کے الٰہی مفہوم کے بارے میں ابتدائی بحثیں مختلف مواقع پر آ چکی ہیں جن کے مطالعے سے ظاہر ہے کہ از روئے قرآن میدان جنگ میں جم کر نہ لڑنا اور نامردی ظاہر کرنا 'ظلم' ہے (آیہ (۳ : ۱۳۹) و تحت المتن صفحہ ۱۲۰ الخ) کچے ایمان والے اور بزدل بننا ظلم ہے (آیہ (۱۴ : ۲۷) و تحت المتن صفحہ ۱۴۳)، امیر جماعت کی نافرمانی کر کے جماعت کو شکست و ریخت کی طرف گھسیٹنا 'ظلم' ہے۔ (آیہ (۸ : ۲۵) صفحہ ۱۷۱، تحت المتن صفحہ ۱۷۲ و آیت (۱۴ : ۴۴) تحت المتن صفحہ ۲۴۴)، جماعت کے اندر تفریق و انتشار پیدا کرنا 'ظلم' ہے (آیت زیر بحث یعنی (۹ : ۱۰۹)) جو قوم ان اجتماعی جرائم کی مرتکب ہے اُسکی ہلاکت کا ایک نہ ایک دن واقع ہونا قطعی ہے۔ اور اسی بنا پر هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ (۶ : ۴۷) کا محاکمہ قرآن میں بالالتزام موجود ہے۔ 'ظلم' کے الٰہی مقصود کی باقی شقیں بھی اپنے اپنے موقع پر آتی رہیں گی۔ لیکن اتقا بمعنی اتحاد کے بالمقابل ظلم بمعنی تفرقہ انگیزی اس استقلال کے ساتھ قرآن حکیم میں مستعمل ہوا ہے کہ اسکی کئی مثالیں آگے چل کر اس کتاب میں پیش ہونگی۔ یہاں پر گذشتہ حوالجات کو اسلیئے یکجا کر دیا ہے کہ آگے چل کر صفحہ ۲۵۹ پر ایک اہم آیت (۲ : ۱۲۴) امامت کے منصب کے متعلق آ رہی ہے اور اُسمیں 'الظّٰلِمِيْنَ' کا لفظ واقع ہوا ہے چنانچہ اس تصریح سے وہاں کے مطالب صاف ہو جاتے ہیں۔

آج عالم اسلام کے قریب قریب ہر قریے اور قصبے میں محلوں اور کوچوں کی اکثر مسجدیں صحیح معنوں میں مساجد ضرار ہیں۔ وہ سب کی سب دین اسلام کے اندر ہولناک تفرقے ڈال رہی ہیں۔ اُمت کی اجتماعی قوتوں کو منتشر کر رہی ہیں۔ ہر پیش امام اپنی اپنی دکان سجائے سر بازار بیٹھا ہے حتی الامکان اپنے حلقۂ اثر کے مٹھی بھر افراد کو جمہور سے الگ رکھنے کی سعی کر رہیں منہمک ہے، جا بیجا اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جدا مسجد کو سراہتا ہے۔ اور اپنے ان ٹکڑوں اور ریزگی کو محفوظ رکھنے کی غرض سے شہر کے کسی بڑے سے بڑے پیش امام کا مقتدی اور مطیع بننا گوارا نہیں کرتا۔ رہنمایانِ امت اور پیش اماموں میں یہ اطاعت کا فقدان اور یہ عصیان امیر فی الحقیقت وہ ظلم عظیم ہے جسکا سم آلود اثر مقتدیوں کی رگ رگ میں بھی اثر کر چکا ہے۔ آج مسلمانوں کے ہر محلے میں اُمرا اور غُربا کی الگ مسجدیں ہیں، ذاتوں اور پیشوں پر مسجدیں ہیں، اماموں اور پیروں پر مسجدیں ہیں، حدیث اور قرآن پر مسجدیں ہیں، آمین اور غیر آمین پر مسجدیں ہیں۔ الغرض ہر طرف ضرار ہے، تفریق بین المسلمین ہے، کفر ہے، خدا سے محاربے ہیں، رسولؐ سے لڑائی ہے، (اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ) دشمن خدا کی حمایت ہے ہاں لیکن جس اُمت کے دشمن خدا اور رسول بن چکے ہوں اسکی موت کا پیغام جلد سے جلد نہ آنے کو ہو تو کیونکر ہو!

میرے نزدیک اگر آج ان مساجد ضرار کا کوئی علاج ہے، اگر ان مار ہائے آستین کے مہلک اور سم آلود اثر کا کوئی حکمی تریاق ہے، اگر امت کی اس دردناک پراگندگی اور ریزش کو اتحاد میں پھر بدلنے کی فی الحقیقت کوئی سبیل باقی رہ گئی ہے، نہیں اگر اُس شدید العقاب خدا کے زمیں بر انداز ملائکہ زمین خدا پر

Marfat.com

اِس بات کا خدا گواہ ہے کہ یہ جھوٹے ہیں! تم اِس مسجد میں ہرگز کبھی نماز نہ پڑھنا! بلکہ کھڑے بھی نہ ہونا۔ وہی مسجد جسکی بنیاد روزِ اول سے ہی ائتلافِ اُمت اور خوفِ خدا (تقوٰے) کو پیشِ نظر رکھکر ڈالی گئی تھی اسکی اہل ہے کہ تم اُنمیں امامت کیا کرو۔ اِسی مسجد میں ایسے لوگ موجود ہیں جو طہارتِ نفس کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ تو حقیقت میں دل صاف رکھنے والے لوگوں کو پیار کرتا ہے۔ بھلا جس شخص نے اپنے تمام اعمال کی بنیاد خوفِ احکم الحاکمین اور خوشنودی خدا پر رکھی وہ اچھا ہے یا وہ کم بخت جس نے اپنی عمارت کی بنیاد تفریق و انتشار کے ایک کھوکھلے گڑھے کے کنارے پر رکھدی اور جو بعد میں اُسکو جہنم کی آگ میں لے گری۔ اور اللہ تو تفریق پیدا کرنے والی ظالم قوم کو کسی مستقل طریقِ عمل کیطرف ہرگز راہنمائی نہیں کرتا۔ یہ مسجد جو اِن لوگوں نے تفرقہ آرائی کی غرض سے تیار کی تھی اسکے مُنوں کی بجائے خود اِنہی کے دلوں میں چور پیدا کردیگی۔ یہاں تک کہ ان سب کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں گے۔ اور ایک ایک کا دشمن بنجائے گا، اور اللہ تو بڑا واقفِ حال اور صاحبِ حکمت ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵۶) اُترنے سے روکنے کا کوئی مؤثر ذریعہ رہ گیا ہے تو وہی جو خود فخرِ رسل اور سیدِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی عینِ حیات میں تجویز کیا تھا اور وہ یہ کہ ایسی سب مساجد کو بالاتفاق آتشین اصطباغ دے کر اُمت کو نفاق کی شیطانی آلایش سے ایک دفعہ پھر پاک صاف کردیا جائے، اور فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْاؕ (۹: ۱۰۸) کا مصداق بن کر از سرِنو وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ (۹: ۱۰۸) کا انعام حاصل کیا جائے۔ اگر نہیں تو اُمت کے منافقوں کو نَارِ جَهَنَّمَؕ کا اصطباغ تو آگے چلکر ملنا ہی ہے۔

لیکن بڑی بات جو متذکرہ صدر آیاتِ ضرار (۹: ۱۰۷-۱۱۰) اور بالخصوص آیہ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ (۹: ۱۰۸) سے مستنبط ہوتی ہے یہ ہے کہ ازروئے اسلام خدائے عظیم کے نزدیک سچی طہارت دلوں کے تفریق و نفاق سے پاک صاف ہونیکی طہارت ہی ہے، اور یہی اُسکے ہاں محبوب بھی ہے۔ بدنی صفائی کا ذکر اِن آیات میں حتماً نہیں آیا۔ تمام بحث صرف تَفْرِیْقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ کے متعلق ہورہی ہے۔ اسلئے طہارت کا اصلی مفہوم صاف ہے۔ جن لوگوں نے وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ سے صرف طہارتِ بدن مقصود سمجھکر اپنی زندگیاں استنجاؤں کے درست کرنے اور ڈھیلوں کو نہایت خوش اسلوبی سے آرپار کرنے میں وقف کردی ہیں، اور ائتلافِ قلوب اور اتحاد کی اہم حکمت کو غیر ضروری سمجھ لیا ہے۔ اُن کو یہ آیات بہ امعانِ نظر دیکھنی چاہئیں! اسمیں شک نہیں کہ بدنی صفائی اور بالخصوص طہارت ایک نہایت ضروری اور نفعمند شے ہے۔ جسمانی صحت کا اکثر انحصار اسی پاکیزگی پر ہے، اور جن قوموں نے اس کی طرف کما حقہٗ توجہ نہیں کی وہ آج اسکے بُرے نتائج نہایت التزام سے بھگت رہی ہیں، بلکہ بدن صاف رکھنے والی قوموں کی عام جسمانی بہتری کو دیکھکر اُنپر رشک کھا رہی ہیں۔ لیکن باایں ہمہ اِن فروعات کو نفسِ اسلام سمجھکر سارا زور انکی رسمی تکمیل پر صرف کردینا اور اہم اوامر کے متعلق خالی الذہن ہوکر اصلِ دین سے غافل ہوجانا بھی وہ غُلُوٌّ فِی الدِّیْنِ ہے جسکا نتیجہ آج مسلمانوں کے حق میں بُرا ثابت ہورہا ہے۔ قرآن حکیم نے دن میں پانچوقت وضو کرنے کی حکمت کو اتمامِ نعمت[۵] کہا ہے (دیکھو تحت المتن صفحہ ۲۱۷ - آیہ (۵: ۶))۔ اور ظاہر ہے کہ پاکیزگیٔ بدن کی توفیق بھی ایک خداداد انعام ہے جو ہر قوم کو حاصل نہیں۔ قرآن کی تمام تعلیم کا نفاذ بہرنوع اور بہرحال قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ (۷: ۲۹) (صفحہ ۲۰۱) اور كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ (۴: ۱۳۵) (صفحہ ۲۰۲) کی عام حکمت کے ماتحت رکھکر ہے۔ اُسکے کسی امر و نہی میں قسط و اعتدال کو ہاتھ سے چھوڑ دینا، یا اُسکی تکمیل میں حد سے متجاوز ہونا بھی فی الحقیقت اُس تعلیم کے منشا کی تغلیط کرنا ہے۔ آج جہاں اقوامِ مغرب و ایشیائی نامسلموں کو بعض مخفی اور ہولناک بیماریاں طہارتِ بدن کے نہ ہونیکے باعث لاحق ہورہی ہیں، ایک دانتوں میں لازماً مسواک نہ کرنے اور کھانا کھانیکے بعد کُلی نہ کرنے ہی کا جُرمانہ محکمۂ فطرت نے یوں وصول کرلیا ہے کہ

[۵] اتمامِ نعمت سے یہ سمجھ کہ جہاں امۃ ایسے عظیم الشان احکام دینے کا کام تھا نہایت اہم از اتمام دستور ... [illegible]

Marfat.com

جب تبوک سے واپس پھرے تو سرورِ کائنات صلعم نے مالک رضہ اور معن رضہ بن عدی کو حکم دیا کہ جاکر اس مسجد میں آگ لگا دیں!

امامت جس کا جلیل القدر اور عالم انگیز منصب کسی زمانے میں نبوّت کا شائبہ خاص الخاص ہوا کرتا تھا، جسکو اس زمین پر خوش اسلوبی سے نباہنے کیلئے آسمان سے تقرری ہوتی تھی! جسکا منتہائے جہد خلق خدا کو اس دنیا میں اسلام کے بال سے سوا باریک اور تلوار سے سوا تیز صراط مستقیم پر بحفظ تمام چلائے رکھنا تھا، جسکے حاصل کرنے کی شرط فرید امتحانِ خدا میں کامیابی تھی! جس سندِ اعلیٰ پر ابراہیم ایسا صاحب† الْاَيْدِیْ وَالْاَبْصَارِ (۳۸: ۴۵) نبی مدۃ العمر سعی و عمل اور روح فرسا بصیرت کے بعد متمکن ہوا تھا، جس مقام منیع کو ذریت اور بے زورِ عمل پالینا ربّ امتحان طلب کو اپنے دوست کی اولاد کے لیئے گوارا نہ تھا!
(یعنی ابراہیم خلیل اللہ ۱۲)

وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ‡ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ۝ (۲: ۱۲۴)-

اور اے ساکنانِ زمین! کیا تم کو وہ لشکر انگیز زمانہ یاد ہے جب خلاقِ زمین و آسمان اور صناعِ کون و مکان تعالیٰ نے بعض مہماتِ امور میں ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا، اور اس آزمایش کو پیش نظر رکھکر انکو سخت ابتلا میں ڈالا، لیکن اُس جلیل القدر نبی کے عزم صمیم نے اُن سب امور کو بوجہ احسن پورا کر دکھایا تو ربِ ذوالجلال نے خوش ہوکر اپنی جناب سے حکم دیا کہ اے ابراہیم! میرے ہاں تمہارے سعی و عمل کو دیکھکر فیصلہ ہو چکا ہے کہ میں تم کو ساکنانِ زمین کا امام اور پیشوا بناؤں، (تم کو یہ منصب مبارک ہو اور تم اس پر ایک مدت مدید تک فائز رہو) ابراہیم نے فرطِ انبساط کے اضطراب میں عرض کیا کہ اے حضور! یہ منصب بدستور میری اولاد میں بھی جاری رہیگا؟ خدائے امتحان طلب نے فرمایا کہ ہمارا اس اقرار میں وہ حصّہ دار نہ ہونگے جو ہماری اصطلاح میں ظالم ٹھیریں گے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۲۵۷) تمام منہ کے دانت ہمیشہ کیلئے بگڑ گئے ہیں، وہاں مسلمانوں کے احکام طہارت میں توغل کا اکثر یہ نتیجہ ہوا ہے کہ ہر شخص فقہ کے چند مسئلے مسائل پر عمل کرکے اپنے آپکو پکا مسلمان سمجھ لیتا ہے اور اصل دین سے قطعاً غافل ہوگیا ہے۔ امام مسجد کے نزدیک آج مسلمانی یہی وضو کو نہایت صحت سے کرلینا، پانی کو بالوں کی جڑوں تک پہنچانا، ضروری بالوں کو دور کرنا، اور استنجاؤں کی نہایت بداہت اور بیحیائی سے تکمیل کرنیکا نام رہگیا ہے، اسلام کی روح انکی تعلیم سے اصلاً نکل چکی ہے۔

† سورہ ص کی آیۃ وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ (۳۸: ۴۵) کیطرف اشارہ ہے۔ یعنی اے محمد! ہمارے بندوں ابراہیم اسحٰق اور یعقوب کا ذکر اذکار کیا کرو کہ یہ لوگ فی الحقیقت بڑے صاحبِ دست قدرت (اُولِی الْاَیْدِی)، بڑے باخبر اور صاحب علم و فضل بندے (ذَا الْاَبْصَار) تھے گویا انکے بےمثال علم و عمل کی وجہ سے انکو یہ لقب دیا۔

‡ جس حیرت انگیز ملّائی نادانی اور طاغوتی تجاہل سے شارحین قرآن نے آسمانی وحی کے ان الفاظ کا مفہوم بیان کیا ہے، جو حیا سوز اور شرم پاش تشریحیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے منصب امامت پر متقرر ہونے کی بیان کی ہیں، جس درد انگیز بے رحمی سے اُنہوں نے فاطر زمین و آسمان کی نسل انسانی کی طرف

ہاں جس عہدِ جلیل پر صدیوں کے عزل و التواء کے بعد عرب کا اولوالعزم نبی اور آلِ ابراہیم کا بہترین رکن فائز المرام ہو کر ختمِ رسالت کی مُہر ابدالآباد تک ثبت کر گیا جس اوجِ مرتبت اور معراجِ اتم کا اہلِ نبوت کے بعد فاروقِ اعظمؓ جیسا عدیم المثال شخص قرار پایا تھا، جو مقامِ بلند کسی زمانے میں مجاہدینِ اسلام اور سپاہیانِ خدا کے لیے مختص ہو چکا تھا، آہ! اُس امانتِ عظمیٰ اور اُس موہبتِ کبریٰ کو آج اُمّت کے گدیہ گر سنبھال رہے ہیں! اجل زدہ قوم کا سب سے ناکارہ، سب سے بزدل، کم حیثیت اور کم علم، فرقہ بند اور محتاج تر ظالم، اِس عہدے پر فائز القنوط ہے۔ عجز و مسکنت کا ماحول پیدا کر رہا ہے، جہل و جمود کا اشتہار دے رہا ہے، تفریق و انتشار کو ثواب سمجھ رہا ہے، شدید العقاب خدا کی سزا کو جزا کہہ رہا ہے، عذاب کو انعام بتا رہا ہے، اور کذب و غلط کی بیجا منادی کر کے اُمّت کو ہلاکت کے قعرِ عمیق کی طرف گھسیٹ رہا ہے! اُمّتِ مرحومہ کا فقدانِ فہم و عقل اِس غلط انتخاب کے بارے میں آج اِس اوجِ کمال تک پہنچ چکا ہے کہ جہاں کسی ادنیٰ سی ادنیٰ دنیاوی حکومت سے تعبّد کا اظہار حاکمِ وقت کے بڑے منظورِ نظر اُس کے بڑے سے بڑے کارندے، اُس کے باثر کارکن، اُسکے مشہور ترجان باز اور سرفروش کی سیادت میں کرتے ہیں،

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵۸) اِس آخری مکتوب، اِس ذکرٌ للعالمین کی مٹی پلید کی ہے، اسکو دیکھ کر اگر آسمان و زمین کپکپا اُٹھیں تو کچھ عجب نہیں، رسولِ خدا کی اِس نام لیوا اُمّت پر آسمان ٹوٹ پڑے تو کچھ دور نہیں! شارحین کا ایک بڑا گروہ ابتلیٰ ابراھیم ربّہٗ بکلمٰت کی تشریح میں اپنی حیاسوز جہالت اور مُلّائی تکبر کے باعث اِس طرف گیا ہے کہ حضرت اپنے بدن کو خاص احتیاط سے پاک صاف رکھا کرتے تھے، زیرِ ناف کے بال نہایت صفائی سے دور کرتے تھے، وضو کے سب ارکان خوش اسلوبی سے ادا کرتے تھے، داڑھی کو شریعتِ ابراہیمی کے مطابق کترواتے تھے، مونچھوں کو بڑھا کر نہ رکھتے تھے، ناخن ترشواتے تھے، ختنہ اُنھوں نے کرا رکھا تھا، پانی سے استنجا کرنا اُن کا شیوہ خاص تھا، اِن امورِ مہمّہ کے علاوہ حضرت کو توحید کے کلمے اور عقائدِ ابراہیمی خوب نوکِ زبان تھے، وغیرہ وغیرہ۔ ابراہیم علیہ السلام نے "ان احکام کی تعمیل ایسی عمدگی سے کی" بدن کو زائد بالوں سے اِس خوش اسلوبی اور حکمت سے صاف رکھا داڑھی ایسی خوب صورت اور متشرع بڑھائی، اسکی پرورش اور انکی بجکنی میں اسطرح دن رات مشغول رہے کہ خدا نے رضامند ہو کر اُن کو لوگوں کا امام بنا دیا!! اِس منصبِ اعلیٰ کو خوش بخوش منظور کرتے ہوئے حضرت نے "بتقاضائے جبلّت چاہا کہ ان کی نسل بھی اِس انعام سے محروم نہ رہے"۔ خدا نے اِس رعایت کو بھی منظور فرمایا لیکن صرف ظالموں کو مستثنےٰ کر دیا! چنانچہ اُسوقت سے آجتک امامت کی یہ شرطیں برابر چلی آرہی ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی ذریت ہر مسجد کے حجروں میں موجود ہے۔ اگر مالکِ زمین و آسمان کے اوصاف میں حلم و درگذر کا ناپیدا کنار عنصر شامل نہ ہوتا تو صرف اِس آیتِ الٰہی کی تشریح شارحینِ قرآن کی سطحِ زمین پر سے بیخ و بنیاد اکھیڑ دینے کیلئے کافی تھی لیکن یہ اسکی شانِ حلیمی کا ایک منظر ہی ہے جو اسکے باوجود فوری گرفت نہیں ہوتی اور ہر شخص جو چاہتا ہے اُسکی شان میں بے خوف و خطر بکے دیتا ہے۔ یہاں نیز ابتلیٰ کے لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا آسمانی امتحان کوئی بڑی سے بڑی اور کڑی سے کڑی آزمایش ہوگی، کوئی صبر آزما اور تاب گسل تکلیف ہوگی، وہ آزمایش بھی لامحالہ اِس قطع کی ہوگی کہ اُسمیں پورا اُترنا (فَاَتَمَّهُنَّ) انکو خلقِ خدا کی پیشوائی کی رہبری کا اہل بناتا ہو گا، پس جب وہ ایک طول طویل اور صبرہ گداز سعی و عمل کے بعد قوم کو شرک کے ظلمِ عظیم سے نجات دلا چکے، جب قوم غفلت اور نا انجام شناسی

اُسی کو سرخیل اور رئیس وفد بناکر اپنی معروضات پیش کرتے ہیں، اُسیکو پیش پیش رکھکر اپنی لرزش انگیز اور دل آسا نیاز مندیوں کا اظہار کرتے ہیں، وہاں حاکمِ زمین و آسمان کی اس زبانی اور سطحی دودلی اور مشرکانہ عبادت کوٹر خانے کی غرض سے اپنی نگاہوں میں سب سے کم مایہ اور بے نوا، محتاج اور ذلیل شخص کو "اکرم" اور "اتقیٰ" فرض کرکے اُسکی پنجوقتہ پیشی اور عرض گذاری کے لئے منتخب کررہے ہیں! ہاں لیکن جس قوم کا نصب العین جہانبانی اور خداوندی، قوت اور عزت سے ہٹ کر گداگری اور غلامی محکومیت اور خوشامد تعبدِ ماسوا اور تملقِ غیر کی طرف منتقل ہوگیا ہو۔ اُس کے مرشد و رہبر بالآخر یہی بھک منگے نہ بن جائیں تو اور کیا ہو!

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ۝ (۱۶۲:۷)

تو لوگو! اس اُمت میں سے ناحقیقت شناس اور اپنے اوپر ظلم کرنیوالے گروہ نے خوشحالی اور امن کے اس سرِ عظیم کو جو انکو سکھادیا گیا تھا بدلکر کچھ اور ہی رویہ اختیار کرلیا، اور اُس تعلیم کو یکسر فراموش کردیا تو ہم نے بھی اُنکے اس ظلمِ عظیم کی پاداش میں آسمان سے بلا اُتاری اور انکی سب عظمت خاک میں ملادی۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵۹) ظلمتوں سے نکلکر علم و عمل کے نور کیطرف آنکلی اور اُنکے رہنمانے بھی قوم کی ایذا رسانیوں کو صبر و تحمل سے برداشت کیا، دشمن سے پیہم جہاد بالسیف کیئے، جان کچھ کھچکر حلق تک پہونچی مگر سعی و عمل کو نہ چھوڑا تو خدا نے بھی انکو اپنی قوم کی **پیشوائی** اور **امامت** کا منصب عطا فرمایا، **بادشاہت زمین** دی، **نبوت** سے سرفراز کیا۔ اُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ (۳۸:۴۵) صفحہ ۲۵۰ کے الفاظ سے یاد فرمایا وغیرہ۔ ابراہیم علیہ السلام نے امامت کی اس موہبت عظمیٰ کو پاکر طبعًا یہ چاہا کہ پیشوائی خلق کا یہ منصب اعلیٰ اُنکی اولاد میں بھی برقرار رہے لیکن خدا نے **ظالم** قوم کو اس منصب سے ہمیشہ کیلئے محروم کردیا۔ ظلم کی بعض اہم شقوں کی تشریح کافی طور پر صفحہ ۲۵۵ و ۲۵۶ کے تحت المتن میں گذرچکی ہے جس سے ظاہر ہے کہ خدائے عز و جل نے فرمایا کہ اے ابراہیمؑ! تم بلاشبہ اس منصب کے اہل ثابت ہوئے ہو لیکن میدان جنگ میں جم کر نہ لڑنے والے اور نامردی ظاہر کرنیوالے ظالم، کچے ایمان والے اور بزدل بنے رہنے والے ظالم، امیر جماعت کی نافرمانی کرکے جماعت کو شکست و ریخت کی طرف گھسیٹنے والے ظالم، جماعت کے اندر تفریق پیدا کرنے والے ظالم وغیرہ وغیرہ۔ اس عہد خداوندی اور امامت کو ہرگز نہ پاسکینگے۔ بادشاہت کا منصب مجھ سے وہی قوم لیتی ہے جسمیں یہ خاصیتیں نہ ہوں اور **ظلم کار قوم کی ہلاکت تو ایک طے شدہ امر ہے!** (دیکھو صفحہ ۲۷۶- تحت المتن)۔

صدر اسلام میں مسجدوں کے اندر امامت کا منصب بھی اسی ابراہیمی امامت کی تجدید کا ایک منظر تھا، قرن اول کے مسلمانوں کی خدائی فوج دن میں پانچ وقت کسی جلیل القدر مجاہد کی پیشوائی اور امامت میں سپہ سالار اعظم کے روبرو پیش ہوتی، اُسکے آستانۂ علیہ پر حاضر ہوکر اطاعت کے ولولے میں جھک جھک پڑتی، بہتر سے بہتر شخص اس ریاست کیلئے منتخب ہوتا، مسجد نبوی کے اندر رسول خدا صلعم اپنی حین حیات میں اس منصب کے فرائض خود ادا کرتے رہے، باقی مسجدوں کی امامت کیلئے اکثر وہی صحابہ کرام رہے جنکا علم و عمل بے مثال ہوتا تھا، وفات سے کچھ مدت پہلے رسولِ خدا صلعم کا حضرت ابوبکرؓ کو امامت نماز کیلئے مقرر کرنا بھی عوام کی نظر میں اُنکے بعد اُنکے جانشین بننے کا ایما سمجھا گیا تھا۔ الغرض اُن قرنوں میں بادشاہت، خلافت اور امامت ایک شئے تھی، خلیفۂ وقت خود امام اعظم ہوتا تھا، اُسکے مقرر کیئے ہوئے امام صحیح معنوں میں **اولوالامر** تھے نہیں بلکہ جو شخص **اولوالامر** مقرر ہوتا تھا اُسپر امامت کا فرض بھی اداکرنا ضروری تھا۔ بادشاہان سلف نے صرف ایک حد تک اس اہم رواج کی متابعت کی لیکن رفتہ رفتہ امامت کی

Marfat.com

آج شدید العقاب خدا کی یہی آسمانی رِجز مسلمانانِ جہان کو سانپ بن بن کر ڈس رہی ہے، خدا کے ناقابل بدل قول کو بدل دینے اور مشکل سے پڑھائے ہوئے سبق کو بُھلا دینے کے جرم میں مسکنت کے گھٹاٹوپ بادل سروں پر چھا رہے ہیں، اُنکی قوت اور امن کی سب کِشت زاریں وقفِ خزاں ہو چکی ہیں، جہانبانی کا ناز اور راہ لُٹ چکا ہے، اُمت کی سب شیرازہ بندی، اُسکا تعبّد سے پیدا کیا ہوا نظم و نسق، اُسکا الصّلوٰۃ سے بنایا ہوا نظام اُسکا خوف احکم الحاکمین سے نکلا ہوا بھائی چارہ معناً کالعدم ہے! اب ہر طرف غیروں کی پھٹکار اور غلامی کی جُوت پڑ رہی ہے، مظلومیت کی چیخیں اور لکد زنی کی کراہیں ہیں، مُلک یک بیک ہاتھوں سے نکل رہے ہیں، زمین خدا تنگ ہو رہی ہے، ظالم اور نااہل مسلمان اِس پاکبازی میں مست ہیں، خانۂ خدا کو ہار کر لمبی تان رہا ہے اور گھر پھونک اپنی بربادی کا تماشہ نہایت مزے سے دیکھ رہا ہے!

مُنتہائے الصّلوٰۃ

وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ (۲: ۴۵)

(اور نماز دوبھر ہے اُنکے بن کا خشوع ہم سے بیٹھ رہا کے باعث برقی سبکے لیے بیگار ہی بیگار ہے!)

الغرض الصّلوٰۃ کی الٰہی حکمت کی تہ میں اُمتِ اسلام کا لاینفک اتحاد تھا، باہمی رافت اور رحمت تھی، قوم کو پنجوقتہ اطاعت کا مکرّر سبق تھا، شاہ و گدا کی مساوات کی یاد دہانی تھی، وقت کی پابندی تھی، انہاء عن الفحشاء والمنکر تھا، شب و روز خدا کی ملازمت اور اطاعت میں صرف کر کے پانچوقت آقائے نامدار کو سلام تھا، اُسکے حضور میں مؤدبانہ پیشی اور غرضمندانہ حاضری تھی، اسکی خدمت میں دست بستہ عرضِ معروض تھی، صراطِ مستقیم† کی استدعا تھی، حصولِ نعمت کی گذارش تھی، بادشاہت زمین کی تڑپ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۹۰) ماہیت کو بُھول گئے۔ آج اگرچہ خلیفۃ المسلمین سلاملیک کی رسم ادا کرنیکے لیئے مسجد ایا صوفیہ میں جاتا ہے مگر خود امامت نہیں کراتا۔ لیکن سیاسی اقتدار کے کم ہوجانیکے باعث اسکا مذہبی مقام خود اسقدر مُلّایانہ ہوگیا ہے کہ عالمِ اسلام پر اسکی شخصیت کا فی الجملہ کچھ اثر باقی نہیں رہا۔

† صراطِ مستقیم کے الٰہی مفہوم کے بارے میں جو کچھ اب تک حاصل ہوا ہے اُسکو یہاں پر یکجا جمع کر دیا جاتا ہے۔ صفحہ ۲۲۴-۲۴۶ کے مباحث سے ظاہر ہے کہ (۱) اعتصام بحبل اللہ کرنا اور فرقہ بند نہ بننا (آیات ۳: ۱۰۰-۱۰۲) صفحہ ۲۲۶) صراطِ مستقیم ہے (۲) توکّل بخدا کر کے صبر و استقلال سے مصائب کا مقابلہ کرنا اور دشمن پر غالب آکر رہنا (آیت ۱۴: ۱۲) صفحہ ۲۲۷) صراطِ مستقیم ہے، (۳) ایمان کے اعمال (دیکھو تحت المتن

Marfat.com

تھی، منعم علیہ بنجانے کی طمع تھی، مغضوب علیہ نہ بننے کا خوف تھا! اسی بیم و رجا کی تڑپ میں قومے اور قعدے تھے، اسی کے اضطراب میں رکوع و سجود تھے، اسی کی تڑپ میں شام و سحر، فراغت اور شغل میں، سوتے جاگتے سلام تھا، اسی اجتماعی ہلاکت کے خوف میں شب و روز سعی و عمل تھا، دنوں کو جہاد بالسیف تھے، چیتھڑوں کے پرتلوں میں حمائل کی ہوئی تلواریں تھیں، رسیوں سے مرمّت کئے ہوئے نیزے تھے، راتوں کو کورچ اور اسکی جناب میں کراہیں تھیں، بستروں سے پہلو آشنا نہ ہوتے تھے: تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ[1]

---

[1] مطالب کیلئے دیکھو تحت المتن صفحہ ۲۴۶۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۱) صفحہ ۱۸۲-۱۸۳) اپنے اندر قائم رکھنا (آیہ (۲۲: ۵۴) و (۴۳: ۵۳) صفحہ ۲۲۷) صراط مستقیم ہے (۴) قوم کی بہتری کے لیئے **ایثار مال** کرنا (آیات (۲۳: ۷۲-۷۳) صفحہ ۲۲۷) صراط مستقیم ہے (۵) قانون خدا کے مطالب و مقاصد کے بارے میں **اختلاف** پیدا نہ کرنا (آیہ (۲: ۲۱۳) صفحہ ۲۲۸ اور آیات (۴۳: ۵۳-۶۵) صفحہ ۲۳۵) صراط مستقیم ہے، (۶) خدا کی **ملازمت** میں شیطان کی عبادت کو حائل نہ کرنا (آیہ (۳۶: ۶۰) صفحہ ۲۲۸ اور آیہ (۴۳: ۶۴) صفحہ ۲۳۵) صراط مستقیم ہے، (۷) **الامر** اور قانون خدا میں نزاع نہ پیدا کرنا (آیہ (۲۲: ۶۷) صفحہ ۲۲۸) صراط مستقیم ہے، (۸) **ایک مرکز** پر عملاً اور معناً قائم ہو جانا آیہ (۲: ۱۴۳) صفحہ ۲۲۹) صراط مستقیم ہے، (۹) سب اعمال انسانی کو خدا کیلئے وقف کر دینا اور ان اعمال میں کسی غیر کی اطاعت کو شریک نہ کر کے **ابراہیم علیہ السلام کی توحید** پر چلنا آیات (۶: ۱۶۲-۱۶۴) صفحہ ۲۲۹-۲۳۱) صراط مستقیم ہے، (۱۰) نعمتہائے خدا کی کماحقہٗ قدر کرنا خالصتہً **قانون خدا** کے مطیع رہنا، آیات (۱۶: ۱۲۰-۱۲۲) صفحہ ۲۳۲) صراط مستقیم ہے، (۱۱) دشمن کو اپنے سعی و عمل سے **بے دست و پا** کر دینا، اُسکے وسائل حفظ و دفاع پر **قابض** ہو کر اُسکو **تباہ** کر دینا، اور حتی الوسع اپنے آپ کو اُسکے دست تعدّی سے **بچائے** رکھنا (آیہ (۴۸: ۲۰) صفحہ ۲۳۳) صراط مستقیم ہے، (۱۲) اس دنیا کے اندر **قوّت اور زور** سے رہنا، دنیا جہان سے بڑھ چڑھ کر اور **برگزیدہ** ہو کر رہنا (آیات (۶: ۸۷-۸۸) صفحہ ۲۳۴) صراط مستقیم ہے، (۱۳) بادشاہ زمین ہو کر رعیت پر **عدل و انصاف** سے حکومت کرنا (آیہ (۳۸: ۲۶) صفحہ ۲۳۴) صراط مستقیم ہے، (۱۴) اس دنیا کے اندر **سلامتی اور بقا** کے رستوں پر چلنا، قانون خدا کے عدم تعقّل کی تاریکیوں سے نکلکر **علم و عمل کے نور** کیطرف آنا (آیات (۵: ۱۵-۱۶) صفحہ ۲۳۴-۲۳۵ اور آیہ (۱۰: ۲۵) صفحہ ۲۳۵) صراط مستقیم ہے، (۱۵) خدا کی علی ملازمت اور اتّقا اور **اطاعت امیر** کرنا (آیات (۴۳: ۶۳-۶۴) صفحہ ۲۳۵) صراط مستقیم ہے، (۱۶) قانون خدا سے استمساک کرنا اور اُس پر ہمیشہ چلتے رہنا (آیہ (۴۳: ۴۳) و (۴۳: ۶۱) صفحہ ۲۳۶) صراط مستقیم ہے، (۱۷) اپنے سینے سعی و عمل کیلئے **کھول دینا** اور اُنکے اندر احکام خدا کی تعمیل کے بارے میں کوئی **تنگی** نہ رکھنا (آیات (۶: ۱۲۶-۱۲۸) صفحہ ۲۳۸) صراط مستقیم ہے، (۱۸) ملازمت خدا کی تعمیل میں **غیر خدا** کے حکموں کو حائل نہ کرنا، والدین کے ساتھ احسان، اولاد کے ساتھ رافت، **مکارم اخلاق** پر عمل، قتل سے پرہیز کرنا، **مال یتیم کی نگہداشت، پورے ماپ، پورے تول، عدل، ایفائے عہد** پر قائم رہنا اور **متحد** بنے رہنا (آیات (۶: ۱۵۲-۱۵۴) صفحہ ۲۴۰) صراط مستقیم ہے، (۱۹) راہ خدا میں **جہاد بالسیف** کرنا، دشمن سے متارکہ **حفظ نفس** کی خاطر کرنا (آیات (۲۹: ۶۹) و (۸: ۱۱۴-۲) صفحہ ۲۴۲) صراط مستقیم ہے، (۲۰) قوم کی بہتری اور تثبیت کیلئے **جہاد بالسیف** کرنا، **ہجرت وطن** اختیار کرنا، **اطاعت امیر** بے چون و چرا کرنا (آیات (۴: ۶۶-۷۰) صفحہ ۲۴۲) صراط مستقیم ہے، (۲۱) اور سب سے اہم یہ کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے اعمال کر کے ایک قلیل اور مجبور زدہ قوم کو جابر بادشاہ کے ظلم و ستم سے آزاد کرنا، اور بالآخر قانون خدا کا پابند بنا کر اُسکو زمین کا حکمران اور بادشاہ بنا دینا وہ الصراط المستقیم ہے جسکی تعریف سورہ فاتحہ میں 'اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ' کے الفاظ میں کیگئی ہے۔ مسلمانوں کو سوچنا چاہیئے کہ آج وہ ان اکیس شقوں میں سے ایک پر بھی صحیح معنوں میں عامل ہیں؟ نہیں بلکہ دیکھنا چاہیئے کہ مغربی قوموں کا اس صراط مستقیم پر کسقدر انسانی عمل ہے۔ اور اُنکے 'اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ' ہونے کی کیا وجہ ہے، وہ نماز کی اس دعا پر کسقدر عامل ہیں۔ جو احکام یہاں جلی قلم سے لکھے ہیں ان میں سے اکثر پہ مغربی اقوام کا بیشتر عمل ہے۔

Marfat.com

رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ز وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (۳۲: ۱۶)! اسی مجموعی نعمت کی طمع میں اجتماع اُمت تھا، قیام جماعت تھا، دلوں کے اندر خوف خدا کی مشترک جنبشیں اور باہمی محبّت کی مشترک لہریں تھیں، کسی کو کسی سے کچھ دریغ نہ رہا تھا، بخل، حسد، دلوں کے کینے، کم ظرفی کی رنجشیں سب مٹ گئی تھیں، مسجدیں ایک منظم اور پُرامن، ایک طاعت آموز اور عصبیت خیز انجمنیں بن گئی تھیں! اسی الصّلوٰۃ کا قیام اور لرزش قلب یہی تعمیل احکام خدا اور پیہم سعی و عمل، یہی اطاعت ربّ اور استجابت رسول، قربانی مال اور طاعت امیر آپس میں اتحاد اور علی التوکّل عمل قرن اوّل میں سچے **مومن** بننے کی نشانی تھی، اسی ایمان کا اٹل نتیجہ اُمت کی واماندگیوں پر پردہ پوشی اور اس دنیا میں عزت اور آبرو کی روزی تھی۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (۸: ۱-۴)

اے محمدؐ! مسلمان تم سے مالِ غنیمت کے متعلق دریافت کرتے ہیں تو ان سے کہدو کہ مالِ غنیمت صرف خدا اور اُسکے رسول کا ہے، وہ جس طرح مناسب سمجھے اُسکو تقسیم کرے تو تم لوگ مالِ غنیمت کی تقسیم میں

٭ ان آیاتِ الٰہی میں چند امور غور طلب ہیں (۱) پہلی آیت یعنی (۸: ۱) میں متحد ہو کر رہنے (وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ) اور بہر نوع اطاعت امیر کرنے (وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۰۷-۱۰۱) کو نہ صرف اتقائے الٰہی پر محمول کیا گیا ہے بلکہ اسکو **ایمان کی شرط لاینفک** قرار دیا ہے، گویا جو قوم متحد بنکر نہیں رہتی اور امیر جماعت سے کسی امر کے متعلق (خواہ وہ معاملہ مال غنیمت ہی کا کیوں نہ ہو) نزاع پیدا کرتی ہے، اُسکا **ایمان یکسر ساقط ہے**۔ قرآن حکیم میں صرف چند موقعے ہیں جہاں اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کے الفاظ آئے ہیں ایک **اعلون** بنکر رہنا ہے (دیکھو صفحہ ۔ آیہ (۳: ۱۳۹))، دوسرا **اتقائے** خدا کرنا ہے (دیکھو صفحہ ۱۷۹۔ آیہ (۵: ۱۱۲))، تیسرا یہی **اتحاد** اور **اطاعت امیر** ہے۔ باقی آیتیں جنکے اندر اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کی شرط ہے اپنے اپنے موقع پر آجینگی۔ افتتاحیہ کتاب صفحہ (۱۰-۰) پر ان میں سے بعض اہم موقعوں کو یکجا جمع کر دیا ہے (۲) آیہ (۸: ۲) میں آیہ (۴۹: ۱۵) کی طرح اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ کے الفاظ آئے ہیں اور یہ آیت خود صفحہ ۱۰۳ پر آچکی ہے۔ گویا ایمان کی باقی **لاینفک** شرطیں صفحہ ۱۰۵ کی جہاد بالمال اور **جہاد بالسیف** کی شرطوں کے علاوہ لرزش قلب یعنی اتقائے خدا (وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ)، اور تعمیل احکام الٰہی میں **استقامت** (زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا)، اور **توکل** یعنی نتائج کے میں خدا پر اعتماد کرنا بھی ہیں۔ (۳) اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا کے الفاظ قرآن حکیم میں صرف دو جگہ آئے ہیں (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۸۰)۔ ایک آیہ (۸: ۴) صفحہ ۱۱۴ پر اور ایک زیر بحث آیہ (۸: ۷۴) میں۔ گویا ایمان کی شرط لاینفک تقویت قوم کیلئے **ہجرت وطن**، **جہاد بالسیف یا نصرت باہمی** کے علاوہ (دیکھو صفحہ ۱۱۴) اقامت الصلوٰۃ اور جہاد بالمال بھی ہے (آیہ (۸: ۳))۔ الغرض ان تمام آیات الٰہی کو پیش نظر رکھکر ظاہر ہے کہ ایمان اسلامی قرآن وحدت اُمت ہے، اطاعت امیر ہے، دنیا میں اعلون بنکر رہنا ہے، جہاد بالمال ہے، جہاد بالسیف ہے، استقامۃ فی السعی ہے، توکّل فی النتائج ہے، ہجرت ہے، باہمی نصرت، مساحمت اور رواداری ہے اور ان سب کے علاوہ اقامت الصلوٰۃ بھی ہے، پس جب یہ سب ایمان کی لاینفک شرطیں ہیں تو ظاہر ہے کہ الصلوٰۃ کو صحیح معنوں میں قائم کرنیوالے وہی شخص ہو سکتے ہیں جنمیں یہ سب باتیں موجود ہوں، ورنہ محض يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ نہیں ہوگا۔ فتدبر

اپنے مابین جھگڑا نہ کرو اور اُس غضب خدا سے ڈرو جو فساد کرنے والی قوم پر نازل ہوتا ہے اور اپنے باہمی تعلقات کو درست کرکے متحد بنے رہو اور اگر تم فی الحقیقت صاحب ایمان لوگ ہو تو خدا کے حکموں اور اُسکے رسول کے فیصلوں کے آگے سر تسلیم خم کردو۔ اصلی ایماندار تو وہی لوگ ہیں کہ جب خدا اُنکو یاد دلایا جاتا ہے تو اُنکے دل کانپ اُٹھتے ہیں اور جب احکام خدا (اٰیٰتُہٗ) اُنکو بتلائے جاتے ہیں تو اُن کا اُنکی تعمیل پر یقین اور آمادگیٔ عمل (اِیْمَانًا) اور بھی بڑھ جاتی ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو حتی الوسع تعمیل کے بعد نتائج کے بارے میں خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں (یَتَوَکَّلُوْنَ)، جو اس تمام اتحاد اور اطاعت اور لرزش اور مصالحت اور توکل اور سعی و عمل کو پیش نظر رکھکر الصلوٰۃ کو قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے اُنکو دے رکھا ہے اُسمیں سے حتی الامکان ایثار مال بھی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ ہی فی الحقیقت سچے ایمان والے ہیں، اور یہی وہ ہیں جنکے لئے اُنکے پروردگار کے ہاں عزت و مکرمت کے درجے ہیں، جنکی واماندگیوں اور اجتماعی بدحالیوں پر خدا کی طرف سے پردہ پوشی (مغفرۃ) ہے اور جنکو بالآخر اس دنیا میں عزت اور آبرو کی روزی ہے۔

یہی وہ قوت انگیز اور غلبہ انداز الصلوٰۃ تھی جس کا الٰہی میثاق بنی اسرائیل سے جب بندھا تو امت چشم زدن میں نہال ہوگئی، اُسکی اجتماعی بدحالیاں یکسر کافور ہوگئیں، جنات زمین قدموں پر نثار ہونے لگے جنکے نیچے سے نہریں پھوٹ بہیں، قوت اور حکومت، عزت اور امن قوم کے گہوارے ہوگئے، خدا دوست بن گیا، وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰہُ اِنِّیْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ[1] (۵: ۱۲)۔ لیکن جب قوم اس عہد خداوندی کو بھول گئی، جب اُن کی

---

[1] اور لوگو! بنی اسرائیل سے عہد اُس خدائے پاک ہی نے لیا تھا اور ہم ہی نے اُنہی میں سے بارہ سردار اُنپر مامور کردیئے تھے اور وہ خدا ہی تھا جس نے اپنا قول دیا تھا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارا دوست اور رفیق ہوں، اگر تم الصلوٰۃ پر قائم رہے، الزکوٰۃ کو دیتے رہے، میرے پیغمبروں کو منجانب اللہ یقین کرکے اُن کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرتے رہے (اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ) وقتاً فوقتاً اُنکی بدل و جان مدد بھی کی ہمدا کے احکام کی تعمیل میں اپنے آرام اور مال و اسباب کا بہترین حصہ کاٹ کر الگ کردیا (اَقْرَضْتُمُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا۔ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۳۷–۱۳۸) تو میں تمہاری سب اجتماعی بدحالیوں کو تم سے دور کردونگا (لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۳۱)، اور تمکو ایسے خوشگوار باغوں اور سرسبز ملکوں میں لیجا داخل کرونگا جنکے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہونگی، پھر جس نے ان نعمتوں کے حصول کے بعد کفران خدا کیا اور اس عہد کو توڑا تو وہ راہ راست سے یکسر بھٹک گیا۔

* صفحہ ۲۶۳ کے تحت المتن میں اور نیز سورہ انفال کی آیتوں (۸: ۱–۴) کے متذکرہ صدر ترجمے میں یہ بات ظاہر کردی گئی تھی کہ اقامت الصلوٰۃ کا قرآنی مفہوم

زمینیں تنگ ہو ہو کر سخت ہو گئیں، جب مسامحت اور رواداری، خوف خدا اور ہدایت، اتقا اور ایمان کا آب زلال باقی نہ رہا اور قلوب کے اندر حسد اور نفاق کا چور، کبر اور ریا کا چور، تھڑدلی اور بے مرادی کا چور، بخل اور کم ظرفی کا چور، الفحشاء اور المنکر کا چور گھر کر گیا، ہاں جب قوم خدا کے اُس دیئے ہوئے درس کو بھول گئی، جب غرضمند رہنما اور کبرائے خلق ضد اور بغاوت سے مقصود خدا کو محرّف کرنے لگے، احبار اور رہبان نے لوگوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے اپنے پیچھے صفیں کھڑی کر لیں، مشترک خدا کے مشترک خوف اور اطاعت کو چھوڑ کر آپ ربّ بن بیٹھے اور پیغام خدا میں خیانت کرنا قوم کا شعار بن گیا، اُسی دن سے میثاق ٹوٹ گیا، جنّات زمین چھین لیئے گئے، ذلّت اور محتاجی لیس دی گئی لعنت مُونہوں پر برسنے لگی، آوارۂ جہاں ہو گئے، مردودِ زماں بن گئے، قسمت بگڑ گئی، خدا دشمن بن گیا: فَبِمَا

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۴) نہ صرف رسمی نماز کی رکعتوں کو مسجد میں جا کر بصحت تمام ادا کر دینا ہو بلکہ اُن تمام اعمال (مثلاً وحدت اُمّت، اطاعت امیر، جہاد بالمال، ہجرت جہاد بالسیف، استقامت فی السعی، توکل فی النتائج، نصرت باہمی، 'اعلونیت' وغیرہ وغیرہ) کو جو ایمان کی لاینفک شرائط ہیں اپنے اندر پیدا کر کے خدا کے حضور میں حاضر ہوتے رہنا ہو۔ جو شخص مومن ہو اُس میں اِن اعمال کا بلا حیل و حجت موجود ہونا اٹل ہو پس الصلوٰۃ کی اقامت بھی دراصل اسی کی ہو جس میں (نماز کے علاوہ) مومن ہونے کی باقی شرائط بوجہ احسن موجود ہوں۔ سورہ مائدہ کی زیر بحث آیت (۵: ۱۳) میں اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ کے اس مفہوم کی قطعی تائید ہوتی ہو کیونکہ موسوی شریعت کی نماز کے ظواہر اسلامی نماز کے ظواہر سے بالکل جدا تھے اور باوجود اس ظاہری اختلاف کے اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ کی مطلق اصطلاح کا استعمال اس امر کی دلیل ہو کہ اس میثاق سے مراد اُس قانون کی پابندی تھی جو الصلوٰۃ سے مقصود بالذات ہو، صرف ظواہر کی پابندی مقصود نہ تھی۔ دیباچہ کتاب صفحہ ۳۲-۳۳ میں قرآن حکیم کی اس مطلق لغت کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اور اس اطلاق کی کئی مثالیں آگے چلکر ملیں گی۔

آیت زیر بحث (۵: ۱۳) میں لَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کے الفاظ اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ جنّٰت سے مراد جنات زمین ہی تھے، اُخروی جنت کا ذکر بیان پر قطعاً نہ تھا۔ عہد عتیق میں اسی میثاق ایزدی کی جزا "ابدی بادشاہت" لکھی ہو۔ (کتاب خروج باب ۲، آیت ۳-۸) بعض موقعوں پر ان ابدی جنّات کو شہد اور دودھ کی نہروں والی سرزمین کہا ہے (کتاب استثنا باب ۶ آیت ۲-۳)، کتاب ثانی سموئیل باب ۷ آیت ۲۳-۲۹ میں پھر وعدہ اسی ابدی سلطنت کا ہو اور کتاب اوّل سلاطین باب ۹ آیت ۱-۹ میں اس سلطنت کو چھین لینے کی دھمکی بھی دی گئی ہو۔ علاوہ ازیں بنی اسرائیل میں دنیاوی سلطنت کا قائم ہو جانا اس امر کی شہادت ہو کہ وعدہ جنات زمین ہی کا تھا اور اسی لیئے فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ کی شرط بھی موجود ہو۔ خود آیہ استخلاف میں مسلمانوں کے ساتھ وعدہ بھی دنیاوی سلطنت کا تھا جیسا کہ الفاظ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (۲۴: ۵۵) صفحہ ۰ سے ظاہر ہے، اور وہاں بھی وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ کے الفاظ آئے ہیں۔ سورۂ فاطر میں بھی اسی قطع کا اسلوب بیان ہو: هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا (۳۵: ۳۹) یعنی لوگو! وہ خدا ہی ہے جس نے تم کو اس زمین میں (تمہاری سعی و عمل کو پسند فرما کر) بادشاہ بنا رکھا ہو تو اس نعمت عظمیٰ کے حصول کے بعد جس قوم نے قانونِ خدا سے انکار کیا (کفر) تو اس انکار کی ذمہ داری کا بوجھ بھی اُسی کی گردن پر ہو اور قانون خدا سے منکر قوم کو تو اُن کا انکار خدا کی نگاہوں میں سوائے ناراضگی کے کسی شے کو نہیں بڑھاتا اور کفران نعمت کرنیوالی قوم تو سوائے اسکے کہ روز بروز گھاٹے میں رہے کسی اور شے میں ترقی نہیں کرتی"! الغرض ان تمام شہادات کے بعد اس امر کا ناقابل انکار فیصلہ ہو جاتا ہو کہ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ سے مراد ہر جگہ جنّات زمین ہی ہیں، آخرت کیلئے الجنّۃ کی اصطلاح مخصوص ہے جنّت کی قرآنی اصطلاح پر مفصّل بحثیں صفحہ ۱۱۵-۱۱۶، ۱۳۱، ۱۸۲ وغیرہ پر گذر چکی ہیں۔ افتتاحیہ سے قطع نظر دیباچہ کتاب صفحہ ۶۶-۷۳ میں کئی مثالیں اسی قطع کی

Marfat.com

نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ ۙ وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ خَائِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ (۵:۱۳)۔ اگر مسلمان آج اس عہد خداوندی کو توڑ کر لعنت خدا کے مستحق بنے ہوئے ہیں، اگر آج اُن سے بھی سب کچھ چھین کر اُن لوگوں کو دیا جا رہا ہے جنہوں نے عمر بھر ایک رسمی نماز نہیں پڑھی، ایک اسلامی رکعت ادا نہیں کی، ایک شرعی سجدہ نہیں کیا، ایک محمدی کلمہ نہیں پڑھا تو اسکی وجہ بھی یہی قساوت قلب ہے، یہی تحریف دین اور نسیان درس ہے، یہی مقاصد خدا میں مجرمانہ خیانت ہے، یہی الصلوٰۃ کو معناً اور صورتاً† بگاڑ دینا ہے، یہی خدا کو چھوڑ کر نفسانی خواہشات کی پیروی ہے۔ ایسی نمازیں پانچ نہیں پانچ ہزار ہوں خدا کے نزدیک سب ضائع ہیں، ان سے ضعف کے سوا کچھ حاصل نہیں، ان کا نتیجہ ہلاکت کے کچھ نہیں، فَخَلَفَ مِن بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ ۖ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ (۱۹: ۵۹)۔ پس اگر آج

---

۵۱ لیکن بنی اسرائیل کے اس میثاق الٰہی کو توڑ دینے کے باعث ہم نے اُن پر ذلت و ادبار کی لعنت برسا دی، اُن کے دلوں کو اپنے احکام کی تعمیل کیلئے پتھر کر دیا، پھر وہ اسقدر جسور و زود اور غافل ہو گئے کہ ہمارے کلمات اور احکام کو اُنکے مناسب موقعوں سے ہٹا کر اُنکے الٰہی مقاصد میں حسب مطلب رد و بدل کرنے لگے (يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ)، مکر و تاویل سے اپنے آرام کیلئے اُن میں معنوی تحریفیں پیدا کیں (يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ)، اور یہی نہیں بلکہ اسی تن آسانی اور آرام پسندی کے باعث رفتہ رفتہ اس درس الٰہی کے ایک اہم حصے کو بھول گئے جو اُنکو اچھی طرح یاد دلایا گیا تھا، اور اے محمدؐ! تم ان میں سے معدودے چند کے ماسوا (ان) نئے دن کسی نہ کسی ایسے مکار کی اطلاع پاتے رہو گے جس نے صریح خیانت اور بد معاشی سے احکام خدا کے مقاصد میں رد و بدل کر کے اپنی امت کو گمراہ کیا ہو تو ان خائنوں اور مکاروں کا علاج سوا اِسکے کچھ نہیں کہ تم اُن سے پرے پرے ہٹے رہو (فَاعْفُ عَنْهُمْ)، اُن سے قطعاً کنارہ کشی اختیار کرو (وَاصْفَحْ) (دیکھو ان معانی کی تائید میں دیباچہ کتاب صفحہ ۱۲۰ کی آخری سطر)، خدائے عز و جل تو انہی لوگوں کو پسند کرتا ہے جو سعی عمل کر کے اپنی اُمت کو قوت اور عزت کے مدارج علیا تک پہنچا دیتے ہیں (إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ، دیکھو مُحْسِنِينَ کی تعریف صفحہ ۱۳۰ تحت المتن آیہ (۶:۱۰۷) و صفحہ ۲۴۶ تحت المتن آخری دو سطریں و آیات (۳۷: ۱۲۱-۱۲۲)۔

۵۲ پھر ان لوگوں کے بعد ایسے نابکار جانشین آئے جنہوں نے الصلوٰۃ کو بالکل ناکارہ کر دیا، اسکی حکمت کو اسقدر بھلا دیا کہ وہ بالکل ایک لاطائل شے بن گئی (وَأَضَاعُوا الصَّلَاةَ) اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے لگے رہے تو یہی وہ لوگ ہیں جو عنقریب ہلاکت سے دوچار ہونگے۔

(زیر تحت المتن صفحہ ۲۶۵) پیش کر دی ہیں جنکے بغور مطالعے سے اس امر کا فیصلہ ہو جاتا ہے کہ 'جَنَّت' سے مراد ارضی بادشاہت ہی تھی۔ شارحین قرآن نے بادشاہت زمین پر لات مارنے اور اپنے نفس کیلئے آسانیاں پیدا کرنے کیلئے اس سے مراد اخروی جنت لیلیا اور مذہب اسلام کو رفتہ رفتہ بے نتیجہ بنا کر رہبانیت کیطرف لگئے! آیت زیر بحث میں فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ کے الفاظ بھی نہایت قابل غور ہیں۔ گویا ارضی بادشاہت کا کفران نعمت کرنا ہی صراط مستقیم سے پرے ہٹنا اور صحیح معنوں میں ضلال ہے۔ یہ مفہوم بعینہ وہی ہے جو صفحہ ۲۳ کے تحت المتن کے اخیر میں سورہ فاتحہ کے لفظ الضَّالِّينَ کی تشریح میں حاصل ہوا تھا۔

---

† الصلوٰۃ کے معناً بگڑ جانے کے علاوہ اسکے صورتاً بگڑ جانے کے متعلق ایک ابتدائی بحث صفحہ ۱۱۱-۱۱۲ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے جس سے کم از کم یہ ظاہر ہے کہ مساجد میں امام صاحبان کا خدا کے حضور میں نماز کو ترنم سے ادا کرنا وہ بدعت سیئہ ہے جو نص قرآن کے قطعاً برخلاف ہے، مساجد میں سنت اور نوافل کا ادا کرنا اور اسطرح ہر خانہ خدا کے اندر بے ترتیبی اور بدنظمی کا ماحول پیدا کرنا بھی (جسکا ذکر صفحہ ۲۰۶ کے تحت المتن میں ہو چکا ہے) رسول خدا صلعم کے اسوۂ حسنہ کے برخلاف صریحاً ہے

اُس صادق الوعد خدا کی بتائی ہوئی الصّلوٰۃ' وہی قرن اوّل کے نتائج پیدا نہیں کرتی تو وہ الصّلوٰۃ بگڑ چکی ہے، اُسکا کیف دل بدل چکا ہے، مطمح نظر بدل چکا ہے، اُسکے ادا کرنے والوں کے دل بدل چکے ہیں، حوصلے اور جگر بدل چکے ہیں، نصب العین بگڑ چکا ہے، نہیں اُسکو ادا کرنے کا محرک باقی نہیں رہا، نعمت کا پیش نہاد نہیں رہا، خشوع پیدا کرنے والی غرض نہیں رہی، غرض کا پیدا کیا ہوا اضطراب نہیں رہا، صرف ڈھانچ یا الفاظ باقی رہ گئے ہیں، اُٹھک اور بیٹھک رہ گئی ہے، مصیبت کو کم کرنے کا ترنم رہ گیا ہے: اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ[1] (۲:۴۵) یا پانی کو بالوں کی جڑوں تک پہنچانے کے وسوسے رہ گئے ہیں یا مسح اور قصر، غسل اور استنجا، تیمم اور وضو کے مسئلے رہ گئے ہیں یا خدا پر احسان اور سجدوں کا ادّعا رہ گیا ہے، یا جنّت کے سبز باغوں کے خواب رہ گئے ہیں ورنہ نماز کا الصّلوٰۃ رہکر وہی قرن اوّل کے نتائج پیدا نہ کرنا ناممکن ہے! صراط مستقیم کے نصب العین کو ہر وقت پیش نظر رکھکر اُسکے لیئے شبانہ روز سعی و عمل کرنا، سعی و عمل کر کر کے اُس راہ راست کی وعدہ دی ہوئی نعمت کی تڑپ میں منعم لم یزل کے حضور میں لپک لپک کر پہنچنا، دست بستہ کھڑے ہو جانا اور نعمت کو مانگنا، بیٹھ جانا اور پھر اُٹھ اُٹھ کر بالحاح تمام مانگنا، ماتھا رگڑ رگڑ کر مانگنا، گھٹنوں پر جھک جھک کر مانگنا، اور ساتھ ہی باقی وقتوں میں صبر اور استقلال، تکلیف برداری اور مشقت، عزم

(بقیہ بحث المتن صفحہ ۲۶۶) آجکل مساجد کے اندر وضو کرنیکے لیئے حوضوں اور کنوؤں، حماموں اور غسلخانوں کا موجود ہونا بھی وہ بدعت اور تن آسانی کے شیوے ہیں جو قرن اوّل کی مساجد میں قطعًا موجود نہ تھے۔ اُس زمانے میں لوگ مساجد کے اندر اپنے گھروں سے تیار ہو کر آتے اور خانہ خدا کے اندر آجکل کی بدلحاظیاں اور بے تکلفیاں کرنا گستاخی سمجھتے۔ فرقہ بند لوگوں نے جو اختلافات نماز کے ارکان میں از خود پیدا کر لیئے ہیں وہ اِنکے علاوہ ہیں اور آہستہ آہستہ نماز کی اصلی صورت کو بگاڑ رہے ہیں۔ التحیات کے بعد اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ کے الفاظ جو پڑھے جاتے ہیں گمان غالب ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عین حیات میں امامت کے وقت خود نہ پڑھتے تھے۔ نہ معلوم کہ یہ درود شریف کب کیسے پڑھے جانے شروع ہوئے، کس کے حکم سے ہوئے اور خود رسول خدا اُنکی جگہ کیا پڑھا کرتے تھے۔ 'خلع' اور 'حفد' کی مشہور آیتیں جو آجکل نماز عشا کے بعد وتروں میں پڑھی جاتی ہیں اگر بدستور عہد نبوت میں بھی پڑھی جاتی تھیں تو حیرت ہے کہ جمع قرآن کے وقت اُنکے کلام وحی نہ ہونے میں شکوک کیوں پیدا ہوئے۔ الغرض اِن سب امور کو پیش نظر رکھکر یہ کہنا کچھ غلط نہیں کہ نماز کی ظاہری صورت بھی آہستہ آہستہ نامحسوس طور پر بگڑ رہی ہے اور یہ بگاڑ اس شئے میں پیدا ہو گیا ہے جسکی بابت ہر مسلمان کا دعوٰی ہے کہ علی التواتر قرن اوّل سے بلکہ خود نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت مؤکدہ سے ہم تک پہنچی۔ میرا یقین ہے کہ قرن اوّل والی مردوں اور عورتوں کی مخلوط نماز جس کی امامت رسول خدا خود کیا کرتے تھے نہ صرف اپنے کیف حال میں، خشوع و خضوع میں، اصلاح قلوب میں، تزکیہ نفس میں، انہا عن الفحشاء والمنکر میں، اتحاد اور اطاعت، مواخات اور مساحت کا نتیجہ خیز اخلاق پیدا کرنے میں اصلًا مختلف تھی بلکہ اسکے ادا کرنے کا اہتمام، اسکی قرأت کے الفاظ وغیرہ وغیرہ بھی کچھ نہ کچھ ضرور آجکل کی ترنم والی نماز سے ضرور مختلف اور جداگانہ تھے!

[1] مطالب کے لیئے دیکھو عنوان صفحہ ۲۶۱۔

Marfat.com

اورمحنت کو اپنا استعان بنالینا وہ شیوۂ مسلمانی تھا جسپر چلکر اسلام کو چند برسوں کے اندر وہ شوکت نصیب ہوئی کہ آج اُسکو پھر دیکھنے کیلئے آنکھیں ترس رہی ہیں: وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخٰشِعِينَ (۲:۴۵)۔ صاحب القرآن تعالی نے سورۂ فاتحہ کی اپنی باربار اور ضرب دل سے دُہرائی ہوئی آیتوں کی اہمیت کو اسی الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کی ہدایت اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے راہ رہت کے نصب العین کی ضرورت کو اسلامی اُمت پر یکسر واضح کردیا تھا کہ خدا کا اپنے بندوں پر سب سے بڑا احسان نہ صرف قرآن عظیم کو عطا کرنا بلکہ ساکنان زمین کے سامنے یہی سبع مثانی کا لشکر انگیز مطمح نظر دن میں پانچ وقت پیش کردینا ہے!

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (۱۵:۸۷)

اور اے محمدؐ! سب سے بڑا احسان جو ہم نے تم پر اور تمہاری اجل زدہ قوم عرب پر کیا ہے یہ ہے کہ ہم نے سورۂ فاتحہ کی باربار دُہرائی ہوئی آیتوں کا اہم اور عظیم الشان نصب العین پیش کرکے تمہاری قوم میں حصول نعمت اور الصراط المستقیم پر چلنے کی ایک لازوال ترغیب و تحریک پیدا کردی ہے (اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ)، اُن کے دلوں میں اس نعمت کے حاصل کرنیکے ولولے پیدا کردیئے ہیں (اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ) انکے اندر اس دنیا میں قوت اور زور سے رہنے اور ہلاک شدہ قوموں (دیکھو آیات (۱۵:۶۱) تا (۱۵:۸۴) کی طرح مغضوب علیہ اور ضالین نہ بننے کا ایک دائم اور قائم ہیجان پیدا کردیا ہے، اور یہی نہیں بلکہ ہم نے تم کو قرآن عظیم بھی دیا ہے جسکے اندر اُس الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ پر چلنے کا مکمل دستور العمل درج ہے۔

یہی وہ فراخور سعی اور درخور طلب نصب العین ہے جس سے بڑھ کر انسانی جماعت کے لیئے اس دنیا کے اندر

سلہ اور اے لوگو! اس کارگاہ سعی و عمل میں مشکلات کا خاطر خواہ مقابلہ کرنیکے لیئے استقلال سے استعانت کیا کرو (اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ) اور حتی الوسع سعی و عمل کرکے خدا کے حضور میں گڑگڑایا بھی کرو کہ اُس طلال مشکلات کے حضور میں حاضری حوصلوں کو بڑھانے میں خاص مدد دیتی ہے اور یہ نماز تو ماسوا ان لوگوں کے جن کا خشوع و خضوع ہم ہی سے بیم و رجا ہونیکے باعث ہو باقی سب کے نزدیک بیگار ہی بیگار ہے۔

٭ اس آیہ شریفہ کے الفاظ خاصکر قابل غور ہیں۔ خدائے عزوجل نے سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ یعنی سورۂ فاتحہ کو اسقدر اہمیت دی ہے کہ رسول صلعم کو اسکے وحی کرنیکا احسان قرآن عظیم کو عطا کرنیکے احسان سے الگ جتلایا ہے، بلکہ سورۂ فاتحہ کی اہمیت کو دلنشین کردینے کے لیئے اسکو باقی قرآن سے الگ کردیا ہے۔ شارحین قرآن نے چنانچہ اس آیت کو پیش نظر رکھکر سورۂ فاتحہ کے الفاظ کی اہمیت پر ضخیم بحثیں کی ہیں۔ بِسْمِ اللهِ سے لیکر الضَّآلِّيْنَ تک کے ایک ایک لفظ کو لیلائے تخیل ظن و اعتقاد کے طومار بناکر ظلمت انگیز مناظرے پیدا کئے ہیں۔ کہیں اللہ کے لفظ کو کوئی اسم اعظم قرار دیا ہے جسکو دُہرانے کے فضائل لاتعد و لاتحصی کہے ہیں، کہیں الرَّحْمٰن اور الرَّحِيْم میں فرق بتلایا ہے، کہیں الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اور الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پر عقائدی مباحث چھیڑ دیئے ہیں۔ الغرض جتنے منہ اتنی باتیں مگر ایک متنفس نے بھی ذہن کو کام میں لاکر اسطرف رجوع نہیں کہ سورۂ فاتحہ میں خدائے عظیم نے کیا اہم نصب العین دن میں پانچوقت مسلمانوں کے سامنے پیش کردیا ہے۔ ایک فرد واحد کا خیال اسطرف نہیں ونڈا کہ وہ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کس بلا کا نام ہے اور اسکی صحیح قرآنی تعریف کیا ہے۔ میں نے متذکرۂ صدر ترجمے میں اللہ صاحب کے سورۂ فاتحہ کو مثانی کہہ کر یاد فرمانے کی توجیہ، اسکے پیش کیئے ہوئے نصب العین کی

Marfat.com

کوئی نصب العین نہیں۔ یہ اُس خدا کی زمین پر نعمت خدا کو برقرار رکھنے کا علم حاصل کرنا ہی وہ نور ہے جس سے بڑھکر نفعمند کوئی نور نہیں۔ سعی و عمل کے اِس کارگاہِ عظیم میں اسی علم سے بیخبر رہنا اور حصول نعمت کیلئے اپنے ہاتھ پاؤں، تن من دھن وقف نہ کر دینا ہی وہ ظلمت عظمیٰ ہے جس سے تاریک تر کوئی ظلمت نہیں، عزیز اور حمید خدا کا بتایا ہوا یہی وہ معزز اور محمود مقام، اور یہی وہ عزت افزا اور قابلِ ستائش صراط ہے جس سے مستقیم تر کوئی صراط نہیں۔ اِسی الصراط المستقیم کو ہر دم پیش نظر کر دینے کیلئے سبع مثانی کا دُہرانا نمازمیں تھا، اور اسی واحد غرض و مطلب کے لیئے خدائے عظیم کا قرآن عظیم اس زمین پر نازل ہوا تھا:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ﴿﴾ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ (۱:۱۴)

اے محمدؐ! یہ قرآن عظیم ایک مکتوب خدا اور حکمنامہ رب العلمین ہے جسکو ہم نے تمہاری طرف اس نیت سے بھیجا ہے کہ تم تمام عالم کو قانونِ خدا کے عدم تعقل اور اِس دنیا میں نامراد اور مغضوب علیہ ہو کر رہنے کی ظلمتوں (الظُّلُمٰتِ) سے علم و عمل اور تنومند بنکر رہنے کے (النُّوْرِ) کیطرف نکال لاؤ اور قانون الٰہی کے عامل بنا کر انکے آقا کی ہمادار رضا و رغبت سے انکو قوت اور عزت کے اُس صراط مستقیم کیطرف لیجاؤ جو صاحب عزت اور لائق ستائش خدا کا بتایا ہوا رستہ ہے۔

اگر یہ الصلوٰۃ مسلمانان عالم کے شرعی ملاؤں کی جہالت اور ناقرآن دانی یا مسلمانوں کی اپنی تن پروری

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۸) اہمیت، اور اسکے قرآن عظیم سے الگ ذکر کرنے کی وجہ اشارۃً بیان کر دی ہے، اور یہ مسلمانوں کے سامنے وراثت زمین کی موہبت کبرٰے اور لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کی نعمت عظمیٰ کا لازوال نصب العین پیش کر دینا یا الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور الضَّآلِّيْنَ نہ بننے کا قلبی ہیجان پیدا کر کے قوم کو سعی و عمل کیطرف متوجہ کر دینا ہی میرے نزدیک سورۃ فاتحہ کی واحد اور بے مثال فضیلت تھی جو آج نظروں سے نہاں ہو چکی ہے۔ صفحہ ۲۶۱-۲۶۲ کے تحت المتن میں صراط مستقیم کے الٰہی مفہوم کو یکجا جمع کر دیا تھا اور اُسکا بغور مطالعہ کرنے اور اُسکے متعلق تمام قرآنی آیات کو پیش نظر رکھنے کے بعد ہر صاحب غور و فکر اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ کلام الٰہی کی تمام تعلیم کا لبِ لباب درحقیقت اسی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے الفاظ میں مضمر ہے۔ تمام اوامر و نواہی جو دین اسلام کے اصل اصول اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ والے صراط پر چلانے کے صحیح اندار ہیں اسی صراط مستقیم کی جامع و مانع اصطلاح میں داخل ہیں۔ سورۃ فاتحہ اگر اس نصب العین کو قرآن کے ورق اول پر پیش کر رہی ہے تو باقی تمام قرآن اُس نصب العین کو حاصل کرنے کے وسائل بتلا رہا ہے۔ توحید کا اصل اصول بھی اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے الفاظ میں اسی سورۃ کے اندر ہے۔ ایمان، اتقا، صلاح، فسق، شرک، کفر، الغرض دین اسلام کی تعلیم تمام کمال اسی اِهْدِنَا سے لیکر الضَّآلِّيْنَ تک کے الفاظ میں مضمر ہے (دیکھو افتتاحیہ کتاب صفحہ ۵۶ تا صفحہ ۱۲۹)۔ انہی معنوں میں سورۃ فاتحہ تمام باقی قرآن کا ملخص، اسکا صحیح منتہیٰ و حاوی، بلکہ اسکی صحیح معنوں میں تفسیر ہے۔ اسی لیئے اسکی یہ بیمثال فضیلت بھی ہے جس قوم نے سورۃ فاتحہ کے مطمح نظر کو پا لیا اور اسکے بعد اُسپر عامل ہو گئی اسکو فلاح دارین قطعاً حاصل ہے۔ اسکے ماسوا نہ اسکے اندر کوئی اسم اعظم ہے، نہ اسکو بار بار دُہرانے میں کوئی ثواب ہے، نہ اسکو صحیح طور پر پڑھ لینے کا کوئی اجر ہے، نہ اسکی ضخیم اور بے سند تشریحیں کر کے اسکے الفاظ کی وہمی فضیلتیں جتلانا خدا کو خوش کر سکتا ہے!

✦ یہ آیہ جلیلہ سورۂ ابراہیم کے شروع میں واقع ہوئی ہے۔ اور صفحہ ۵۵ پر آ چکی ہے۔ یہاں پر صرف اس بات کا قطعی فیصلہ کرنا ہے کہ الظُّلُمٰتِ اور النُّوْرِ سے انکی مراد

Marfat.com

اور ناخدا شناسی کے باعث ایک نابکار اور ناکارہ بر آر، ایک مضحکہ انگیز اور بے مطلب، ایک ناقوت اندوز اور مسکنت خیز، ایک بیگار اور مصیبت بن چکی ہے تو اسمیں قرآن اور اسلام یا خدا اور رسولؐ کا کیا گناہ ہے!

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا " (۹:۱۷)

اسمیں شک نہیں کہ یہ قرآن عظیم اپنے عاملوں کو اُس راہ پر لے جاتا ہے جو سب سے زیادہ راست اور قیام آفریں ہے اور ان صاحب ایمان لوگوں کو جو ایمان کے لوازم پیش نظر رکھکر مناسب سعی و عمل کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیئے دنیا اور آخرت دونوں جگہ بڑا اجر ہے۔

(بقیہ تحت المتن ۲۶۹) بعینہ کس قسم کی تاریکیاں اور کس قطع کی روشنی ہے۔ شارحین قرآن حسب معمول ان الفاظ سے علی الحساب روحانیت کی روشنیاں" یا "ناخدادانی کی تاریکیاں" لے لیتے ہیں لیکن یہ سب غیر معین اور بے نتیجہ باتیں ہیں جو دراصل قرآن حکیم کو بغور مطالعہ نہ کرنے کا نتیجہ ہیں۔ ایک آیت (۳۳ : ۴۳) جسمیں الظُّلُمٰتِ اور النُّوْرِ کے الفاظ آئے ہیں صفحہ ۱۳۳ کے تحت المتن میں آچکی ہے، دو آیتیں (۵ : ۱۵-۱۶) جن میں یہی الفاظ آئے ہیں صفحہ ۱۷۶ پر آچکی ہیں۔ صفحہ ۱۷۶ والی آیتوں سے کم از کم اسقدر مستنبط ہوتا ہے کہ صاحب القرآن تعالیٰ نے قرآن عظیم کو "نُوْرٌ" کہا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ قرآن وہ نور ہے جسکے ذریعے سے خدا اقوام عالم کو سلامتی، قیام فی الارض، اور بقا کی راہوں پر لیجاتا ہے اور اُنکو "الظُّلُمٰت" سے "النُّوْر" کی طرف نکالکر صراط مستقیم کی طرف لیجاتا ہے۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۵ : ۱۵-۱۶) (دیکھو صفحہ ۱۷۶ و ۲۳۴)۔ گویا اس آیۂ کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ "الظُّلُمٰت" کا الٰہی مفہوم وہ تاریکیاں ہیں جو اقوام کو سلامتی اور بقا کے رستوں سے پرے ہٹا دیتی ہیں اور "اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" والے صراط مستقیم سے ورغلا کر الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور الضَّآلِّيْنَ بنا دیتی ہیں۔ اور النُّوْر وہ روشنی ہے جو اقوام کو اس دنیا میں بے خوف و خطر کر دیتی ہے اور صراط مستقیم پر چلائے رکھتی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے "الظُّلُمٰت" دراصل قانون خدا کو نہ سمجھنے یا اُسپر عامل نہ ہونے کی تاریکیاں ہی ہیں اور "النُّوْر" وہ قانون خدا کا تعقل اور اُسکی تعمیل ہے جسکا نتیجہ اجتماعی دوام و بقا ہے۔ اور اسی لحاظ سے خود قرآن (یعنی قانون خدا) کو بھی "نُوْر" کہا گیا ہے۔ زیر بحث آیت (۱:۱۴) میں بھی یہی دونوں الفاظ آئے ہیں اور "صِرَاط" کا معنی خیز لفظ بھی وارد ہوا ہے بلکہ صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ کہکر کنایۃً یہ بھی کہدیا ہے کہ وہ صراط عزت اور حمد کا صراط ہے ذلت اور مغلوب ہو کر رہنے کا صراط نہیں۔ الظُّلُمٰت اور النُّوْر کے ان مطالب کی قطعی اور ناقابل انکار تائید اسی سورۂ ابراہیم کی آیت (۱۴ : ۵) سے ہوتی ہے جس میں صاف طور پر فرمایا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے احکام دے کر بھیجا کہ وہ اُن احکام کے ذریعے سے اپنی قوم کو "الظُّلُمٰت" سے "النُّوْر" کی طرف نکال لائیں اور حکم دیا کہ اس غفلت زدہ قوم کو "ایام خدا" کی یاد دہانی کراؤ، اسمیں شک نہیں کہ اس یاد دہانی جہاد میں ہر مستقل مزاج (صَبَّار) عامل اور نعمت خدا کے قدردان (شَكُوْر) بندے کے لیئے بہت سے ارشادات موجود ہیں: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (۱۴ : ۵)۔ ایک ہی سورۃ میں چار آیتوں کے وقفے کے بعد الظُّلُمٰت اور النُّوْر کے مطالب کی یہ الٰہی تشریح اِس بات کی حتمی دلیل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو یہی کہا گیا تھا کہ قوم کو محکومیت اور بیچارگی، خوف اور ضعف، قانون خدا کے عدم تعقل اور ناانجام شناسی کی ظلمتوں سے نکالکر بادشاہت اور امن، قوت اور عزت کے سُبُلَ السَّلٰمِ پر لے آؤ، اور جہاد بالسیف (اَيّٰمِ اللّٰهِ) کے دکھلانے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۷۰)

اُن میں پیدا کر کے اُنکے اندر صبر اور استقلال، بادشاہت کی صحیح قدرشناسی یعنی صبّار اور شکور بننے کا اخلاق جاری و ساری کر دو۔ یہی منتہا تھا جسکے لیئے موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے اور یہی اُنہوں نے کر دکھایا۔ چنانچہ اسی سورۃ کے سیاق میں نوح علیہ السلام وغیرہ کے بارے میں بھی وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ۝ (۱۴: ۱۵) آیا ہے، یعنی اُنہوں نے وہ ملک فتح کر لیا۔ اور ہر معاند اور ظالم گروہ مُنہ دیکھتا رہ گیا"، بلکہ (۱۴: ۲۳) میں ہے: وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۝ (۱۴: ۲۳) یعنی عمل صالح کرنے والے ایمان دار سرسبز باغوں میں داخل کر دیئے گئے، وہ جب تک خدا ان کا راضی رہے گا (بِاِذْنِ رَبِّهِمْ) اس میں ہمیشہ رہیں گے اور اُنکے اندر سب طرف سے یہی دعائے خیر ہو گی کہ امن سے رہو!" (ضمناً اُدْخِلَ کا ماضی کا صیغہ اس امر کی ناقابل انکار دلیل ہے کہ جنّٰت سے مراد ارضی بادشاہت ہی تھی)۔

الغرض سورہ ابراہیم کی متذکرہ صدر آیت (۱۴: ۵) الظُّلُمٰتِ اور النُّوْرِ کے معانی کی صحیح تعیین ختم کر دیتی ہے۔ اور قرآن عظیم کی بابت بھی سورہ ابراہیم کے شروع میں یہی کہا گیا تھا کہ یہ وہ کتاب ہے جو اقوام کو محکومیت اور افلاس کی ظلمتوں سے نکال کر قوّت اور عزّت، غلبہ اور امن، بادشاہت اور جنّات زمین حاصل کرنیکے نور کی طرف جو عزیز و حمید خدا کا بتایا ہوا صراط مستقیم ہے نکال لاتی ہے۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی دنیاوی قوّت اور غلبے کو قرآن حمید میں کئی جگہ بالصراحت نور کہا گیا ہے۔ مثلاً يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِــــُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۝ (۹: ۳۲) اور يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِــــُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۝ (۶۱: ۸) میں جو صفحہ ۱۸۴ پر آچکی ہیں اور جہاں نور سے مراد سیاسی تمکن اور دنیاوی قوّت کے سوا کچھ اور لینا ناممکن ہے (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۸۴)۔ علیٰ ہذا القیاس سورہ حدید کی آیات (۵۷: ۱۲-۱۵) اور سورہ تحریم کی آیت (۶۶: ۸) میں يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ (۵۷: ۱۲) اور نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ (۶۶: ۸) کے الفاظ بلکہ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کے الفاظ بھی آئے ہیں اور وہاں مراد صاف یہ ہے کہ جب مسلمان جنّات زمین میں داخل ہونگے تو بادشاہت اور غلبے کا نور اُنکے آگے آگے دوڑتا ہو گا، منافق عرب جنہوں نے اس بادشاہت زمین کے حاصل کرنے میں روڑے اٹکائے تھے حسرت کے مارے مسلمانوں کو کہیں گے کہ ذرا ٹھیرو ہم بھی اس نور سے کچھ لے لیں اور جب جواب نفی میں ملے گا تو حجّتیں کرینگے کہ کیا ہم تمہارا ساتھ نہیں دیا کرتے تھے؟ پھر جواب ملے گا کہ نہیں۔ تم منتظر رہا کرتے تھے، ہمارے فتحمند ہونے میں شک کیا کرتے تھے، تم کو تمہاری من مانی آرزوؤں نے دھوکا دے رکھا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان آیات کو یہاں پر نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ جس وقت ان کا موقع آئے گا ان کا پورا مفہوم عیاں کر دیا جائے گا۔ لیکن نور کے مفہوم کے لیئے صفحہ ۲۷۱ کی آیت (۷: ۱۵۷) پر بھی غور کرنا چاہیئے۔

تمّ المجلد دوم

مِن کتاب

تذکرہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّاۗلِّيْنَ۝

Marfat.com

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَ

اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (اعراف)

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ

عَلَیْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَ

اعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ

الْكٰفِرِیْنَ (بقرہ) رَبَّنَا اِنَّكَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِیْنَةً وَّاَمْوَالًا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا

رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا

الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ (یونس) رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ (یونس)

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا (آل عمران) وَاَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی

الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ (بقرہ) رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا

فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا

عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ

اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ

فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا

مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَ

قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ

اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ (آل عمران)

Marfat.com

● حضرت علامہ المشرقیؒ نے فرقہ بندی کو ازروئے قرآن شرک قرار دے کر اسے وحدت اور اخوت کے زور سے مٹانے کا اعلان کیا۔

● حضرت علامہ مشرقیؒ نے روزانہ نو۔ نو شہروں اور قلعوں کو فتح کرنے والے عسکری اسلام کو پھر زندہ کیا۔

● حضرت علامہ مشرقیؒ نے صدیوں سے مختلف عقیدوں اور فرقوں میں بٹی ہوئی قوم کو پھر اخوت کا پیغام دیا۔

● حضرت علامہ مشرقیؒ نے خاکسار تحریک کے ذریعے ایک دوسرے سے نفرت اور دشمنی کرنے والی قوم میں محلہ وار نظام کے ذریعے بلا اجرت خدمت کرنے کا جذبہ پیدا کیا۔

● حضرت علامہ مشرقیؒ نے مروجہ مغربی جمہوریت کو مسترد کرتے ہوئے تین طبقاتی طرز انتخاب کا نیا فارمولا دنیا کے 20 ہزار سائنسدانوں کے سامنے پیش کیا جس کے ذریعے دنیا میں ہر جگہ 95 فیصدی غریبوں کی حکومت قائم کی جا سکتی ہے۔

● حضرت علامہ مشرقیؒ نے موجودہ علم کو غیر فطری اور اس لیے غلط قرار دیتے ہوئے۔تسخیر کائنات کے لیے سائنسدانوں کو فطری علم تلاش (ایجاد) کرنے کا پیغام دیا۔

● حضرت علامہ مشرقیؒ نے غلط اور خود ساختہ مذہب کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا اعلان کر دیا۔

● حضرت علامہ مشرقیؒ نے خاکسار تحریک کے نام سے غلبہ اسلام کی تحریک شروع کی جس کی ابتدا انہوں نے ہندوستان سے کی اور 17 سال کے اندر اندر انگریز کو ہندوستان سے نکل جانے پر مجبور کیا۔

● حضرت علامہ مشرقیؒ نے پوری دنیا کو عالمگیر اخوت' عالمگیر وحدت اور عالمگیر اتحاد کا عملی پیغام دیا۔

● حضرت علامہ مشرقیؒ نے قرآن کی رو سے ہر مسلمان پر جہاد فرض قرار دیا۔ اور ہر مسلمان کو پھر غازی اور مجاہد بنانے کی غرض سے خاکسار تحریک شروع کی جس میں لاکھوں مسلمان بھرتی ہوگئے۔

● حضرت علامہ المشرقیؒ نے تمام سابقہ علمی ریکارڈ توڑ کر رینگلر اینڈ سکالر آف دی ورلڈ کا خطاب حاصل کیا۔

تحریر: محمد حنیف خان

Marfat.com

حضرت علامہ مشرقیؒ کی معروف تصنیف

* قرآن حکیم کے عظیم ترین نصب العین اور پروگرام کی تشریح پر جامع مستند کتاب
* قرآن کو صحیح اور علمی نقطہ نظر سے سمجھنے کے لئے ایک بلند پایہ تفسیر
*قید سلاسل کے بیس روز کی ایک انتہائی تحقیقی علمی کاوش

علم کا بے بہا سمندر.......... آیات قرآن اور ان کا گراں قدر اور زہرہ گداز علم

حدیث القرآن

سائنسی و مذہبی مفکر و فلاسفر بین الاقوامی شہرت یافتہ ریاضی دان اور نقیب فطرت حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ کی وہ معرکتہ الآراء تصنیف جس میں:

* مصنف نے قرآن کی تعلیمات کو انتہائی سادہ اور آسان لفظوں میں واضح کر کے قرآن کی علمی حیثیت کو اجاگر کیا ہے۔

* مصنف کی یادگار عالم نوبل انعام یافتہ تصنیف "تذکرہ" کی دس جلدوں کا اختصار۔

* مصنف کا سورہ سجدہ اور سورہ جاثیہ کا مکمل مربوط اور ناقابل رد ترجمہ۔

* قرآنی نقطہ نظر سے مقام خدا' مقام انبیاءؑ' مقام الکتاب' مقام انسان' مقام فطرت' تمکن فی الارض کی علمی تشریح۔

* فردی مساوات کے لئے "زکواۃ" اور "الصلواۃ" کا عمل' موجودہ نسلی ذمالی تفریق کا حل' عقائدی تفریق کے حل کے لئے عالمی مرکز کے قیام کی تجویز' علم کے ذریعے سے وحدت مذہب کا حل۔

* صحیفہ فطرت کی حقیقت اور اہمیت' طریق پیدائش' انسانی اعضاء میں انقلاب و ارتقاء ــــ اعضائی ارتقاء کے متعلق تین قرآنی واقعات۔

* قرآن کے آخری آسمانی کلام ہونے کا قطعی ثبوت' مسئلہ ملاقات رب اور انجام کائنات' انجام کائنات کی جانب اقدام اور انسان کا آئندہ لائحہ عمل۔

* قرآن کو سمجھنے کے لئے بلندی نگاہ کیا ہو' صلائے عام بہ ساکنان زمین' اور ہوشمندانان زمین کو ایک پر مغز خطاب۔

تخلیق کائنات اور تسخیر کائنات کا راز جاننا چاہتے ہیں تو پھر:

حدیث القرآن کی مطالعہ کیجئے ــــ پہلی فرصت میں کیجئے

انہوں نے اپنے خدا کو چھوڑ کر مولویوں اور پیروں کو اپنا خدا بنالیا ہے۔ (القرآن)

* مسلمانانِ عالم کے مذہبی اختلافات اور مولوی کے بگڑے ہوئے مذہبی تخیل کا پر تحقیق اور ناقدانہ جائزہ

* قرآن حکیم کی تعلیمات کا سائنٹیفک تجزیہ * دین اسلام کی ماہیت کی علمی نقطہ و نظر سے وضاحت

عقلی استدلال --------------***** --------------- زوردار انداز بیان

***** ------------ منفرد اسلوب --------------- *****

هر دلعزیز راهنماء اور سائنسی و مذہبی مفکر و فلاسفر حضرت علامہ مشرقی کی معروف تصنیف

مولوی کا غلط مذہب

ایک ہیجان خیز انکشاف ----------------- ایک عالم انگیز پیغام

مولوی کا غلط مذہب میں --------- بانی خاکسار تحریک حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ کے علاوہ نواب بہادر یار جنگ، خان حبیب اللہ خان (سابق چیئرمین سینٹ)، پیر رشید الدولہ، پروفیسر سید اللہ بخش، شیخ الفاضل مولوی شاکر اللہ نے مولوی کی جاہلانہ تعلیمات کے بخیئے ادھیڑ کر مولوی کے تین سو سالہ مذہبی تخیل کو رد کیا ہے۔

وہ عظیم دستاویز جو پانچ سال کے عرصہ میں بیس لاکھ سے زائد چھپ کر فروخت ہوئی جو برصغیر کی تاریخ میں ریکارڈ ہے۔

آج ہی اپنے قریبی بک سٹال سے طلب کریں ----

مفکر اعظم اور نقیب فطرت حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ

کا پیغام ہر انسان تک پہنچا دو ---- پھر دیکھو!

دنیا قرآن کے آگے جھک جائے گی۔

○ التذکرہ پبلی کیشنز اچھرہ لاہور

Marfat.com

روئے زمین پر تہلکہ مچادینے والی کتب...جن کی تعلیم زندہ اقوام کیلئے ابدالاباد تک پیام حیات

حضرت علامہ مشرقیؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	سن اشاعت	بعنوان
(۱)	خریطہ	دیباچہ۔اردو شاعری۔فارسی	۱۹۰۲تا۱۹۰۹ء ۷ فروری ۱۹۲۴ء	۱۴برس کی عمر میں ۱۲۶رباعیوں اور ۱۷۰ اشعروں پر مشتمل فارسی شاعری
(۲)	تذکرہ (جلد اول دوم سوم ودیگر جلدیں)	دیباچہ۔افتتاحیہ اردو و عربی	۳۰مارچ ۱۹۲۴ء ۱۰رجب المرجب ۱۳۴۲ھ	مسلمانان عالم کو ان کی اجتماعی موت و حیات کے متعلق پیغام اخیر۔ الٰہی حکمت کا حیرت انگیز مرقع
(۳)	خطاب مصر	عربی اردو	۱۳مئی ۱۹۲۶ء	امت مسلمہ کو آنے والے خطرات سے بچانے کے لئے عالمگیر پروگرام
(۴)	اشارات	اردو	یکم اگست ۱۹۳۱ء	مسلمانوں کو پھر طاقتور بنادینے کا واحد طریقہ اور لائحہ عمل
(۵)	قول فیصل	"	۱۵ر نومبر ۱۹۳۵ء	قوموں کا زوال اور اس کا علاج خاکسار تحریک کے پروگرام کی مکمل تشریح
(۶)	مقالات (جلد اول دوم)	"	جلد اول ۷ر جنوری ۱۹۳۷ء جلد دوم ۲ر ستمبر ۱۹۴۳ء	ہفت روزہ "الاصلاح" میں چھپے حضرت علامہ مشرقی کے وہ عظیم الشان مقالات جنہوں نے خاکسار تحریک کو ملک گیر کردیا
(۷)	مولوی کا غلط مذہب (مقالات)	"	۲۵ر ستمبر ۱۹۳۶ء تا ۲۸ر اگست ۱۹۳۸ء	مسلمانان عالم کے مذہبی اختلافات اور مولویوں کے بگڑے ہوئے مذہبی تخیل کا پر تحقیق اور ناقدانہ جائزہ
(۸)	صراط المستقیم	(تصویری البم)	۱۹۳۸ء	غلبہ اسلام، تحریک آزادی اور خدمت خلق کے لئے خاکسار تحریک کی جدوجہد کا تصویری البم
(۹)	خاکسار آئین	(انگریزی)	۲۵ر مارچ ۱۹۴۵ء اشاعت اکتوبر ۱۹۴۵ء	انگریزی اقتدار کا چیلنج کہ ایسا "سیاسی آئین" جس پر تمام عناصر متفق ہوں تو ہندوستان کو آزاد کردیں گے کو قبول کرتے ہوئے تحریر کیا۔

Marfat.com

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	سن اشاعت	بعنوان
(۱۰)	حریم غیب	اردو (نظم)	۲۷؍اکتوبر ۱۹۵۲ء	مذہب کا آخری مقصد
(۱۱)	دہ الباب	" (نظم)	۱۰؍نومبر ۱۹۵۲ء	مسائل زمین، فراحیات
(۱۲)	حدیث القرآن	" (نثر)	۳۰؍مئی ۱۹۵۱ء ۲۵؍نومبر ۱۹۵۲ء	مقصد پیدائش کائنات ○ مقام خدا مقام انبیاء۔ مقام الکتاب۔ مقام فطرت
(۱۳)	ارمغان حکیم	" (نظم)	۲۳؍نومبر ۱۹۵۲ء	غزل پر آخری کلام
(۱۴)	انسانی مسئلہ	انگریزی؍اردو	۱۹۵۵ء	بیس ہزار سائنسدانوں کے نام تسخیر کائنات کا عظیم الشان پیغام جس کے بعد وہ پیدائش کائنات اور تسخیر کائنات کی طرف رجوع ہوئے۔
(۱۵)	تکملہ (سیرت رسول اللہ ؐ)	اردو	۱۴؍مئی ۱۹۶۰ء جلد اول (جلد دوم)	اقرا باسم ربک الذی کی پہلی وحی سے الیوم اکملت لکم دینکم کی آخری وحی تک رسالت مآب ؐ کی ۲۳ برس کی مکی اور مدنی زندگی اور قرآن کی تشریح
(۱۶)	علم القرآن	"	زیر طبع	قرآنی آیات کا ترجمہ حضرت علامہ مشرقی کے قلم سے
(۱۷)	سیاہ کارلیڈرز	"	۴۶-۱۹۴۵ء	جس میں واضح طور پر بتلایا گیا ہے کہ موجودہ سیاہ کار لیڈر قوم کو دھوکہ دے کر کس طرح مفادات حاصل کرتے ہیں ان کی سیاہ کاریاں کیا ہیں؟
(۱۸)	قرآن الارض	"	۱۹۵۲ء	جس میں زمین کے موجودہ دس اہم مسئلوں اور ان کے حل کا انکشاف کیا گیا ہے۔
(۱۹)	قرآن حکیم کی مسلسل کہانی	"	۱۹۵۱ء	قرآن حکیم کی تعلیم کے ماحصل کو مسلسل طور پر سمجھنے کی تشریح مع قرآن کو سمجھنے کے لئے بلندی نگاہ کیا ہو؟
(۲۰)	بیگم کے نام خطوط	"	(غیر مطبوعہ)	بیگم سعیدہ علامہ مشرقی کے نام جیلوں سے قید کے دوران تحریر کردہ خطوط

Marfat.com

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	سن اشاعت	بعنوان
(۲۱)	خاکسار تحریک کا دستور العمل	اردو	یکم دسمبر ۱۹۳۶ء	جس نے لکھوکھہا انسانوں میں اخوت' اتحاد' جہاد اور خدمت خلق کا جذبہ پیدا کر کے محلوں کی سطح پر روزانہ بلالحاظ مذہب و تفریق ایک قطار میں کھڑا کر کے انقلاب برپا کر دیا۔
(۲۲)	مقالات مشرقی	"	۱۹۳۷ء تا ۱۹۶۳ء	قیام پاکستان سے قبل اور بعد کے مقالات' تقاریر اور دیگر تحریریں۔
(۲۳)	قرآن حکیم کی تعلیم کا خلاصہ	"	۱۹۵۱ء	اس میں نوع انسان کو اس کا مقام و مقصد بتایا گیا ہے اور فلسفہ تسخیر کائنات و لقائے رب کو تاریخ عالم میں پہلی بار قرآن حکیم کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔
(۲۴)	کشمیر اور علامہ مشرقی	"	۱۹۹۴ء	حضرت علامہ مشرقی کی کشمیر کے بارے میں تمام تجویزوں' کوششوں' تنبیہوں' حسابی اندازوں اور جدوجہد کو یکجا کر دیا گیا۔
(۲۵)	ارشادات علامہ مشرقی	اردو	۱۹۹۷ء	حضرت علامہ مشرقی کی تصانیف' خطبات اور مقالات کا اختصار۔

میری تصانیف کا مقصد اس قدر ہے کہ

قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی ادنیٰ سی عملی اور علمی آگ پاکستان کے زوال یافتہ مسلمان میں پیدا ہو جائے اور وہ آگے بڑھنے کے قابل ہو۔ یہی امید ہے جو مجھے کھینچے لئے جا رہی ہے اور کیا عجب کہ ایک گروہ یہاں یا کسی اور اسلامی ملک میں پیدا ہو جائے تو مسلمان کی بگڑی فوراً بن سکتی ہے۔ (حضرت علامہ مشرقی)

ناشر

التذکرہ پبلی کیشنز

المشرقی ہاؤس ۴۴ ذیلدار روڈ، اچھرہ لاہور ـــ ۵۴۶۰۰

فون نمبرز: ۴۱۱۲۲۸ ☆ ۴۱۵۱۱۶ - ۰۴۲ ○ فیکس: ۷۵۸۷۳۹۴

Marfat.com

وحرام علی قریۃ اھلکنھا انھم لا یرجعون (الانبیاء)

"اور جس قوم کو ہم نے ایک دفعہ ہلاک کر دیا اس کا پھر اُبھرنا محال ہے"

تذکرہ

بے شک یہ تذکرہ ایک عبرت ہے سو جو چاہے اس سے عبرت پکڑے

حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com